تفسیر ابن کثیر

تالیف رأس المفسرین

علامہ عماد الدین ابن کثیر

مترجم مولانا محمد صاحب جونا گڑھی

شمع بک ایجنسی

یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۱ تا ۶

چوتھا پارہ

جلد نمبر ۱ کا اختتام ہوا

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

نام ونسب: اسمٰعیل نام ابوالفدا کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔
اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع (حافظ ابوالمحاسن کے ذیل میں یہ لفظ ذال کے ساتھ چھپا ہوا ہے اور شذرات الذہب میں "زا" کے ساتھ) القیسی (حافظ ابن حجر کی درر کامنہ اور حافظ سیوطیؒ کے ذیل میں القیسی ہی مذکور ہے، لیکن حافظ ابن فہد کے ذیل میں بسلسلہ وفیات جہاں حافظ ابن کثیرؒ کے دونوں صاحبزادوں زین الدین عبدالرحمٰن اور بدرالدین محمد کی وفات کا ذکر آیا ہے دونوں جگہ القرشی لکھا ہے اور نواب صدیق حسن خان کی ابجد العلوم میں اور محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے مقدمہ میں بھی یہی مرقوم ہے) البصروی ثم الدمشقی آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

ہم نے اس تذکرہ کے مرتب کرنے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی ہے (۱) اختصار علوم الحدیث از حافظ ابن کثیرؒ مطبع ماجدیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ اس پر شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے حواشی اور تعلیقات ہیں اور شروع میں ان ہی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے جس میں "حیاۃ الامام ابن کثیر" کے عنوان سے پانچ صفحات میں امام موصوف کا تذکرہ لکھا ہے (۲) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن (۳) ذیل تذکرۃ الحفاظ از حافظ ابوالمحاسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ مطبوعہ دمشق (۴) الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ از عبدالقادر قرشی حنفی المتوفی ۷۷۵ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ (۵) الدرر الکامنہ فی اعیان المأۃ الثامنہ از حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ (۶) لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ از حافظ تقی الدین ابن فہد المتوفی ۸۷۱ھ (۷) ذیل طبقات الحفاظ از حافظ سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ دمشق (۸) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون از علامہ حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ مطبوعہ استنبول ۱۳۶۰ھ (۹) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از علامہ ابن العماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ (۱۰) البدر الطالع المحاسن من بعد القرن السابع از قاضی محمد بن علی شوکانیؒ المتوفی ۱۲۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ (۱۱) ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان قنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ (۱۲) تعلیقات بر ذیول تذکرۃ الحفاظ از علامہ محدث زاہد کوثری المتوفی ۱۳۷۱ھ۔

ولادت وتعلیم وتربیت: آپ کی ولادت (حافظ سیوطیؒ نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن العماد نے شذرات الذہب میں سنہ ولادت ۷۰۰ لکھا ہے اور حافظ ابوالمحاسن حسینی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور قاضی شوکانیؒ نے البدر الطالع میں ۷۰۱ھ بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنہ میں ۷۰۰ھ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے اور حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں یہ ۷۰۰ھ کے بعد یا اسی سنہ میں پیدا ہوئے) ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصری کے اطراف میں ایک قریہ ہے اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشو ونما ہوئی ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فزاری (معروف بابن فرکاح شارح تنبیہ المتوفی ۷۲۹ھ) اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہبہ سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ (مصنفہ شیخ ابو اسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ) کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنا دیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی (المتوفی ۶۴۶ھ) کی مختصر کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی شارح مختصر ابن

حاجب (المتوفی ۷۴۹ھ) سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطیؒ ذیل تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں ﴿ **سمع الحجار و الطبقة** ﴾ حجار (اس عہد کے بڑے نامور محدث گزرے ہیں) "مسند الدنیا" (دنیا کو بتانے والے) اور "رحلۃ الافاق" (جس کی طرف آفاق سے سفر کیا جائے) کہلاتے تھے ان کا درس ساری دنیا میں مشہور تھا دور دراز ممالک سے لوگ سفر کر کے آتے اور ان سے حدیث کی سند لے کر واپس ہوتے تھے ان کی کنیت ابو العباس لقب شہاب الدین اور نام احمد ہے حجار اور ابن الشحنہ عرف ہیں سلسلہ نسب یہ ہے 'احمد بن ابی طالب بن ابی النعم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان الدیر مقرنی ثم الصالحی حنفی المذہب تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الدرر الکامنہ میں اور حافظ شمس الدین ابن طولون نے (الغرض العلیہ فی ذیل الجواہر المضیہ میں) آپ کا بڑا مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔

آپ کے شیوخ اور مرویات بہت زیادہ ہیں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آپ نے اس قدر عمر طویل پائی کہ دادا سے لے کر پوتوں تک کو درس دیا۔ چنانچہ دمشق وغیرہ میں ستر بار سے زیادہ صرف بخاری کا درس دیا اور اپنا وہ اعزاز واکرام دیکھا کہ جس سے زیادہ ہو نہیں سکتا، حفاظ حدیث چن چن کر آپ سے حدیثیں سنتے اور دور دور سے سفر کر کے آتے اور اژدھام کئے رہتے تھے وفات سے ایک دن پہلے محب الدین ابن المحب نے آپ سے صحیح بخاری شروع کی دوسرے دن ظہر تک سلسلہ درس جاری رہا۔ عین ظہر کے قریب ۲۵ صفر ۷۳۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا اور اس طبقہ کے علماء سے آپ نے سماع حدیث کیا۔ حجار کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) عیسی بن المطعم (۲) بہاؤالدین قاسم بن عساکر المتوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الامدی المتوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف باابن سویدی المتوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبیؒ (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیر ازی المتوفی ۷۴۹ھ۔

لیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن مزی شافعی (مصنف تہذیب الکمال المتوفی ۷۴۲ھ) ہیں۔ حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بناء پر اپنی صاجزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا مدت مدید تک حاضر خدمت رہے، اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔ چنانچہ سیوطیؒ لکھتے ہیں ﴿ **وتخرج بالمزی ولازمه وبرع** ﴾ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دبوسی وانی 'غالباً حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم وانی حنفی المتوفی ۷۳۵ھ مراد ہیں حافظ سیوطیؒ نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبد القادر قرشی بھی حدیث میں ان کے شاگرد ہیں چنانچہ انہوں نے طبقات الحنفیہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو الامام المحدث کے القاب سے یاد کیا ہے اور ختنی (یہ مصر کے نامور محدث بدر الدین یوسف بن عمر ختنی حنفی ہیں) "مسند البلاد المصریہ" کہلاتے تھے علوم اسناد میں منفرد تھے، ۷۳۱ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی امام تقی الدین سبکی احمد دمیاطی اور حافظ عبد القادر قرشی کے فن حدیث میں استاد ہیں حافظ قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے) وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلت علمی: امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ، اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ علامہ ابن العماد حنبلی، ابن حبیب سے ناقل ہیں ﴿ **انتهت اليه رياس العلم فى التاريخ والحديث والتفسير** ﴾ ان پر تاریخ، حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہوگئی۔ اور مشہور مورخ علامہ ابوالمحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی، المنہل الصافی المستوفی بعد الوافی میں لکھتے ہیں ﴿ **وكان له اطلاع عظيم فى الحديث والتفسير والفقه والعربية** ﴾ حدیث، تفسیر، فقہ، اور عربیت میں ان کو بڑی معلومات

تھیں اور حافظ ابوالمحاسن حسینی فرماتے ہیں ﴿ وبرع فی الفقه والتفسير والنحو وامعن النظر فی الرجال والعلل ﴾ فقہ، تفسیر، اور نحو میں ماہر تھے اور رجال وعلل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی۔

خاص طور پر علم حدیث میں تو ان کا یہ پایہ ہے کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں چنانچہ حافظ ابوالمحاسن حسینی اور علامہ سیوطیؒ نے تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیل لکھے ہیں اس میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور خود امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخ حدیث اور رفقاء درس کا تعارف کرایا ہے ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ شعر و سخن کا بھی ذوق تھا لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی نمونہ کلام ملاحظہ ہو

﴿ تمر بنا الا یام تترى وانما نساق الى الاجال والعين تنظر ﴾

(دن پیاپے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکائے چلے جارہے ہیں)

﴿ فلا عائد ذاك الشباب الذى مضى ولا زائل هذا المشيب المكدر ﴾

(سواب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آسکتی ہے اور نہ یہ کدورت بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے)

دوسرے مصرعہ میں اگر ﴿ذاك الشباب﴾ کی بجائے ﴿صفو الشباب﴾ ہوتا تو بڑا بلیغ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین: حافظ زین الدین عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) سے کسی نے پوچھا کہ مغلطائی (مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں، حنفی تھے، حافظ ابن فہد اور حافظ سیوطیؒ نے اپنے اپنے ذیل میں ان کا تذکرہ لکھا ہے ۷۶۲ھ میں وفات پائی) ابن کثیر، ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیرؒ ہیں اور سب سے زیادہ طلب حدیث میں نکلنے والے اور موتلف و مختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے زیادہ شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں اور حافظ ذہبیؒ نے المعجم المختص میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے ﴿ الامام المفتى المحدث البارع فقيه متفنن ومحدث متقن مفسر ﴾ اور تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں ﴿ الفقيه المفتى المحدث ذى الفضائل ﴾ اور اس کے بعد لکھتے ہیں ﴿ وله عناية بالرجال والمتون والفقه خرج و ناظر وصنف وفسر وتقدم ﴾ ان کو رجال متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتناء ہے انہوں نے احادیث کی تخریج کی، مناظرہ کیا، تصنیف کی، تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے اور حافظ حسینی کے انکے بارے میں یہ الفاظ ہیں ﴿ الشيخ الامام العالم الحافظ المفيد البارع ﴾ اور حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں ﴿ الامام المحدث ذو الفضائل ﴾ اور علامہ ابن العماد لکھتے ہیں ﴿ الحافظ الكبير. ﴾ اور حافظ ابن حجی المتوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں ﴿احفظ من ادركناه لمتون الاحاديث واعرفهم بجرحها ورجالها وصحيحها وسقيمها وكان اقرانه وشيوخه يعترفون له بذلك وما اعرف انى اجتمعت به على كثرة ترددى اليه الا واستفدت منه ﴾ ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں ان کے معاصرین اور اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کر سکا ہوں اور حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی الرد الوافر میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں ﴿ الشيخ الامام العلامة الحافظ عماد الدين ثقة المحدثين عمد المؤرخين علم المفسرين ﴾ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (جن کے متعلق صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "ان کا قلم لوگوں کے اظہار معائب میں برا تھا اور زبان اچھی تھی کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی") اصل عبارت یہ ہے ﴿ كان قلم ابن حجرؒ سيئا فى مثالب الناس ولسانه حسنا وليته عكس ليبقى الحسن ضمن الجواهر والدرر ﴾ ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ ﴿ واشتغل بالحديث مطالع فى متونه ورجاله ﴾ حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہے تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ لکھ گئے ہیں ﴿ ولم يكن على طريق المحدثين فى تحصيل العوالى وتميز العالى من النازل ونحو ذلك من فنونهم وانما هو من

محدثی الفقهاء ﴾ یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی و نازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں محدثین کی طرح نہ تھے بلکہ یہ تو فقہاء کے محدث تھے۔

لیکن حافظ سیوطیؒ نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں ﴿ **قلت العمدة فی علم الحدیث معرف صحیح الحدیث وسقیمه وعلله واختلاف طرقه ورجاله جرحا وتعدیلا واما العالی والنازل ونحو ذالك فهو من الفضلات لا من الاصول المهمة** ﴾ میں کہتا ہوں کہ اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح و تعدیل سے واقفیت ہے رہا عالی (جس سند میں وسائط کم ہوں وہ عالی ہے اور جس میں زیادہ ہوں وہ نازل ہے فقہاء کا اصل کام ہے مسائل کا استنباط اس لئے ان کی نظر زیادہ تر متن حدیث پر ہوتی ہے اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے مسئلہ کیا نکلا۔ سند سے انہیں صرف اتنی بحث ہوتی ہے کہ اس میں جتنے لوگوں کے نام لئے جارہے ہیں بس وہ معتبر اور قابل قبول ہیں باقی رہی یہ بات کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں یا کم یہ چیز ان کی نظر میں چنداں اہم نہیں، لیکن ارباب روایت میں اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک واسطے کو کم کرنے کے لئے بھی سفر مستحسن ہے) و نازل وغیرہ سو یہ زوائد میں داخل ہیں نہ کہ اصول مہمہ میں اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں اگرچہ حافظ ابن کثیرؒ پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقات راوۃ اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کرسکتے ہوں بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہوسکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مزی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور التکمیل کے جمع کرنے پر لگے رہے اور حافظ ابن حجرؒ کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں جو فضل و کمال میں مشہور ہیں مورخین نے حافظ ابن کثیرؒ کے حافظہ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے ابن العماد لکھتے ہیں۔﴿ **كان كثير الاستحضار قليل النسيان جيد الفهم** ﴾ کہ ابن کثیرؒ زیادہ یاد رکھنے والے، کم بھولنے والے اور بہت سمجھ والے تھے۔

درس وافتاء، ذکر الٰہی، شگفتہ مزاجی: حافظ ابن کثیرؒ کی تمام عمر درس و افتا اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی حافظ ذہبیؒ کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدارس سے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے بڑے ذاکر شاغل تھے چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے ﴿ **امام ذی التسبیح والتهلیل** ﴾ طبیعت بڑی شگفتہ پائی تھی لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے اوصاف میں ﴿ **حسن الفاكهة** ﴾ کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی بڑا پر لطف مزاح کیا کرتے تھے غالبًا اسی قسم کا یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حافظ زین الدین عراقی جو فن حدیث (حافظ ابن فہد ذیل تذکرۃ الحفاظ میں حافظ عراقی کے ترجمے میں لکھتے ہیں ﴿ **اخذ علم الحدیث عن الشیخ علاء الدین ابن الترکمانی وبه تخرج وانتفع** ﴾ میں امام حافظ علاء الدین ابن الترکمانی حنفی (مصنف الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی) کے تلمیذ خاص اور ان ہی کے ساختہ پرداختہ تھے، شیخ الاسلام تقی الدین سبکی کے درس میں حاضر ہوئے تو شیخ الاسلام نے اپنے درس میں بڑی عظمت کے ساتھ ان کا ذکر کیا اور بڑے اہتمام سے ان کا تعارف کرایا اور ان کی معرفت واتقان کی بہت تعریف کی اس پر حافظ ابن کثیرؒ بولے کہ مجھے تو ان سے یہ بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماء مشمس (وہ پانی جو دھوپ سے گرم ہوگیا ہو) سے وضو کے بارے میں جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے اسی کو نکال سکیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق: اخیر میں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ کو اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی ابن تیمیہؒ سے متاثر تھے جن میں وہ جمہور سلف سے متفرد ہیں

چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں ﴿ **كانت له خصوصیة بابن تیمیة ومناضلة عنه واتباع له فی كثیر من ارائه وكان یفتی برایه فی مسئله الطلاق وامتحن بسبب ذلك واوذی** ﴾ ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف

سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں انکی اتباع کرتے تھے چنانچہ طلاق کے مسئلہ میں (شیخ ابن تیمیہؒ کی رائے میں اگر تین طلاقیں ایک ہی ساتھ دی جائیں تو وہ ایک شمار ہو گی) میں بھی انہی کی رائے پر فتوی دیتے تھے جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔

وفات: اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں

﴿ لفقدك طلاب العلوم تاسفوا　　وجادوا بلمع لا يبيد غزير ﴾

﴿ ولو مزجوا ماء المدامع بالدما　　لكان قليلاً فيك يا ابن كثير ﴾

شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متاسف ہیں اور اس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے اور اگر وہ آنسوؤں کے ساتھ خون بھی ملا دیتے تب بھی اے ابن کثیر تمہارے لئے یہ تھوڑا تھا) پسماندگان (میں دو صاحبزادے جو بڑے نامور ہوئے ہیں ایک زین الدین عبدالرحمٰن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی ہے اور دوسرے بدر الدین ابو البقاء محمد یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں انہوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ان دونوں) کا ذکر حافظ ابن فہد نے اپنے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات: آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حسن نیت کی برکت تھی کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو قبول عام اور شہرت دوام عطا ہوئی مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور ان کی قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے ذہبیؒ لکھتے ہیں ﴿ وله تصانيف مفيدة ﴾ ابن حجرؒ کہتے ہیں سند سادت تصانیفہ ﴿ في البلاد في حياته وانتفع الناس بها بعد وفاته ﴾ ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف شہر شہر جا پہنچیں اور ان کی وفات کے بعد لوگ ان سے نفع اندوز ہوتے رہے۔ اور شوکانیؒ لکھتے ہیں ﴿ وقد انتفع الناس بتصانيفه لاسيما التفسير ﴾ لوگوں نے ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر سے نفع اٹھایا۔ آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ **تفسیر القرآن الکریم:** جس کے متعلق حافظ سیوطیؒ تصریح کرتے ہیں کہ ﴿ لم ينولف على نمطه مثله ﴾ اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی اور محدث کوثری فرماتے ہیں:۔

﴿ هو من افيد كتب التفسير بالرواية ﴾ یہ تفسیر بالروایت میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔

تفسیر القرآن الکریم کی خصوصیت قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:۔

﴿ وقد جمع فيه فاوعى ونقل المذاهب والاخبار والاثار وتكلم باحسن كلام وانفسه ﴾ اس میں جمع کیا اور خوب محفوظ کر دیا، مذاہب نقل کئے احادیث لکھیں، آثار درج کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا مصنف اس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی روشنی میں کرتے ہیں پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کر کے ان کی اسانید ور جال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمتہ اللہ علیہم کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انہوں نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے بالغ نظر محدث ہی کی ضرورت تھی یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علمی خدمات میں صرف یہی ایک خدمت ہوتی تب بھی وہ ان کے فخر کے لئے کافی تھی۔ الحمد للہ یہ کتاب متداول ہے اور بارہا طبع ہو چکی ہے۔ یہ الفاظ اسی کتاب (تفسیر ابن کثیر) کے بارے میں ہیں جو آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ جس کو اب طبع کرنے کی سعادت حذیفہ اکیڈمی کے حصہ میں آئی۔ ﴿ الحمد لله على ذلك ﴾

۲۔ **البدایہ والنہایہ:** یہ فن تاریخ میں ان کی بیش بہا تصنیف ہے اور مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اس میں ابتداء کائنات سے لے

کر احوال آخرت تک درج ہیں پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور امم ماضیہ کا ذکر ہے پھر سیرت نبویہ کا بیان ہے اور اس کے بعد خلافت راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے پھر اشراط الساعۃ اور احوال آخرت کا بیان ہے اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب، مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ﴿ **اعتمد فی نقله علی النص من الکتاب والنس فی وقائع الالوف السالف ومیز بین الصحیح والسقیم والخبر الا سرائیلی** ﴾ وغیرہ گذشتہ ہزارہا سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے اور صحیح ضعیف اور اسرائیلی روایات وغیرہ کو جدا کر دیا ہے۔

مورخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں ﴿ **هو فی غای الجود** ﴾ یہ نہایت ہی خوب ہے امام علامہ حافظ بدر الدین محمود عینی حنفی شارح بخاری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کا اختصار بھی کیا ہے کشف الظنون میں ہے کہ محمود بن محمد بن دلشاد نے البدایہ والنہایہ کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں درج ہیں سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ کتاب میں درج ہونے سے رہ گیا ہے اس میں مصنفؒ کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات آ گئے ہیں۔ پاکستان میں اس کا اردو زبان میں (تاریخ ابن کثیر) ترجمہ وطبع ہو چکا ہے۔

۳۔ **التکمیل فی معرفة الثقات والضعفاء والمجاہیل:** صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کا نام ﴿ **التکملة فی اسماء الثقات والضعفاء** ﴾ لکھا ہے لیکن خود مصنف نے البدایہ والنہایہ اور اختصار علوم الحدیث میں یہی نام لکھا ہے یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فن رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے اس میں مصنفؒ نے حافظ مزی کی تہذیب الکمال اور حافظ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال کو جمع کر دیا ہے اور جابجا اپنی طرف سے اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں خود مصنفؒ کی رائے اس کتاب کے بارے میں یہ ہے ﴿ **هو انفع شیئی للفقیه البارع وکذالك للمحدث** ﴾ یہ ان چیزوں میں ہے کہ جو ماہر فقیہ اور اسی طرح ایک محدث کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہے۔

۴۔ **الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن:** یہی کتاب ہے جو "جامع المسانید" کے نام سے مشہور ہے مصنف نے اس میں مسند امام احمد ابن حنبلؒ، مسند بزار، مسند ابی یعلی، مسند ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے محدث کوثری لکھتے ہیں ﴿ **هو من انفع کتبه** ﴾ یہ انکی تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ یہ کتاب بھی عربی میں طبع ہو کر مارکیٹ میں آ گئی ہے۔

۵۔ **طبقات الشافعیہ:** اس میں فقہاء شافعیہ کا تذکرہ ہے اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبد الرزاق حمزہ نے شیخ حسین باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ معظمہ میں مجلس شوری کے رکن تھے۔ یہ کتاب بھی عربی میں طبع ہو کر آ چکی ہے۔

۶۔ **مناقب الشافعی:** یہ رسالہ امام شافعیؒ کے حالات میں ہے مصنف نے اس کا ذکر البدایہ والنہایہ میں امام شافعیؒ کے تذکرہ میں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے صاحب کشف الظنون نے اس رسالہ کا نام الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس لکھا ہے۔

۷۔ **تخریج احادیث ادلتہ التنبیہ:**

۸۔ **تخریج احادیث:** مختصر ابن الحاجب التنبیہ اور مختصر یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جنکو مصنفؒ نے عہد طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ ان دونوں کتابوں میں کتب حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے

۹۔ **شرح صحیح بخاری:** اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی مگر ناتمام رہ گئی کشف الظنون میں ہے کہ صرف ابتدائی حصے کی شرح ہے مصنفؒ

نے اس کا ذکر اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے

۱۰۔ الاحکام الکبیر: یہ کتاب بہت بڑے پیمانہ پر احادیث احکام میں لکھنی شروع کی تھی مگر کتاب الحج تک لکھ سکے تمام نہ کر سکے مصنفؒ نے اختصار علوم الحدیث میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ اختصار علوم الحدیث: نواب صدیق حسن خان نے منہج الوصول فی اصطلاح احادیث الرسول میں اس کا نام الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث لکھا ہے یہ علامہ ابن صلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" معروف بہ مقدمہ ابن الصلاح کا جو اصول حدیث میں ہے اختصار ہے مصنفؒ نے اس میں جا بجا مفید اضافے کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں ﴿ وله فيه فوائد﴾ اس کتاب میں حافظ ابن کثیرؒ کے بہت سے افادات ہیں۔

۱۲۔ مسند الشیخین: اس میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے۔ مصنفؒ نے اختصار علوم الحدیث میں اپنی ایک تصنیف مسند عمرؓ کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔ السیرۃ النبویہ: یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے

۱۴۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول: یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔

مصنفؒ نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۂ احزاب کے اندر غزوہ خندق کے بیان میں کیا ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔ یہ کتاب الفصول فی سیرۃ الرسول کے نام سے عربی اور اردو میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۵۔ کتاب المقدمات: اس کا ذکر مصنفؒ نے اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے۔

۱۶۔ مختصر کتاب المدخل للبیہقی: اس کا ذکر بھی اختصار علوم الحدیث کے مقدمہ میں کیا ہے

۱۷۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد: جب فرنگیوں نے قلعہ ایاس کا محاصرہ کیا اس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا ہے یہ رسالہ مصر سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ رسالہ فی فضائل القرآن: یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع ہو چکا ہے

۱۹۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ: کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ طبرانی کی معجم اور ابو یعلی کی مسند سے زوائد بھی درج کئے تھے۔ امام ابن کثیرؒ کی تمام تصانیف میں یہ خوبی عیاں ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں عبارت سہل اور پیرایۂ بیان دلکش ہوتا ہے۔

﴿ ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انك رؤف الرحيم ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O لا الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِO ﴾ اور جگہ فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن کریم نازل کیا۔ جس میں کوئی کجی نہیں۔ جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو خبر دار کر دے۔ اور جو لوگ ایمان لا کر نیک اعمال کرتے ہیں انہیں ان کے بہترین اور ہمیشگی والے بدلہ کی خوش خبری سنا دے۔ اور جو لوگ اپنے جاہل باپ دادا کی سنی سنائی باتوں پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں انہیں بھی چوکنا کر دے کہ یہ بہت بڑی جسارت اور محض جھوٹی بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے۔ اے نبی! تم ان کے پیچھے اپنی جان میں گھن نہ لگاؤ۔

جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کیا اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کو بھی اپنی حمد سے شروع کیا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴾ یعنی سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اندھیرے واجالے کو پیدا کیا۔ لیکن کفار باوجود اس کے بھی اللہ کا شریک ٹھیراتے ہیں۔ اسی طرح مخلوق کا خاتمہ بھی اپنی حمد وثنا پر کیا۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO ﴾ یعنی "تو دیکھے گا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ اور اپنے رب کی حمد وثناء تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہوں گے۔ فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہو گا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہیں" اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O ﴾ یعنی وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اسی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ O ﴾ یعنی سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی ملکیت ہیں۔ آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے وہی حکمت والا اور خبر دار ہے۔ اول آخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا۔ وہ ان سب میں تعریفوں والا ہے۔ جیسے کہ نمازی ﴿ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ کے بعد کہتا ہے ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْاَ الْاَرْضِ وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ﴾ "اے اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ آسمان وزمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے" اسی لئے جنتی لوگ بھی حمد وثنا کا الہام کئے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اسکی تسبیح ادا ہوتی رہے گی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کی زبردست سلطنت اور اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے ہمیشگی والے احسانات ان کے پیش نظر ہوں گے اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِO دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO ﴾ یعنی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کے ذریعہ ان نعمت والے باغوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کی آواز ﴿ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ﴾ اور آپس میں سلام کا تحفہ ہو گا اور آخری پکار ان کی یہی ہو گی کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حجت مکمل ہو گئی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَرْسَلَ رُسُلَهٗ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ یعنی "اللہ ہی کے لئے تعریف ہے جس نے اپنے رسولوں کو خوش خبریاں دینے والے اور خبر دار کرنے والے بنا کر بھیجا۔ تاکہ رسولوں

کے آجانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے" ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی مکی ﷺ پر ختم کیا۔ جو سب سے زیادہ واضح راہ کی ہدایت کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات وانسان ہیں ان سب کی طرف آپ ﷺ کی رسالت ہے جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً ﴾ الخ اے نبی! تم کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ اللہ جو آسمان اور زمین کا مالک ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اے لوگو! تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جو نبی ہے امی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوگو! انہی کی پیروی میں تمہاری ہدایت ہے" اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ "تاکہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں کلام اللہ پہنچے" پس جس عربی عجمی، کالے گورے، انسان کو یہ قرآن پہنچا آنحضرت ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ یعنی "اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے" پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے ﴿ فَذَرْنِىْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ یعنی تم ان جھٹلانے والوں کو اور مجھ کو چھوڑ دو۔ میں انہیں اس طرح بتدریج پکڑوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "میری پیغمبری عام ہے۔ ہر سرخ وسیاہ کی طرف میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں" مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی کل جن وانس کی طرف' پس آنحضرت ﷺ تمام انسان اور جنات کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں سب کو اللہ کریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ ﷺ پہنچانے والے ہیں جس کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ کا نازل کیا ہوا ہے۔

دعوت غور وفکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کردی ہے' فرمایا کہ تم کیوں قرآن میں تدبر اور غور وفکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔ اور جگہ فرمایا "اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تاکہ لوگ اس میں غور وخوض کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں" اور جگہ فرمایا "یہ لوگ قرآن کے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں"۔

دنیا کے طالب علماء کا انجام: پس علماء پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کریں اور سیکھیں اور سکھائیں اور لوگوں کی صحیح راہنمائی کریں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا ہے کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں چھپائیں نہیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے۔ ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے" اور جگہ فرمایا "جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی رقم کے بدلے بیچتے پھریں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات تک نہ کرے گا۔ نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے" پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے اکٹھا کرنے میں مشغول ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا پروردگار نے ان کی مذمت بیان کی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسا نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے۔ بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام اللہ کی تعمیل میں بدل وجان لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے' سکھانے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ مسلمانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے (اور جو ان کی طرف حق آیا ہے اس سے) ان کے دل کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی لیکن کچھ زمانہ گزرتے ہی ان کے دل سخت ہوگئے اور اکثر لوگ نافرمان ہوگئے۔ جان لو کہ مردہ زمین کو نئی زندگی دینا اللہ ہی کا کام ہے ہم نے تو تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے اپنی آیات بیان کردیں" ان دونوں آیات کے ترجمے میں غور کرو کس لطافت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی

طرح ایمان وہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں نرم پڑ جایا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر جواد و سخی سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے۔ آمین۔

تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے: سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔ بلکہ حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے "ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے کر سکو خبردار! تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار مت بننا" اور جگہ ارشاد ہوتا ہے "ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب اتاری ہے کہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کر دیا کرو۔ یہ کتاب ایمانداروں کے لئے ہدایت و رحمت (کا باعث) ہے" ایک اور مقام پر فرماتا ہے "ہم نے اس کے ذکر کو تیری طرف اس لئے اتارا ہے کہ تم اسے لوگوں کو کھول کھول کر پہنچا دو تاکہ وہ غور کر سکیں"

حدیث کی اہمیت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "میں قرآن بھی دیا گیا ہوں اور اسی طرح کے مثال ایک اور چیز بھی اسی کے ساتھ دیا گیا ہوں اس سے مراد سنت ہے۔ یہ یاد رہے کہ احادیث بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن بذریعہ وحی الٰہی اترا اسی طرح حدیث رسول ﷺ بھی وحی اللہ ہے۔ مگر قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ امام شافعیؒ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہؒ نے اسے دلائل سے خوب ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقعہ نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر پہلے خود قرآن اور پھر حدیث سے کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی جانب بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو کہا سنت رسول اللہ ﷺ سے کہا اگر اس میں نہ پاؤ تو کہا اب اجتہاد کروں گا۔ حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے" یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور سند بھی اس کی بہت عمدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ثبوت موجود ہے۔

اقوال صحابہ کی اہمیت: اس بناء پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہو سکتا ہے وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے۔ علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ صحیح علم اور نیک عمل انہیں حاصل تھا۔ بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بھی بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے جیسے چاروں امام جو خلفاء تھے جو رشد وہدایت والے تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ، حضرت علیؓ اور جیسے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت عبداللہؓ سے تو مروی ہے فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم میں کوئی مجھ سے زیادہ ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہیں پڑھتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی تابعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جن سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل حضور ﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی کو سیکھا! انہی میں سے ایک حبر البحر حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں حضور ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور کہا تھا ﴿ **اللّٰھُمَّ فقھه فی الدین وعلمه التاویل** ﴾ "اے اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم بھی نصیب کر" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے "قرآن

کے بہترین ترجمان (حضرت) عبداللہ بن عباسؓ ہیں" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجئے کہ ان کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہو گی۔ حضرت ابو وائلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر حج مقرر ہوئے تھے آپ نے اپنے خطبہ میں سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر کفار ترک و دیلم بھی سن لیتے تو قطعاً مسلمان ہو جاتے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورۂ نور کی تفسیر فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبری اپنی تفسیر میں انہی دونوں بزرگوں کی اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ بزرگ جو روایت لے لیا کرتے ہیں اسے بھی وہ بیان کر دیتے ہیں۔

بنی اسرائیلی روایات کی اہمیت: بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی پائی تھیں۔ ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مد نظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایات صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں۔ خود ان سے مسائل ثابت نہیں ہو سکتے۔ روایات بنی اسرائیل تین قسم پر ہیں۔

۱۔ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق بنو اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔

۲۔ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو، اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۳۔ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب اس لئے کہ ہمارے ہاں نہ تو کوئی ایسی روایت ہے جس کی مطابقت کی وجہ سے ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت ہے جو اس کے مخالف ہو اور اس بناء پر ہم اسے جھوٹ اور غلط کہہ سکیں۔ لہذا یہ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں، نہ انہیں غلط کہیں نہ صحیح سمجھیں۔ البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے۔ اور یہ روایات ہیں بھی ایسی جن میں ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ باوجود اس کے ایسی باتوں میں خود اہل کتاب میں بھی بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے ان روایات کو لینے والے مفسرین میں ایسے ہی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اصحاب کہف کے نام ان کے کتے کا رنگ، ان کی گنتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور پھر رب تعالیٰ کے حکم سے وہ جی اٹھے، وہ پرندے کون کون سے تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا تھا۔ وہ ٹکڑا کونسا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ اور وہ کونسا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ اس کی تعیین میں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی۔ ہاں البتہ یہ بات ہے کہ اس اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ خود قرآن نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل کیا ہے فرماتا ہے ﴿ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلاَ ثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ الخ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہتے ہیں کہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔ اے نبی! تم کہدو کہ ان کی گنتی کو میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے۔ تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو۔ یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہمیں ایسے مقام پر کیا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے۔ دو کو تو ضعیف قرار دیا اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی رد کر دیا جاتا پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے

سکتا۔ پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں پریشان ہو، تم یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں پھر اس کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟

اسی طرح ان سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیئے جائیں۔ صحیح غیر صحیح پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بیکار کام میں پڑ کر کوئی شخص کار آمد شغل سے رک نہ جائے۔ جو شخص اختلاف نقل کرنے میں تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا۔ اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کئے بغیر چھوڑ دے اس نے بھی غلطی تقصیر کی۔ اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے پھر تو وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کرے تو پھر وہ خطاکار ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو بہت سارے اقوال اختلافی نقل کر دے یا ایسے اختلافات نقل کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یوں ہی معمولی سارہ جاتا ہو اس نے بھی اپنے قیمتی وقت کو بیکار ضائع کیا اور نہ کرنے کا کام کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دو چھوٹے کپڑے پہن لے۔ بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

فصل **تفسیر کا آخری طریقہ:** جب کسی آیت کی تفسیر قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ تینوں میں نہ ملے تو اکثر آئمہ دین نے کہا ہے کہ ایسے موقعہ پر تابعین کی تفسیر لی جائے، جیسے مجاہد بن جبرؒ (جو تفسیر میں باری تعالیٰ کی ایک نشانی تھے) جو فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن سیکھا اور سمجھا۔ ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر سمجھ سمجھ کر پڑھا۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں خود میں نے حضرت مجاہدؒ کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لے کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت کر کے تحریر فرماتے۔ پورے قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل کی۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا تو فرمان تھا کہ مجاہدؒ کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اسکی ٹٹول کرنا بے سود ہے، بس ان کی تفسیر کافی ہے۔ حضرت مجاہدؒ کی طرح حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مولی تھے، اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ حضرت حسن بصریؒ حضرت مسروق ابن اجدعؒ حضرت سعید بن مسیبؒ حضرت ابوالعالیہؒ حضرت ربیع بن انسؒ حضرت قتادہؒ اور حضرت ضحاک بن مزاحمؒ وغیرہ تابعین تبع تابعین اور ان کے بعد والوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کئے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی، کسی نے اس کی نظیر سے کسی نے خود اس چیز کو ہی بیان کر دیا۔ پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہو لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ عقلمند کو چاہیئے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے ﴿وَاللّٰہُ الْھَادِیْ﴾ شعبہ بن حجاجؒ کہتے ہیں کہ جب تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ شعبہؒ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان کا اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں۔ لیکن ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں اختلاف کے وقت نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے۔ نہ غیروں پر اس وقت لغت قرآن اور حدیث اور عام لغت عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تفسیر بالرائے: ہاں صرف رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیا یا جہالت سے کچھ کہدیا اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنالی، ابن جریر ترمذی اور ابوداؤد میں یہ حدیث ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا

ہے یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہیں حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا اس نے خطا کی (ابن جریرؒ) ابوداؤد' ترمذی' اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے کلام بھی کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات بھی کہدی تو پھر بھی وہ خطاکار ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور اس چال چلا جس چال چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ پس اگرچہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل گئی پھر بھی وہ خطاکار ہے اس لئے کہ کام کو کام کے طریقہ پر اس نے نہیں کیا۔

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو پھر فیصلے کرنے بیٹھ جائے۔ اسے جہنمی کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن ہے خطاکار وَاللّٰهُ اَعْلَمْ. دیکھیے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا اور اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا' وَاللّٰهُ اَعْلَمْ

تفسیر میں اسلاف: یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلاعلم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان ہے مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا﴾ کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کونسا آسمان سایہ دے گا اور کونسی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ منبر پر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں ﴿ فَاكِهَةً ﴾ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ آب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اے عمر اس تکلیف میں کیوں پڑو؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم (حضرت) عمر ابن خطابؓ کے پاس تھے آپ کے قمیض کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے آپ نے اس آیت ﴿ وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴾ کی تلاوت کی اور کہا کہ "اب" کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب یہ ہے کہ آب کا معنی تو معلوم ہے یعنی چارہ زمین کی پیداوار لیکن اس کی کیفیت کا کھلا ہوا علم نہیں اسی آیت میں موجود ہے ﴿ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا ﴾ یعنی ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگا دیئے۔

ابن جریرؒ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا؟ آپ نے فرمایا اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے وہ کیا؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے مفسر نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط سے کام لیا کہ جو بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہؓ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیبؒ نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے اگر تم یہاں سے چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن میں کچھ نہیں کہتے۔ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔ قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ پر قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں۔ یعنی (حضرت) عکرمہؒ یزید بن ابویزیدؒ کہتے ہیں ہم حضرت سعید بن مسیبؒ سے حلال و حرام کے مسائل پوچھتے تھے۔ آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے لیکن جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو ایسے خاموش

ہو جاتے گویا سنا ہی نہیں۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؒ فرماتے ہیں میں نے مدینہ کے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھجھکتے تھے، جیسے حضرت سالم بن عبد اللہؒ قاسم بن محمدؒ سعید بن مسیبؒ نافعؒ وغیرہ۔ حضرت ہشامؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عروہؒ کو کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔

عبید اللہ سلمانیؒ سے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں وہ تو اس دنیا کو خالی کر گئے اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادے رہو۔ حضرت مسلم بن یسارؒ فرماتے ہیں جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس میں سخت احتیاط کرتے تھے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں گو میں نے قرآن کریم کی ایک آیت کا علم حاصل کر لیا ہے تاہم میں کہتے ہوئے جھجھکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنی ہے حضرت مسروقؒ کا قول ہے کہ تفسیر میں بیحد احتیاط کرو تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنی ہے۔ ان تمام اور ان جیسے اور آثار صحیحہ کا جو ائمہ سلف سے منقول ہیں یہ مطلب ہے کہ یہ علماء کرام ہرگز ہرگز بغیر علم کے قرآن کے معنی مطلب میں لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لئے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کانپتے رہا کرتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے تھے اور کہتے اس جگہ تھے جہاں کا علم ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں۔ بے علمی کے وقت چپ رہنا اور علم کو بیان کرنا۔ قرآن فرماتا ہے ﴿ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾ یعنی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ باوجود جاننے کے اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی انہی آیات کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرائیل علیہ السلام سمجھا جائیں لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر (جو محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی کے لڑکے ہیں) ان کی بابت حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابو الفتح ازدیؒ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ایسی آیات کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام معلوم کرا دیئے جاتے تھے۔ امام جعفرؒ نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں اس کا ماحصل بھی یہی ہے اور یہی معنی بند بھی بیٹھ سکتے ہیں_ اس لئے کہ قران میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علماء کو ہے۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں کہ جن کے معنی مطلب اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

تفسیر کی اقسام: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ کلام عرب سے معلوم ہو جاتی ہے۔ ۲۔ جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں۔ ۳۔ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں۔ ۴۔ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے حلال و حرام کی آیات جن سے اگر کوئی ناواقف رہا تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا۔ جسے عرب بیان کریں۔ جو ذی علم جان سکے۔ ۴۔ متشابہ آیات جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں جو لوگ اس کے جاننے کا

دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں وہ متروک الحدیث ہیں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو واللہ اعلم

معلومات قرآن کے چند گوشے: حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء' سورۂ مائدہ' سورۂ براۃ' سورۂ رعد' سورۂ نحل' سورۂ حج' سورۂ نور' سورۂ احزاب' سورۂ محمد' سورۂ فتح' سورۂ حجرات' سورۂ رحمٰن' سورۂ حدید' سورۂ مجادلہ' سورۂ حشر' سورۂ ممتحنہ' سورۂ صف' سورۂ جمعہ' سورۂ منافقون' سورۂ تغابن' سورۂ طلاق' سورۂ تحریم' سورۂ زلزال' اور سورۂ نصر' یہ سب سورتیں تو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور باقی تمام سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار ہیں۔ اس سے اوپر اختلاف ہے۔ بعض تو اس پر زیادہ نہیں بتاتے۔ بعض دو سو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دو سو چودہ آیتیں۔ بعض دو سو انیس۔ بعض دو سو پچیس۔ بعض دو سو چھبیس۔

قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ حروف کی گنتی کی نسبت حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔ فضل ابن عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ کل حروف تین لاکھ تینتیس ہزار پندرہ ہیں۔ حجاج نے اپنے زمانہ میں قاریوں' حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کی گنتی کر کے مجھے بتاؤ تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔

پھر حجاج نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورۂ کہف میں ﴿**وَلْيَتَلَطَّفْ**﴾ کی "ف" پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے

اور سورۂ برات کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے۔ اور دوسری تہائی سورۂ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک۔

اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے یعنی قرآن کریم کو سات منزلوں پر تقسیم کیا جائے تو پہلی منزل ﴿**صَدَّ**﴾ کی "د" پر ختم ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے ﴿ **فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ** ﴾ اور دوسری منزل ﴿**حَبِطَتْ**﴾ کی "ت" پر ختم ہوتی ہے جو سورۂ اعراف کی آیت ﴿ **اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ** ﴾ میں ہے اور تیسری منزل ﴿ **اُكُلُهَا** ﴾ کے آخری "ا" پر جو سورۂ رعد میں ہے اور چوتھی منزل ﴿**جَعَلْنَا**﴾ کے "ا" پر جو سورۂ حج کی آیت ﴿ **جَعَلْنَا مَنْسَكًا** ﴾ میں ہے اور پانچویں منزل ﴿ **مُؤْمِنَةٍ** ﴾ کی "ۃ" پر جو سورۂ احزاب میں آیت ﴿ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ** ﴾ میں ہے اور چھٹی منزل السوء کی "و" پر جو سورۂ فتح کی آیت ﴿ **الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ** ﴾ میں ہے اور ساتویں منزل قرآن کے اختتام پر ہے۔

ابو محمد سلام حمانیؒ کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورۂ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورۂ کہف کے لفظ ﴿**وَلْيَتَلَطَّفْ**﴾ کے "ت" پر اور پونا سورہ زمر کے خاتمہ پر اور پورا اختتام قرآن پر۔ شیخ ابو عمرو دانی نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزاء تو مشہور تو تیس پارے ہیں۔ اور ایک حدیث میں صحابہ کرام کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے۔

مسند احمد سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ کی حیات میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا گیا کہ آپ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ پہلی تین سورتوں کی ساتویں منزل پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل۔ پھر ان کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل۔

پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل۔اور مفصل کی یعنی سورۂ ﴿ ق ﴾ سے لے کر آخر تک کی ایک منزل۔

﴿ **فصل** ﴾ سورت کی لفظی بحث کے بیان میں بعض تو کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی بلندی کے ہیں۔ چنانچہ نابغہ کے ایک شعر میں سورت کالفظ اس معنی میں آیا ہے تو اس معنی کا قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہو گا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے۔ اسی لئے شہر پناہ کو عربی میں ﴿**سورہ**﴾ کہتے ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں اسارہ کہتے ہیں اور سورۂ کالفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورۂ بھی قرآن کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہوتی ہے۔ ہمزہ کی تخفیف کر دی گئی' پھر ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۂ کے معنی تمام و کمال کے ہیں۔ پوری اونٹنی کو عربی زبان میں اسی لئے سور کہتے ہیں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کو عربی میں اس لئے سور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کر لیتا ہے اور انہیں جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کر لیتی ہے اور ان کا احاطہ کر لیتی ہے اس کو بھی سورۂ کہتے ہیں۔ سورت کی جمع سور آتی ہے اور کبھی ﴿سُوْرَاتٌ﴾ اور ﴿ سُوَارَاتٌ ﴾ بھی آتی ہے۔

آیت کی تشریح آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول 'آخر سے جدا ہو جاتا ہے اس لئے اسے آیت کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے۔ارشاد ہے ﴿اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ ﴾ یعنی اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت۔اسی طرح نابغہ کے شعر میں بھی آیت اسی معنی میں ہے۔اور آیت کے معنی جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں۔ عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے چونکہ آیت بھی حروف کی ایک جماعت اور گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں۔اور آیت کے معنی عجب کے بھی ہیں۔چونکہ یہ عجیب چیز ہے معجزہ ہے تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے۔اس لئے بھی اسے آیت کہتے ہیں۔ سیبویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ ﴿ اَيَيَةٌ ﴾ تھا جیسے ﴿ اكَمَةٌ ﴾ اور ﴿شَجَرَةٌ﴾ پہلی ''ی'' عربی کے قاعدہ کے مطابق الف بن گئی۔ کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل ﴿ اٰيِيَةٌ ﴾ تھی جیسے ﴿ آمِنَةٌ ﴾ ی الف ہو گئی اور التباس کی وجہ سے گر گئی۔ فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ﴿ اَيَّةٌ ﴾ تھا پھر تشدید کی وجہ سے الف بدل دیا گیا ﴿ اٰيَةٌ ﴾ ہو گیا۔ آیت کی جمع ﴿آی آيای آيات ﴾ آتی ہے۔

کلمہ کی تشریح: کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو' کبھی تو اس کے دو ہی حروف ہوتے ہیں جیسے ﴿ مَا ﴾ اور ﴿ لَا ﴾ اور ﴿ لَهٗ ﴾ وغیرہ اور کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دس حروف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ اور ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ اور ﴿فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ﴾ اور کبھی ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے ﴿وَالْفَجْرِ﴾ اور ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ اور ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اور اسی طرح ﴿الٓمّٓ ﴾ اور ﴿ طٰهٰ ﴾ اور ﴿يٰسٓ﴾ اور ﴿ حٰمٓ ﴾ کوفیوں کے قول ہیں اور ﴿ حٰمٓ عٓسٓقٓ ﴾ ان کے نزدیک دو ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمے نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں۔ابو عمرو دانی فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴾ کے جو سورۂ رحمٰن میں ہے اور کوئی نہیں۔

﴿ **فصل** ﴾ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ عجمی نام ہیں جیسے ابراہیم 'نوح 'لوط' اور اختلاف کیا ہے کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی کچھ عجمی ہے؟ تو باقلانی اور طبری نے تو صاف انکار کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ عجمیت کے مطابق جو ہے وہ حقیقت میں عربی ہی ہے لیکن موافقت ہے۔

تفسیر سورہ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ فاتحہ کے نام: اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔ فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے کو چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی ہے اس لئے اسے سورۂ فاتحہ کہتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ نماز میں قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی کا نام ﴿ اُمُّ الْكِتَابِ ﴾ بھی ہے۔ جمہور یہی کہتے ہیں حسن ؒ اور ابن سیرین اس کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام "ام الکتاب" ہے اور حسن ؒ کا قول ہے کہ آیات کو "ام الکتاب" کہتے ہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ پوری سورت تک یہی سورت "ام القرآن" ہے 'ام الکتاب ہے' "سبع مثانی" ہے اور "قرآن عظیم" ہے۔ اس سورۃ کا نام "سورۃ الحمد" اور "سورۃ الصلوٰۃ" بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوٰۃ کو (یعنی سورۂ فاتحہ کو) اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھا تقسیم کر دیا ہے جب بندہ کہتا ہے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی پوری حدیث تک۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نام سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے۔ اس سورت کا نام سورۃ الشفا بھی ہے۔ دارمی میں حضرت ابوسعید ؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے اور اس کا نام "سورۃ الرقیہ" بھی ہے۔

حضرت ابوسعید ؓ نے جب سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا اور وہ اچھا ہو گیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے۔ ابن عباس ؓ اسے "اساس القرآن" کہتے تھے یعنی قرآن کی جڑ' اور اس سورت کی آیت ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ہے سفیان ابن عینیہ ؒ فرماتے ہیں اس کا نام "رقیہ" ہے یحییٰ بن کثیر ؒ کہتے ہیں کہ اس کا نام "کافیہ" بھی ہے اس لئے کہ یہ اپنے ماسوا سے کفایت کرتی ہے اور دوسری کوئی سورت اس سورت سے کفایت نہیں کرتی۔ بعض مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ اسے سورۃ الصلوٰۃ اور سورۃ الکنز بھی کہا گیا ہے' زمخشری ؒ کی تفسیر کشاف دیکھئے۔ ابن عباس ؓ قتادہ ؒ اور ابوالعالیہ ؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ مجاہد ؒ عطاء بن یسار ؒ اور زہری ؒ فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لئے کہ دوسری آیت میں ہے ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ﴾ یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات دہرائی جانے والی دی ہیں' واللہ اعلم۔

ابواللیث سمرقندی ؒ کا ایک قول قرطبی ؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور آخری آدھا حصہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ لیکن یہ قول بالکل غریب ہے اس کی نسبت اتفاق ہے کہ سات ہیں۔ لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفری نے چھ بھی کہی ہیں' اور یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ تمام کوفی قاری اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کی ایک جماعت اور سابقہ بہت سارے بزرگ تو اسے سورۂ فاتحہ کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں۔ بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض سرے سے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں۔ جیسے کہ مدینہ کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں۔ اس کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی۔

اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں۔ امام بخاری "کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ام الکتاب اس سورت کا نام اس لئے ہے کہ قرآن کریم کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور نماز کی قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن کے مضامین اجمالی طور پر اس میں ہیں اس لئے اس کا نام ام الکتاب ہے۔ اور عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جڑ کو جس کی شاخیں اور اجزا اسی کے تابع ہوں ام کہتے ہیں۔ دیکھئے ام الراس وہ اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے۔ اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں ام کہتے ہیں۔ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ مکہ کو ام القری کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ہے اور سب کا جامع ہے۔ زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے۔ چونکہ اس سے نماز کی قرات شروع ہوتی ہے اور قرآن کے لکھنے کے وقت بھی صحابہ نے اسی کو پہلے لکھا اس لئے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک صحیح نام "سبع مثانی" بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے۔ اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے' واللہ اعلم۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا یہ ام القرآن ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے یہی ام القرآن ہے یہی فاتحۃ الکتاب اور یہی سبع مثانی ہے۔ تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ کی سات آیات ہیں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ بھی ان میں سے ایک آیت ہے اسی کا نام سبع مثانی ہے یہی قرآن عظیم ہے یہی ام الکتاب ہے' یہی فاتحۃ الکتاب ہے۔ دار قطنی میں بھی اسی طرح کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دار قطنیؒ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی ساتویں آیت ہے۔ اور بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن مسعودؓ سے کہا گیا کہ آپ نے سورت فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں لکھتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا۔ ابو بکر بن ابو داؤدؒ فرماتے ہیں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے۔ اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے اس لئے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دلائل النبوۃ میں امام بیہقیؒ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی۔ باقلانیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ ﴾ نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ

سورہ فاتحہ کے فضائل: مسند احمد میں حضرت ابو سعید بن معلیٰؓ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں نے کوئی جواب نہ دیا جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اب تک کس کام میں تھے؟ میں نے کہا حضور ﷺ! میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾ "اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں تم جواب دو" اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے جانے سے پہلے ہی بتلادوں گا کہ قرآن مجید میں سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ ﷺ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ ﷺ کو وعدہ یاد دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورت ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ ﴾ ہے' یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔ اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری' ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے۔

واقدیؒ نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعبؓ کا بیان کیا ہے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو آواز دی وہ نماز میں تھے فارغ ہو کر آپ ﷺ سے ملے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھا۔ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے تو فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھے ایسی ایک سورت بتاؤں کہ تورات انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں۔ اب میں نے اس امید پر چال نرم کر دی اور پوچھا حضور ﷺ! وہ سورت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا ﴿ اَلحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِیْنَ ﴾ پوری سورت تک آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہی سورت ہے سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے۔ اس حدیث کے آخری راوی ابو سعیدؒ ہیں۔

اس بناء پر ابن اثیرؒ اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں وہ انہیں ابو سعید بن معلی سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ ابو سعید دوسرے ہیں یہ مولا خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابو سعید انصاری صحابیؓ ہیں' ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے' اور یہ حدیث ظاہر میں منقطع معلوم ہوتی ہے اگر ابو سعید تابعی کا حضرت ابیؓ سے سننا ثابت نہ ہو' اور اگر سنا ہو تو یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے' واللہ اعلم۔

اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے جب انہیں پکارا تو یہ نماز میں تھے۔ التفات کیا مگر جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پکارا۔ حضرت ابیؓ نے نماز ہلکی کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے 'سلام علیک عرض کیا' آپ ﷺ نے جواب دے کر فرمایا ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟' کہا حضور ﷺ میں نماز میں تھا آپ ﷺ نے وہ آیت پڑھ کر فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟ کہا حضور قصور ہوا اب ایسا نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ تورات انجیل زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہیں' میں نے کہا ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتادوں گا۔ پھر حضور ﷺ میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپ ﷺ باہر چلے جائیں۔ آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ ﷺ کو وعدہ یاد دلایا آپ ﷺ نے فرمایا نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے ام القرآن پڑھ کر سنائی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تورات انجیل زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں۔ یہ سبع مثانی ہے ترمذی میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت انسؓ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ اب آپ ﷺ تو گھر میں تشریف لے گئے میں غم و رنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا اے عبداللہ بن جابر! سنو تمام قرآن میں بہترین سورت ﴿ اَلحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِیْنَ O ﴾ (آخر تک) ہے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے ابن عقیل جو اس کا راوی ہے اس کی حدیث بڑے بڑے ائمہ روایت کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن جابر بدری صحابی ہیں۔ ابن الجوزی کا یہی قول ہے واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکرؒ کا قول یہی ہے کہ یہ عبداللہ ابن جابر انصاری بیاضیؓ ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے استدلال کر کے ابن راہویہ' ابو بکر بن عبری' ابن الحفار وغیرہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ بعض آیات اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں اور ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام کلام برابر ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہو گی

کہ دوسری اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے۔ قرطبیؒ نے اشعریؒ اور ابو بکر باقلانیؒ اور ابو حاتم ابن حبان بستیؒ اور ابو حیانؒ اور یحییٰ بن یحییٰؒ سے یہی نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ سے بھی ایک روایت میں یہ مذہب منقول ہے۔ (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے واللہ اعلم مترجم)۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی ہیں۔ صحیح بخاری فضائل القرآن میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ کہ اچانک ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ دم جھاڑا بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اللہ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لئے بہت سارا دودھ بھی بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے کہا کہ کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم ہے اس نے کہا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو پہلے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آکر ہم نے حضور ﷺ سے ذکر کیا' آپ ﷺ نے فرمایا اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ رکھنا۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابو سعید خدریؓ ہی تھے۔

مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضور ﷺ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے خوش ہو جایئے دو نور آپ ﷺ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات ' ایک ایک حرف ان میں سے نور ہے۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے 'ناقص ہے 'ناقص ہے 'پوری نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز (سورہ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ کر دیا ہے۔ اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے -﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO ﴾ تو اللہ فرماتا ہے ﴿ حَمِدَنِیْ عَبْدِی ﴾ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ ﴾ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِO ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ ﴾ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے ﴿ فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ ﴾ میرے بندے نے میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُO ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔ پھر بندہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لیے ہے۔ نسائی میں یہ روایت ہے بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابو زرعہؒ نے انہیں صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔ اس کے راوی حضرت ابی بن کعبؓ ہیں ابن جریرؒ کی ایک روایت میں اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے لئے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لئے ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اب اس حدیث کے فائدوں پر نظر ڈالئے۔ (۱) اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ یعنی نماز کا اطلاق ہے۔ اور مراد اس سے قرات ہے جیسے کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ الخ یعنی اپنی نماز (یعنی قرأت) کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست

آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں صراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوۃ سے مراد قرأت ہے۔ اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں قرأت کو صلوۃ کہا ہے۔ اس سے نماز میں قرات کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قرأت نماز کا اعلیٰ رکن ہے' اس لئے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قرأت کا ذکر کیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے کہ ' قرأت کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔ فرمان ہے ﴿ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ﴾ الخ یعنی صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کئے جاتے ہیں۔ یہاں مراد قرآن سے نماز ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں اور ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قرات کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

(۲) اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ ان کی دلیل آیت ﴿ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو جو نماز کو جلدی جلدی پڑھ رہا تھا فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ' وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۂ فاتحہ کی تعیین نہ کرنا بتا رہا ہے کہ جو کچھ قرآن پڑھ لے کافی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ اور تمام ائمہ کرام کا یہی قول ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے سب کے سب شاگرد وغیرہ اور جمہور علماء کرام کا یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے پوری نہیں۔ اسی طرح ان بزرگوں کی یہ دلیل بھی ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصراً ان بزرگوں کے دلائل بیان کئے ہیں۔ (صحیح اور حدیث کے مطابق دوسرا قول ہی ہے ۔ واللہ اعلم (مترجم)۔

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعیؒ وغیرہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ ابو حنیفہؒ ان کے ساتھی ثوریؒ اور اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں ﴿مَاتَيَسَّرَ﴾ کا لفظ ہے واللہ اعلم۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے اور ان سب باتوں کی تفصیل اسماء الرجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ (صحیح اور حدیث کے مطابق پہلا قول ہے واللہ اعلم مترجم)

(۳) مقتدی پر سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلے میں علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے' اس کی دلیل وہ عام احادیث ہیں جو ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گذر چکیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قرات واجب ہی نہیں نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں ان کی دلیل سند امام احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے لیکن یہ روایت ضعیف

ہے' اور یہ خود حضرت جابرؓ کے قول سے مروی ہے گو اس مرفوع حدیث کی سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں' واللہ اعلم۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قرات پڑھے ان میں تو مقتدی پر قرات واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں اونچی قرات پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو۔ سنن میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام مسلمؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے (صحیح اور حدیث کے مطابق پہلا قول ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ تم سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی (مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ مسند بزار میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آ گئے۔

﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰه ﴾ کی تفسیر اور اس کے احکام

قرآن کریم میں ہے ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ الخ یعنی درگزر کرنے کی عادت اپناؤ' بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے سے پناہ طلب کر لیا کرو۔ ایک مقام پر فرمایا ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ﴾ برائی کو بھلائی سے ختم کرو۔ ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں۔ کہا کرو کہ اے پروردگار شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ ﴾ الخ یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست' یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب داروں کا ہے۔ جب شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے سے پناہ چاہو۔ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک واحسان کرو تاکہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنی پناہ پکڑنی سکھائی۔ کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا۔ اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا۔ ایک مقام پر فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت کی تو یہی آرزو ہے کہ تم جہنمی ہو جاؤ۔ ایک اور جگہ فرمایا کیا تم اس شیطان کی اور اس کی ذریات (اولاد) کی دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تمہارا دشمن ہے یاد رکھو ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔ یہی (وہ لعین) ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہو گا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ اللہ رب العزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا' ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ ﴾ جب قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر لیا کرو شیطان راندے ہوئے سے۔ ایماندار اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔ اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کریں۔

قراء کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھنے کے بعد ﴿ اَعُوْذُ ﴾ الخ پڑھنی چاہیئے۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو قرآن

ے طرز بیان پر عمل۔ دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ۔ ابو حاتم بحستانی نے اور ابن فلو فانے ہمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب العبادت الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن اسناد غریب ہے۔ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے اور کہا کہ ابراہیم نخعیؒ داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قرطبیؒ نے امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے۔ لیکن ابن العربیؒ اسے غریب کہتے ہیں۔ ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول آخر دونوں مقام پر **اعوذ** الخ پڑھے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں۔ اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے **اعوذ** الخ پڑھنا چاہئے تاکہ وسوسے دور ہو جائیں۔ تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی "جب پڑھے تو" یعنی "جب پڑھنا چاہے تو" ہو جائیں گے جیسے کہ آیت ﴿اِذَا قُمْتُمْ﴾ الخ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (تو وضو کر لیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو کے ہیں۔ احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالىٰ جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ﴾ پڑھ کر تین مرتبہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھتے پھر فرماتے ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ.﴾ سنن اربع میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے ہمزہ کے معنی گلا گھونٹنے کے اور نفخ کے تکبر کے اور نفث کے معنی شعر گوئی کے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا﴾ تین مرتبہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا﴾ اور تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَاَصِيْلاً﴾ پڑھتے پھر یہ پڑھتے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ﴾ ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾ کہتے پھر ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ آخر تک پڑھتے۔ مسند ابو یعلی میں ہے حضور ﷺ کے سامنے دو شخص لڑنے لگے غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے۔ نسائی نے اپنی کتاب ﴿اَلْيَوْم وَاللَّيْلَة﴾ میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ اسی کی ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا، لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ اضافہ والی روایت مرسل ہے۔ اس لئے کہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ جو حضرت معاذؓ سے اسے روایت کرتے ہیں ان کا حضرت معاذؓ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ یہ بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبد الرحمٰنؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے سنا ہو۔ وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذؓ تک پہنچایا ہو۔ کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں یہاں سب کو بیان کرنے سے بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے بیان کے لئے اذکار و ظائف اور فضائل و اعمال کے بیان کی کتابیں ہیں واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا حکم دیا۔ تفسیر ابن جریرؒ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا **اَعُوْذ** پڑھئے۔ آپ نے فرمایا ﴿اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ پھر کہا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں سب سے پہلی سورۃ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی یہی ہے۔ لیکن یہ اثر غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور

انقطاع ہے۔ ہم نے اسے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے یا مستحب: جمہور علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے' واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔ عطاء بن ابو رباح ؒ کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے' خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔ امام رازی ؒ نے یہ قول نقل کیا ہے۔ ابن سیرین ؒ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عطاء ؒ کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں ﴿ فَاسْتَعِذْ ﴾ امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا اس پر ہمیشگی کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے۔ اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے اور وجوب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ﴿ اَعُوْذُ ﴾ پڑھنا حضور ﷺ پر واجب تھا آپ ﷺ کی امت پر واجب نہیں۔ امام مالک ؒ سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں ﴿ اَعُوْذُ ﴾ پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھ لے۔

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰہِ﴾ کب اور کہاں پڑھے: امام شافعی ؒ الاملاء میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور الاملاء میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لئے کہ حضرت ابن عمر ؓ سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا اور رکعتوں میں ﴿ اعوذ ﴾ پڑھنے میں امام شافعی ؒ کے دو قول ہیں۔ ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے' واللہ اعلم۔ صرف ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾ کہہ لینا امام شافعی اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک تو کافی ہے۔ لیکن بعض کہتے ہیں ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ پڑھے۔ ثوری ؒ اور اوزاعی ؒ کا یہی مذہب ہے بعض کہتے ہیں ﴿ اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾ پڑھے تاکہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہو جائے اور ابن عباس ؓ کی حدیث پر بھی عمل ہو جائے جو پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن جو صحیح احادیث پہلے گزر چکیں وہی اتباع کے لئے بہتر ہیں' واللہ اعلم۔ نماز میں اعوذ کا پڑھنا ابوحنیفہ ؒ اور محمد ؒ کے نزدیک تو تلاوت کے لئے ہے اور ابو یوسف ؒ کے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ تو مقتدی کو پڑھ لینا چاہئے اگرچہ وہ قرأت نہیں پڑھے گا۔ اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہئے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں مکمل کرنے کے بعد پھر اعوذ پڑھے پھر قرات پڑھے۔

اعوذ میں عجیب وغریب فوائد ہیں واہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپاکی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے۔ اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار ہے کیونکہ انسانی دشمن کا مقابلہ ہو سکتا ہے' احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے جیسے کہ قرآن کریم کی ان تین آیات میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور جگہ ارشاد اللہ تعالیٰ ہے ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ﴾ الخ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔ رب کی وکالت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ پر اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نیچا دکھا دیا۔ ایک اہم بات یاد رکھیئے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے' وہ شہید ہے۔ لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ مارا جائے وہ راندہ درگاہ ہے۔ جس پر کفار غالب آجائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آئے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان انسان کو دیکھ سکتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے قرآنی تعلیم یہ ہے کہ تم اس کے شر سے اس کی پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔

فصل۔ خلاصۂ کلام اعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے عیاذ کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں۔ اور لیاذہ کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں متنبی کا شعر ہے

﴿یَا مَنْ اَلُوْذُبِهٖ فِیْ مَا اُؤَمِّلُهٗ وَ مَنْ اَعُوْذُ بِهٖ مِمَّا اُحَاذِرُهٗ﴾
﴿لَا یَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا اَنْتَ کَاسِرُهٗ وَلَا یَهِیْضُوْنَ عَظْمًا اَنْتَ جَابِرُهٗ﴾

اے وہ پاک ذات جس کی ذات سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار کہ تمام برائیوں سے میں اسکی پناہ پکڑتا ہوں! جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں اور جن کاموں سے میں منع کیا گیا ہوں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ برے کام سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے رب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک و احسان وغیرہ بتائی ہے اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی کہ ہم اس کی ذات پاک سے پناہ طلب کریں۔ اس لئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جائے نہ وہ بھلائی اور سلوک کی وجہ سے اپنی شرارت سے باز آئے اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ گذشتہ تینوں آیات میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ الخ اور سورۂ مؤمنون میں ہے ﴿ ادفع بالّتی ﴾ اور سورۂ سجدہ میں ہے ﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ ﴾ الخ ان تینوں آیات کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ لفظ شیطان شطن سے بنا ہے اس کے لفظی معنے دوری کے ہیں۔ چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے اور شاط کے معنی یہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں ملتے ہیں۔ امیہ بن ابو صلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ شطن سے مشتق ہے اور دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے سِیْبَوَیْهٖ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں ﴿ تَشَیْطَنَ فُلَانٌ ﴾ یہ نہیں کہتے کہ ﴿ تَشَیَّطَ فُلَانٌ ﴾ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ شاط سے نہیں بلکہ شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں جو جن و انس و حیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہدیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ﴾ الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن وانس کئے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے کی بناوٹی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوذرؓ سے حدیث روایت ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اے ابوذر! جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ میں نے کہا کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ صحیح مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔ میں نے کہا حضور ﷺ! سرخ' زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ ناز و خرام سے چلتا ہے۔ حضرت عمرؓ اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ کر لائے' میرے نفس میں تکبر آنے لگا چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔ رجیم فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مرجوم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ﴾ الخ ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا ﴿ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا ﴾ الخ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے مارے جاتے ہیں بھگانے کے لئے اور لازمی عذاب ان کے لئے ہے۔ جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے اس کے پیچھے ایک چمکیلا شعلہ لگتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا ﴾ الخ یعنی ہم نے آسمان میں برج بنائے اور

انہیں دیکھنے والوں کے لئے زینت دی اور اسے ہر راندھے ہوئے شیطان سے ہم نے محفوظ کر لیا مگر جو کسی بات کو چرا لے جائے اس کے پیچھے چمکتا ہوا شعلہ لگتا ہے۔ اسی طرح کی اور آیات بھی ہیں۔ رجیم کے ایک معنی راجم کے بھی کئے گئے ہیں۔ چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لئے اس اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔

تفسیر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

بسم اللہ کے متعلق تفصیلی بحث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کتاب اللہ کو اسی کے ساتھ شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا ہر سورت کی بعض آیت ہے؟ یا اس طرح سورۂ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ یا صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور آیت نہیں ہے؟ علماء سلف و خلف کا ان امور میں اختلاف چلا آتا ہے اور اپنی جگہ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک کہ آپ ﷺ پر ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ نازل نہیں ہوئی تھی۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ حدیث ہے ایک مرسل حدیث میں حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿بسم اللہ﴾ الخ کو ﴿سورۂ فاتحہ﴾ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کی۔ لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں اور اس طرح کی ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے نیز حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ' حضرت ابوہریرہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عطاءؒ' حضرت طاؤسؒ' حضرت سعید ابن جبیرؒ حضرت مکحولؒ حضرت زہریؒ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے سوائے سورت برأت کے ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کے ایک قول میں اور اسحاق بن راہویہؒ اور ابو عبید قاسم ابن سلامؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ الخ نہ تو سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ مروی ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن اور سورتوں کی نہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ہر سورت کے شروع کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤدؒ کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے' سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ اور ابوبکر رازیؒ نے ابوحسن کرخیؒ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے۔ جو امام ابو حنیفہؒ کے بڑے پایہ کے ساتھی ہیں۔ یہ تو تھی بحث بسم اللہ الخ کے سورۂ فاتحہ کی آیت ہونے نہ ہونے کی (صحیح مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قرآن کریم میں یہ آیت مبارکہ ہے وہاں مستقل آیت ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ: اختلاف ہے کہ آیا اسے باواز بلند پڑھنا چاہیئے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ سے الگ ایک آیت

مانتے ہیں وہ اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت سے اول سے ہے ان میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورتؒ سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین کی مسلمانوں کے اگلے اور پچھلے اماموں کا یہی مذہب ہے۔ صحابہ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت معاویہؓ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی غریب سند سے امام خطیبؒ نے نقل کیا ہے۔ بیہقیؒ اور ابن عبدالبرؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

تابعینؒ میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ حضرت ابوقلابہؒ حضرت زہریؒ حضرت علی بن حسنؒ ان کے لڑکے محمدؒ سعید بن میسبؒ عطاءؒ طاؤسؒ مجاہدؒ ابن سیرینؒ محمد بن منکدرؒ علی بن عبداللہ بن عباسؓ ان کے صاحبزادے محمدؒ نافعؒ ابن عمرؓ کے مولی زید بن اسلمؒ عمر بن عبدالعزیزؒ ازرق بن قیسؒ حبیب بن ابی ثابتؒ ابوشعثاء مکحولؒ عبداللہ بن معقل بن مقرنؒ اور بروایت بیہقی عبداللہ بن صفوانؒ محمد ابن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینارؒ یہ ان سب نمازوں میں جن میں قرات اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۂ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہیئے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز پڑھائی اور قرأت میں اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں تم سب سے زیادہ مشابہ ہوں رسول اللہ ﷺ کی نماز میں۔ اس حدیث کو دار قطنی، خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ﴿**بسم الله الرحمن الرحيم**﴾ کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی قرأت کا انداز صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرأت کس طرح تھی؟ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ دراز کر کے پڑھتے تھے۔ پھر ﴿**بسم الله الرحمن الرحيم**﴾ پڑھ کر سنائی۔ بسم اللہ پر مد کیا الرحمٰن پر مد کیا الرحیم پر مد کیا۔ مسند احمد، سنن ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہؒ اور مستدرکؒ حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ ﷺ کی قرأت الگ الگ ہوتی تھی۔ جیسے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ دار قطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ امام شافعیؒ امام حاکمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس وقت موجود تھے انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ غالباً اس قدر احادیث و آثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔ باقی رہے، اس کے خلاف آثار، روایات، ان کی سندیں، ان کی تعلیل، ان کا ضعف اور ان کی تقریر وغیرہ تو ان کی تفصیل دوسرے مقام پر ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ بلند آواز سے نہ پڑھنا چاہیئے۔ خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مغفلؓ اور تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہ ثابت ہے۔ ابوحنیفہؒ ثوریؒ احمد بن حنبلؒ کا یہی مذہب ہے امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ سرے سے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرات کو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے شروع کیا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ بسم اللہ الخ کا ذکر نہیں

کرتے تھے۔نہ تو قرأت کے شروع میں اور نہ قرات کے آخر میں۔ سنن میں حضرت ابن مغفلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔یہ ہے دلیل ان ائمہ ؒ کی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے۔ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ (بسم اللہ کا مطلق نہ پڑھنا تو ٹھیک نہیں بلند و پست پڑھنے کی احادیث میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کو دونوں جائز ہیں۔گو پست پڑھنے کی احادیث قدرے قوی ہیں' واللہ اعلم۔(مترجم)

فصل۔ بسم اللہ کی فضیلت کا بیان: تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بسم اللہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔ابن مردویہ میں بھی اس طرح روایت کی ہے۔اور یہ روایت بھی ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا اس نے کہا لکھیئے بسم اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا "ب" سے مراد اللہ کا بہا یعنی بلندی ہے اور "س" سے مراد اس کی سنا یعنی نور اور روشنی ہے اور "م" سے مراد اس کی "مملکت" یعنی بادشاہی ہے اور "اَللّٰه" کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو اور "رحمٰن" کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو اور "رَحِیْم" کہتے ہیں آخرت میں رحم و کرم کرنے والے کو ابن جریر میں بھی یہ روایت ہے لیکن سند کی رو سے بیحد غریب ہے۔ ممکن ہے کہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو اور ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات میں سے ہو مرفوع حدیث نہ ہو' واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے کہ کسی نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایسی آیت نہیں اتری۔وہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے ہوائیں ساکن ہو گئیں' سمندر ٹھہر گیا جانوروں نے کان لگا لئے' شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے اس میں ضرور برکت ہو گی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جہنم کے انیس داروغوں سے جو بچنا چاہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔اس کے بھی انیس حروف ہیں۔ ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔اسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی کی ہے جس میں ہے کہ میں نے تیس سے اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے۔یہ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے ﴿ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ ﴾ پڑھا تھا۔اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔اتنے ہی فرشتے اترے۔اسی طرح بسم اللہ الخ میں بھی انیس حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے ان کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔ نسائی نے اپنی کتاب الیوم واللیل میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے بیان کیا ہے اور صحابی کا نام ابن اسامہ بن عمیر بتایا ہے' اور اس میں ہے کہ بسم اللہ کہہ یہ بسم اللہ کی برکت ہے اسی لئے ہر کام اور ہر بات کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔

بیت الخلاء (لیٹرین) میں جانے کے وقت بھی بسم اللہ پڑھ لے۔ حدیث میں یہ بھی وارد ہے۔

وضو کے وقت بھی پڑھ لے مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہؓ سعید بن زیدؓ اور ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا۔یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علما تو وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب بتلاتے

ہیں۔ بعض مطلق وجوب کے قائل ہیں۔

جانور ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔امام شافعیؒ اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ بعضوں نے ذکر کے وقت اور بعضوں نے مطلقاً اسے واجب کہا ہے اس کا بیان عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام رازیؒ نے اپنی کتاب میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بسم اللہ پڑھ لے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کوئی اولاد بخشے تو اس کے اور اسکی اولاد کے سانس کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔ لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔ میں نے تو یہ کہیں نہیں پائی۔ کھانا وغیرہ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن ابو سلمہ سے فرمایا جو آپ کے گھر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھے کہ بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھایا کرو۔ بعض علماء اس وقت بھی بسم اللہ کا پڑھنا واجب بتاتے ہیں۔

بیوی سے ملنے (جماع) کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا ﴾ یعنی اے اللہ! ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔ فرماتے ہیں اگر اس جماع سے حمل ٹھیر گیا تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ کی "ب" کا تعلق کس سے ہے۔ نحویوں کے اس میں دو قول ہیں اور دونوں قریب قریب ہیں بعض اسم بتاتے ہیں اور بعض فعل۔ ہر ایک کی دلیل قرآن میں ملتی ہے۔ جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتلاتے ہیں وہ تو کہتے ہیں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ ابتدائی یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ اَرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِهَا وَمُرْسٰهَا ﴾ الخ اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے اور جو لوگ فعل کے ساتھ مقدر بتلاتے ہیں چاہے وہ امر ہو یا خبر ہو جیسے ﴿ اِبْدَاْ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ اور ﴿ اِبْتَدَاْتُ بَسْمِ اللّٰهِ ﴾ ان کی دلیل آیت ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ ﴾ الخ ہے دراصل دونوں ہی صحیح ہیں اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو مطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا ہے کھڑا ہونا ہو' بیٹھنا ہو' کھانا ہو' پینا ہو' قرآن کا پڑھنا ہو' یا وضو اور نماز وغیرہ ہو ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے' واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں روایت ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جبرائیل علیہ السلام محمد ﷺ پر جب وحی لے کر آئے تو فرمایا اے محمد! کہیئے ﴿ اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ﴾ پھر کہیئے ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ مقصود یہ تھا کہ اٹھنا' بیٹھنا' پڑھنا سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔

بے کار بحث: اسم یعنی نام ہی مسمّٰی یعنی نام والا ہے یا کچھ اور اس میں اہل علم کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسم ہی مسمّٰی ہے' ابو عبید اور سیبویہ کا یہی قول ہے۔ باقلانی اور ابن فورک بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن خطیب رازیؒ اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں حشویہ اور کرامیہ اور اشعریہ تو کہتے ہیں اسم نفس مسمّٰی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمّٰی کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے۔ ہمارے نزدیک اسم مسمّٰی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسم سے مراد لفظ ہے جو آوازوں کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے تو بالبداہت ثابت ہے کہ یہ مسمّٰی کا غیر ہے اگر اسم سے مراد ذات مسمّٰی ہے تو یہ تو وضاحت کو واضح کرتا ہے جو محض بیکار ہے تو ظاہر ہے کہ اس بے کار بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد اسم مسمّٰی کے فرق پر دلائل لائے ہیں کہ کبھی اسم ہوتا

ہے اور مسمّٰی ہوتا ہی نہیں جیسے معدوم کا لفظ کبھی ایک مسمّٰی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مترادف۔ کبھی اسم ایک ہوتا ہے مسمّٰی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مشترک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور چیز ہے اور مسمّٰی اور چیز ہے یعنی نام الگ یہ اور نام والا الگ ہے۔ اور دلیل سنیئے کہتے ہیں کہ اسم تو لفظ ہے اور وہ عرض' اور کبھی تو ذات ہوتی ہے ممکن یا واجب۔ اور سنیئے کہ اگر اسم ہی کو مسمّٰی مانا جائے تو آگ کا نام لیتے ہی تپش محسوس ہو اور برف کا نام لیتے ہی ٹھنڈک' حالانکہ کوئی عقل مند ایسا نہیں کہہ سکتا۔

اور دلیل سنیئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بہترین نام ہیں تم ان ناموں سے اسے پکارو۔ حدیث شریف میں ہے "کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں" تو خیال کیجئے کہ نام کس قدر بکثرت ہیں حالانکہ مسمّٰی ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اسی طرح ﴿ اسماء ﴾ کو اللہ کی طرف اس آیت میں مضاف کرنا اور جگہ فرمانا ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴾ وغیرہ یہ اضافت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اسم اور ہو اور مسمّٰی اور۔ کیونکہ اضافت کا مقتضا مغائرت کا ہے۔ اسی طرح یہ حکم فرمانا ہے کہ ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نام اور ہے اور نام والا اور۔ اب ان کے دلائل سنیئے جو اسم اور مسمّٰی کو ایک ہی بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ﴾ الخ یعنی جلال واکرام والے تیرے رب کا بابرکت نام ہے۔ تو نام کو برکتوں والا فرمایا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اس مقدس ذات کی وجہ سے اس کا نام بھی بڑائیوں والا ہے۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ زینب پر طلاق ہے تو طلاق اس کی بیوی پر جس کا نام زینب ہے پڑ جاتی ہے۔ اگر نام اور نام والے میں فرق ہوتا تو نام پر طلاق پڑتی۔ نام والے پر کیسے پڑ جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس ذات پر طلاق ہے جس کا نام زینب ہے تسمیہ کا اسم سے الگ ہونا اس دلیل کی بناء پر ہے کہ تسمیہ کہتے ہیں کسی کا نام مقرر کرنے کو اور ظاہر ہے کہ یہ اور چیز ہے اور نام والا اور چیز ہے۔ رازی ؒ کا قول یہی ہے کہ یہ سب کچھ تو لفظ باسم کے متعلق تھا۔ اب لفظ "اللہ" کے متعلق سنیئے "اللہ" خاص نام ہے رب تبارک وتعالیٰ کا۔ کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔ اس لئے کہ تمام عمدہ صفتوں کے ساتھ یہی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں ہے ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ ﴾ الخ یعنی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو چھپے کھلے کا جاننے والا ہے جو رحم کرنے والا مہربان ہے وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ سلامتی والا ہے۔ امن دینے والا ہے' محافظ ہے' غلبہ والا ہے' زبردست ہے' بڑائی والا ہے۔ وہ ہر شرک سے اور شرک کی چیز سے پاک ہے' وہ اللہ پیدا کرنے والا' بنانے والا' صورت بخشنے والا ہے' اس کے لئے بہترین پاکیزہ نام ہیں' آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں وہ عزتوں اور حکمتوں والا ہے۔ ان آیات میں باقی عام نام صفت ہیں اور لفظ اللہ کی صفت ہیں پس اصلی نام اللہ ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے ہیں پاکیزہ اور عمدہ نام پس تم اس کو ان ناموں سے پکارو۔ اور فرماتا ہے اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے پکارو اسی کے پیارے پیارے اور اچھے اچھے نام ہیں۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' ایک کم سو' جو انہیں یاد کرلے جنتی ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے اور دونوں کی روایات میں الفاظ کا کچھ ہیر پھیر کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ رازی ؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں ایک ہزار تو قرآن شریف اور صحیح حدیث میں ہیں اور ایک ہزار تورات میں اور ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں۔

اللہ وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے؟ اس کا باب کیا ہے؟ بلکہ ایک بڑی جماعت کا یہ مذہب نقل کیا ہے جن میں سے امام شافعی ؒ امام خطابی ؒ اور امام الحرمین ؒ امام غزالی ؒ وغیرہ ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔ امام خطابی ؒ نے اس کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے

کہ یااللہ تو کہہ سکتے ہیں، مگر یاالرحمٰن کہتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔ اگر لفظ اللہ میں الف لام اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ یا داخل نہ ہو سکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا الف لام والے اسم پر داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر روبہ کا ایک شعر بطور دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر ﴿ تَاَلُّهٗ ﴾ کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع ﴿ اِلَهَ یَاْلَهُ اَلِهَةً ﴾ اور ﴿ تَاَلُّهًا ﴾ ہے جیسے کہ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ وہ ﴿ یَذَرُكَ وَالِهَتَكَ ﴾ پڑھتے تھے مراد اس سے عبادت ہے۔ یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد ؒ وغیرہ کہتے ہیں بعضوں نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ﴾ اور آیت میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ﴾ یعنی وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔ سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں ﴿ اِلٰهٌ ﴾ تھا جیسے ﴿ فِعَالٌ ﴾ پھر ہمزہ کے بدلے الف و لام لایا گیا جیسے الناس کہ اس کی اصل اناس ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ لفظ اللہ کی اصل ﴿ الاهٌ ﴾ ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔ سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ نسائی اور فراء کہتے ہیں اس کی اصل الالہ تھی، ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا۔ جیسے کہ ﴿ لکنا هو الله ربی ﴾ میں ﴿ لکن انا ﴾ کا ﴿ لکنا ﴾ ہوا ہے چنانچہ حسن ؒ کی قرأت میں ﴿لکن انا ﴾ ہی ہے اور اس کا اشتقاق ﴿ وَلَهَ ﴾ سے ہے اور اس کے معنی ﴿ تَحَيَّرَ ﴾ ہیں ﴿وَلَهٌ﴾ عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ عربی میں ﴿ رَجُلٌ وَالِهٌ ﴾ اور ﴿ اِمْرَاَةٌ وَلْهٰى ﴾ اور ﴿ مَوْلُوْهَةٌ ﴾ اس وقت کہتے ہیں جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اس کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہو جاتی ہے اس لئے اس ذات پاک کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اس بناء پر اصل میں یہ لفظ ﴿ وَلَاهٌ ﴾ تھا واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ ﴿ وِشَاحٌ ﴾ اور ﴿ وِسَادَةٌ ﴾ میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔

رازی ؒ کا قول ہے کہ یہ لفظ ﴿ اَلِهْتُ اِلٰی فُلَانٍ ﴾ سے مشتق ہے جو کہ معنی میں ﴿ سَكَنْتُ ﴾ کے ہے یعنی میں نے فلاں سے سکونت اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر کی طرف ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ الخ یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ہے ﴿ لَاهَ یَلُوْهُ ﴾ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ﴿ اَلِهَ الْفَصِیْلُ ﴾ سے ہے چونکہ بندے اس کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں اس لئے اسے اللہ کہا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب ﴿ اَلِهَ الرَّجُلُ یَاْلَهُ ﴾ اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے، چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ ﴾ یعنی وہی بچاتا ہے اور اس پر کوئی نہیں بچایا جاتا۔ حقیقی منعم وہی ہے۔ فرماتا ہے تم پر جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں وہی ﴿ مُطْعِمٌ ﴾ ہے فرماتا ہے وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا۔ وہی موجد ہے فرماتا ہے ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رازی ؒ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل سیبویہ اکثر اصولی اور فقہاء کا یہی قول ہے اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور اس کی بہت ساری صفات آتی ہیں جیسے رحمٰن رحیم مالک قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں۔ قرآن میں ایک جگہ ﴿عَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اللّٰهِ ﴾ جو آیا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کی ﴿

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ بیان کی جاتی ہے لیکن یہ غور طلب ہے واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے لیکن رازیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو معرفت الٰہی کے کنارے پر پہنچ گئے دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں جو حیرت کی اندھیریوں میں اور جہالت کی پر خار وادیوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ تو عقل کو رو بیٹھے ہیں اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں جو نورانیت کے وسیع باغوں میں جا ٹھیرے ہیں جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں وہ بھی یہاں تک پہنچ کر بھونچکے رہ گئے ہیں اور بارگاہ فردانیت اور دربار صمدیت میں مبہوت کھڑے رہ گئے ہیں۔

غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ وحیران ہیں پس یہ ان معانی کی بناء پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے ساری مخلوق اسکی محتاج اس کے سامنے جھکنے والی اور اس کی تلاش کرنے والی ہے۔ اس معنی میں اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ خلیل کا قول ہے عرب محاورے میں ہر اونچی اور بلند چیز کو لاہ کہتے ہیں۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تب بھی وہ کہتے ہیں ﴿لَاهَتِ الشَّمْسُ﴾ چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند وبالا ہے اس کو بھی اللہ کہتے ہیں اور الہ کے معنی عبادت کرنے کے اور تالہ کے معنی حکم برداری اور قربانی کرنے کے ہیں اور اللہ عالم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی قرات میں ہے ﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ﴾ اس کی اصل الالہ ہے پس "ف" کلمہ کی جگہ پر جو ہمزہ ہے وہ حذف کیا گیا پھر نفس کلمہ کا لام زائد لام سے جو تعریف کے لئے لایا گیا ہے اس سے ملا دیا گیا اور ایک کو دوسرے میں ادغام کیا گیا تو ایک لام مشدد رہ گیا اور تعظیما اللہ کہا گیا۔ یہ تو ہے لفظ اللہ کی تفسیر۔

الرحمٰن الرحیم کی تفسیر: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں دونوں میں مبالغہ ہے۔ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریرؒ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پر اتفاق ہے۔ بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی اسی معنی کا پہلے گزر چکا ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا حالانکہ قرآن میں ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ آیا ہے۔ مبرد کہتے ہیں کہ رحمٰن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابو اسحاق زجاج معانی القرآن میں لکھتے ہیں کہ احمد بن یحیٰی کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے اور رحمٰن عبرانی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کی طرف دل مائل نہیں ہوتا۔ قرطبی اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل لائے ہیں کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے ناموں میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں کاٹ دوں گا۔

اب صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں جیسے ﴿نَدْمَانٌ﴾ اور ﴿نَدِيْمٌ﴾ ابو عبیدؒ کا یہی قول ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ﴿فَعْلَانِ فَعِيْلٌ﴾ کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے غضبان اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت ہی غصہ والا ہو اور فعیل صرف فاعل اور صرف مفعول کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔ ابو علی فارسیؒ کہتے ہیں کہ رحمٰن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور رحیم باعتبار مومنوں کے ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ مومنوں کے ساتھ رحیم ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دونوں نام رحمت ورحم والے ہیں ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت ورحم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں لفظ ﴿ ارق ﴾ ہے اس کے معنی خطابیؒ وغیرہ ﴿ ارفق ﴾ کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رفیق یعنی نرمی اور مہربانی والا ہے وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے وہ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔ ابن المبارکؒ فرماتے ہیں رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ غضب ناک ہو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ بعض شاعروں کا قول ہے۔

﴿ اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ ﴾ ﴿ وَبَنِیْ اٰدَمَ حِیْنَ یُسْئَلُ یَغْضَبُ ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزرمیؒ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم کی دو آیات ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ اور ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ میں ﴿ اسْتَوٰی ﴾ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تاکہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾۔ پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے لیکن حدیث کی ایک دعا میں ﴿ یَارَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ رَحِیْمَهُمَا ﴾ بھی آیا ہے۔ رحمٰن یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا دوسرے کا نام نہیں جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے چاہو اسے پکارو۔ اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے ﴿وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا ﴾ الخ یعنی اپنے سے پہلے کے رسولوں کو پوچھ لو کیا ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود تھا جس کی عبادت وہ کرتے ہوں جب مسیلمہ کذاب نے بڑے بڑے دعوے کرنے شروع کئے اور اپنا نام رحمٰن الیمامہ رکھا تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا اور جھوٹ اور کذب کے ساتھ وہ مشہور ہو گیا۔ آج اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہر دیہاتی اور ہر شہری، ہر کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ توصفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا جس نام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی صفت سب سے پہلے رحمٰن بیان کی گئی کہ یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے جیسے فرما دیا کہ اللہ کو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے چاہو پکارو اسکے لئے اسماء حسنیٰ بہت سارے ہیں۔ مسیلمہ نے تو یہ بدترین جرات کی لیکن برباد ہوا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی یہ بات اوروں پر نہ چل سکی۔

رحیم کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے فرماتا ہے ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ ﴾ الخ اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو رحیم کہا۔ اسی طرح اپنے بعض ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے یاد کیا ہے۔ جیسے کہ آیت ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ﴾ الخ میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسروں پر بھی دوسرے معنی میں ان کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے اللہ اور رحمٰن اور خالق اور رزاق وغیرہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا نام اللہ لیا پھر اس کی صفت رحمٰن سے کی اس لئے کہ رحیم کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے قاعدہ ہے کہ پہلے سب سے زیادہ بزرگ نام سے نام لیا جاتا اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام کیساتھ لیا پھر اس سے کم، پھر اس سے کم، اگر کہا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ؟ تو اس کے جواب میں حضرت عطاء خراسانیؒ کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے رحمٰن نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا اس لیے رحیم کا لفظ بھی لائے تاکہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔ رحمٰن ورحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا نام

ہے' ابن جریرؒ نے اس قول کو نقل کیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب رحمٰن سے واقف ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ﴾ الخ نازل فرما کر ان کی تردید کی۔ کفار قریش نے حدیبیہ والے سال بھی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ ﴿ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴾ لکھو کہا تھا کہ ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن یمامہ کو جانتے ہیں کسی اور رحمٰن کو نہیں جانتے اسی طرح اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ ﴾ الخ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کرو تو وہ وحشت کرنے لگتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے؟ جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔ ان سب کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بدکار لوگ صرف عناد اور تکبر' سرکشی اور دشمنی کی بناء پر رحمٰن کا انکار کرتے تھے نہ کہ وہ اس نام سے ناآشنا تھے۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانہ کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام رحیم موجود ہے جو انہی شاعروں کے شعر ہیں۔ سلامہ کے شعر اور دیگر اشعار ملاحظہ ہوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر ابن جریرؒ میں ہے کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب میں سے ہے۔ وہ اللہ رفیق اور رقیق جس پر رحم کرنا چاہیئے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔ حسنؒ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا نام دوسروں کے لیے منع ہے کیونکہ' خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لوگوں کو اس نام پر کوئی حق نہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں ہے کہ ہر آیت پر حضور ﷺ ٹھہرا کرتے تھے پہلے گزر چکی ہے اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ الخ کو آیت قرار دے کر الحمد للہ کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم پر زبر پڑھتے ہیں ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں جیسے ﴿ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ زبر کی قرات کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ختم ہوئی۔ اب آگے سنیئے۔

تفسیر سورہ فاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے

الحمد للہ کے معانی: ساتوں قاری ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ کو دال کے پیش سے پڑھتے ہیں اور ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کو مبتداء خبر مانتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ اور روبہ بن عجاج کا قول ہے کہ دال کے زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے ابن ابی عبلہ ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ کی دال کو اور ﴿ لِلّٰهِ ﴾ کے پہلے لام کو دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں گو اس کی شہادت زبان عرب سے ملتی ہے لیکن شاذ ہے۔ حسنؒ اور زید ابن علیؒ ان دونوں حرفوں کو زیر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔ کیونکہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے اور سوا اس مالک کے اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمائے۔ اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے جسمانی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں۔ پھر دنیاوی بے شمار نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات ہمارے کسی حق کے بغیر ہمیں اس نے ہبہ کیں۔ اس کی ہمیشگی والی نعمتیں

اس کے تیار کردہ پاکیزہ مقام جنت میں ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس نے ہمیں سکھادیا۔ پس ہم تو کہتے ہیں کہ اول آخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ یہ ثناء کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثناخود آپ کی ہے اور اسی ضمن میں گویا یہ فرمادیا ہے کہ تم کہو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ بعضوں نے کہا کہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنا یہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں سے اس کی ثناء کرنا ہے'اور ﴿ اَلشُّكْرُ لِلّٰهِ ﴾ کہنا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکر یہ ادا کرنا ہے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں اس لئے کہ زبان عرب کو جاننے والے علماء کا اتفاق ہے کہ شکر کی جگہ حمد کا لفظ اور حمد کی جگہ شکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جعفر صادقؒ اور ابن عطاءؒ صوفی بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ہے۔ قرطبیؒ نے ابن جریرؒ کے قول کو معتبر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شُكْرًا ﴾ کہے تو جائز ہے۔ دراصل علامہ ابن جریرؒ کے اس دعوی میں کلام ہے سابقہ علماء میں مشہور ہے کہ ﴿ حمد﴾ کہتے ہیں زبانی تعریف بیان کرنے کو خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازمی صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر۔ اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عموم اس حیثیت سے خصوص ہے کہ حمد کا لفظ جس پر واقع ہو وہ عام طور پر شکر کے معنی میں آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں اوصاف پر آتا ہے۔ قدوسیت اور کرم دونوں پر ﴿ حَمِدْتُهٗ ﴾ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ وہ صرف زبان سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ خاص ہے اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول' فعل' نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے شکر کا لفظ خاص ہے۔ قدوسیت پر شَكَرْتُهٗ نہیں کہہ سکتے البتہ ﴿ شَكَرْتُهٗ عَلٰى كَرَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ اِلَيَّ ﴾ کہہ سکتے ہیں یہ تھا خلاصہ متاخرین کے قول کا' واللہ اعلم۔

ابو نصر اسماعیل حماد جوہریؒ کہتے ہیں کہ حمد مقابل ہے ذم کے یوں کہتے ہیں ﴿حَمِدْتُ الرَّجُلَ اَحْمَدُهٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَةً فَهُوَ حَمِيْدٌ وَّ مَحْمُوْدٌ﴾ تحمید میں حمد سے بھی زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ شکر کہتے ہیں کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو۔ عربی زبان میں ﴿ شَكَرْتُهٗ ﴾ اور ﴿ شَكَرْتُ لَهٗ ﴾ دونوں طرح کہتے ہیں لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لیے کہ زندہ' مردہ' بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں۔ کھانے کی اور مکان کی اور ایسی ہی اور چیزوں کی مدح کی جاتی ہے احسان سے پہلے احسان کے بعد لازم صفتوں پر متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا' واللہ اعلم۔

حمد کی تفسیر میں علماء سلف کے اقوال: حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ﴾ اور ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور بعض روایات میں ہے کہ ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کا کیا مطلب؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرمالیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو اچھا لگتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ شکر کا ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ پس اس کلمہ میں شکر کے علاوہ اس کی نعمتوں' ہدایتوں اور احسان وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔ کعب احبارؒ کا قول ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم نے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کہہ لیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرلیا۔ اب اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا۔ اسود بن سریعؓ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے۔ (مسند احمد

ونسائی)

ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ذکر ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ ہے اور افضل دعا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ہے امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے اور وہ اس پر ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کہے تو دی ہوئی نعمت لے لی ہوئی سے افضل ہے۔ فرماتے ہیں اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ دنیا دیدے اور وہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دیدینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کہنے کی توفیق دینا ہے اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ ﴾ الخ یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے اور نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ثواب والے اور نیک امید والے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا ﴿ یَارَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِكَ ﴾ فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کیا کہ تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اسے کس طرح لکھیں؟ پروردگار نے باوجود جاننے کے ان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے یہ کلمہ کہا ہے۔ فرمایا تم یونہی اسے لکھ لو میں آپ اسے اپنی ملاقات کے وقت اس کا اجر دیدوں گا۔

قرطبیؒ علماء کی ایک جماعتؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ سے بھی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ افضل ہے کیونکہ اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں۔ اور علماء رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا خیال ہے کہ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ افضل ہے اس لئے کہ ایمان و کفر میں یہی فرق کرتا ہے اسی کے کہلوانے کے لئے کفار سے لڑائیاں کی جاتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو کچھ میں نے اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء (کرام) نے کہا ہے ان میں سب سے افضل ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ ﴾ ہے۔ حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ افضل ذکر ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ ہے اور افضل دعا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

الحمد میں الف لام استغراق کا ہے یعنی حمد کی تمام قسمیں اور جنسیں سب کی سب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام ملک ہے' تیرے ہی ہاتھ تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔

رب کے معانی: رب کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لئے ہیر پھیر کرنے والے پر بھی ہوتا ہے اور ان سب معانی کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ کے لئے یہ پاک نام سجتا بھی ہے۔ رب کا لفظ بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے پر نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اضافت کے ساتھ ہو تو اور بات ہے جیسے ﴿ رَبُّ الدَّارِ ﴾ یعنی گھر کا پالنے والا وغیرہ۔ بعض کا تو قول ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔

عالمین کی تشریح: ﴿ عَالَمِیْنَ ﴾ جمع ہے ﴿ عَالَمْ ﴾ کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظ ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک زمانہ اور ایک ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی یا ان کے درمیان کی خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو اسی طرح اس سے جنات اور انسان بھی مراد لئے گئے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ مجاہدؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی غیر معتبر سند سے بھی یہی منقول ہے۔ اس قول کی

دلیل قرآن کی آیت ﴿ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴾ بھی بیان کی جاتی ہے یعنی تاکہ وہ ﴿ العلمین ﴾ یعنی جن اور انس کے ڈرانے والا ہو جائے۔ فراء اور ابو عبید کا قول ہے کہ سمجھدار کو عالم کہا جاتا ہے۔ انسان جنات فرشتے' شیاطین انہیں عالم کہا جائے گا۔ جانوروں کو نہیں کہا جائے گا۔ زید بن اسلمؒ اور ابو محیصنؒ فرماتے ہیں کہ ہر روح والی چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں ہر قسم کو ایک عالم کہتے ہیں مروان ابن حکم عرف جعد جن کا لقب حمار تھا جو بنو امیہ میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے خلیفہ تھے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ آسمانوں والے ایک عالم زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کو ان کا علم نہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں تمام انسان ایک عالم ہیں سارے جنات کا ایک عالم ہے اور ان کے سوا اٹھارہ ہزار یا چودہ ہزار عالم اور ہیں۔ فرشتے زمین پر ہیں اور زمین کے چار کونے ہیں ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قول بالکل غریب ہے اور ایسی باتیں جب تک کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہوں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ حمیری کہتے ہیں کہ ایک ہزار امتیں ہیں چھ سو تری میں اور چار سو خشکی میں' سعید بن مسیبؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک سال ٹڈیاں نہ نظر آئیں بلکہ دریافت کرنے پر بھی پتہ نہ چلا۔ آپ غمگین ہو گئے اور یمن اور شام اور عراق کی طرف سوار دوڑائے کہ کہیں بھی ٹڈیاں نظر آتی ہیں یا نہیں۔ تو یمن والے سوار تھوڑی سی ٹڈیاں لے کر آئے اور امیر المومنینؓ کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے انہیں دیکھ کر تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپؐ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں ان میں سے سب سے پہلے جو امت ہلاک ہوگی وہ ٹڈیاں ہوں گی۔ بس ان کی ہلاکت کے بعد پے درپے اور سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جس طرح کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور ایک کے بعد ایک کر کے سب موتی جھڑ جاتے ہیں۔ اس کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ضعیف ہیں۔ سعید بن مسیبؒ سے بھی یہ قول مروی ہے۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں دنیا ساری کی ساری ان میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاجؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔ قرطبیؒ نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام عالمین کو شامل ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا یہ رب۔ عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لئے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے جیسے کہ ابن معتز شاعر کا قول ہے۔

﴿فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْإِلٰهُ﴾ ﴿ اَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ﴾

﴿وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهُ اٰيَةٌ﴾ ﴿ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ وَاحِدٌ﴾

یعنی تعجب ہے کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے؟ اور کس طرح اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ اَلْحَمْدُ الخ کے بعد اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تفسیر پڑھئے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان۔

الرحمان الرحیم: اس کی مکمل تفسیر پہلے گزر چکی ہے اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں ﴿رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ کے وصف کے بعد ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کا وصف ترہیب یعنی ڈراوے کے بعد ترغیب یعنی امید ہے جیسے فرمایا ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْ ﴾ یعنی میرے بندوں کو خبر کر دو کہ میں بخشنے والا مہربان بھی ہوں اور میرے عذاب بھی دردناک عذاب ہیں اور فرمایا تیرا رب جلد سزا کرنے والا

اور مہربانی اور بخشش بھی کرنیوالا ہے۔ رب کے لفظ میں ڈراؤ ہے اور رحمٰن اور رحیم کے لفظ میں امید ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایماندار باری تعالیٰ کے غضب وغصہ سے اور اسکے سخت عذابوں سے پورا واقف ہوتا تو اس وقت اسکے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی اور اگر کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اسکی رحمتوں کو پوری طرح جان لیتا تو کبھی ناامید نہ ہوتا۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک

حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے: بعض قاریوں نے ﴿ مَلِكِ ﴾ پڑھا ہے۔ اور باقی سب نے ﴿ مٰلِكِ ﴾ اور دونوں قراتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراتوں میں سے ہیں، اور مالک نے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ اور ﴿ مَلِيْكِ ﴾ اور ﴿ مَلِكِيْ ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلے کی دونوں قراتیں معانی کی رو سے ترجیح والی اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی ہیں۔ زمخشریؒ نے ﴿ مَلِكِ ﴾ کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ حرمین والوں کی یہ قرات ہے اور قرآن میں بھی ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾ اور ﴿ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ﴾ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے ﴿ مَلِكِ ﴾ پڑھا اس بناء پر کہ فعل اور فاعل اور مفعول آتا ہے۔ لیکن یہ شاذ ہے اور بیحد غریب ہے۔ ابو بکر بن ابو داؤد نے اس میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے تینوں خلفاء اور حضرت معاویہؓ اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے ﴿ مَلِكِ ﴾ پڑھا میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قرات کی صحت پر اطلاع تھی جو راوی حدیث ابن شہاب کو نہ تھی واللہ اعلم۔ ابن مردویہ نے کئی سندوں سے اسے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مالک پڑھتے تھے۔ مالک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ ﴾ یعنی زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔ اور فرمایا ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ ﴾ یعنی کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔ اور ملک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾ الخ یعنی آج ملک کس کا ہے؟ صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔ اور فرمایا ﴿ قَوْلُهُ الْحَقُّ ﴾ الخ اسی کا فرمان حق، اور اسی کا سب ملک ہے۔ اور فرمایا آج کے دن ملک رحمٰن ہی کا حق ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے اس فرمان میں قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا سے انکار ہے۔ اس لئے کہ پہلے اپنا وصف ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ہونا بیان فرما چکا ہے۔ جو دنیا اور آخرت کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے کوئی زبان تک نہ ہلا سکے گا جیسا کہ فرمایا جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا یہاں تک کہ رحمٰن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی اور سوائے گنگناہٹ کے کچھ نہ سنائی دے گا اور فرمایا جب قیامت آئے گی اس دن رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بول نہ سکے گا۔ بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض سعادت مند۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔ ﴿ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ہاں اگر رب کسی برائی سے درگزر کرلے تو یہ اس کا اختیاری امر ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہی مروی ہے۔ بعض سے یہ بھی منقول ہے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہے۔ ابن جریرؒ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ ہر ایک قول کا قائل دوسرے کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں پہلا قول مطلب پر

زیادہ دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ فرمان ہے ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ ﴾ الخ اور دوسرا قول اس آیت کے مشابہ ہے جو فرمایا ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ یعنی جس دن کہے گا ہو جا بس اسی وقت ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے فرمایا ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ الْمَلِكُ ﴾ الخ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بدترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جو شہنشاہ کہلائے' حقیقی مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبضہ میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں تکبر والے؟ قرآن عظیم میں ہے آج بادشاہت کس کی ہے؟ فقط اللہ اکیلے غلبہ والے کی۔ اور کسی کو ملک کہہ دینا یہ صرف مجازاً ہے قرآن کریم میں طالوت کو ملک کہا گیا اور ﴿وَكَانَ وَرَآئَهُمْ مَّلِكٌ ﴾ کا لفظ آیا۔ اور بخاری و مسلم میں ملوک کا لفظ آیا ہے اور قرآن کی آیت میں ﴿ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ﴾ یعنی تم میں انبیاء کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا ہے دین کے معنی بدلے اور جزا اور حساب کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہیں' اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے۔ اور جگہ ہے "کیا ہم بدلہ دیئے جائیں گے" حدیث میں ہے دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے' یعنی اپنے نفس سے خود حساب لے جیسا کہ حضرت عمر فاروق کا قول ہے کہ تم خود اپنی جانوں سے حساب لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا خود وزن کر لو اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار رہو جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس پر تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ جیسے خود رب عالم نے فرما دیا جس دن تم پیش کئے جاؤ گے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

عبادت کیا ہے: ساتوں قراء اور جمہور نے اسے ﴿اِيَّاكَ ﴾ پڑھا ہے۔ عمرو بن فائد نے ﴿ اِيَاكَ ﴾ پڑھا ہے۔ لیکن یہ قرأت شاذ اور مردود ہے اس لئے کہ اِیَا کے معنی سورج کی روشنی کے ہیں۔ اور بعض نے ﴿اياك﴾ پڑھا ہے اور بعضوں نے ﴿هَيَّاكَ ﴾ پڑھا ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی ﴿هَيَّاكَ ﴾ ہے ﴿نَسْتَعِيْنُ ﴾ کی یہی قرات تمام قراء کی ہے سوائے یحییٰ بن وثاب اور اعمش کے یہ دونوں پہلے نون کو زیر سے پڑھتے ہیں۔ قبیلہ بنو اسد' ربیعہ' بنو تمیم کی لغت اسی طرح پر ہے۔ لغت میں عبادت کہتے ہیں ذلت اور پستی کو۔ طریق معبد اس راستے کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اسی طرح ﴿تعبير معبد ﴾ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اور شریعت میں عبادت نام ہے محبت خشوع خضوع اور خوف کے مجموعے کا۔ لفظ ﴿اِيَّاكَ ﴾ کو جو مفعول ہے پہلے لائے اور پھر اسی کو دہرایا تاکہ اس کی اہمیت ہو جائے اور عبادت اور طلب مدد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ تو اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ کامل اطاعت اور پورے دین کا حاصل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورہ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملہ میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کا انکار ہے اور اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام کاموں کو سپرد کرنا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ الخ یعنی اللہ ہی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر تیرا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ فرمایا ﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ ﴾ الخ کہہ دے کہ وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس پر ہم نے توکل کیا اور فرمایا ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ

﴿ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلاً ﴾ یعنی مشرق مغرب کا رب وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔ یہی مضمون اس آیہ کریمہ میں ہے اس سے پہلے کی آیات میں تو خطاب نہ تھا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا جو نہایت لطافت اور مناسبت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کی تو گویا قرب الٰہی میں حاضر ہو گیا اور اللہ جلالہ کے حضور میں پہنچ گیا اب اس مالک کو خطاب کر کے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ یا رب ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیرے ہی محتاج ہیں اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کے تمام جملوں میں خبر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات پر اپنی ثنا آپ کی تھی اور بندوں کو اپنی ثنا انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے کا ارشاد فرمایا تھا اسی لئے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو اس سورت کو پڑھنا جانتا ہو اور پھر نہ پڑھے جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا نہیں نماز اس شخص کی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ لیا ہے اس کا آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ جب بندہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔

عبادت کس کی اور مدد کس سے: جب کہتا ہے ﴿ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی جب وہ کہتا ہے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی جب وہ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو مانگے پھر وہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مجھ سے مانگے اس کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید رکھتے ہیں تیرے سوا کسی اور کی نہ تو ہم عبادت کریں نہ ڈریں نہ امید رکھیں' اور ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری تمام اطاعت پر اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اسی سے مدد مانگو ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کو پہلے لانا اس لئے ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اور مدد طلب کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر پختگی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ اہمیت والی چیز کو پہلے لایا جاتا ہے اور اس سے کم اہمیت والی کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کے صیغہ کو لانے کی یعنی ہم کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ جمع کے لئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے اور اگر تعظیم کے لئے ہے تو اس مقام پر یہ نہایت نامناسب ہے کیونکہ یہاں تو مسکینی اور عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا ایک بندہ تمام بندوں کی طرف سے خبر دے رہا ہے بالخصوص جبکہ وہ عبادت میں کھڑا ہو یا امام بنا ہوا ہو' پس گویا وہ اپنی اور اپنے سب مومن بھائیوں کی طرف سے اقرار کر رہا ہے کہ وہ سب اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ ان کی طرف سے بھلائی کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کے لئے ہے گویا کہ بندہ جب عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسی کو کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیری عزت ہمارے دربار میں بہت زیادہ ہے تو اب ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہہ اپنے تئیں عزت سے یاد کر۔ ہاں اگر عبادت سے الگ ہو تو اس وقت ہم نہ کہہ گو ہزاروں لاکھوں میں ہو کیونکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج اور اس کے دربار کے فقیر ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ میں جو تواضع اور عاجزی ہے وہ ﴿ اِيَّاكَ عَبَدْنَا ﴾ میں نہیں اس لئے کہ اس میں اپنے نفس کی بڑائی اور اپنی عبادت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبادت اور جیسی چاہیے ویسی ثنا وصفت

بیان کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ کسی شاعر کا قول ہے کہ مجھے اس کا غلام کہہ کر ہی پکارو کیونکہ میرا سب سے اچھا نام یہی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کا نام عبد یعنی غلام ان جگہوں پر لیا ہے جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے قرآن نازل کرنا، نماز میں کھڑے ہونا، معراج کرانا وغیرہ فرمان ہے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ﴾ الخ۔ فرمایا ﴿ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ الخ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ﴾ الخ ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ تعلیم دی کہ اے نبی! جس وقت تمہارا دل مخالفین کے جھٹلانے کی وجہ سے تنگ ہو تو تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ ﴾ الخ یعنی ہم جانتے ہیں کہ مخالفین کی باتیں تیرا دل دکھاتی ہیں تو ایسے وقت اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کر اور موت کے وقت تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عبودیت کا مقام رسالت کے مقام سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا ہے اور رسالت کا تعلق حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے اور اس دلیل سے بھی کہ عبد کے تمام اصلاح کے کاموں کا متولی خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا والی ہوتا ہے۔ لیکن یہ قول غلط ہے اور اس کی دونوں دلیلیں بھی بوگس اور لاحاصل ہیں افسوس رازیؒ نے نہ تو اس کو ضعیف کہا نہ اسے رد کیا۔

بعض صوفیاء کا قول ہے کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے یا عذاب دفع کرنے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فائدے کی بات نہیں، اس لئے کہ اس وقت مقصود خود اپنی مراد کا حاصل کرنا ٹھہرا۔ اس کی تکالیف کے لئے آمادگی کرنا یہ بھی ضعیف ہے۔ اعلیٰ مرتبہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کی جو تمام کامل صفات سے موصوف ہے محض اس کی ذات کے لئے ہی عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو۔ اسی لئے نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھنے کی ہوتی ہے، اگر وہ ثواب پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے ہو تو باطل ہے۔ دوسرا گروہ ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا کچھ اس کے خلاف نہیں کہ ثواب کی طلب اور عذاب کا بچاؤ مطلوب نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور ﷺ! میں نہ تو آپ جیسا پڑھنا جانتا ہوں نہ (حضرت) معاذؓ جیسا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے نجات چاہتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا اسی کے قریب قریب ہم بھی پڑھتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا

سوال کرنے کا طریقہ: جمہور نے ﴿صِرَاطَ ﴾ پڑھا ہے۔ بعضوں نے ﴿سِرَاطَ ﴾ کہا ہے اور زے بھی ایک قرات ہے۔ فراء کہتے ہیں بنی عذرہ اور بنی کلب کی قرات یہی ہے چونکہ پہلے ثناء وصفت بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اپنی حاجت طلب کرے جیسے کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ اس کا آدھا حصہ میرے لئے ہے اور آدھا میرے بندہ کے لئے اور میرے بندہ کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ خیال کیجئے کہ اس میں کس قدر لطافت اور عمدگی ہے کہ پہلے پروردگار عالم کی تعریف وتوصیف کی پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حاجت طلب کی۔ یہ وہ لطیف پیرایہ ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پالینے کے لئے تیر بہدف ہے۔ اس کامل طریقہ کو پسند فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ہدایت کی۔

کبھی سوال اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ﴿ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴾ پروردگار جو بھلائیاں تو نے میری طرف نازل فرمائی ہیں میں ان کا محتاج ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے،

میں ظالموں میں سے ہوں۔ کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل صرف تعریف اور بزرگی بیان کر کے چپ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ شاعر کا قول ہے کہ مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیری مہربانیوں بھری بخشش مجھے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری پاک عادتوں میں داخل ہے۔ صرف تیری پاکیزگی بیان کر دینا تیری حمد و ثناء کرنا ہی مجھے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہدایت کے معنی یہاں پر ارشاد اور توفیق کے ہیں۔

کبھی تو ہدایت بنفسہ متعدی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے تو معنی ﴿ اَلْهِمْنَا وَفِّقْنَا اَرْزُقْنَا ﴾ اور ﴿ اَعْطِنَا ﴾ یعنی ہمیں عطا فرما کے ہوں گے۔ اور جگہ ہے ﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ یعنی ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی اور برائی دونوں کے۔ اور کبھی ہدایت اِلٰی کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے فرمایا ﴿ اِجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور فرمایا ﴿ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴾۔ یہاں ہدایت ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرمان ہے ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْ ﴾ الخ یعنی تو البتہ سیدھی راہ دیکھاتا ہے۔ اور کبھی ہدایت لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے جنتیوں کا قول قرآن کریم میں ہے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا لِهٰذَا ﴾ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی یعنی توفیق دی اور ہدایت والا بنایا۔

صراط مستقیم کے معنی سنئے۔ امام ابو جعفر ابن جریرؒ فرماتے ہیں مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھ پن کے ساتھ آتا ہے۔ سلف اور خلف مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہے اور وہ اللہ و رسول ﷺ کی پیروی اور تابعداری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریرؒ نے بھی یہی روایت کی ہے۔ فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی، حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم یہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے (مسند احمد ترمذی) حضرت علیؓ کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے، واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہؓ سے بھی یہی روایت ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد! (ﷺ) ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ کہیے یعنی ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام کر اور اس دین الٰہی کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپؓ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی صراط مستقیم کی کہ اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے جو کہتا ہے کہ اے لوگو! تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ ٹیڑھی ترچھی ادھر ادھر کی راہوں پر نہ جاؤ ایک پکارنے والا اس راستے کے اوپر ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ خبردار اسے نہ کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جائے گا اور صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر

سے پکارنے والا وہ کھٹکا ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے یہ حدیث ابن ابی حاتم' ابن جریر' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور اسکی اسناد حسن صحیح ہے' واللہ اعلم۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد حق ہے۔ ان کا یہ قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور ان سب اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے دونوں خلفاء ہیں۔ ابو العالیہؒ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء صدیقؓ و فاروقؓ کا تابعدار حق کا تابع ہے اور حق کا تابع اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف کی مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ پھر صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں فالحمد للہ۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا۔ امام ابو جعفر ابن جریرؒ کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم توفیق دیئے جائیں اس چیز کی جو باری تعالیٰ کی مرضی کی چیز ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے رب تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو اور ان پر انعام کیا ہو صراط مستقیم یہی ہے اس لئے کہ جو شخص اس چیز کی توفیق دیا گیا جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا اور جو نبی ﷺ اور صدیقؓ اور شہید اور صالح لوگ تھے وہ اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی اور کتاب اللہ کو مضبوط تھام رکھنے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے کی اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانے کی اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے چاروں خلیفوں اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق دیا گیا تو یہی صراط مستقیم ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے پھر نماز اور غیر نماز میں حاجت مانگنے کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی اور رسوخ اور بینائی اور ہمیشہ کے لئے طلب ہے اس لئے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا محتاج ہے وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں' بلکہ دن رات' اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے اس لئے اللہ نے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا رہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ اچھا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے در کا بھکاری بنالے وہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے بالخصوص بے قرار محتاج اور اس کی طرف اپنی حاجت دن رات پیش کرنے والے کی ہر پکار کو قبول کرنے کا وہ ضامن ہے' اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ الخ اے ایمان والو! اللہ پر اس کے رسولوں پر' اس کی اس کتاب پر' جو اس نے اپنے رسول ﷺ کی طرف نازل فرمائی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئیں سب پر ایمان لاؤ۔

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے یہاں ہدایت والوں کو ہدایت کی طلب کا حکم دینا۔ مراد دونوں جگہ ثابت قدمی اور استمرار ہے اور ایسے اعمال پر ہمیشگی کرنا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد پہنچائیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو بھی نہیں سکتا کہ یہ حاصل شدہ چیز کا حاصل کرنا ہے واللہ اعلم۔ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے اپنے ایماندار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کہیں ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس کی رحمت عطا فرما تو بہت بڑا دینے والا اور عطا فرمانے والا ہے۔ یہ بھی روایت کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ مغرب کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اس آیت کو پوشیدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ پس ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

﴿الْمُسْتَقِيمَ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ یااللہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور اس سے ہمیں نہ ہٹا۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی

انعام یافتہ کون ہیں: اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر اللہ کریم فرماتے ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ یہ آیت تفسیر ہے صراط مستقیم کی۔ اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے۔ اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جن پر باری تعالیٰ کا انعام ہوا ان کا بیان سورۂ نساء میں ہے۔ فرمان ہے' ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ الخ یعنی رب تعالیٰ اور رسول کے ماننے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر رب تعالیٰ کا انعام ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں۔ یہ بہترین ساتھ اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل الٰہی ہے اور اللہ کا جاننے والا ہونا کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یااللہ! تو مجھے ان فرشتوں' نبیوں' صدیقوں' شہیدوں' اور صالحین کی راہ چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت و عبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک ﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ ﴾ الخ کی طرح ہے۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء ہیں۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول زیادہ قوی اور معقول ہے۔ واللہ اعلم۔

جمہور کی قرأت میں ﴿غَيْرِ﴾ رے کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشریؒ کہتے ہیں رے کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطابؓ کی قرات یہی ہے۔ اور ابن کثیرؒ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ میں جو ضمیر ہے وہ اس کا ذوالحال ہے اور ﴿اَنْعَمْتَ﴾ عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ یارب! تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ کے رسول کے اطاعت گزار اس کے حکموں پر عمل کرنے والے' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانے والے تھے۔

مغضوب کون ہیں: ان کی راہ سے بچا جن پر غضب و غصہ کیا گیا جن کے ارادے فاسد ہو گئے حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچا لے جو سرے سے علم ہی نہیں رکھتے مارے مارے پھرتے ہیں راہ سے بھٹکتے ہوئے حیران و سرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کئے جاتے۔ ﴿لَا﴾ کو دوبارہ لا کر کلام کی تاکید کرنا اس لئے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں' ایک یہود کا دوسر انصاری کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غَيْرِ کا لفظ یہاں پر استثناء کے لئے ہے تو استثناء منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے یہ استثناء ہوتا ہے اور یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ﴾ سے مراد ﴿ غَيْرِ الصِّرَاطِ الْمَغْضُوْبِ﴾ ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر سے کفایت کی گئی ہے اور مضاف بیان نہ کیا گیا اس لئے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آ چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ میں ﴿ لَا ﴾ زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّآلِّيْنَ ﴾ اور اسکی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ سے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ الضَّالِّيْنَ﴾ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب ؓ سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لا نفی کی تاکید کے لئے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم ہی نہ ہو کہ ﴿اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ پر عطف ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بچتا رہے۔ اہل ایمان کا تو طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاری کے ہاں عمل نہیں۔ اسی لئے کہ باوجود عمل کے علم کو چھوڑنا سبب ہے غضب کا۔ گو ایک چیز کا قصد تو کرتے ہیں لیکن اس کے صحیح راستہ کو نہیں پاسکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے وہ اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں فرمان الٰہی ہے ﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی احادیث اور روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا کہ میری خبر گیری کرنے والا دور ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں، آپؐ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے' اللہ تعالیٰ آپؐ پر بھی احسان کرے گا۔ حضور نے دریافت کیا کہ تیری خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم۔ آپؐ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسولؐ سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علی ؓ تھے۔ انہوں نے فرمایا ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے آپؐ سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضورؐ کی سخاوت نے تو میرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپؐ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپؐ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے چالتے ہیں اس بات نے مجھے یقین دلا دیا کہ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا عدی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ ﴿اللہ اکبر﴾ کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے اور آپ ﷺ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا کہ میں فوراً" کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا جس سے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہود ہیں اور ﴿ضَآلِّيْنَ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی ؓ کے سوال پر حضور ﷺ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور ﷺ سے یہی سوال کیا آپ ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایات میں ان کا نام عبد اللہ بن عمرو ؓ ہے' واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ابوذر ؓ سے بھی یہی روایت ہے' حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ حضرت ابن مسعود ؓ اور بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس ؒ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بلکہ ابن ابی حاتم ؒ تو فرماتے ہیں مفسرین میں اس بارے میں اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ ؒ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گزری' دوسری سورۂ بقرہ کی وہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ﴾ الخ اس آیت میں ہے کہ ان پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور

سورۂ مائدہ کی آیت ﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ ﴾ الخ میں بھی ہے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ ایک جگہ فرمان الٰہی ہے ﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ الخ یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبانی یہ بوجہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزر جانے کے ہے یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے۔ اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جب کہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ غضب الٰہی کا ایک حصہ نہ لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لئے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر اسے کیسے قبول کر لیں؟ نصرانیوں سے ملے۔ انہوں نے کہا جب تک باری تعالیٰ کی ناراضگی کا حصہ نہ لیں تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آ سکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اس لئے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا۔ انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الٰہیہ نے ان کی راہبری کی اور یہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی اس کی تصدیق کی۔

مسئلہ

ض اور ظ میں فرق: ضاد اور ظے کی قرات میں بہت باریک فرق ہے اور یہ فرق ہر ایک کے بس میں نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے۔ ضاد کا صحیح مخرج تو یہ ہے کہ زبان کے اول کنارہ اور اس کے پاس کی ڈاڑھیں۔ اور ظے کا مخرج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانت کے کنارے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں حرف مجہورہ اور رخوہ اور مطبقہ ہیں۔ پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو اسے معاف ہے کہ ضاد کو ظے کی طرح پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ضاد کو سب سے زیادہ صحیح پڑھنے والا میں ہوں، لیکن یہ حدیث بالکل بے اصل اور لاپتہ ہے۔

فصل۔ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ: یہ مبارک سورت نہایت کار آمد مضامین کا مجموعہ ہے ان سات آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد اس کی بزرگی اس کی ثناء وصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے کہ وہ اس مالک سے سوال کریں اس کی طرف تضرع وزاری کریں اپنی مسکینی اور بے کسی کا اقرار کریں۔ اور اسکی عبادت خلوص کے ساتھ کریں۔ اور اسکی توحید الوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم کی اور اس پر ثابت قدمی کی اس سے مدد طلب کریں اور یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پل صراط سے بھی پار اتارے اور نبیوں، صدیقوں اور صالحوں کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے تاکہ قیامت کے دن نیکوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے ڈراوا ہے تاکہ قیامت کے دن بھی ان کی جماعتوں سے دوری ہو۔ یہ باطل پرست یہود و نصاری ہیں۔

اس باریک نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ انعام کی اسناد تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور ﴿أَنْعَمْتَ﴾ کہا گیا اور غضب کی اسناد نہیں کی گئی۔ یہاں فاعل حذف کر دیا اور ﴿ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ﴾ کہا گیا اس میں پروردگار عالم کی جناب میں ادب کیا گیا ہے۔ دراصل حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ﴾ اور اسی طرح ضلالت کی اسناد بھی ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں۔ حالانکہ اور جگہ ہے ﴿مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ﴾ الخ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ جسے راہ دکھادے وہ راہ یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسکا ولی اور مرشد کوئی نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ﴾ الخ یعنی اللہ جسے گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی

نہیں وہ تو اپنی سرکشی میں بہکے رہتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ راہ دکھانے والا اور گمراہ کرنے والا صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

قدریہ فرقہ جو ادھر ادھر کی متشابہ آیات کو دلیل بنا کر کہتا ہے کہ بندے خود مختار ہیں وہ خود پسند کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ صریح اور صاف صاف آیات ان کے رد کی موجود ہیں لیکن باطل پرست فرقوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صراحت کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے تم ان کو چھوڑ دو۔ حضور ﷺ کا اشارہ اس فرمان میں اس آیت مبارکہ کی طرف ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ یعنی جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں فتنوں اور تاویل کو ڈھونڈنے کے لئے۔ پس الحمدللہ بدعتیوں کے لیے قرآن کریم میں صحیح دلیل کوئی نہیں قرآن کریم تو حق وباطل ہدایت وضلالت میں فرق کرنے کے لے آیا ہے۔ اس میں تناقض اور اختلاف نہیں۔ تو یہ حکیم وحمید اللہ کا نازل کردہ ہے۔

فصل

آمین کی فضیلت: سورۂ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین مثل یاسین کے ہے۔ اور آمین بھی کہا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد' ابوداؤد' اور ترمذی میں وائل بن حجرؓ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہہ کر آمین کہتے تھے۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین پہلی صف والے لوگ جو آپ ﷺ کے قریب ہوتے سن لیتے۔ ابوداؤد' اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں یہ بھی ہے کہ امین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ دار قطنی میں بھی یہ حدیث ہے اور دار قطنی اسے حسن بتاتے ہیں حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کیجئے (ابوداؤد) حسن بصریؒ اور جعفر صادقؒ سے آمین کہنا مروی ہے جیسے کہ ﴿آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ قرآن کریم میں ہے۔

ہمارے اصحاب وغیرہ کہتے ہیں جو نماز میں نہ ہو اسے بھی آمین کہنا چاہیئے۔ ہاں جو نماز میں ہو اس پر تاکید زیادہ ہے۔ نمازی خواہ اکیلا ہو خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو ہر حالت میں آمین کہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے موافقت کر جاتی ہے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی آمین کا اور فرشتوں کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے یا موافقت سے مراد قبولیت میں موافق ہونا ہے یا اخلاص میں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو آمین کہو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا آمین کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ تو قبول کر۔ جوہریؒ کہتے ہیں اس کا معنٰی ہے "اسی طرح ہو" ترمذی کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ "ہماری امیدوں کو نہ توڑ" اکثر علماء فرماتے ہیں اس کے معنی "اے اللہ! تو ہماری دعا کو قبول فرما" کے ہیں۔ مجاہدؒ جعفر صادقؒ ہلال بن سیافؒ فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک

نام ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ امام مالکؒ کے اصحاب کا مذہب ہے کہ امام آمین نہ کہے مقتدی آمین کہیں کیونکہ موطا امام مالکؒ کی حدیث میں ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ اسی طرح ان کی دلیل کی تائید میں صحیح مسلم والی ابو موسیٰ اشعریؓ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ لیکن بخاری و مسلم کی حدیث پہلے بیان ہو چکی کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھ کر آمین کہتے تھے۔ جہری نمازوں میں آمین بلند آواز سے جہری نمازوں میں مقتدی اونچی آواز سے آمین کہے یا نہ کہے اس میں ہمارے ساتھیوں کا اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام آمین کہنی بھول گیا ہو تو مقتدی باآواز بلند آمین کہیں۔ اگر امام نے خود اونچی آواز سے آمین کہی تو نیا قول یہ ہے کہ مقتدی باآواز بلند نہ کہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں امام مالکؒ سے بھی مروی ہے اس لئے کہ نماز کے اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک ذکر ہے تو نہ وہ بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں نہ یہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ لیکن پہلا قول یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام مالکؒ کا بھی دوسری روایت کے اعتبار سے یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ ہمارے یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی باآواز بلند آمین نہ کہیں اس لئے کہ وہ امام کی قرات سنتے ہیں، اور اگر بڑی ہو تو اونچی آواز سے آمین کہیں تاکہ مسجد کے کونے کونے میں آمین پہنچ جائے، واللہ اعلم۔ (صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت کی جاتی ہے ان میں اونچی آواز سے ہی آمین کہنی چاہیئے خواہ مقتدی ہو خواہ امام خواہ منفرد، مترجم)

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے پاس یہودیوں کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری تین چیزوں پر یہودیوں کو اتنا بڑا حسد ہے کہ کسی اور چیز پر نہیں۔ ایک تو جمعہ کہ باری تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ بہک گئے۔ دوسرے قبلہ۔ تیسرے ہمارا امام کے پیچھے آمین کہنا۔ ابن ماجہ کی حدیث میں یوں ہے کہ یہودیوں کو سلام پر اور آمین پر جتنی چڑ ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہودی جتنا حسد تمہارے آمین کہنے پر کرتے ہیں اتنا حسد کسی اور کام پر نہیں کرتے، تم بھی آمین بکثرت کہا کرو۔ اس کی اسناد میں طلحہ ابن عمرو راوی ضعیف ہیں۔ ابن مردویہ میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے اپنے مومن بندوں پر۔ حضرت انسؓ والی حدیث میں ہے کہ نماز میں آمین کہنی اور دعا پر آمین کہنی رب تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا کی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی خاص دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے تم اپنی دعاؤں کو آمین پر ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے حق میں قبول فرمایا کرے گا۔

اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کے ان الفاظ کو دیکھیے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ﴾ الخ ہے یعنی اے اللہ تو نے فرعون اور فرعونیوں کو دنیا کی زینت اور مال دنیا کی زندگانی میں عطا فرمایا ہے جس سے وہ تیری راہ سے دوسروں کو بہکا رہے ہیں۔ یارب ان کے مال برباد کر اور ان کے دل سخت کر یہ نہ ایمان لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ الخ یعنی تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ تم مضبوط رہو اور بے علموں کی راہ نہ جاؤ۔ دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام صرف آمین کہتے تھے لیکن قرآن نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے اس نے گویا خود دعا کی۔ اب اس استدلال کو سامنے رکھ کر پھر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قرات نہ کرے اس لئے کہ اس کا سورۂ فاتحہ پر آمین کہنا قائم مقام پڑھنے کے ہے۔ اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے

(مسند احمد) حضرت بلال ؓ کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ ! آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے۔ اس کھینچاتانی سے مقتدی پر جہری نمازوں میں ﴿الحمد﴾ کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے) حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَ﴾ کہہ کر آمین کہتا ہے اور آسمان والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ آمین نہ کہنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کیا غالب آئے مال غنیمت جمع کیا اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام کا قرعہ نکلا ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے یہ کیوں؟ تو جواب ملے کہ تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ یَسِّرْ وَ اَعِنْ یَا کَرِیْمِ

تفسیر سورۂ بقرہ

سورۃ بقرہ کے فضائل: حضرت معقل بن یسار ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی کی ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے سے نازل ہوئی اور اس سورت کے ساتھ ملائی گئی سورۂ یٰس قرآن کا دل ہے جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو۔ (مسند احمد) اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عن رجل ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہیں؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں ان کا نام ابو عثمان آگیا ہے۔ یہ حدیث اسی طرح ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن کریم کی بلندی سورہ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ مسند احمد، صحیح مسلم، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ جس گھر میں سوۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔ امام ترمذی ؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحییٰ بن معین تو ثقہ بتلاتے ہیں لیکن احمد ؒ وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے اسے نسائی نے "الیوم واللیل" میں اور حاکم نے "مستدرک" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں تم سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورۂ بقرہ نہ پڑھے سنو جس گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے۔ امام نسائی ؒ نے "الیوم اللیلہ" میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ مسند دارمی میں حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورۂ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا لباب ہوتا ہے اور قرآن کا لباب مفصل کی سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا فرمان ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی چار پہلی آیات اور آیت الکرسی اور دو آیات اس کے بعد کی اور تین آیات سب سے آخر کی یہ جملہ

دس آیات رات کے وقت پڑھ لے اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جاسکتا اور اسے اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیات مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا (طبرانی۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپؐ نے دی جس نے کہا تھا کہ مجھے سورۂ بقرہ یاد ہے۔ اس وقت ایک شریف شخص نے کہا میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن مجھے ڈر لگا کہ ایسا نہ ہو میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قرآن سیکھو' قرآن کو پڑھو جو شخص اسے سیکھتا ہے پڑھتا ہے پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھے ہوئے سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی۔ ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا اس نے اچھلنا کودنا بدکنا شروع کیا۔ انہوں نے قرات چھوڑ دی گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا گھوڑے نے بھی پھر بدکنا شروع کیا انہوں نے پھر پڑھنا موقوف کیا گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے یحییٰ گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے اس لئے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آجائے قرآن پڑھنا بند کر کے اسے اٹھا لیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضور ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کرنے لگے۔ آپ سنتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں اسید پڑھتے چلے جاؤ۔ حضرت اسیدؓ نے کہا حضور! تیسری مرتبہ کے بعد تو یحییٰ کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح کی ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آگئے تھے اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا کسی سے نہ چھپتے۔ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے' واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت ابن قیس بن شماسؓ کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گزشتہ رات ہم نے دیکھا ساری رات حضرت ثابتؓ کا گھر نور کا بقعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگاتا رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورۂ بقرہ پڑھی ہو گی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا سچ ہے رات کو میں سورۂ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے واللہ اعلم۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی فضیلت: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں سورۂ بقرہ سیکھو اور اس کا لینا برکت ہے اور اسکا چھوڑنا حسرت ہے جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سیکھو یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی' قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ یہ کہے گا نہیں تو وہ جواب دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دنوں کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بستر سے دور بیدار رکھا تھا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں۔ اب اسے ملک داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور ہمیشگی بائیں ہاتھ میں اس کے سر پر وقار و عزت کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے ماں باپ کو دو ایسے عمدہ قیمتی حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے

سامنے پیچ ہو‘ وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم و کرم کی اس انعام و اکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کی قرآن خوانی کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا۔ چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا۔ خواہ ترتیل سے پڑھے یا خواہ بے ترتیل کے۔

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے اس کی اسناد حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر ابن مہاجر سے امام مسلمؒ بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمدؒ اسے منکر الحدیث بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجب احادیث لاتا ہے۔ امام بخاریؒ کا فیصلہ ہے کہ اسکی احادیث لکھی جاتی ہیں لیکن دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ انکی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت میں بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دو نورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے رب تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ اس کا لینا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اسکی طاقت باطل والوں کو نہیں۔ صحیح مسلم میں بھی حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی بادل کی طرح یا سایے اور سائبان کی طرح یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی۔ مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے‘ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی‘ اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعبؓ سے عرض کی کہ مجھے بتائیے کہ وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعبؓ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا اگر میں بتادوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دو سر سبز درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آرہی ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی سورۂ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں کوئی سورہ آل عمران پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ہاں تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک آتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا‘ پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ کے بعد سورۂ آل عمران بھی چلی گئی۔ پھر ایک جمعہ اور گزرا تو آواز آئی کہ میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ مبارک سورت یعنی سورۂ بقرہ بھی اس سے الگ ہو گئی مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذابوں کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر بوجہ اس کی گناہوں کی زیادتی کے ان کی سفارش بھی نہ چلی۔ یزید ابن اسود جرشیؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے۔ خود حضرت یزیدؒ اپنے معمول کے وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو ہر صبح و شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات کو پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرمانبرداروں میں شمار

ہو گا۔اس کی سند منقطع ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

سات بڑی سورتوں کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں سات لمبی سورتوں کو تورات کی جگہ دیا گیا ہوں اور انجیل کی جگہ مجھ کو دو سو آیات والی سورتیں ملی ہیں اور زبور کے قائم مقام میں دو سو سے کم آیات والی سورتیں دیا گیا ہوں اور پھر مجھے فضیلت میں خاص سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابوبشیرؒ میں کچھ کلام ہے۔ ابو عبدیؒ نے اسے دوسری سند سے بھی وارد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ یہ روایت بھی غریب ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا جنہیں سورۂ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ تو ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف، اور سورۂ یونس، حضرت مجاہد، مکحول، عطیہ بن قیس، ابو محمد فارسی، شداد بن اوس، یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی منقول ہے۔

فصل: مقام نزول اور مزید معلومات: سورۂ بقرہ ساری کی ساری مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ﴾ الخ سب سے آخر میں نازل ہونے والی ہے۔ یعنی قرآن کریم میں سب سے آخر یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن ہے اسی میں سے اور اسی طرح سود کی حرمت کی آیات بھی سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدانؒ سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار احکام ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے۔ اس کی آیات دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں، اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں، واللہ اعلم۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بلا خلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سورۃ البقرہ، سورۂ آل عمران سورۃ النساء، وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے وہ سورۂ جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی تمام سورتوں کا نام لیا کرو۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسول ہونا ہی صحیح نہیں اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابو سلمہ خواص ضعیف ہیں، ان کی روایت سے سند نہیں لی جا سکتی۔ اس کے برخلاف بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منی دائیں طرف اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکے تھے رسول اللہ ﷺ نے جن پر سورۂ بقرہ اتری ہے۔ گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا کہ سورۂ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ لیکن مزید سنیے ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں ﴿یا اصحاب﴾﴿ سورۃ البقرہ﴾ کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے اے درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۂ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تا کہ انہیں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر طرف سے جمع ہو گئے۔ مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنو حنفیہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگا گئے، صحابہ نے اسی طرح لوگوں کو یا اصحاب﴿ سورۃ البقرۃ﴾ یعنی اے سورۂ بقرہ والو! کہہ کر پکارا۔ اور اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی، اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خوش ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

﴿الٓمّٓ ۝۱﴾

حروف مقطعات' معانی اور تشریح: ﴿الٓمّٓ﴾ جیسے حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں کسی اور کو معلوم نہیں اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبیؒ نے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ سے یہی نقل کیا ہے۔ عامر شعبیؒ سفیان ثوریؒ ربیع بن خثیمؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو حاتم ابن حبانؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبد الرحمٰن ابن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔ علامہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشریؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ﴿الٓمّٓ السَّجْدَة﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ پڑھتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ﴿الٓمّٓ﴾ اور ﴿حٰمٓ﴾ اور ﴿الٓمّٓصٓ﴾ اور ﴿صٓ﴾ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ الم قرآن کے ناموں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہؒ اور حضرت زید بن اسلمؒ کا بھی یہی قول ہے اور شائد اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبد الرحمٰن ابن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں' اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام ﴿الٓمّٓصٓ﴾ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۂ ﴿الٓمّٓصٓ﴾ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۂ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن واللہ اعلم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعبیؒ' سالم بن عبد اللہ' اسمٰعیل ابن عبد الرحمٰن' سدی کبیرؒ یہی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الم اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿حٰمٓ﴾ ﴿طٰسٓ﴾ اور ﴿الٓمّٓ﴾ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں سے یہ مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ قسم ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی ﴿اِنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ ہیں یعنی میں ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی یہ مروی ہے۔

ابن عباسؓ ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تین حروف ﴿الف﴾ اور ﴿لام﴾ اور ﴿میم﴾ انتیس حروف میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر حرف اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کے شروع کا حرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد ﴿الاء﴾ یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے اور لام سے تیس سال ہے اور میم سے چالیس سال (ابن ابی حاتم)

امام ابن جریرؒ نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے

خلاف ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی ہوں اور سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ بھی ہو اور اسکی صفتوں کی طرف بھی اور مدت وغیرہ کی طرف بھی۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معانی میں آتا ہے جیسے لفظ ﴿اُمَّۃ﴾ کہ اس کے ایک معنی ہیں دین جیسے قرآن میں ہے ﴿انا وجدنا ابائنا علی امۃ﴾ یعنی ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔ دوسرے معنی ہیں اللہ کا اطاعت گزار بندہ' جیسے فرمایا ﴿ان ابرھیم کان امۃ﴾ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں جماعت جیسے فرمایا ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً﴾ الخ یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً﴾ یعنی ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجا۔ چوتھے معانی ہیں مدت اور زمانہ' فرمان ہے وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معانی ہوئے اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعات کے بھی کئی معانی ہوں۔

امام ابن جریرؒ کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابو العالیہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ایک ساتھ ایک ہی جگہ ان سب معانی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آتے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی ہر جگہ جدا جدا تو ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ ایک ہی معنی ہوتے ہیں' جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں ایک ہی جگہ سب کے سب معنی مراد نہیں ہوتے اور سب پر ایک جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علماء اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے' واللہ اعلم۔

دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے جو معانی ہیں وہ بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لیے بنائے گئے ہیں۔ اور بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے کہ وہ دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو تو مقدر ماننے سے نہ ضمیر دینے سے نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ اور اعتبار سے تو ایسی بات علمی طور پر نہیں سمجھی جا سکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں تو اختلاف ہے اور اجماع نہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں کہ کلمہ کو بیان کرنے کے لئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے لیکن ان شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولتے ہی پورا کلمہ سمجھ آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں' واللہ اعلم۔

قرطبیؒ کہتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے مطلب یہ ہے کہ ﴿اُقْتُلْ﴾ پورا نہ کہے بلکہ صرف اق کہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف ہیں مثلاً قٓ' صٓ' حٰمٓ' طٰسٓمٓ' الٓرٰ وغیرہ سب حروف ہجا ہیں۔ بعض عربی داں کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا ب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتدا کے چند حروف ذکر کر دیئے' باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حرف آئے ہیں۔ ا ل م ص ر ك ه ى ع ط س ح ق ن ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے۔ ﴿نَصٌّ حَكِيْمٌ قَاطِعٌ لَّهٗ سِرٌّ﴾ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس ہیں اس لئے یہ پورے آدھے ہوئے۔ جو حروف بیان کیے گئے یہ ان حروف سے جو نہیں لائے گئے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعت تصریف ہے۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حرف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آ گئیں۔ یعنی مہموسہ مجہورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ! ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ کا کلام لغو' بیہودہ' بیکار اور بے معنی الفاظ سے پاک

ہے۔ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں۔ وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔

اگر نبی معصوم ﷺ سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور ﷺ نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ سے تو اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا۔

علماء کا اس میں بیحد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ کہ ان حروف کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو رب علیم ہی کو معلوم ہیں اور ہم پر ظاہر نہیں ہوئے دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتدا معلوم ہو جائے' لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لیے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے جن سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں کیا ان کی ابتداانتہا معلوم نہیں؟ پھر سورتوں سے پہلے ﴿ بِسْمِ اللّٰہِ ﴾ الخ کا پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ ابن جریر ؒ نے اس کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے اس لئے انہیں سنانے کے لئے ایسے حروف لائے گئے تاکہ جب وہ متوجہ ہو جائیں تب باقاعدہ تلاوت شروع ہو۔ لیکن یہ وجہ بھی ناقص ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتدا ان ہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں۔ پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہو تو یہی حروف ہونے چاہئیں نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ سورت یعنی سورۂ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ آل عمران یہ تو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟ ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجودیکہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرد اور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب سے بھی یہی منقول ہے۔ زمخشری نے کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت تائید کی ہے۔ زمخشری ابن تیمیہ ؒ اور حافظ مزی نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زمخشری ؒ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو مکرر لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لاجواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکایا جائے جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک ایک حرف آیا ہے جیسے ﴿ صٓ ﴾ ﴿ نٓ ﴾ ﴿ قٓ ﴾ کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے ﴿ حٰمٓ ﴾ کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے ﴿ الٓمٓ ﴾ کہیں چار آئے ہیں جیسے الٓمٓر اور ﴿ الٓمٓصٓ ﴾ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے ﴿ کٓھٰیٰعٓصٓ ﴾ اور ﴿ حٰمٓ ﴾ ﴿ عٓسٓقٓ ﴾ اس لئے کہ کلمات عرب تمام کے تمام اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی لفظ یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حرفی سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی و بڑائی کا بیان ہو چنانچہ انتیس سورتوں میں ایسا ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ الٓمٓ ﴾. ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ یہاں بھی ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے باری تعالیٰ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ الٓمٓ ﴾. ﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور دوام والا ہے جس نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو کتاب پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا اور جگہ

فرمایا ﴿الٓمٓصٓ﴾ کتاب ﴿ انزل الیك ﴾ الخ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ۔ اور جگہ فرمایا ﴿الٓرٰ﴾ ﴿کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْكَ﴾ الخ اس کتاب کو ہم نے تیری طرف نازل کیا تا کہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ لَارَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فرماتا ہے ﴿حٰمٓ o تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ بخششوں اور مہربانیوں والے مالک نے اسے نازل فرمایا ہے ﴿حٰمٓ o عٓسٓقٓ o کَذٰلِكَ یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ﴾ الخ یعنی اس طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔ اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بغور دیکھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام اللہ کی عظمت اور عزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں' واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ قول بھی ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اول تو وہ ضعیف ہے دوسرے اس حدیث اور اس قول کی پختگی تو ایک طرف اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابویاسر بن اخطب یہودی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت سورۂ بقرہ کی شروع آیت ﴿الٓمّٓ o ذٰلِكَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ تلاوت فرما رہے تھے وہ اسے سن کر اپنے بھائی حیی بن اخطب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آج حضور (ﷺ) کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ حیی ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضور کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور! کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں سچ ہے۔ اس نے کہا سنیئے! آپ سے پہلے جتنے نبی آئے کسی کو بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپؐ کو بتا دیا گیا۔ پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا سنو! الف کا عدد ہوا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس جملہ اکہتر ہوئے' کیا تم اس نبی کی اطاعت کرنی چاہتے ہو جسکے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو؟ پھر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟

آپؐ نے فرمایا ہاں ﴿ الٓمٓصٓ ﴾۔ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بہت لمبی ہے الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس صاد کے نوے۔ یہ سب ایک سو اکسٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں الر کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس اور رے کے دوسو۔ جملہ دو سو اکتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور ایسی آیت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ﴿ الٓمّٓرٰ ﴾ کہا یہ بہت ہی بھاری ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس رے کے دوسو سب مل کر دو سو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو پڑا اور بات خلط ملط ہو گئی لوگو! چلو اٹھ چلو۔

ابویاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علماء یہود سے کہا کیا تعجب کہ ان سب حروف کا مجموعہ۔ (حضرت) محمد (ﷺ) کو ملا ہو۔ اکہتر ایک' ایک سو اکتیس ایک' دو سو اکتیس ایک' دو سو اکہتر ایک' یہ سب مل کر سات سو چار برس ہوئے۔ انہوں نے کہا اب کام خلط ملط ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیات انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ﴾ الخ یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے تجھ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہت والی بھی ہیں۔

اس حدیث کا دارومدار کلبی پر ہے اور جس حدیث کا اکیلا راوی ہو محدثین اس سے حجت نہیں پکڑتے اور پھر اس طرح اگر مان لیا

جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا ان کے عدد بہت سارے ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں سے کئی کئی بار آئے ہیں اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تب تو بہت بڑی گنتی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۲

اس کتاب (کے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں، پرہیز گاروں کو راہ دکھانیوالی ہے

ابن عباس فرماتے ہیں یہاں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ معنی میں ﴿هٰذَا﴾ کے ہے۔ مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر سدی مقاتل بن حیان زید بن اسلم اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ امام بخاری نے ابو عبیدہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ﴿ذٰلِكَ﴾ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں "وہ" لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں "یہ" یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زمخشری کہتے ہیں کہ اس سے اشارہ ﴿الٓمّٓ﴾ کی طرف ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے ﴿ لَافَارِضٌ وَّلَابِكْرٌ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ ﴾ یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ﴾ یہ ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ۔ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گزر چکے واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے اشارہ ہے قرآن کریم کی طرف جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ بعض نے تورات کی طرف کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس اقوال ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے واللہ اعلم۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ﴾ کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف ہے انہوں نے نہایت دور کا راستہ لیا اور بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلاوجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔ ﴿ رَیْبَ ﴾ کے معنی ہیں شک اور شبہ۔ ابن عباس ابن مسعود اور کئی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ ابو درداء ابن عباس مجاہد سعید بن جبیر ابو مالک نافع جو ابن عمر کے مولا ہیں عطا ابو عالیہ ربیع بن انس مقاتل بن حیان سدی قتادہ اسمعیل بن ابو خالد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں مفسرین کا اس میں اختلاف نہیں۔ ﴿رَیْبَ ﴾ کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورۂ سجدہ میں ہے ﴿الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یعنی بے شک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔ بعض نے کہا ہے گو یہ خبر ہے مگر معنی میں نہی کے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔

بعض قاری ﴿لَارَیْبَ﴾ پر وقف کرتے ہیں ﴿فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ پر ٹھہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورۂ سجدہ کی آیت میں گزر چکا ہے اور اس میں بہ نسبت ﴿فِیْهِ هُدًى ﴾ کے زیادہ مبالغہ ہے ﴿هُدًى ﴾ نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بناء پر منصوب بھی ہو سکتا ہے اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ الخ یعنی یہ قرآن ہدایت و شفا ہے ایمان والوں کے لئے اور بے ایمانوں کے کان بوجھل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں یہ بہت دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ الخ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ اس مضمون کی اور آیات بھی ہیں اور ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لئے ہے

لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں جیسے فرمایا﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾الخ لوگو! تمہارے پاس رب تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی بیماریوں کی شفاء آچکی ہے جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے۔

متقی کون لوگ ہیں: ابن عباسؓ فرماتے ہیں متقین وہ ہیں جو ایمان لا کر شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں۔ ایک اور روایت میں ہے متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔ اعمشؒ حضرت ابو بکر بن عیاشؒ سے سوال کرتے ہیں کہ متقی کون ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں۔ پھر میں نے کہا ذرا کلبی سے تو دریافت کرلو' وہ کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾الخ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقین میں جمع ہوتے ہیں۔ ترمذیؒ اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بندہ حقیقی متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ابو عفیف نے پوچھا حضرت! متقی کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو لوگ شرک سے اور بت پرستی سے بچیں اور باری تعالیٰ کی خالص عبادت کریں وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں اس ہدایت پر تو سوائے رب تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ یعنی اے نبی! جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ﴾ تجھ پر ان کی ہدایت نہیں۔ فرماتا ہے﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ﴾ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ ﴾الخ یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیات بھی ہیں۔ اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کردینے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ وانك لتهدى الى صراط مستقيم ﴾ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ ﴾الخ یعنی ہم نے ثمود کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر پسند کرلیا۔ فرماتا ہے ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصل معنی بری چیزوں سے بچ رہنے کے ہیں۔ اصل میں یہ وقوی ہے وقایت سے ماخوذ ہے۔ نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی ابن کعبؓ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے ہو' ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن المعتز شاعر کا قول ہے۔

﴿ خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا ﴾ ﴿ وَ كَبِيْرَهَا ذَاكَ التُّقٰى ﴾

﴿ وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْضِ ﴾ ﴿ الشَّوْكِ يَحْذَرُ مَا يَرٰى ﴾

﴿ لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً ﴾ ﴿ اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى ﴾

یعنی "چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو' یہی تقویٰ ہے' ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان' چھوٹے گناہ کو بھی ہلکانہ جانو' دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں" ابو درداءؓ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کے پورا ہونے کا خواہاں ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ کا تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے اسے بجالائے اور اگر قسم دیدے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کے معانی اور مفہوم: حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں ایمان کہتے ہیں تصدیق کو۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ سب اقوال مل سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زبان سے دل سے اور عمل سے غیب پر ایمان لاتے ہیں اور رب تعالیٰ کا ڈر (اپنے دلوں میں) رکھتے ہیں۔ ایمان کا لفظ شامل ہے اللہ تعالیٰ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' ایمان لانے کو اور عمل کے ساتھ اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ کرنے کو۔ میں کہتا ہوں لغت میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو۔ قرآن کریم میں بھی اس معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا ﴿ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴾ یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اسی طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو' جیسے فرمایا ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقاد' قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور ابو عبیدہؒ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا اور ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور احادیث بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری کی شرح میں نقل کر دی ہیں' فالحمد للہ۔

بعض لوگوں نے ایمان کے معنی اللہ کے ڈر اور خوف کے بھی کئے ہیں' جیسے فرمان ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ﴾ جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ﴾ الخ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بغیر دیکھے ڈرائے اور جھکنے والا دل لے کر آئے ہے۔ حقیقت میں باری تعالیٰ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ رب تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو ذی علم ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایمان دار ہونا ثابت کریں' لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو انکا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال سورہ منافقون میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ الخ یعنی منافق جب تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تہ دل سے شہادت دیتے ہیں۔ کہ تو اللہ کا رسول ہے' اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے ﴿ بِالْغَيْبِ ﴾ حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں' در آں حالیکہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں غیب کا لفظ جو

یہاں ہے اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابو العالیہ ؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالٰی پر فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر' قیامت پر' جنت و دوزخ پر' ملاقات الٰہی پر' مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس ؓ' ابن مسعود ؓ' اور بعض دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ مراد اس سے وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت' دوزخ وغیرہ وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں مراد اس سے قرآن ہے۔ عطاء ؒ فرماتے ہیں اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابو خالد ؒ فرماتے ہیں مراد اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں ہیں 'زید بن اسلم ؒ کہتے ہیں مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں اس لئے کہ یہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب کو شامل ہے اور سب پر ایمان لانا واجب ہے۔

ابن مسعود ؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے دیکھنے والوں نے تو آپ ﷺ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن اللہ کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے الٓمّٓ سے لے کر ﴿ مُفْلِحُوْنَ ﴾ تک آیات پڑھیں (ابن ابی حاتم ۔ مردویہ) مستدرک حاکم' حاکم ؒ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابو جمعہ صحابی ؓ سے ابن محیریز ؒ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا اچھا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ بھی تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ! کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپؐ کے ساتھ اسلام لائے 'آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیر ؒ کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاری ؓ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے رجاء بن حیوہ ؒ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں الوداع کرنے کے لئے ساتھ چلے جب جدا ہونے لگے تو فرمایا تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہیے۔ سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ ہم نے کہا اللہ تعالٰی تم پر رحم کرے ضرور سناؤ۔ انہوں نے کہا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم دس آدمی تھے۔ ان میں حضرت معاذ بن جبل ؓ بھی تھے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ! کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالٰی پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپ نے فرمایا تم کیوں نہ کرتے؟ اللہ تعالٰی کا رسول تم میں موجود ہے وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے دو پٹھوں کے درمیان کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہیں۔ اس حدیث میں وجادہ کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین ؒ کا اختلاف ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو بخاری کی شرح میں خوب واضح کر دیا' اس لئے کہ بعد والوں کی تعریف اسی بناء پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا' اسی حیثیت سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ ہی ہیں' رضی اللہ عنہم۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ ؓ سے پوچھا' تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہیں؟ انہوں نے کہا فرشتے' فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لاتے وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ صحابہ نے کہا پھر انبیاء فرمایا انبیاء ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے' کہا پھر ہم' فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے' حالانکہ میں تم میں موجود ہوں۔ سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں کتاب لکھی پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازی ؒ نے انہیں منکر الحدیث بتایا ہے لیکن اسی مضمون کی ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابو یعلی' تفسیر ابن مردویہ' مستدرک حاکم میں مروی۔ حضرت انس ؓ بن مالک سے بھی اسی کے مثل مرفوعا" مروی ہے واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتمؒ میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلمؓ فرماتی ہیں کہ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا۔ دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر کی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ کی طرف ادا کیں۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں

اقامت صلوٰۃ کیا ہے: ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض نماز بجالاتے ہیں' رکوع سجدہ' تلاوت' خشوع اور توجہ کو قائم کرتے ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا' وضو اچھی طرح کرنا' رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوۃ ہے۔ مقاتلؒ کہتے ہیں کہ وقت کا خیال کرنا کامل طہارت کرنا' رکوع سجدہ پورا کرنا' تلاوت اچھی طرح کرنا' التحیات اور درود شریف پڑھنا اقامت صلوۃ ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ﴿ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ کے معنی زکوۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا ہے کہ اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ یہ زکوۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کی سات آیات جو سورۂ برات میں ہیں' ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا' اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے زکوۃ کو' اہل و عیال کے خرچ کو' اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہو ان سب کے دینے کو شامل ہے اس لئے پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا ہے اور عام تعریف کی ہے تو ہر طرح کے خرچ کو شامل ہو گی۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید اور اس کی ثنا اس کی بزرگی' اس کی طرف جھکنے' اس پر توکل کرنے اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال اور غلام ہیں' پھر دور والے' اجنبی' پس تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوۃ اس میں داخل ہیں' بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنائیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد (ﷺ) کی رسالت کی گواہی دینا' نماز قائم رکھنا' زکوۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس بارے میں اور بہت سی احادیث ہیں۔ عربی لغت میں صلوۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس کا استعمال نماز پر ہے جو رکوع' سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ نماز کو صلوۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لئے نماز کو صلوۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعضوں نے کہا یہ ماخوذ ہے صلی سے جس کے معنی ہیں چپک جانا اور لازم ہو جانا' جیسے قرآن میں ہے ﴿ لَا يَصْلٰىهَا ﴾ الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب ﴿ تَصْلِيَة ﴾ کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ الخ

یعنی نماز ہر بے حیائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث انشاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں

مؤمن کی صفات: ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تم سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کا انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث و قیامت' جنت و دوزخ' حساب و میزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی ان ہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں یعنی ایمان دار خواہ عرب مومن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہدؒ 'ابو العالیہؒ' ربیع بن انس اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں ہیں تو ایک 'مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عطف کا ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا' جیسے ﴿ سَبِّحِ اسْمَ ﴾ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے' اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مومنوں کی اور ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ الخ سے اہل کتاب کے مومنوں کی صفتیں ہیں۔

سدیؒ نے ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے اور ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو اس سے پہلے تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس وحی پر جو ان کی طرف اتاری گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ الذین اتینھم الکتاب من قبلہ ﴾ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں' اور جب ان پر (یہ قرآن) پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور راہ اللہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ ابن جریرؒ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کے شروع میں مومنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں کی ہیں کافر اور منافق' اسی طرح مومنوں کی بھی دو قسمیں کیں عربی مومن اور کتابی مومن۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ مجاہدؒ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیات مومنوں کے اوصاف کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیات منافقوں کے حق میں ہیں' عربی ہو یا عجمی' کتابی ہو یا غیر کتابی ہو' انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے' ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور سابقہ انبیاء پر جو کتابیں اتری ہیں ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں اسی طرح پچھلی

تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں' اسی لئے ایمان والوں کو حکم الٰہی ہے ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ ﴾ الخ یعنی اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب ان پر اتری ہے اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ ﴾ الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ اختیار کرو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ ہمارا معبود ایک ہی ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے اے اہل کتاب! جو ہم نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ یہ اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور جگہ فرمایا اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل کو جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے قائم نہ رکھو۔ ایک اور جگہ تمام ایمان والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ ﴾ الخ یعنی رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی' ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر' ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں تمام ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمانداروں میں ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کی کتابوں پر تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضور ﷺ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اس لئے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اور اس امت کے لوگ بھی سابقہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجمالی طور پر ہوتا ہے جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بیان کریں تو تم نہ اسے سچ کہو اور نہ جھوٹ بلکہ کہدیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بعض مواقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے ایمان کے زیادہ پور ازیادہ کمال والا' زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے گو وہ بہ سبب اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر زمان پر ایمان لانے کے دوہرا اجر پائے ہوئے ہوں' لیکن یہ لوگ بسبب کمال ایمان اجر میں ان سے بھی بڑھ جاتے ہیں' واللہ اعلم۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں

جنتی اور جہنمی کی پہچان: یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا' نماز قائم رکھنا۔ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرنا' حضور ﷺ پر جو اترا ہے اس پر ایمان لانا' آپ ﷺ سے پہلے جو کتابیں اتری ان کو ماننا' دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے والے نیک عمل کرنا' برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ملا ہے اور بیان و بصیرت حاصل ہوا ہے اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح اور نجات ہے۔ ابن عباسؓ نے ہدایت کی تفسیر نور اور استقامت سے کی ہے اور فلاح کی تفسیر اپنی چاہت کو پالینے اور برائیوں سے بچ جانے سے کی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور اور دلیل اور ثابت قدمی اور سچائی اور توفیق حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات ثواب اور جنت کی ہمیشگی کو پانے کے مستحق ہیں اور عذابوں سے دور ہیں۔ ابن جریرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گزر چکا اس اعتبار سے ﴿ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ ﴾

الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر ﴿ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ہوگی لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ﴾ سے مراد عرب ایماندار ہیں اور اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایماندار ہیں پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیات عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ ابوالعالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ سے یہی مروی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور قرآن کریم کی بعض آیات تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیات کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں، پھر آپ نے ﴿ الٓمٓ ﴾ سے ﴿ مُفْلِحُونَ ﴾ تک پڑھ کر فرمایا یہ تو جنتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ، ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں۔ پھر ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ سے ﴿ عَظِيمٌ ﴾ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ صحابہ نے کہا ہم ایسے نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (ابن ابی حاتم)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦

کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے

بدنصیب لوگ: یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے نہ تو انہیں آپ کا ڈرانا سودمند ہو، اور نہ ہی نہ ڈرانا، یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہ کریں گے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ الخ یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیات دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا ﴿ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ ﴾ الخ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلہ کو نہیں مانیں گے یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہونے کی، ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبیؐ! ان پر افسوس نہ کر تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے نصیب دار ہیں وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی تیرا فرض ادا ہو گیا ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت کو قبول کر لیں، لیکن پروردگار نے فرما دیا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ کی نہیں یہ نعمت بٹ چکی ہے جس کے حصہ میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں وہ ہرگز ہرگز آپ کی اطاعت کی طرف نہ جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں انہیں ڈراوے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد ہے، تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کے اقراری ہیں تو بھلا وہ اے نبی! تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہؒ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ ﴾ الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کئے ہیں وہ زیادہ ظاہر ہیں اور دوسری آیات کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے دوبارہ نظر ڈالیئے۔ ﴿ لا یؤمنون ﴾ پہلے جملے کی تاکید ہے ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿ لا یؤمنون ﴾ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام ﴿ إِنَّ الَّذِينَ

کَفَرُوْا لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ ہے اور ﴿ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ﴾ جملہ معترضہ ہو جائے گا واللہ اعلم۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے' اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

مہر کس وجہ سے لگائی: سدی ؒ فرماتے ہیں ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر کر دینا۔ قتادہ ؒ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں پر چڑھتے جاتے اور اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں' بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔ مجاہد ؒ فرماتے ہیں قرآن میں ران کا لفظ ہے ﴿طَبَعَ﴾ کا لفظ ہے اور اقفال کا لفظ ہے ﴿ رَانَ ' طَبَعَ ﴾ سے کم ہے اور طبع' اقفال سے کم ہے' اقفال سب سے زیادہ ہے۔ مجاہد ؒ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہوں کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی' پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی' یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں' اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتی ہے پھر اس میں حق اثر نہیں کرتا' اسے رین بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا تکبر ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان ہو رہا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف کان نہ لگایا۔

ابن جریر ؒ فرماتے ہیں لیکن یہ مطلب ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

زمخشری ؒ نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بودی اور واہی ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر کر دے' لیکن افسوس انہوں نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ یعنی جب ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے' اور فرمایا ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ﴾ الخ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے' اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی آیات بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے' ان کے حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے اور یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زمخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے واللہ اعلم۔ قرطبی ؒ فرماتے ہیں امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر کرنا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کا بدلہ ہے۔ فرماتا ہے بل ﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ﴾ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر مہر لگا دی۔ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔ دعا میں ہے ﴿ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ ﴾ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حذیفہ ؓ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بوریے کا ایک تنکا' جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے اس میں ایک سفید

نقطہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اس دوسرے دل کی سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے 'نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے الخ' ابن جریرؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ حدیث میں آچکا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اگر وہ باز آگیا توبہ کرلی رک گیا تو وہ نقطہ ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ گیا تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿ **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** ﴾ الخ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر "ران" ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی نسائی ابن جریر) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر الٰہی ہو جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ختم اللہ الخ میں ہے یہ نظیر ہے ہماری آنکھوں دیکھی چیزوں کی کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگادیں تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے گی نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکتی ہے نہ اس میں سے کوئی چیز نکل سکتی ہے۔ اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے ہٹنے یا ٹوٹنے کے نہ ہدایت جائے نہ کفر آئے۔ ﴿ **سَمْعِهِمْ** ﴾ پر پورا وقف ہے اور ﴿ **عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ** ﴾ الگ پورا جملہ ہے ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوۃ یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ **فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ** ﴾ دوسری جگہ ہے ﴿ **وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً** ﴾ ان آیات میں دل اور کان پر ختم (مہر) کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔ بعض نے یہاں غِشَاوَةً زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل ﴿ **جَعَلَ** ﴾ مقدر ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ﴿ **وَحُوْرٌ عِيْنٌ** ﴾ میں شروع سورت کی چار آیات میں مؤمنین کے اوصاف بیان ہوئے پھر ان دو آیات میں کفار کا حال بیان ہوا۔ اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کفار ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جایا کرتی ہیں اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے ہوا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۂ برات اتری اور انہی کا ذکر سورۂ نور وغیرہ میں کیا گیا تاکہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ ط

وقف لازم

بعض لوگ کہتے تو ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

منافقت کی ابتداء اور اس کی اقسام دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی کے ظاہر کرنے اور برائی کے پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ انشاءاللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف اس کا باطن' ظاہر کے خلاف' اس کا آنا جانے کے خلاف اس کی موجودگی عدم موجودگی کے خلاف ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کا خلاف تھا۔ بعض لوگ

ایسے تھے جو زبردستی سے بظاہر کافروں کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے اور یہاں اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانے کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر کے دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب مشرف بہ اسلام ہو گئے' لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے ان میں سے صرف حضرت ''عبداللہ بن سلام'' نے اس سچے دین کو قبول کیا تھا۔ تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضور ﷺ نے ان یہودیوں سے اور عرب کے بعد بعض اور قبائل سے صلح کر لی تھی۔

اس جماعت کے قیام کی ابتدایوں ہوئی کہ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے 'بنو قینقاع' بنو نضیر' اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہو گئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوئی' مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تو اس وقت یہ ناپاک گروہ قائم ہوا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے میں سے' لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ ہو چلا تھا کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف ہو گیا اور اس کی سرداری یوں ہی رہ گئی۔ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی' ادھر اسلام کی روز افزوں ترقی' ادھر لڑائی میں کامیابی نے اسے مخبوط الحواس کر دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا۔ فوراً بظاہر اسلام قبول کر لینے اور بہ باطن کافر رہنے کی ٹھان لی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی سب کو یہی ہدایت کی اور اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان منافقین میں بحمد اللہ مکی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال مال و متاع کو اللہ کے نام پر قربان کر کے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دے کر آئے تھے' ﴿ فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ حضرت عباس ؓ فرماتے ہیں یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیات میں بیان ہے۔ ابوالعالیہ ؒ' حسن ؒ' قتادہ ؒ اور سدی ؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بد خصلتوں کا یہاں ذکر فرمایا تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بد اور نہایت خوفناک امر ہے جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر دل میں ان کے ایمان نہیں۔ اسی طرح سورۂ منافقوں میں بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ یعنی منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں' اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے' لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شان دار اور تاکیدی الفاظ کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلا دیا اور فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔

اور یہاں بھی فرمایا ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی دراصل وہ ایمان دار نہیں' وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا کارگیری خیال کرتے ہیں۔ جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے قرآن میں ہے ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ ﴾ یعنی قیامت والے دن جب کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار! یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کے مقابلے میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دے رہا ہے بعض قاریوں نے ﴿ يَخْدَعُوْنَ ﴾ پڑھا ہے اور بعض نے ﴿ يُخٰدِعُوْنَ ﴾ اور دونوں قرأتوں کے معنی کا مطلب ایک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق

دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتے ہیں وہ تو صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خوف سے بچنا چاہتا ہے عربی زبان میں ﴿مُخَادِع﴾ کہا جاتا ہے چونکہ منافق بھی قتل، قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور باطن کے خلاف ظاہری الفاظ کہتے تھے اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔

ان کا یہ فعل گو کسی کو دنیا میں کچھ دھوکہ بھی دے۔ لیکن در حقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس میں بھلائی اور کامیابی سمجھتے ہیں اور دراصل یہ سبب ہوگا ان کے لئے عذاب اور غضب الٰہی کا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں۔ پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا۔ وہ جس کام کو انجام کا اچھا سمجھتے ہیں وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان پر ناراض ہوگا۔ لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریج اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿لا الہ الا اللہ﴾ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ، دل میں کچھ، عمل کچھ، عقیدہ کچھ، صبح کچھ، شام کچھ۔ کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر جاتی ہے کبھی ادھر۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ (۱۰)

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے

شک و شبہ بذات خود بیماری ہے: بیماری سے مراد یہاں شک و شبہ ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ مجاہدؒ عکرمہؒ حسن بصریؒ ابوالعالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ عکرمہؒ اور طاؤسؒ نے اس کی تفسیر ریا سے کی ہے اور ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی، انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ نے اور اضافہ کر دیا جیسے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ﴾ یعنی ایمان والوں کا ایمان میں زیادہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی ان کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے، یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مشابہ ہے۔ یہ تفسیر اچھی ہے۔ ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے۔﴿وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ﴾ یعنی ھدایت والوں کو ھدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔﴿یَكْذِبُوْنَ﴾ کو ﴿یُكَذِّبُوْنَ﴾ بھی قاریوں نے پڑھا ہے یہ دونوں بد خصلتیں ان میں تھیں جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود پھر بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہ ہے جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بناء پر انہیں قتل کیا گیا ان کی نظریں تو صرف ظاہرداری پر ہوں گی۔ جب ان میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو ڈر ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مؤلفۃ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل ہو جاتے تھے ان کو مال عطا فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔ امام مالکؒ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ جیسے محمد بن جہم، قاضی اسماعیل اور ابہری نے نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ سے بقول ابن ماجشون ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم اپنے علم پر فیصلہ

نہیں کر سکتا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں گو علماء میں تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ امام شافعیؒ نے ایک اور وجہ بیان کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا منافقین کو قتل کرنے سے باز رہنے کا سبب ان کا اپنے ایمان کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا تھا گو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں۔ لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کو ہٹا دیتا تھا۔ اس کی تائید میں بخاری و مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں ہے کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہیں۔ جب وہ اسے کہہ دیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانیں اور مال بچا لیا اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے' اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہو گا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہو گا۔ لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے بآواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن وہاں سے جواب ملے گا کہ تھے تو سہی مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار ہی میں رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے پھیر میں پڑ گئے یہاں تک کہ امر الٰہی آ پہنچا۔

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے لگے لپٹے رہیں گے لیکن بالآخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آ چکا ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسول کی موجودگی میں ان کی شرارتیں نہیں چل سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ رکھ لیتا تھا لیکن حضور کے بعد اگر اللہ نہ کرے ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ امام مالکؒ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور ﷺ کے زمانے میں تھا لیکن آج کل تو وہ بے دینی اور زندیقیت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندیق کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ظاہر کرے تو اس کے قتل سے پہلے اس پر توبہ پیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندیق جو معلم نہ ہو' ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی مرتبہ ہوا ہو تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر بھی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ اسلام لانا اور یہ رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پا لینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان سب باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفاسیر۔

چودہ آدمیوں کے نفاق کا تو آپ ﷺ کو قطعی علم تھا۔ یہ وہ بدباطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دغا بازی کریں۔ آپ ﷺ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں جب حضور اکرم ﷺ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں تو آپ ﷺ کی اونٹنی کو بدکا دیں' وہ بھڑک کر بھاگے گی اور حضور گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کو بے نقاب کر دیا۔ حضور نے حضرت حذیفہؓ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتا دیئے پھر بھی آپ ﷺ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے۔ ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ﴾ یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں بھی ہیں تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ اگر یہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے

ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہیں؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں' یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ﴾ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھادیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کے انداز گفتگو سے ہی ان کو پہچان لو گے۔ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور اکرم ﷺ کے سامنے گواہی بھی دی تھی۔ باوجود اس کے جب یہ مرتا ہے تو حضور ﷺ اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں اور اس کے دفن میں اسی طرح شرکت کرتے ہیں جس طرح اور مسلمان صحابیوں کے جنازہ میں شرکت کرتے تھے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے جب حضور کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (ﷺ) اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں۔ ایک صحیح روایت میں ہے کہ مجھے اختیار دیا گیا استغفار کرنے نہ کرنے کا تو میں نے کرنے کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی میں اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ استغفار کرتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں' خبردار یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں (رکھتے)

فساد کے بانی منافقین: حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن مسعودؓ' اور نبی ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں کا ہی ہے۔ ان کا فساد کفر اور معصیت الٰہی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کرنے کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت الٰہی میں ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت اور اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں یہ بد خصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور ﷺ کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ان منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا اسے کرتے تھے فرائض الٰہی ضائع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک و شبہ کرتے' اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے مومنوں کے پاس آکر اپنی ایمانداری کی ڈینگیں لیتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسواس ہوتے تھے موقع پا کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی امداد واعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چال کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح جو قرار دیتے تھے۔

قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم نے ایسا کیا' یعنی ان کفار سے دوستی کی تو زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے۔ اور جگہ فرمایا

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر واضح حجت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے۔ پھر فرمایا منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔

چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں پر حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے وہ ایمانداروں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دیدیتے ہیں اور ان کے بے حقیقت کلمات سے اور ان کی کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ پس یہ منافقین فساد کے بانی ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے' تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں کا مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر مکمل طور پر مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے' تب تو دنیا کے امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی پالیتے۔ باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھوٹ بولتے کہ ہم تو صلح جو ہیں' ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرنے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سراسر ان کی جہالت ہے جسے یہ صلح جانتے ہیں وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں۔

بیوقوف' جاہل: مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کو موت کے بعد جی اٹھنے اور جنت اور دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے کو اللہ اور رسول ﷺ کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجالانے اور برائیوں سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ ملعون فرقہ ایسے ایمان کو بیوقوف کا ایمان بتاتا ہے۔ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہ اور ربیع بن انسؒ' عبدالرحمٰن بن زیدؒ وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے ﴿ **سفهاء** ﴾﴿ **سفيه** ﴾ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور حلماء حلیم کی' جاہل کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو ﴿ **سفيه** ﴾ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ **ولا تؤتوا السفهاء** ﴾ بیوقوفوں کو اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں ﴿ **سفهاء** ﴾ سے مراد عورتیں اور بچے ہیں ان منافقوں کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکید احصر کے ساتھ فرمایا' بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت وضلالت کو سمجھ سکتے ہیں اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھاپن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿۱۴﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایماندار ہیں' اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ بد باطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنا ایمان اور دوستی اور خیر خواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال وجان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے' اور جب اپنی جماعت (شیطانوں کی) میں ہوتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں۔ ﴿خَلَوْا﴾ کے معنی یہاں ہیں ﴿اِنْصَرَفُوْا﴾ اور ﴿ذَهَبُوْا﴾ اور ﴿خَلَصُوْا﴾ اور ﴿مَضَوْا﴾ کے یعنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں۔ پس خلو جو کہ الی کے ساتھ متعدی ہے یہ معنی میں لوٹ جانے کے ہے۔ فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿اِلٰى﴾ معنی میں مع کے ہے۔ مگر پہلا معنی ہی ٹھیک ہے۔ ابن جریرؒ کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے شیاطین سے مراد رؤساء بڑے اور سردار ہیں جیسے علماء یہود اور سرداران کفار قریش و منافقین۔

ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ' اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ یہ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہؒ فرماتے ہیں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔ ابو العالیہؒ' سدیؒ' ربیع بن انسؒ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ قرآن میں بھی ﴿شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ آیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ابو ذرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے 'ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں' ہم تو ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ' ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بہکنے دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ قیامت کے روز منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے 'ذرا ٹھہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ ان کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ جس میں دروازہ ہو گا۔ اس طرف تو رحمت ہو گی اور دوسری طرف عذاب ہو گا۔ اور جگہ فرمان الٰہی ہے کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں اس تاخیر میں وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ پس قرآن میں جہاں استہزاء' مسخریت یعنی مذاق' مکر' خدیعت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی مراد ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں' ان کی بدکرداریوں اور ان کے کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ اور ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب ان ہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی دھوکہ تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے۔ معنی دونوں لفظوں کے دونوں جگہ جدا جدا ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ﴾ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو' تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی برائی اور زیادتی ظلم ہے اور دوسری برائی اور زیادتی عدل ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے۔ ایک اور مطلب بھی سنیئے! دنیا میں یہ منافق اپنی اس پلید پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے

تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن وامان مل گیا اب یہ مست بن گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں' یہاں گو ان کے مال اور ان کی جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذابوں کا شکار بنیں گے۔ ابن جریرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت کچھ تائید کی ہے اُس لئے کہ مکر دھوکہ اور مذاق جو بلاوجہ ہو اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے ہاں انتقام' مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان سے بدلہ ہے اور ان کی سزا ہے۔ ﴿ يَمُدُّهُمْ ﴾ کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے جیسے فرمایا ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ ﴾ الخ یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال' اولاد کا زیادہ ہونا ان کے لئے کوئی بھلی چیز ہے؟ نہیں نہیں' انہیں صحیح شعور ہی نہیں ہے۔ اور فرمایا ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ادھر یہ گناہ کرتے ہیں ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں یہ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ عذاب ہی ہے۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ یعنی جب ان لوگوں نے نصیحت بھلا دی ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اب گھبرا گئے ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لئے ہی ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لئے ان کو زیادتی دی جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ ﴾ "﴿ طُغْيَان ﴾" کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو' جیسے فرمایا ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ ﴾ ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ ﴿ عَمَهٌ ﴾ کہتے ہیں گمراہی کو۔ تو اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ ضلالت و کفر میں یہ ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا اب یہ اسی دلدل میں اترے جاتے ہیں اور اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور چھٹکارے کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئی ہیں۔ بھلا ایسے دلدل میں جو ہو اور پھر اندھا بہرا اور بیوقوف ہو وہ کیسے نجات پا سکتا ہے۔ آنکھوں کے اندھے کے لئے عربی میں عمی کا لفظ آتا ہے اور دل کے اندھے کے لئے عمہ کا لیکن کبھی دل کے اندھے کے لئے عمی کا لفظ آتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾ لیکن دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۱۶)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں مول لے لیا۔ پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے

ہدایت کے بدلہ میں گمراہی: ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ' اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں ہدایت پر گمراہی کو یہ پسند کرتے ہیں جیسے ثمود کے بارے میں ارشاد ہے ﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ یعنی باوجودیکہ ہم نے ثمودیوں کو راہ دکھا دی مگر پھر بھی انہوں نے اس رہنمائی پر اندھے پن کو پسند کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ منافقین ہدایت سے ہٹ کر گمراہی پر آ گئے اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی گویا ہدایت کو بیچ کر گمراہی لی۔ اب ایمان لا کر پھر کافر ہوئے ہوں خواہ سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہوا ہو اور ان منافقین میں دونوں قسم کے لوگ تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے۔ پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اور ایسے بھی منافق تھے جنہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا پس نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا نہ راہ ملی بلکہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں اور جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر فرقت کے تنگ جیل خانہ میں اور امن کے وسیع میدان سے

نکل کر خوف کی اندھیر کوٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنسان جنگل میں آ گئے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں جو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے بہرے گونگے اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹتے۔

منافق شرک و کفر کے اندھیرے میں: مثال کو عربی میں مثیل بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع امثال آتی ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ﴾ یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافق جو گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں آگ جلائے اس سے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں پریشانی دور ہو اور فائدے کی امید بندھے کہ دفعتاً آگ بجھ جائے اور یک لخت اندھیرا چھا جائے، نہ تو نگاہ کام کرے نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو، کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو، گونگا ہو کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو۔ اب بھلا یہ کیسے راہ پا سکے گا" ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت کو چھوڑ کر یہ راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ بصراحت موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سدیؒ سے یہی نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے اس لئے کہ پہلے تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ بجھ گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہو گی؟

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان باری تعالیٰ گزر چکا ہے ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کی کہتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں۔ لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے، اس سے اس کا انکار نہیں ہوتا کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔ ممکن ہے ایمان لائے ہوں پھر اس سے ہٹ گئے اور اب دلوں پر مہریں لگ گئی ہوں۔ دیکھئے اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا﴾ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے۔ یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا لیکن کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔

ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر آیا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ﴾ تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف آنکھیں پھیر پھیر کر اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص جو سکرات موت میں ہو۔ اور اس آیت کو بھی دیکھئے ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ تم سب کا پیدا کرنا اور مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا دوبارہ زندہ کرنا تیسری جگہ توراۃ کو سیکھ کر عمل عقیدہ اس کے مطابق نہ رکھنے والوں کی مثال میں کہا گیا ہے ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ گدھے کی مانند ہیں جو کتابیں لادے ہوئے ہے۔ ان سب آیات میں جماعت کی مثال ایک سے دی گئی ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیات میں منافقوں کی جماعت کی مثال ایک شخص سے دی گئی۔ بعض کہتے ہیں تقدیر کلام یوں ہے ﴿مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ

قِصَّۃُ الَّذِیْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا ﴾ یعنی ان کے واقعہ کی مثال ان لوگوں کے واقعہ کی طرح ہے جو آگ روشن کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن جلاتا ہے ایک جماعت کے لئے جو اس کے ساتھ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں ﴿ اَلَّذِیْ ﴾ یہاں معنی میں ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ کے ہے جیسے کہ شاعروں کے شعروں میں بھی آتا ہے۔ میں کہتا ہوں خود مثال میں بھی واحد کے صیغہ کے بعد ہی جمع کے صیغے بھی ہیں' ﴿ بِنُوْرِھِمْ ﴾ اور ﴿ تَرَکَھُمْ ﴾ اور ﴿ لَایَرْجِعُوْنَ ﴾ ملاحظہ ہوں اور اسطرح کلام میں اعلی فصاحت اور بہترین خوبی آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے گیا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جو نور نفع دینے والا تھا وہ تو ان سے ہٹالیا اور جس طرح آگ کے بجھ جانے کے بعد تپش اور دھواں اور اندھیرا رہ جاتا ہے اسی طرح ان کے پاس نقصان پہنچانے والی چیز یعنی شک وکفرونفاق رہ گیا نہ تو راہ راست کو خود دیکھ سکیں نہ دوسرے کی بھلی بات سن سکیں نہ کسی سے بھلائی کا سوال کر سکیں۔ اب پھر لوٹ کر ہدایت پر آنا محال ہو گیا۔ اس کی تائید میں مفسرین کے اقوال سنیئے۔

ابن عباس ؓ ابن مسعود ؓ اور بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور آس پاس بھلائی برائی دیکھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے روشنی جاتی رہے اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک وکفر کی ظلمت میں تھے پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ دیکھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور حرام وحلال خیر وشر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت وکفر ہے۔ یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ مجاہد ؒ فرماتے ہیں ایمانداری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو مثال میں آس پاس کی چیز کے روشن کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عطاء خراسانی ؒ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کا اندھاپن اس پر غالب آجاتا ہے۔ عکرمہ ؒ عبدالرحمٰن ؒ، حسن ؒ، سدی ؒ اور ربیع ؒ سے بھی یہی منقول ہے عبدالرحمٰن بن زید ؒ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں جس طرح آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن کفر پھر اس روشنی کو کھو دیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ یہ سب اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ ایمان لا چکے تھے' پھر کفر کیا۔ اب ابن جریر ؒ کی تائید میں جو تفسیر ہے اسے بھی سنیئے۔

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پالیتے ہیں مسلمانوں میں نکاح' ورثہ اور تقسیم مال غنیمت ہونے لگتا ہے لیکن مرتے ہی یہ عزت چھن جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ ابوالعالیہ ؒ فرماتے ہیں جب منافق ﴿ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ ﴾ پڑھتا ہے دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر جہاں شک کیا نور گیا جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں روشنی رہی' جہاں جب بجھ گئیں تو روشنی ختم ہو گئی۔ ضحاک ؒ فرماتے ہیں نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔ قتادہ ؒ کہتے ہیں ﴿ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ ﴾ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا۔ امن وامان اور کھانا پینا بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک ونفاق اس سے یہ راحتیں چھین لیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا روشنی دور کر دیتا ہے۔ قتادہ ؒ کا قول ہے کہ ﴿ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ ﴾ کہنے سے منافق کو دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین' ورثہ کی تقسیم جان مال کی حفاظت وغیرہ مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جڑ اور اس کے کاموں میں حقیقت نہیں ہوتی اس لئے موت کے وقت وہ سب منافع سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی جو بجھ جائے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا مرنے کے بعد عذاب ہونا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھتے ہیں زبان سے کہتے ہیں اور

ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر ونفاق کی وجہ سے ہدایت کا دیکھنا اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔ سدیؒ کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں موت کے وقت منافق کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کوئی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو۔ وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے اندھے ہیں راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے، نہ توانہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَٰعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌۢ بِالْكَٰفِرِينَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَٰرَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا۟ فِيهِ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا۟ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَٰرِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بے کار کر دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

مومن، کافر اور منافق: یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں۔ تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ صیب کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کئے لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ ظلمات سے مراد شک اور کفر ونفاق ہے اور رعد یعنی گرج جو اپنی خوفناک آواز سے دل ہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر خوف گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے، جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں لیکن دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً" وہ اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ بجلی سے مثال دی ہے اس نور ایمان کی جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے تو وہ اس وقت اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن یہ انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴾ یعنی کیا تمہیں لشکر کی، فرعون اور ثمود کی روایات نہیں پہنچیں۔ پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر جھٹلانے میں ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی اور ان منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ان کا ضعف ایمان ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیات ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے

عیوب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی ایمان جب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر بھی جہاں شک وشبہ آیا کہ دل میں کدورت اور ظلمت بھر گئی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا کہ یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملی تو مطمئن ہوئے اور اگر برائی پہنچی تو اسی وقت پھر گئے الخ۔ ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے واللہ اعلم۔ روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا۔ بعض کو کئی کئی میلوں تک کا بعض کو اس سے بھی زیادہ کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہوا اور کبھی اندھیرا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سی دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا۔ یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں فرمان ربانی ہے ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ذرا رکو ہمیں بھی آلینے دو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ الخ۔ اور مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ ﴾ یعنی اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہو گا اور کہا جائے گا تمہیں آج کے دن جنتوں کی خوشخبریاں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور فرمایا جس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں جانب ہو گا وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ان آیات کے بعد اب اس مضمون کی احادیث بھی سن لیجئے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں بعض مومنوں کو مدینہ سے لے کر عدن تک نور ملے گا بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوتی ہو گی (ابن جریر) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت کے برابر کسی کو قد آدم کے برابر کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو کبھی بجھ جاتا ہو کبھی روشن ہو جاتا ہو (ابن ابی حاتم) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں انہیں نور ملے گا ان کے اعمال کے مطابق جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ کے برابر ہو گا بعضوں کا کھجور کے برابر اور سب سے کم نور والا وہ ہو گا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہو گا کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا (ابن ابی حاتم) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب توحید والوں کو قیامت کے دن نور ملے گا جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ڈر کر کہیں گے ﴿ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ اے اللہ ہمارے نور کو پورا کر (ابن ابی حاتم) ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا خالص مومن وہ جن کا بیان اگلی چار آیات میں ہوا۔ خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیات میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی، دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے کبھی بجھ جاتا ہے۔ ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے، یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

اسی طرح سورۂ نور میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد پس روشنی پر روشنی نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ

سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ پاس آکر دیکھتا ہے لیکن کچھ بھی نہیں پاتا۔ پھر اور موقع پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو سخت جہالت میں گرفتار ہیں ان کی مثال میں فرمایا' مانند سخت اندھیروں کے جو گہرے سمندر میں ہوں جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوں ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ پس کفار کی بھی دو قسمیں کیں ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے دوسرے ان کی تقلید کرنے والے جیسے سورۂ حج کے شروع میں ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ﴾ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں علم بغیر جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں' اور جگہ فرمایا ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ بعض لوگ علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ سورۂ واقعہ کے شروع میں اور آخر میں سورۂ النساء میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں' سابقین اور اصحاب یمین یعنی مقرب بارگاہ الٰہی اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیات سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو جماعتیں ہیں' مقرب اور ابرار۔ اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں' کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے۔ اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں خالص اور پکے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں ہیں جس میں تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے' بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ منافق عملی ہو یا اعتقادی جیسے کہ آیت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے اس کا بیان پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل چار قسم کے ہیں ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں' تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں' چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل تو مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور منافق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب و سزا کرے اگر چاہے تو معاف کر دے۔ یہاں قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب اور اپنی جبروت سے ڈرایا ہے اور کہدیا کہ وہ انہیں گھیر لینے پر قادر ہے۔ قدیر کے معنی قادر کے ہیں جیسے علیم کے معنی عالم کے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ "او" معنی میں "و" کے ہے یعنی اور جیسے فرمایا ﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ یا لفظ "او" اختیار کے لئے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کرو خواہ وہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں او یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے جَالِسَ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ زمخشریؒ بھی یہی توجیہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جونسی مثال چاہو بیان کرو' دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی قسموں کے ہے ان کے احوال و صفات طرح طرح کے ہیں جیسے سورۂ برات میں ﴿ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ ﴾ کر کے انکی بہت سی قسمیں بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کئے ہیں۔ تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے

احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں' واللہ اعلم۔ سورۂ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں ایک کفر کی طرف بلانے والے' دوسرے مقلد' فرمایا ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ ﴾ پھر فرمایا ﴿اَوْ كَظُلُمَاتٍ ﴾ پس پہلی مثال یعنی ریت کے تودے کی کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں' دوسری مثال مقلدوں کی ہے جو سخت جہالت میں مبتلا ہیں' واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا یہی تمہارا بچاؤ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت' اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو

اللہ تعالیٰ کا تعارف: یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا اسی نے ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں اسی نے زمین کا فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور آسمان کو چھت بنایا جیسے دوسری آیت میں آیا کہ ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ﴾ یعنی آسمان کو محفوظ چھت بنایا باوجود اس کے وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ پانی آسمان سے اتارنے کا مطلب بادل سے نازل فرمانا ہے اس وقت جب کہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے قرآن مجید میں جا بجا اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں اور پاکیزہ روزیاں پہنچائیں' یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے۔ پس سب کا خالق' سب کا رازق' سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی وجہ سے وہی مستحق ہے ہر قسم کی عبادات کا اور شریک نہ کئے جانے کا اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

جو اللہ اور رسول چاہے کہنا بھی شرک ہے: بخاری و مسلم میں حدیث ہے ابن مسعودؓ پوچھتے ہیں' حضور ﷺ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خالق ہے شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذؓ والی حدیث میں ہے کہ کیا جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ اللہ اکیلا چاہے۔

طفیل بن سخبرہؓ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی) فرماتے ہیں میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا' میں نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں' میں نے کہا افسوس تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں۔ پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس

گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا۔ پھر دربار نبویؐ میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے بھی واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ حضور اکرم ﷺ اب کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض سے بیان بھی کیا میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا' یاد رکھو اب ہرگز ہرگز "اللہ چاہے اور اس کا رسول" نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے (ابن مردویہ)۔

ایک شخص نے رسول ﷺ سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے یوں کہہ "جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے" (ابن مردویہ) یہ تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں توحید باری کے بچاؤ کے لئے یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں' واللہ اعلم۔ تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند بن جاؤ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جو نہ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جو رات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو۔ انسان کا یہ کہنا کہ "قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپ کی حیات کی" یہ بھی شرک ہے۔ انسان کا یہ کہنا کہ "اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے" یہ بھی شرک ہے آدمی کا یہ قول کہ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی' یہ بھی شرک کا کلمہ ہے۔ کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ' یہ بھی شرک ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا' یہ سب کلمات شرک ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے تم اچھے لوگ ہو اگر تم شرک نہ کرتے' تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اَنْدَاد کے معنی شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں تم توراۃ و انجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے' پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پانچ احکام: مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ قریب تھا کہ وہ اس میں ڈھیل کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر خود کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ پس یا تو خود آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت کر گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ کیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے۔ پس حضرت یحییٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا۔ جب مسجد پر ہو گئی تو اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود عمل کر کے تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔

(۱) یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے غلام کام کاج کرے اور جو کچھ پائے اسے کسی اور کو دیدے' کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا' تمہیں روزیاں دینے والا تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہی ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ نماز کو ادا کرو، اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کے منہ کی طرف ہوتا ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔

(۳) یہ کہ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں، یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

(۴) یہ کہ صدقہ دیتے رہا کرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور گردن مارنے کے لئے لے چلے، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم زیادہ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لی

(۵) حکم اس کا یہ ہے کہ بکثرت اس کے نام کا ورد کر و اس کا ذکر کیا کرو۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن و امان پالیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا (اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمان حاکم وقت کے احکام) سننا اور ماننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا۔ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل گیا اس نے اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکا، ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور اپنے آپ مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، مسلمین مومنین اور عباد اللہ۔ یہ حدیث حسن ہے۔

اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں روزیاں دیتا ہے۔ پس عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہئے کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے ہر قسم کی عبادات کے لائق صرف وہی ہے۔

امام رازیؒ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے اور فی الواقع یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود پر۔ زمین اور آسمان کی مختلف شکل و صورت، مختلف رنگ، مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات، ان میں سے ہر ایک کا نفع والا ہونا اور ان کے خالق کا وجود کا خاص حکمت کا حاصل ہونا اور اس کی عظیم الشان قدرت اور حکمت اور زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے۔

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ کے ہونے پر کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا ﴿ يَا سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ. وَاِنَّ اَثَرَ الْاَ قْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ. فَسَمَـآءٌ ذَاتَ اَبْرَاجٍ. وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ. وَبِحَارٌ ذَاتُ اَمْوَاجٍ. اَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ ﴾ یعنی مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان کو زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے، تو کیا یہ برجوں والا آسمان یہ راستوں والی زمین اور موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟

امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جداگانہ ہونا، نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ "چھوڑو میں ابھی کسی اور سوچ میں ہوں لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ

برابر آجا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گزر جاتی ہے، ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم" سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کیسی بات کرتے ہیں کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے ساز و سامان نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا "افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا اور آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

امام شافعی ؒ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے اور چرتے چگتے ہیں' اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے' مکھی شہد دیتی ہے' ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں وہی موجد اور صانع ہے۔

امام احمد بن حنبل ؒ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں" سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں' باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی' اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں کانوں والا بولتا چالتا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے' کہو اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں" مطلب آپ کا یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو چو طرف سے بند ہے پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔

ابو نواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو کہا' آسمان سے بارش کا برسنا اور اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود و اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز کا قول ہے' افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکی ذات کے جھٹلانے پر لوگ کیسی دلیری کر جاتے ہیں حالانکہ ہر ہر چیز اس پروردگار کی ہستی اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو ان کی بلندی' ان کی وسعت' ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظر ڈالو۔ ان کے چمکنے دمکنے ان کے چلنے پھرنے اور ٹھہر جانے ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ پھر سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے جن کے رنگ جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ پھر قسم قسم کی اور مخلوقات پر نظر ڈالو پھر ادھر سے ادھر پھر جانے والی کھیتیوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو' کھیتوں اور باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول مزے مزے کے میووں پر غور کرو' زمین ایک' پانی ایک' لیکن شکلیں صورتیں اور خوشبو میں' رنگت' ذائقہ اور فائدہ میں الگ الگ ہیں۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات باواز بلند نہیں کہہ رہی ہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی؟ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ عزوجل نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں' اس کی پرزور حکمتوں اس کی لاثانی رحمتوں' اس کے بے نظیر انعاموں' اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں۔

ہمارا اقرار ہے کہ اس کے سوا کوئی پالنے پوسنے والا' نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے اور حفاظت کرنے والا' نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہ اس کے سوا کوئی مسجود لاشک' ہاں دنیا کے لوگو! سن لو' میرا توکل اور بھروسہ اسی پر ہے میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے' میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے۔ میری تمناؤں کا مرکز میری امیدوں کا آسرا میرا اماوی اور ملجاو ہی ایک ہے اسی کے دست رحمت کو دیکھتا ہوں اور ہر وقت اسی کا نام لیتا ہوں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ! تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو اسے سچا مان کر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر' جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

نبوت کی تصدیق: توحید کے بیان کے بعد اب نبوت کی تصدیق ہو رہی ہے' کفار کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن تو نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ جب تم اسے نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ ﴿ شُهَدَآءَ ﴾ سے مراد مددگار اور رفیق ہیں جو ان کی مدد کیا کرتے تھے تو مطلب یہ ہوا کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو۔ پھر اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں داں فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی امداد لے لو۔

قرآن کریم کا اعجاز: قرآن کریم کے اس معجزے کا اظہار اور اس طرز کا کلام کئی جگہ ہے سورۂ قصص میں ہے ﴿ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ یعنی اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت و قرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا۔ سورۂ سبحان میں فرمایا ﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا ﴾ یعنی اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کر کے یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی ان کے امکان میں نہیں سورۂ ہود میں فرمایا ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ﴾ یعنی کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو خود اس پیغمبر ﷺ نے گھڑ لیا۔ تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔ سورۂ یونس میں ہے ﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں' بلکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب کی تفصیل ہے جس کے اللہ کی کلام ہونے میں کوئی شک نہیں' جو رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ بتاتے ہیں؟ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر (اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے) ایک چھوٹی سی سورت جیسی کوئی ایک سورت تو بنا لاؤ' تاکہ تمہارا سچ ظاہر ہو۔

یہ تمام آیات تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلے میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ منورہ میں بھی اس

مضمون کو دہرایا گیا جیسے اوپر کی آیت میں مثلہ کی ضمیر کو بعض نے تو قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس جیسی بنالاؤ۔ بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ جیسا کوئی امتی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ باوجود کچھ پڑھا ہوا نہ ہونے کے وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ عمرؓ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہؒ حسن بصریؒ اور اکثر محققین کا یہی قول ہے۔ ابن جریر طبریؒ زمخشریؒ رازیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اس کی ترجیح کی بہت سی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اجتماعی اور انفرادی طور پر خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں خواہ اہل کتاب اور پڑھے لکھے لوگ ہوں۔ پھر اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا اس کی مثل نہ لاسکنے کی پیش گوئی کرنا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات۔ پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشینگوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں مکہ میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا جو لوگ آپ کی اور آپ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے وہ در حقیقت اس سے عاجز آگئے نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے نہ دس سورتوں کا بلکہ نہ ایک سورۃ کا۔

پس ایک معجزہ تو یہ کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے دوسرا معجزہ یہ کہ یہ پیشین گوئی بھی سچ ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے گو سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کریں اور ایسا ہی ہوا نہ تو اس زمانے میں کسی کی یہ جرات ہوئی نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا اور بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کو ایک نظر دیکھنے سے اس کے ظاہری اور باطنی لفظی و معنوی وہ وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں۔ خود رب العالمین فرماتا ہے ﴿ الٓرٰ كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ﴾ یعنی اس کتاب کی آیات جو حکمت والے خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے محکم مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں۔ پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بے نظیر ہے جس کے مقابلے اور معارضے سے جس کی نظر اور مثل سے دنیا عاجز اور بے بس ہے۔

اس پاکیزہ کلام میں سابقہ خبریں جو دنیا پر پوشیدہ تھیں وہ ہو بہو بیان کی گئیں۔ آنے والے امور کے تذکرے ہوئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے تمام بھلائیوں کے احکام اس میں تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے۔ سچ ہے ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ تیرے رب کے کلام میں پورا اپورا ہے۔ یہ پاکیزہ قرآن سارے کا سارا حق و صداقت عدالت وہدایت سے پر ہے نہ اس میں واہی تباہی باتیں نہ اس میں ہنسی مذاق کذب و افترا ہے جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر و قیمت ہی اسی پر ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ ﴿ اَعْذَبُهٗ اَكْذَبُهٗ ﴾ جتنا جھوٹ زیادہ اتنا ہی مزے دار۔ تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پرزور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف توصیف میں ہوں گے یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑھی چڑھی مدح و تعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش و زیبائش یا بہادری کے پر مبالغہ گیت یا لڑائیوں کی چالبازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں نہ دین کا نہ دنیا کا۔ صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے اور بس نہ تو اخلاق پر ان سے کوئی عمدہ اثر نہ اعمال پر پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لایعنی اور فضول بکواس کے۔

اس کے مقابلہ میں قرآن کریم پر نظر ڈالو تو تم دیکھو گے کہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت دین و دنیا کے نفع اور خیر و برکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب و تہذیب الفاظ کی بندش عبارت کی روانی معانی کی نورانیت مضمون کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے

اس کی خبروں کی حلاوت' اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار اعلیٰ کمال کا نمونہ اور اس کی تفصیل معجزے کی جان ہے۔ اس کا کسی چیز کو دہرانا قند مکرر کا مزہ دیتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے بار بار پڑھو اور دل نہ اکتائے' مزے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں' یہ قرآن کریم کا ہی خاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ اس مٹھاس کا مزہ کوئی ان سے پوچھے جنہیں عقل و حواس علم و فضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا ہو۔ اس کا عذابوں سے ڈرانا اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلادے' انسانی دل تو چیز کیا ہیں۔ اس کے وعدے اور خوشخبریاں نعمتوں اور رحمتوں کا بیان دلوں کی پژمردہ کلی کو کھلا دینے والا شوق و تمنا کے دبے بجھے جذبات کو ابھار دینے والا' جنتوں اور راحتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے کر دینے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں' کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ ﴾ کوئی کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چپکے چپکے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے ﴿ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ ﴾ اس ہمیشگی والی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں اتر جائے۔ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے ﴿ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ ﴾ اور فرمایا ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴾ کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمان والا اس پر قادر نہیں؟ اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر و توبیخ ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ ﴾ ایک ایک کو ہم نے اس کی بدکرداریوں میں پکڑ لیا۔ بطرز وعظ و نصیحت بیان ہوتا ہے ﴿ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴾ یعنی اور ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ بھی دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ و جلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔ غرض کوئی کہاں تک بیان کرے' جس مضمون کو لیا اسے کمال تک پہنچا کر چھوڑا ہے اور طرح طرح کی فصاحت و بلاغت' حلاوت و حکمت سے معمور کر دیا ہے۔ حکم احکام روک ٹوک کو دیکھئے' ہر حکم اچھائی بھلائی' نفع اور پاکیزگی کا جامع' ہر ممانعت' قباحت' رذالت' دنائت اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعودؓ وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سنو تو کان لگا دو کہ یا تو کسی اچھائی کا حکم ہوگا' یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا۔ خود پروردگار عالم فرماتا ہے ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی بھلائیوں کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے' پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے خبیث چیزیں حرام کرتا ہے وہ بوجھل بیڑیاں جو پاؤں میں تھیں وہ سخت طوق جو گلے میں تھے اتار پھینکتا ہے الخ۔ قیامت کے بیان کی آیات وہاں کے ہولناک منظر جنت دوزخ کا بیان' رحمتوں اور زحمتوں کا پورا پورا وصف' اولیاء اللہ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں' اللہ کے دشمنوں کے لئے طرح طرح کے عذاب' کہیں بشارت ہے' کہیں ڈراوا ہے' کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے' کہیں بدکاریوں سے ممانعت ہے' کہیں دنیا کی طرف زہد کرنے کی' کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیات ہیں جو راہ راست دکھاتی' بہترین رہنمائی کرتی ہیں اور "اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاتی ہیں اور دلوں کو جلا (فرحت) دیتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات زائل کرتی ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے تبعین بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے (اس لئے کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور ﷺ کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے) حضور ﷺ کا یہ فرمان کے میرا معجزہ وحی ہے

جو میں دیا گیا ہوں سے مطلب یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہوں اور یہ قرآن کریم مجھی کو ملا ہے جو اپنے معارضے اور مقابلہ سے تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ وہ اکثر علماء کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت آپ ﷺ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر علاوہ اس معجزے کے بھی اس قدر دلائل ہیں جو گنے بھی نہیں جا سکتے' وللہ الحمد والمنہ۔ بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے طریقہ پر بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک وہ کہتے ہیں کہ یا تو یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے' انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ وہ اس جیسا بنا سکے' انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت وطاقت ہی نہیں۔ یا یہ کہ گو اس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں' لیکن باوجود اس کے انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں' وہ دین حق کو مٹانے کے لئے ہر وقت ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لئے تیار ہیں' لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ قرآن کریم اللہ کی جانب سے ہے کہ باوجود قدرت وطاقت ہونے کے وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ گو یہ دوسری وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن کا معجزہ ہونا ثابت ہے جو بطریق تنزل حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے۔

امام رازیؒ نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ ﴿ وَقُوْدُ ﴾ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے جیسے لکڑیاں وغیرہ۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے ﴿ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴾ ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ اور جگہ فرمایا تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیں ہیں تم سب اس میں وارد ہو گے' اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے۔ دراصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ﴿ حِجَارَةُ ﴾ کہتے ہیں پتھر کو۔ یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کی زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے۔ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم مستدرک) ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ' اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے سدی نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کو بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن علی اور ابن جریج بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے مراد وہ پتھر ہیں جن کی تصویریں وغیرہ بنائی جاتی تھیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہو قرطبی اور رازیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر کو آگ لگنا کوئی نئی بات نہیں اس لئے مراد یہی اصنام وانداد بت اور جو پتھر کسی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجے جاتے ہوں' ہے۔ لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں اس لئے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہوگی اس کا بھڑکنا اور جلنا اور سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ علاوہ اسکے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے۔ اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت میں مقصود آگ کی تیزی اور اسکی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اسکے بیان کے لئے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا ہی زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو۔ قرآن کریم میں ہے ﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيْرًا ﴾ جہاں شعلے ہلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا۔ ایک حدیث میں ہر موذی آگ میں ہے' لیکن یہ حدیث محفوظ و معروف نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس

کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذا دے جہنمی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ ﴿ اُعِدَّتْ ﴾ یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو تیار کئے گئے ہیں کافروں کے لئے۔ ابن مسعودؓ کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا آگ جلانے کے لئے ہے اور آگ کے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے لہذا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہو گیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو کفر پر ہو اس کے لئے وہ آگ تیار ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ ﴿ اُعِدَّتْ ﴾ کا لفظ ہے اور اس کی دلیل میں بہت سی احادیث بھی ہیں۔

ایک مطول حدیث میں ہے جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا۔ دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دو سانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے کی اور گرمی میں دوسرا سانس لینے کی اجازت دی گئی۔ تیسری حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی۔ حضور ﷺ سے پوچھا یہ کس چیز کی آواز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا آج وہ پہنچا۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا۔ پانچویں حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے شب معراج میں جہنم کو اور اس کے عذابوں کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح کی اور بہت سی صحیح متواتر احادیث مروی ہیں۔ معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے نہیں مانتے اور اس کے خلاف کہتے ہیں اور قاضی اندلس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اور سورۂ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت اس کے مانند لاؤ یہ شامل ہے چھوٹی بڑی ہر سورت کو اس لئے کہ عربی کے قواعد کے مطابق جو اسم نکرہ ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کی تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ پس بڑی اور چھوٹی سورتوں ہر ایک میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورۂ کا لفظ سورۂ کوثر اور سورۂ العصر اور سورۂ ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴾ جیسی چھوٹی سورتوں کو بھی شامل ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کو بنا لینا ممکن ہے اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا ہٹ دھرمی اور بیجا طرفداری ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجز نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لئے پسند کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جا سکیں اور ان کا تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل اس لئے کہ باوجود ان جیسی سورتوں کے بنا لانے پر انسانی قدرت ہونے کے پھر لوگوں کا نہ بنا سکنا باوجود سخت تر دشمنی اور ہر طرح کی زبردست کوشش کے اس بات پر دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے۔ یہ تو ہے کلام رازیؒ کا۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر چھوٹی بڑی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی نظیر بنانے سے محض عاجز اور بالکل ناطاقت ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر اور عقل و ہوش سے صرف سورۂ ﴿ وَالْعَصْرِ ﴾ کو سمجھ لیں تو سب کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ جب وفد میں مسیلمہ کذاب کے پاس گئے اور ابھی یہ خود بھی مسلمان نہ ہوئے تو مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ مکہ سے تم آ رہے ہو بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ اس نے کہا ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے۔ پھر سورۂ والعصر پڑھ کر سنائی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا کہ مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے اس نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا ﴿ یَا وَبَرُ یَا وَبَرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذْنَانِ وَصَدْرٌ وَسَآئِرُكَ حَقْرٌ فَقْرٌ ﴾ یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوا دو کانوں

اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ باقی تو تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ پھر فخر یہ کہنے لگا کہو اے عمرو! کیسی کہی؟ اس نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو اسے تو تو خود جانتا ہے کہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں وہ حکمتوں سے بھرپور کلام۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوش خبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم شکل لائے جائیں گے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ایمان والوں کے لئے خوشخبری اور جنت کی چند نعمتیں: چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان ہوا قرآن کے مثانی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں اور صحیح تر قول بھی یہی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر کا' کفر کے ساتھ ایمان کا۔ نیکوں کے ساتھ بروں کا اور بروں کے ساتھ نیکوں کا ذکر ضرور آتا ہے۔ جس چیز کا بیان ہوتا ہے ساتھ ہی اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کو ذکر کر کے اسکی نظیر کو بھی کہیں بیان کیا گیا ہے۔ یہ معنی ہیں ﴿مُتَشَابِه﴾ ہونے کے اور یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں اسے مثانی بھی کہا گیا ہے اور متشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں کے نیچے نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے بہنا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں' حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لولو اور جواہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔ حدیث میں ہے جنت کی نہریں مشکی پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم یہ دیئے گئے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابن جریرؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی کل بھی یہی دیئے گئے تھے یہ اس لئے کہیں گے کہ ظاہری صورت و شکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے۔ یحییٰ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا کھائیں گے پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے۔ فرشتے کہیں گے کہ کھایئے اگرچہ شکل و صورت میں یکساں ہے لیکن مزہ اور ہی ہے۔ فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے اس کے ٹیلے مشک کے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لا لا کر پیش کر رہے ہیں وہ کھا رہے ہیں وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے چکھ کر دیکھئے۔ کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائیں گے۔ دنیا کے میووں سے بھی نام اور شکل و صورت میں ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہو گا۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں دنیا کی چیزیں اور کہاں جنت کے خوان نعمت؟ یہاں تو فقط

نام ہی ہے۔ عبدالرحمنؒ کا قول ہے کہ دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہدیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تو لذت کچھ اور ہی ہوگی۔ وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی وہ گندگی ناپاکی حیض و نفاس پیشاب پاخانہ تھوک رینٹ منی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی۔ ایک قول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام بھی پہلے حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتے ہی یہ بلا آگئی۔ لیکن یہ قول سنداً غریب ہے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں۔ حاکم اس حدیث کو صحیح اور شرط شیخین پر بتاتے ہیں لیکن یہ دعوی صحیح نہیں اس کے ایک راوی عبدالرزاق بن عمر بزیعی ہیں جنہیں ابو حاتمؒ نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ قتادہؒ کا قول ہے واللہ اعلم۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ یہ نہ نعمتیں فنا ہوں نہ نعمتوں والے فنا ہوں نہ نعمتیں ان سے چھنیں نہ یہ نعمتوں سے الگ کئے جائیں۔ نہ موت سے خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے۔ اللہ رب العالمین جواد و کریم برور حیم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر کرے، آمین۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

وقف لازم

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی چیز کی، ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی؟ اسی کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں: ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی آیات میں دو مثالیں منافقوں کی بیان ہوئیں یعنی آگ کی اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا۔ اس پر یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیات اتریں اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، لیکن اس سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی حالانکہ ایسا نہیں واللہ اعلم۔ اور بزرگوں سے بھی اسی طرح کا شان نزول مروی ہے۔ ربیعؒ فرماتے ہیں کہ یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی بیان کی گئی ہے۔ مچھر جس وقت تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے جہاں موٹا تازہ ہوا مرا۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آجاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ ﴾ جب یہ ہماری نصیحت

بھول جاتے ہیں ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں۔ اب دفعتاً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں (ابن جریر' ابن ابی حاتم) ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے' واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی سی مثال چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکتا ہے نہ شرماتا ہے۔ لفظ ما یہاں پر کمی کے معنی بتانے کے لئے ہے' اور ﴿ بَعُوْضَةً ﴾ کا زبر بدلیت کی بناء پر عربی کے قاعدہ کے مطابق ہے جو ادنی چیز پر صادق آسکتا ہے۔ یا نکرہ موصوفہ ہے اور ﴿ بَعُوْضَةً ﴾ صفت ہے۔ ابن جریرؒ ما کا موصولہ ہونا اور بعوض کا اسی کے اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں۔ اور کلام عرب میں یہ بکثرت شائع ہے کہ وہ ما اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیدیا کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی یہ نکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرفہ۔ جیسے حسان ابن ثابتؓ کے شعروں میں ہے۔

﴿ يَكْفِىْ بِنَا فَضْلًا عَلٰى منْ غَيْرِنَا ﴾ ﴿ حُبُّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اِيَّانَا ﴾

ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حب نبی ﷺ سے پر ہیں

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ﴿ بَعُوْضَةً ﴾ منصوب ہو حرف جار کی بناء پر اور اس سے پہلے بین کا لفظ مقدر مانا جائے۔ کسائی اور فراء اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ضحاکؒ اور ابراہیم بن عبلہ ﴿ بَعُوْضَةٌ ﴾ پڑھتے ہیں۔ ابن جنی کہتے ہیں کہ یہ ما کا صلہ ہوگا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے ﴿ تَمَامًا عَلَى الَّذِىْ اَحْسَنَ ﴾ میں ﴿ فَمَا فَوْقَهَا ﴾ کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز جیسے کسی شخص کی بخیلی وغیرہ کا ذکر کرے اور دوسرا کہے کہ وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔ کسائی اور ابو عبید یہی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے اگر دنیا کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لئے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز کیا ہوگی؟ قتادہؒ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ کسی مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی یہ لفظ ﴿ فما فوقها ﴾ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکتا ہے اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے کوئی عار نہیں۔ ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے کان لگا کر سنو جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے' بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے' عابد اور معبود دونوں ہی بے حد کمزور ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں مکڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے۔ اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال دی پاک درخت سے جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ تعالیٰ ہر وقت پھل دیتا ہو۔ ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لئے بیان فرماتا ہے۔ اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اوپر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے۔ اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں۔ اور جگہ دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک تو گونگا اور بالکل گرا پڑا بے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے' اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ دوسری جگہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے' کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟ اور جگہ ارشاد ہے اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں؟ اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں

(پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں بعض سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں جب میں قرآن میں کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ قتادہ ؒ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں ۔ ﴿ انه ﴾ کی ضمیر کا مرجع مثال ہے یعنی مومن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر باتیں بناتے ہیں جیسے سورۂ مدثر میں ہے ﴿ وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ ﴾ یعنی ہم نے آگ والے فرشتوں کی گنتی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے'اہل کتاب یقین کرتے ہیں'ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں ۔ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد ؟اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔یہاں بھی اسی ہدایت وضلالت کو بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو توڑنے والے کون ہیں ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور راہ مومن پاتے ہیں وہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ باوجود اس علم کے کہ مثال حق ہے درست اور صحیح ہے پھر بھی اسے جھٹلاتے ہیں اور یہ اقرار کرکے ہدایت وایمان کو بڑھالیتے ہیں۔ فاسقین سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں حضرت سعد ؓ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ تک صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ تفسیر معنوی ہے یہ نہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں بلکہ یہ کہ یہ فرقہ بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علی ؓ پر چڑھائی کی تھی یہ لوگ گو نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معنوی طور پر یہ بھی فاسقوں میں داخل ہیں انہیں خارجی اس لئے کہا گیا ہے کہ امام برحق کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہوگئے تھے۔ لغت میں فسق کہتے ہیں اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں ﴿ فَسَقَتْ ﴾ چوہے کو بھی ﴿ فُوَيْسِقَه ﴾ کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں۔ حرم میں اور باہر قتل کردیئے جائیں'کوا'چیل'بچھو'چوہا'اور کالا کتا'پس لفظ فسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے۔ ایک آیت میں فاسق سے مراد کافر ہے واللہ اعلم۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں۔ اس کے فرمان کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سب اوصاف کفار کے ہیں۔

مومنوں کے اوصاف تو اس کے برخلاف ہوتے ہیں جیسے سورۂ رعد میں بیان ہے کہ ﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ ﴾ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا وہ حق ہے کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے کہ جو اندھا ہو ؟ نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور میثاق توڑتے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑتے ہیں اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی برائی سے کانپتے رہتے ہیں آگے چل کر فرمایا جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑدیں اور جس چیز کے ملانے کا اللہ کا حکم ہو وہ اسے نہ ملائیں اور زمین میں فساد پھیلائیں ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے۔ یہاں عہد سے مراد وہ وصیت ہے جو اللہ نے بندوں کو کی تھی جو اس کے تمام احکام بجالانے اور تمام نافرمانیوں سے بچنے کو شامل ہے اس کا توڑدینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔

بعض کہتے ہیں توڑنے والے اہل کتاب کے کافر اور ان کے منافق ہیں اور عہد وہ ہے جو ان سے توراۃ میں لیا گیا تھا کہ وہ اس

کی تمام باتوں پر عمل کریں اور محمد ﷺ کی اتباع کریں جب بھی آپ ﷺ تشریف لے آئیں آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کریں اور جو کچھ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے لے کر آئیں اس کی تصدیق کریں اور اس عہد کو توڑ دینا یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت اور اطاعت سے انکار کر دیا اور عہد کا علم ہونے کے باوجود اسے چھپایا اور دنیاوی مصلحتوں کی بناء پر اس کا خلاف کیا۔ امام ابن جریر؁ اس قول کو پسند کرتے ہیں اور مقاتل بن حیان؁ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص جماعت نہیں بلکہ شرک وکفر ونفاق والے سب کے سب مراد ہیں۔ عہد سے مراد اپنی توحید کا اور اپنے نبی کی نبوت کا اقرار کرانا ہے جس پر کھلی ہوئی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے موجود ہیں' اور اس کا توڑ دینا توحید وسنت سے منہ موڑنا اور انکار کرنا ہے۔ یہ قول اچھا ہے زمخشری؁ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے کا اقرار ہے جو فطرت انسان میں داخل ہونے کے علاوہ روز میثاق میں بھی منوایا گیا ہے۔ فرمایا گیا تھا کہ ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا تھا بے شک تو ہمارا رب ہے۔ پھر جو کتابیں دی گئیں۔ ان میں بھی اقرار کرایا گیا ہے جیسے فرمایا ﴿ اوفوا بعهدى ﴾ میرے عہد کو نبھاؤ میں بھی اپنے وعدے پورے کروں گا۔ بعض کہتے ہیں مراد وہ عہد ہے جو روحوں سے کیا گیا تھا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا۔ جیسے فرماتا ہے ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ ﴾ جب تیرے رب نے اولاد آدم سے وعدہ لیا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور ان سب نے اقرار کیا اور اس کا توڑنا اس کا چھوڑنا ہے یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر میں منقول ہیں۔ ابوالعالیہ؁ فرماتے ہیں عہد اللہ تعالیٰ کو توڑنا جو منافقوں کا کام تھا وہ یہ چھ خصلتیں ہیں' بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا' اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دینا' اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے ملائے جانے کا حکم دیا ہے انہیں نہ ملانا' زمین میں فساد پھیلانا' یہ چھ خصلتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو پہلے تین کاموں کو چھوڑ کر بعد والے تین کام کرتے ہیں۔ سدی؁ فرماتے ہیں قرآن کے احکام کو پڑھنا جاننا سچ کہنا پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴾ قریب ہے کہ تم اگر لوٹو تو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو۔ ابن جریر؁ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے جس کے ملانے ادا کرنے کا حکم باری تھا انہوں نے اسے توڑا اور نہ کیا ﴿ خَاسِرُوْنَ ﴾ سے مراد آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں جیسے فرمان باری ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ ان لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

حضرت ابن عباس؄ کا فرمان ہے کہ اہل اسلام کے علاوہ دوسروں کو جہاں قرآن نے ﴿ خاسر ﴾ کہا ہے وہاں مراد کافر ہے اور اہل اسلام کے لئے جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں ﴿ خَاسِرُوْنَ ﴾ جمع ہے ﴿ خَاسِر ﴾ کی چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیوی لذتوں میں پڑ کر اپنے آپ کو رحمت ربانی سے دور کر لیا اس لئے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا ہے جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں نقصان ہو جائے اسی طرح یہ کافر ومنافق ہیں کہ جب رحم وکرم کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی یعنی قیامت والے دن تو اس دن رحمت ربانی سے یہ محروم رہ جائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

عدم سے وجود میں لانے والا کون؟ اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ قدرتوں والا ہے وہی پیدا کرنے والا ہے اور اختیار والا ہے اس آیت میں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے وجود کا کیسے انکار کر سکتے ہو یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کیسے کر سکتے ہو؟ جب کہ تم کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ایک ہے جیسے اور جگہ فرمایا کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ ﴾ یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا کہ جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا اور بھی اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ﴾ اے اللہ تعالیٰ دو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت ﴿ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا ﴾ میں ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا یعنی موت ایک دن ضرور آئے گی پھر وہ تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے پھر دوسری دنیا میں مرنے کی اور قبروں کی طرف جانے کی پھر روز قیامت میں اٹھ کھڑے ہونے کی، دو زندگیاں اور دو موتیں۔ ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن زیدؒ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا پھر دنیوی موت ان پر آئی، پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا۔ لیکن یہ قول غریب ہے پہلا قول ہی ٹھیک ہے۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا الخ۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے قرآن نے مردہ کہا ہے فرماتا ہے ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ﴾ وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں، زمین کے بارے میں فرمایا ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ﴾ ان کے لئے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ؏

وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا، پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے

زمین و آسمان وغیرہ کی تخلیق کتنے دنوں میں: اوپر کی آیت میں ان دلائل قدرت کا بیان یا جو خود انسان کے اندر ہیں۔ اس لئے اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روز مرہ آنکھوں کے سامنے ہیں ﴿ اِسْتَوَاء ﴾ یہاں قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ اِلٰی ہے ﴿ سَوّٰهُنَّ ﴾ کے معنی درست کرنے اور ساتوں کو بنانے

کے ہیں ﴿سَمَآء﴾ اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ﴾ کیا وہ بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورۂ حٰمٓ سجدہ (فصلت) کی آیت ﴿ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ ﴾ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا کیا۔ تم اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہو؟ جو رب العالمین ہے جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیئے ہیں جس نے اس زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چار دن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں جس میں دریافت کرنے والوں کی تشفی ہے پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھوئیں کی شکل میں تھے فرمایا کہ اے زمین و آسمانو! خوشی یا ناخوشی سے آؤ۔ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو خوشی خوشی حاضر ہیں۔ دو دن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ بنایا' یہ ہے اندازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی پھر ساتوں آسمانوں کو بنایا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جاتا ہے پھر اوپر کا مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ﴾ تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی موٹائی بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیا پھر اس کے بعد زمین پھیلائی اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں' اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ﴿ ثُمَّ ﴾ صرف عطف خبر کے لئے ہے عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے شعر میں یہ موجود ہے کہ کہیں ﴿ ثُمَّ ﴾ صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت ﴿ ءَ اَنْتُمْ ﴾ میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلانا اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔ تو ٹھیک ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا تو دونوں آیات ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباسؓ نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا' جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی پھر اسی کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ اتوار اور سوموار کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں زمین مچھلی پر ہے مچھلی وہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿ نٓ وَ الْقَلَمِ ﴾ مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتہ پتھر پر اور یہ پتھر وہ ہے جس کا ذکر لقمان نے کیا ہے۔ یہ پتھر ہوا پر ہے مچھلی کے ہلنے سے زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور زمین ٹھہر گئی یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَبِهِمْ ﴾ زمین نہ ہلے اس لئے ہم نے اس میں پہاڑ جما دیئے ہیں۔ پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی کل چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں اسی کا بیان ﴿ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ ﴾ والی آیت میں ہے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا اسے آسمان بنایا پھر اسی میں سے سات آسمان بنائے جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں جمعہ کے دن کو اسی لئے جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں زمین و آسمان کی پیدائیش جمع ہو گئی۔ ہر آسمان میں اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان ان چیزوں کو جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور انہیں شیطان سے حفاظت کا سبب بنایا ان تمام چیزوں کو پیدا کر کے پروردگار نے عرش عظیم پر قرار پکڑا جیسے فرمایا ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا

کر کے پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔ اور جگہ فرمایا ﴿ كَانَتَا رَتْقًا ﴾ یعنی یہ دونوں دھواں سے تھے ہم نے انہیں پھاڑا اور پانی سے ہر چیز کی زندگی کی (تفسیر سدی) (یہ موقوف قول جس میں کئی قسم کا احتمال ہے بظاہر ایسی اہم بات میں حجت تامہ نہیں ہو سکتا' واللہ اعلم) ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی۔ دو دن میں زمینیں پیدا ہوئیں دو دن میں ان کی تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا جمعہ کے دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہو گی۔ مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا اس سے جو دھواں اوپر چڑھا اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں' اور زمینیں ایک کے نیچے ایک اس طرح سات ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے جیسے سورۂ حٰم سجدہ کی آیت میں ہے۔ علماء بھی اس پر متفق ہیں۔ صرف قتادہ ؒ فرماتے ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ قرطبی اس میں توقف کرتے ہیں ﴿ والنزعت ﴾ کی آیت کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن پھیلائی بعد میں گئی یہی جواب اگلے پچھلے علماء کا ہے۔ سورۂ ﴿ وَالنّٰزِعٰتِ ﴾ کی تفسیر میں بھی اس کا بیان آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔ حاصل امر یہ ہے کہ زمین کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے اور ﴿ دَحٰهَا ﴾ کا لفظ قرآن میں ہے اور اس کے بعد جو پانی چارہ پہاڑ وغیرہ کا ذکر ہے یہ گویا اس لفظ کی تشریح ہے جن جن چیزوں کی نشو و نما کی قوت اس زمین میں رکھی تھی ان سب کو ظاہر کر دیا اور زمین کی پیدوار اور طرح طرح کی مختلف شکل اور مختلف قسموں کی نکل آئی اسی طرح آسمان میں بھی ٹھہرے رہنے والے چلنے والے ستارے وغیرہ بنائے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث ہے حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک۔ یہ حدیث غرائب مسلم میں سے ہے امام ابن مدینی ؒ امام بخاری ؒ وغیرہ نے اس میں کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کعب ؓ کا اپنا قول ہے اور حضرت ابوہریرہ ؓ نے کعب ؓ کا یہ کلام سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے۔ امام بیہقی ؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

خلیفہ کے معانی اور مقاصد: اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے فرماتا ہے کہ اے نبی! تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابو عبیدہ ؒ تو کہتے ہیں کہ لفظ اذ یہاں زائد ہے لیکن ابن جریر ؒ وغیرہ مفسرین اس کا رد کرتے ہیں ﴿ خَلِيْفَةً ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان کے بعض بعض کے جانشین ہوں

گے یکے بعد دیگرے اور ایک دور کے بعد دوسرے دور میں یونہی قرنوں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جیسے اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ﴾ یعنی تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنایا۔ اور جگہ فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو اس زمین میں تمہارا خلیفہ بنا دیتے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوئے ایک شاذ قرأت میں ﴿ خَلِيْقَةً ﴾ بھی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن اس میں تامل ہے۔ تفسیر رازی وغیرہ میں اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم کی نسبت یہ فرمایا تھا نہ کہ خاص حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت یہ اور بات ہے کہ اس کا علم فرشتوں کو کس طرح ہوا؟ یا تو کسی خاص طور سے انہیں یہ معلوم ہوگا یا بشری طبیعت کے اقتضا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ فرمادیا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلہ کرنے والا مظالم کی روک تھاک کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے چونکہ زمین کی پہلی مخلوق کو دیکھا تھا اسی پر اسے قیاس کیا ہوگا

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فرشتوں کی یہ غرض بطور اعتراض نہ تھی اور نہ ہی بنی آدم کے حسد کے طور پر تھی لیکن جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے ﴿ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ ﴾ یعنی جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے۔) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت کے معلوم کرنے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لئے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے تو اب بادب سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں۔ تسبیح و تقدیس و تحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فسادی اور خونی بھی ہوں گے کس مصلحت پر پیدا کی جارہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس فساد کے پھر بھی اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر میں پیدا کر رہا ہوں انہیں میں ہی جانتا ہوں تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے' ان میں صدیق' اور شہید' ہوں گے ان میں عابد' زاہد' اولیاء' ابرار' نیک کار' مقرب بارگاہ' علماء' صلحاء' متقی' پرہیزگار' خوف الٰہی اللہ تعالیٰ کی محبت رکھنے والے ہوں گے' میرے احکام کی بسروچشم تعمیل کرنے والے' میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک کہنے والے ہوں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں اور اس وقت رات کے فرشتے آتے ہیں وہ پھر صبح کو جاتے ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں اس وقت اور جب جاتے ہیں صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں' اور دربار الٰہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے یہی ہے وہ مصلحت الٰہی جسے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کے دیکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ پیش کئے جاتے ہیں۔ غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی' اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے تمہیں معلوم ہی نہیں' بعض کہتے ہیں یہ جواب ہے ان کے اس قول کا کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ بیان کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں یعنی تم جیسا سمجھ رہے ہو اور سب کو یکساں کر رہے ہو ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جوابا" کہا گیا تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حسن، قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدی کہتے ہیں کہ مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہو سکتے ہیں اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ سے زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تو بیت اللہ کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے پھر اس میں ضعف ہے اور مدرج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے' واللہ اعلم۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے مراد عام ہے ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں گے' حسد' بغض' قتل و خون ریزی کریں۔ وہ خلیفہ ان میں وہ عدل و انصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا۔ تو اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو ان کے قائم مقام ہیں' اللہ تعالیٰ کا اطاعت اور مخلوق میں عدل و انصاف کرنے میں' لیکن فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ والوں کو دوسرے زمانہ والوں کے بعد آنا ہے۔ خلیفہ فعیلہ کے وزن پر ہے جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں ﴿ خَلَفَ فُلَانٌ فُلَاناً ﴾ (فلاں شخص فلاں کا خلیفہ ہوا) جیسے قرآن کریم میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اور اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کی آبادی کرنے والا۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ پہلے زمین میں جنات بستے تھے انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل و غارت کی' پھر ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں اس وقت زمین تو تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کرایا تھا کہ اولاد آدم علیہ السلام ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بدھ کے دن پیدا کئے گئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم پیدا ہوئے۔ حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم علیہ السلام ایسا ایسا کریں گے اس بناء پر انہوں نے سوال کیا۔

ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں کہ سجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت و ماروت تھے۔ اسے ہر روز تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش وغیرہ امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی خبر کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابو جعفر نے اسے اہل کتاب یہود نصاریٰ سے لیا ہو۔ بہر حال یہ ایک فضول روایت ہے اور قابل تردید ہے واللہ اعلم۔ پھر اس میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے یہ روایت بھی مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلا دیئے گئے یہ بھی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہوگی تو انہوں نے تعجب کے ساتھ مصلحت الٰہی معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا نہ کہ کوئی مشورہ دیا' انکار کیا' اعتراض کیا ہو۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا نا ممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو ان پر یہ امتحان الٰہی آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے

نہیں چھوٹی' زمین اور آسمان کا بھی امتحان ہوا تھا اور انہوں نے سر خم کر کے اطاعت الٰہی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ فرشتوں کی تسبیح وتقدیس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا' نماز پڑھنا' بے ادبی سے بچنا' بڑائی عظمت وغیرہ کرنا' نافرمانی نہ کرنا' ﴿ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ ﴾ وغیرہ پڑھنا ہے قدوس کے معنی پاک کے ہیں' پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے؟ آپ ﷺ جواباً فرماتے ہیں وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ﴾ (صحیح مسلم) حضور ﷺ نے معراج والی رات آسمانوں میں فرشتوں کی یہ تسبیح سنی ﴿ سُبْحَانَ الْاَعْلٰى الْاَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى ﴾۔

قرطبیؒ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے' ان کے جھگڑے چکائے' مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے' حدود قائم کرے' برائیوں کے کرنے سے لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے' وغیرہ وغیرہ وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اس لئے خلیفہ کا مقرر کرنا جواب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن وحدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضور ﷺ نے خلافت کے لئے لیا تھا یا قرآن وحدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو' جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت۔ یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور ﷺ نے خلافت کے لئے کیا ہے' یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے حضرت عمرؓ نے کیا تھا' یا اہل حل وعقد (یعنی بااثر سرداران لشکر' علماء' صلحاء وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں یا ان میں سے کوئی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا امام الحرمینؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور وجبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ پھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔ امام شافعیؒ نے صاف لفظوں میں اس کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں' بعض کہتے ہیں شرط' اور دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کا قول ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے ان دونوں کے علاوہ چار گواہ اور چاہئیں' جیسے کہ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کے چھ ارکان مقرر کئے تھے' پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اختیار دیا اور آپ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی اس استدلال میں کلام ہے' واللہ اعلم۔

امام کا مرد ہونا' آزاد ہونا' بالغ ہونا' عقلمند ہونا' مسلمان ہونا' عادل ہونا' مجتہد ہونا' آنکھوں والا ہونا' صحیح سالم اعضاء والا ہونا' فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا' قریشی ہونا واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ دونوں شرطیں کٹے رافضی لگاتے ہیں۔ امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہئے یا نہیں اس میں اختلاف ہے' اور صحیح بات یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے۔ کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو۔ اسی طرح امام خود اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے حضرت حسن بن علیؓ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہؓ کو سونپ دیا تھا' لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔

روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تمہارا کام جمع ہو اور کوئی آ کر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے

جن میں سے ایک امام الحرمین ؒ ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں اطاعت کے لائق تھے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو اس لئے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمین نے استاذ ابو اسحاق سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چو طرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو۔ امام الحرمین اس میں تردد میں ہیں' خلفاء بنی عباس کا عراق میں اور خلفاء بنی فاطمہ کا مصر میں' اور خاندان بنی امیہ کا مغرب میں میرے خیال سے یہی حال تھا۔ اس کی بسط و تفصیل انشاء اللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔

فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ: یہاں اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن حکمت الٰہی جو آدم کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا جس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گزرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے ہوا تھا' بعد میں بیان کیا' تاکہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کو ملی کہ انہیں وہ علم ہے جس سے یہ فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے سب جانوروں کے زمین آسمان پہاڑ تری خشکی گھوڑے گدھے برتن بھانڈے' چرند پرند فرشتے ستارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد لفظ ﴿ عَرَضَهُمْ ﴾ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کا ہی لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا ہے جن میں سے بعض تو

پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس آیت میں ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں ﴿ عَرَضَهُنَّ ﴾ بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کی قرأت میں ہے اور حضرت اُبی بن کعب ؓ کی قرأت میں ﴿ عَرَضَهَا ﴾ بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی' جیسے کہ حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے کہ گوز کا نام بھی بتایا گیا تھا۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاری ؒ یہ حدیث لائے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہو تا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجتے چنانچہ یہ سب کے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے سب باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں تاکہ ہم اس سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم خلیل الرحمٰن (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں توراۃ عنایت فرمائی یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مار ڈالنا یاد آ جائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول اور کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب یہاں آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں۔ تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دی جائے گی' میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک اللہ کو منظور ہو گا سجدے میں پڑا رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی کہ سر اٹھایئے سوال کیجئے پورا کیا جائے گا' کہئے سنا جائے گا' شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا پھر شفاعت کروں گا پھر حد مقرر ہو گی۔ انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر چوتھی بار حاضر ہوں گا یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو اور جن کے لئے جہنم کی ہمیشگی واجب ہو گئی ہو (یعنی شرک و کفر کرنے والے) صحیح مسلم شریف' نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث شفاعت موجود ہے۔

غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: یہاں حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے' پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ لو اگر تم اپنے اس قول میں کہ تم ساری مخلوق سے زیادہ علم والے ہو یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ نہ بنائے گا سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہ بھی مروی ہے کہ اگر اپنی اس بات میں کہ بنی آدم فساد کریں گے اور خون بہائیں گے سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ لیکن بہترین قول پہلا ہی ہے۔ گویا اس میں انہیں ڈانٹا گیا کہ بتاؤ تمہارا قول کہ تم ہی خلافت زمین کے لائق ہو اور انسان نہیں تم ہی میرے تسبیح خواں اور اطاعت گزار ہو

اور انسان نہیں اگر سچا ہے تو لو یہ چیزیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں انہی کے نام بتاؤ اور اگر تم نہیں بتا سکتے تو سمجھ لو کہ موجودہ چیزوں کے نام بھی تمہیں نہیں معلوم تو آئندہ آنے والی چیزوں کی نسبت تمہیں علم کیسے ہوگا؟ فرشتوں نے یہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بڑائی اور اپنے علم کی کمی بیان کرنی شروع کر دی اور کہہ دیا کہ جسے جتنا کچھ اے اللہ تو نے سکھا دیا اتنا ہی اسے علم ہے تمام چیزوں پر احاطہ رکھنے والا علم تو صرف تجھی کو ہے تو ہر چیز کا جاننے والا اور اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے جسے جو کچھ سکھائے وہ بھی حکمت سے اور جسے نہ سکھائے وہ بھی حکمت سے تو حکمتوں والا اور عدل والا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں سبحان اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے ہیں کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ تو ہم جانتے ہیں لیکن ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ ﴾ کیا کلمہ ہے؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو باری تعالیٰ نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا کہنا اسے محبوب ہے۔ حضرت میمونؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نام بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرائیل علیہ السلام ہے تمہارا نام میکائیل ہے تم اسرافیل ہو یہاں تک کہ چیل 'کوے' وغیرہ سب کے نام جب ان سے پوچھے گئے تو انہوں نے بتا دیئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت فرشتوں کو معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ میں ہر کھلے چھپے کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴾ تم بلند آواز سے کہو (یا نہ کہو) اللہ تعالیٰ پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور جگہ ہے ﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا ﴾ کیوں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو تمہاری ہر پوشیدگی اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے میں جانتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے دل میں جو تکبر اور غرور تھا اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا قول کہ زمین میں اسے کیوں پیدا کرتا ہے جو فساد کرے اور خون بہائے۔ یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیرؒ مجاہدؒ سدیؒ ضحاکؒ اور ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابو العالیہ ربیع بن انس حسن اور قتادہؒ کا قول ہے کہ ان کی چھپی ہوئی بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ پیدا کرے گا ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور کرم دونوں میں ان پر فوقیت حاصل ہے۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت و دوزخ دونوں کو بھرنا ہے۔ لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں کی اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ اسلام کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بزرگی کا اقرار کر لیا۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر باطن کا علم مجھے ہے ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب و غرور کو بھی اللہ جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ لشکر مار ڈالا گیا یا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کے حجرے کے پیچھے سے پکارا تھا لیکن قرآن کریم میں اسکا بیان ان لفظوں میں ہے کہ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ ﴾ جو لوگ تمہیں اے نبی ﷺ! حجروں کے پیچھے سے پکارتے

ہیں تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اسی طرح ﴿ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴾ میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِينَ ﴿٣٤﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کو ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان ظاہر کیا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں' اس کی دلالت میں بہت سی احادیث ہیں ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ میری ملاقات (حضرت) آدم علیہ السلام سے کرادے خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا۔ (آخر تک) پوری حدیث عنقریب بیان ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا۔ جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے ابیس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا اس قبیلے کے سوا باقی تمام کے تمام فرشتے نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ﴿ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴾ آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے اسے ﴿ مارج ﴾ کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا روئے زمین پر پہلے جن بستے تھے انہوں نے فساد اور خونریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا ان کو جن کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندروں کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامن میں پہنچا دیا۔ اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا' جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ پھر ایسوں کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے تمہیں خبر نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا کہ وہ بجتی مٹی تھی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑوں گا اور اگر اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔

حضرت آدم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات: پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی رہی خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو آدم علیہ السلام اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور جھٹ سے اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی اس لئے اٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴾ یعنی انسان بے صبر اور جلد باز ہے تو خوشی میں صبر نہ رنج میں جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

﴿ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ﴾ پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا' اس نے نہ مانا اور سجدہ سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں' اس سے بڑی عمر والا ہوں اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں' یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے اس انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ اسلام کو انسان' جانور' زمین' سمندر' پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں پر پیش کیا جو ابلیس کے ساتھ تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں اس کو زمین میں خلیفہ نہ بناؤں۔ تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے' ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں کہ جو تو ہمیں معلوم کرا دے جیسے تو نے ان کے نام صرف (حضرت) آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو۔ چنانچہ انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ میں ہر پوشیدگی کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ہر ظاہر کو یعنی ابلیس کا اندرونی کبر و غرور بھی میں جانتا تھا اور تم سب اس سے بے خبر تھے لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی خامیاں ہیں۔ ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔ اور ابن عباسؓ تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور اثر بھی اسی طرح کا مروی ہے اس میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبریل علیہ السلام گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے۔ وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لی چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا اور کہیں سفید کہیں سیاہ اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں۔ لیکن یہ روایت بھی بنی اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ غالباً اس میں بہت سی باتیں بعد کے لوگوں کی ملائی ہوئی ہیں۔ صحابی کا بیان ہے ہی نہیں اور اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض پہلی کتابوں سے لیا ہو گا واللہ اعلم۔

امام حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایات لائے ہیں اور ان کی سند کو شرط بخاری پر کہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن انہی جیسا اور انہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ﴿ كَانَ مِنَ الْجِن ﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اسکی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا۔ زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہ تھا اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم علیہ السلام کی اصل انس سے ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ اور شہر بن حوشبؒ کا بھی یہی قول ہے سعد بن مسعودؒ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انہیں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کو کہا انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے پھر دوسری مخلوق پیدا کی ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے تعمیل ارشاد

کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی تقریباً صحیح نہیں ہیں۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں
﴿ كَافِرِيْنَ ﴾ سے مراد نافرمان ہے ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر وضلالت پر تھی کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت واکرام تھا۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو تخت پر بٹھالیا اور وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا! یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا' سابقہ امتوں میں سجدہ جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضور ﷺ سے گزارش کی کہ حضور ﷺ! آپ ﷺ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔ امام رازیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بطور قبلہ کے ساتھ تھے جیسے قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ لیکن اس میں نظر ہے اور پہلے قول کا ہی زیادہ ظاہر ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے اکرام' بڑائی' احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی۔ امام رازیؒ نے بھی اسی قول کو قوی بتایا ہے اور اس کے سوا دونوں اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا شرف ظاہر نہیں ہوتا' دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا نہ کہ زمین پر ماتھا ٹکا کر حقیقی سجدہ کرنا۔ لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا اسی تکبر کفر وعناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری تعالیٰ سے دھتکارا گیا۔ یہاں ﴿ كَانَ صَارَ ﴾ کے معنی میں بھی بتایا گیا ہے جیسے کہ ﴿ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴾ اور ﴿ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا۔ ابن فورکؒ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

قرطبیؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرامتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں' اس لئے کہ ہم کسی بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا اسی شیطان کو دیکھئے ولی چھوڑ کر فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت وعقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق فاجر مشرک کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ نے اپنے دل میں ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴾ کی آیت پوشیدہ کر کے جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا چھپا رکھا ہے؟ تو اس نے کہا تھا دخ بعض آیات میں ہے کہ غصہ کے وقت اسکا جسم اتنا پھول جاتا تھا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے مارا۔ دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں احادیث میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا' زمین سے پیداوار اگانا' زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا' ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر زندہ کر دینا وغیرہ حضرت لیث بن سعدؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھنا جب تک کہ اس کے تمام اعمال وافعال قرآن وحدیث کے مطابق نہ پاؤ۔ اس سجدہ کا حکم زمین وآسمان کے

تمام فرشتوں کو تھا۔ گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لہذا اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر ﴿کلھم﴾ سے تاکید کرنا پھر ﴿اَجْمَعُوْن﴾ پھر صرف ابلیس کا استثناء کرنا' ان چاروں وجوہات کی بنا پر صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو' لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

حضرت آدم کا اعزاز اور پیدائش حواء علیہم السلام: حضرت آدم علیہ السلام کی یہ ایک اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دیدی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں نبی بھی رسول بھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ عام مفسرین کا خیال ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا۔ لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی۔ سورۂ اعراف میں اس کا بیان آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حوا پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ علماء سے بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ ابلیس کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ ڈال دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا' جب آنکھ کھول کر حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے انس و محبت دل میں پیدا ہو گئی پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگ کر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں تو جھٹ سے فرشتوں نے پوچھا فرمایئے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا حوا۔ انہوں نے کہا اس نام کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ وہیں اللہ تعالیٰ کی آواز آئی کہ اے آدم! اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں آرام واطمینان سے رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو۔

ایک خاص درخت سے روکنا یہ امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ انگور کی بیل تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ گندم کا درخت تھا کسی نے سنبلہ کہا ہے کسی نے کھجور بتائی ہے کسی نے انجیر کہا ہے۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق

نہیں۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشگی کی زندگی والے ہو جاتے تھے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا نہ قرآن سے تعیین ثابت ہوتی ہے نہ کسی صحیح حدیث سے اور مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم کر لینے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں' لہذا ہمیں اس میں محنت کی کیا ضرورت؟ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازیؒ وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے ﴿ عَنْهَا ﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت کہا ہے اور بعض نے شجرہ ایک قرأت ﴿ فَاَزَالَهُمَا ﴾ بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو یک سو اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ ہوئے کہ اسی درخت کی وجہ سے شیطان نے انہیں بہلایا۔

ارضی زندگی کا آغاز: لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے ﴿ يُؤْفَكُ عَنْهُ ﴾ میں اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس وہ پاک مکان وہ نفیس روزی وغیرہ سب چھن گئے اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارے رزق وغیرہ ہیں قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور یہاں کا فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ کا اور ابلیس کا قصہ' ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا کس طرح وسوسہ ڈالا وغیرہ لمبے چوڑے قصے یہاں پر مفسرین نے نقل کئے ہیں لیکن وہ سب بنی اسرائیلی روایات کا ڈھیر ہیں۔ تاہم ہم انہیں سورۂ اعراف میں بیان کریں گے۔ کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا۔ اپنے آپ کو ننگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے وہ ایک درخت میں اٹک گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں' اے اللہ! میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! میرے پاس سے چلے جاؤ مجھے میری عزت کی قسم میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے' اگر زمین بھر جائے اتنی مخلوق میں تم جیسی پیدا کروں اور پھر وہ میری نافرمانی کریں تو یقیناً" میں انہیں بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچا دوں۔ یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ اعضال بھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ساعت ایک سو تیس سال تھی۔ ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدم کا اخراج ہوا ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا۔ سدیؒ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے تھے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہند کے شہر وحنا میں اترے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اور مائی حوا جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دست میسان میں پھینکا گیا اور سانپ اصبہان میں۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدم صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے۔ اترنے کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا۔ حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام طریقے سکھا دیئے اور پھلوں کا توشہ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم پیدا کئے گئے اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے' ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کئی وجوہ سے ڈانٹ ڈپٹ ہے اول تو یہ سوچنا چاہئے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو کیا تم بھول گئے کہ

تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو محض ایک ہلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا۔ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں دیکھیں کب صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ فتح موصلیؒ کہتے ہیں ہم جنتی تھے ابلیس کی قید میں دنیا میں آپڑے اب سوائے غم ورنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید وبند اسی وقت ٹوٹے گی جب کہ ہم وہیں پہنچ جائیں جہاں سے نکالے گئے ہیں۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدم علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت اور چوری کے چنانچہ توراۃ میں ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے وسوسہ ڈالا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زمین سے ہی وسوسہ ان کے دل میں ڈالا۔ قرطبیؒ نے یہاں پر سانپوں کے بارے کی اور ان کے مار ڈالنے کے حکم کی احادیث بھی نقل کی ہیں جو بہت مفید اور باموقع ہیں۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾

(حضرت) آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے

معافی کے کلمات: جو کلمات حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے ان کا بیان خود قرآن میں موجود ہے ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ یعنی ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً" ہم نقصان والے ہو جائیں گے اکثر بزرگوں کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے احکام حج سیکھنا بھی مروی ہے۔ عبید بن عمیرؒ کہتے ہیں کہ وہ کلمات یہ تھے کہ انہوں نے کہا اے اللہ! جو خطا میں نے کی آیا وہ میرے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی گئی تھی یا میں نے خود اس کی ایجاد کی؟ جواب ملا کہ ایجاد نہیں کی بلکہ پہلے ہی لکھ رکھی تھی۔ اسے سن کر آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! پھر مجھے بخشش اور معافی مل جائے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ میرے چھینکنے پر ﴿يَرْحَمُكَ اللّٰهُ﴾ نہیں کہا؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں لے گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں تھی؟ جواب ملا کہ ہاں یہ سب میں نے کیا ہے۔ تو کہا پھر اے اللہ! میری توبہ قبول کر کے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہی وہ کلمات یعنی چند باتیں تھیں جو آپ ﷺ نے اللہ سے سیکھ لیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ اگر میں توبہ کروں اور رجوع کروں تو کیا جنت میں پھر بھی جا سکتا ہوں؟ جوب ملا کہ ہاں یہی معنی ہیں اللہ سے کلمات کی تلقین حاصل کرنے کے۔ لیکن یہ حدیث علاوہ غریب ہونے کے منقطع بھی ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ کلمات کی تفسیر ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا﴾ الخ کو اور ان سب باتوں کو شامل ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں ﴿اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ. اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَارْحَمْنِىْ اِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَتُبْ عَلَىَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ قرآن کریم میں اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؟ اور جگہ ہے جو شخص کوئی برا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر توبہ استغفار کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اور اسے اپنے رحم وکرم میں لے لے گا۔ اور ایک مقام پر فرمایا ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ان سب آیات میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول

کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ وہ اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑے رحم و کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس عام لطف و کرم۔ اس کے اس فضل و رحم کو دیکھو کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں کرتا۔ سچ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ اس سے زیادہ کوئی مہر و کرم کرنے والا نہ اس سے زیادہ کوئی خطا بخشنے والا اور رحم و بخشش عطا فرمانے والا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں اور جو انکار کر کے ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

انبیاء کی پیروی سے ہی جنت ملے گی: جنت سے نکالتے ہوئے جو خبر حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا اور ابلیس کو دی گئی اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ کتابیں' انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے' معجزات ظاہر کئے جائیں گے دلائل بیان فرمائے جائیں گے' راہ حق واضح کر دی جائے گی۔ آنحضرت محمد ﷺ بھی آئیں گے آپ ﷺ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا اور جو اپنے زمانے کی کتابوں اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ دنیا کے مال و متاع نہ ہونے پر کوئی غم ہوگا۔ سورۂ طہ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے نہ بدبخت و بے نصیب اور میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھے پن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریرؒ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی' اور نہ ہی زندگی ملے گی ہاں جن موحد متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلہ ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت سے نکال لیئے جائیں گے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے دوسری دفعہ جو جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر کیا گیا تو یہ اس لئے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنے تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول پر اتار دیا گیا تھا دوبارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتارا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے' واللہ اعلم۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا مجھ ہی سے ڈرو اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمایا ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو' اور صرف مجھ سے ڈرتے رہا کرو

بنی اسرائیل سے خطاب کہ کافر نہ بنو: ان آیات میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ کی تابعداری کرنے کا حکم ہو رہا ہے اور کس لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو اور تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہ چاہیئے کہ سب سے پہلے انکار تمہی سے شروع ہو۔ اسرائیل نام تھا حضرت یعقوب علیہ السلام کا تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو تمہیں چاہئے کہ اپنے جدامجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم سخی کے لڑکے ہو سخاوت میں آگے بڑھو، تم پہلوان کی اولاد ہو داد شجاعت دو، تم عالم کے بچے ہو علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اس طرز کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ اِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ یعنی ہمارے شکر گزار بندے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالم گیری طوفان سے بچایا تھا یہ ان کی اولاد ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نہیں جانتے کہ اسرائیل نام تھا (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا؟ وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے تو حضور ﷺ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ۔ اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں۔ ان نعمتوں کو یاد دلایا جا رہا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں، مثلاً" پتھر میں سے نہروں کا جاری کرنا من وسلوی اتارنا، فرعونیوں سے آزاد کرنا، انہی میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا، ان میں سلطنت اور بادشاہ عطا فرمانا وغیرہ میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی جو عہد میں نے تم سے لیا تھا کہ جب محمد (ﷺ) آئیں اور آپ ﷺ پر میری کتاب قرآن کریم اترے تو تم اس پر اور آپ ﷺ کی ذات پر ایمان لانا وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں اس دین کے سخت احکام کے بدلے میں تمہیں اس آخر الزمان پیغمبر ﷺ کے ذریعہ تمہیں ایک آسان دین دوں گا۔ دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ ﴾ یعنی اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے، زکوۃ دیتے رہو گے، مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں داخل کروں گا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراۃ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر پیدا کروں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض کروں گا۔ اور ان کے تابعداروں کو بخشوں گا۔ انہیں جنت میں داخل کروں گا اور بڑا اجر دوں گا امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیا علیہم السلام سے آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی نقل کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بندوں کا عہد اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے عہد کو پورا کرنا ان سے خوش ہونا اور جنت عطا فرمانا ہے۔ اور مجھ سے ڈرو کہ ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آ جائیں اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملا دیا۔ رغبت و ترہیب دونوں کو جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمد ﷺ کی دعوت دی گئی قرآن کریم کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے اس کے بتائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔

اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری اپنی کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے، جسے لے کر وہ نبی آئے ہیں جو امی ہیں، جو عربی ہیں، جو بشیر ہیں، جو نذیر ہیں، سراج منیر ہیں، جن کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہے۔ جو توراۃ وانجیل کی تصدیق کرنے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں۔ چونکہ تورات وانجیل میں بھی آپ ﷺ کا ذکر تھا تو آپ ﷺ کا تشریف لانا توراۃ کی سچائی کی دلیل تھی، اس لئے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں کی چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ باوجودیکہ تمہیں علم ہے پھر تم ہی اس کے پہلے منکر نہ بنو۔ بعض کہتے ہیں ﴿ بِهٖ ﴾ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے۔ ﴿بماانزلت﴾ اور دونوں قول درحقیقت سچے

اور ایک ہی ہیں۔ قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسول کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے۔ پہلے کافر کا مطلب بنی اسرائیل کے پہلے کافر ہیں' کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے تو اب بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا اس لئے انہیں اول کافر کہا گیا ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔ میری آیات کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول ﷺ کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ ساری کی ساری دنیا بھی مل جائے پھر بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی اور بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

دینی تعلیم پر اجرت لینا کیسا ہے؟ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے۔ اس طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے۔ امام مالک ؒ' امام شافعی ؒ' امام احمد ؒ' اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر کے لی اور ایک سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب حضور ﷺ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿اِنَّ اَحَقَّ مَااَخَذْ تُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ﴾ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لو ان سب میں زیادہ حقدار چیز کتاب اللہ ہے۔ دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ ﷺ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ﴿زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اس مہر پر کہ جو قرآن تجھے یاد ہے تو اسے یاد کرا دے۔

ابو داؤد ؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا۔ اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ کے دی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے' چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابی بن کعب ؓ سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ ہدیہ لیکر اپنے ثواب کو ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جب کہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلاشک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں احادیث میں بیان ہو چکا واللہ اعلم۔

صرف اللہ ہی سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت واطاعت میں لگا رہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔ غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آکر حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کو جو ان کی کتابوں میں ہے نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کے طمع پر آپ ﷺ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر حق کا اظہار کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ' تمہیں تو خود اس کا علم ہے اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔

حق کو چھپانا یہود کی خصلت ہے: یہودیوں کی اس بد خصلت پر ان کو تنبیہ ہو رہی ہے کہ وہ باوجود جاننے کے کبھی تو حق و باطل کو گڈمڈ کر دیا کرتے تھے کبھی حق کو چھپا لیا کرتے تھے' کبھی باطل کو ظاہر کیا کرتے تھے تو انہیں ان ناپاک عادتوں کو چھوڑنے کا کہا گیا ہے' اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت و نصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں جو تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ۔ ﴿ تَكْتُمُوْا ﴾ مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی' یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعودؓ کی قرأت میں ﴿ تَكْتُمُوْنَ ﴾ بھی ہے' یہ حال ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ باوجود علم کے کہ اس کو چھپانے اور باطل کے ساتھ ملانے کا کیسا عذاب ہوگا پھر بھی افسوس کہ تم اس بدکرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھو' اور آپ ﷺ کو زکوٰۃ بھی دیا کرو اور امت محمد ﷺ کے ساتھ رکوع و سجود میں شامل رہا کرو' انہی میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ﷺ ہی کی امت بن جاؤ۔ اطاعت و اخلاص کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ دو سو درہم پر پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے۔ نماز و زکوٰۃ فرض و واجب ہیں' ان کے بغیر اعمال غارت ہیں۔ زکوٰۃ سے بعض لوگوں نے فطرہ بھی مراد لیا ہے۔ "رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو' سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو' اور ان میں بہترین چیز نماز ہے۔ اس آیت سے اکثر علماء نے نماز با جماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبیؒ نے مسائل جماعت کو بسط سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟

جو دوسروں کو کہے اور خود نہ کرے: یعنی اے اہل کتاب! باوجود اس علم کے جو "کہے اور نہ کرے" اس پر کتنا عذاب ہے پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ۔ لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہو جانا چاہئے یہ بھی معنی ہیں کہ تم دوسروں کو تو اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے اس نبی ﷺ کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کے قبول کرنے کے لئے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر اور خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔

واعظین اور مبلغین کے لئے ہدایات: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں انسان پورا سمجھ دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمّت کی یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر انکی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔

اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ﴾ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں روکوں اور خود کروں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے میری توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت

ورجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ پس نیک کاموں کا حکم کرنا بھی واجب اور خود کرنا بھی واجب ہے ایک کے واجب نہ کرنے سے دوسرا واجب چھوڑنا نہیں۔ چاہئے علماء سلف وخلف کا بھی قول یہی ہے گو بعض لوگوں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ برائیاں کرنے والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے' لیکن یہ قول صحیح نہیں پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی درست نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے' برائی سے روکے' اور خود بھی کرے اور رکے اگر دونوں چھوڑے گا تو دوہرا گنہگار ہوگا اور ایک کے ترک پر اکہرا۔

طبرانی کی معجم کبیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے خطیب اور واعظ وعالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے' باوجود علم کے سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جا رہے تھے یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن حبان' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ابووائل ؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اسامہ ؓ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان ؓ سے کچھ کہتے نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا میں ان کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان کہوں تب ہی کہنا ہوگا میں تو انہیں پوشیدہ طور سے ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی کام کو پھیلانا نہیں چاہتا' اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا اور جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت! آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے' یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔ مسند احمد' بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔

مسند کی ایک اور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگزر کرے گا جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عامی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے۔ عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں ﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ جاننے والے اور انجان برابر نہیں' نصیحت صرف عقل مند لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن سن کر ہم تو جنتی ہو گئے یہ تم جہنم میں کیوں آپڑے؟ وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔

ابن عباس ؓ سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت میں لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اگر تم ان تین آیات کی فضیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو ﴿ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم﴾ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھولے جا رہے ہو؟ دوسری آیت ﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان ﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَاسْتَطَعْتُ ﴾ یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا' میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے۔ کہو تم ان تینوں آیات سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو (تفسیر ابن مرویہ) ایک ضعیف حدیث طبرانی میں

ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو لوگوں کو کسی قول و فعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود بھی عمل کرنے لگ جائے۔ ابراہیم نخعیؒ نے بھی ابن عباسؓ والی ان تینوں آیات کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اسکی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

صبر کیا ہے؟ اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو، فرائض کو بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو۔ روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں روزہ آدھا صبر ہے صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا، نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں، مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے کرنے سے صبر اور یہ صبر پہلے صبر سے زیادہ اچھا ہے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر چیز کو اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا، ثواب کی طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا یہ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کام پر صبر کرو اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے۔ خود قرآن میں ہے ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ نماز کو قائم رکھ یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے، اور یقیناً "اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے فوراً نماز پر لگ جاتے۔ چنانچہ خندق کے موقعہ پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول (اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ) ساری رات نماز میں مشغول رہے اور صبح تک نماز اور دعا میں لگے رہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ "درد شکم داری" کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو نماز شروع کر دو اس میں شفا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثمؓ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھ کر راستے سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ غرض ان دونوں چیزوں صبر وصلوۃ سے اللہ کی رحمت میسر ہوتی ہے۔

اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے توصلوۃ یعنی نماز کو کہا ہے بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں وَلَا يُلَقّٰهَا کی ضمیر اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کے حکم میں ﴿ وَمَا يُلَقّٰهَا ﴾ کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام صبر وصلوۃ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں یہ حصہ ڈر اور خوف رکھنے والی جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے سچے مومن کا حصہ

والے متواضع اطاعت کی طرف جھکنے والے وعدے وعید کو سچا ماننے والے ہی اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں' جیسے حدیث میں ایک سائل کے سوال پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا یہ بڑی چیز ہے لیکن جس پر اللہ کی مہربانی ہو آسان ہے۔ ابن جریرؒ نے آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں کے خطاب میں رکھا ہے۔ لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گو یہ بیان میں انہی کے ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے چل کر ﴿ خَاشِعِيْنَ ﴾ کی صفت ہے اس میں ظن معنی میں یقین کے ہے گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدفہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی۔ اور صارخ کا لفظ فریادرس اور فریاد کن دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ وَرَاَى الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا ﴾ یعنی گنہگار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں ایسی ہر جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے۔ ابو العالیہؒ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کے کرتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ سدیؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ' ابن جریجؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قرآن میں اور جگہ ﴿ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴾ یعنی مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دوچار ہونا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھ پر طرح طرح کے انعامات نہیں کیے تھے؟ کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام' کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا ہاں۔ پروردگار یہ سب کچھ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ یہ کہے گا ہاں اے اللہ! میں اسے نہیں مانتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بس تو جیسا مجھے بھول گیا تھا ایسا ہی آج میں تجھے بھلا دوں گا۔ اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہے۔ اس کی مزید تحقیق و تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ﴿ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (سورہ حشر) کی تفسیر میں آگے آئے گی۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾

اے اولاد یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر انعامات: بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کو جو نعمتیں دی گئی تھیں۔ اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے ان پر کتابیں اتریں اور ان کے زمانے کے اور لوگوں پر انہیں مرتبہ دیا جیسے فرمایا ﴿ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴾ یعنی انہیں ان کے زمانہ کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا من العالمين ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی ہے تم میں اس نے پیغمبر بنائے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانہ کو نہیں دیا تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانہ کے تمام دوسرے لوگ ہیں' اس لئے کہ امت محمدیہ ﷺ ان سے یقیناً افضل ہے۔ اس امت کی نسبت فرمایا گیا ہے ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ہو تم بھلائیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

مسانید اور سنن میں مروی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو۔ اس قسم کی اور بہت سی احادیث کا ذکر انشاء اللہ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ کی تفسیر میں آئے گا اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت مراد

ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ رازیؒ نے یہی کہا ہے مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام امتوں پر ہے اس لیے کہ انبیاء کرام انہی میں سے ہوتے چلے آئے۔ لیکن اس میں بھی غور و خوض کی ضرورت ہے اس لئے کہ اسطرح کا عموم ان سے اگلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور حقیقت میں پہلے انبیاء ان میں سے نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آنحضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جو ان سب کے بعد تھے جو تمام مخلوق سے افضل تھے اور جو تمام اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور نہ سفارش قبول ہو گی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

حشر میں کوئی سفارش اور فدیہ وغیرہ نہیں ہوگا: نعمتوں کو بیان کر کے اب عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ جیسے فرمایا ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا۔ ایک مقام پر ہے۔ ﴿ لکل امرىء منهم یومئذ شان یغنیه ﴾ یعنی اس دن ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہوا ہوگا۔ فرمایا اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ﴿ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ﴾ یعنی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہے ان کفار کو سفارش کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔ اور جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی دوست۔ ایک اور مقام پر ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر ہے کہ جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک اور مقام پر ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اسکے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اور جگہ ہے گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں ایک اور مقام پر ہے آج نہ تم سے بدلہ لیا جائے نہ کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اسی کی آگ تمہاری مولا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان بغیر صرف سفارش اور شفاعت کا آسرا بےکار محض ہے۔ قرآن کریم میں ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کر لو جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت اور جگہ ہے ﴿ لَا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴾ اس دن نہ بیع ہے نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے۔ حضرت علیؓ والی روایت میں شفاعت کے معنی نفل اور عدل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! عدل کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا فدیہ۔ ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہ ہوگا، قرابتیں کٹ جائیں گی، جاہ و حشم جاتا رہے گا، کسی کے دل میں ان کی طرف سے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی، ایک اور مقام پر ہے ﴿ هُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ ﴾ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں۔ اور جگہ ہے آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب کر سکے نہ اس کی سی قید و بند۔ اور جگہ ہے ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴾ تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ وہ سب کے سب آج گردن جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔ آیت میں ہے ﴿ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْ

بَانَا اٰلِهَةً ﴾ الخ جن کی وہ اللہ کے سوا اللہ کی نزدیکی کے لئے پوجاپاٹ کرتے تھے آج وہ معبود ان عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ تو گم ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہو گئیں، رشوتیں کٹ گئیں، شفاعتیں مٹ گئیں، آپس کی امداد ونصرت ہٹ گئی۔ معاملہ اس عادل حاکم جبار و قہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے جس کے ہاں سفارشیوں کی سفارشیں اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ بھگتنا پڑے، ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروری اور رحم و کرم، انعام و اکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا دے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں ذرا ٹھہراتا کہ ان سے ایک سوال کر لیا جائے کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد سے ہٹ کر اپنی فکر میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے گردن جھکائے اور تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ انعام: ان آیات میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اے اولاد یعقوب! میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعونیوں کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا۔ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی، جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں فرعون کا غرور ٹوٹے گا اور اسے خدائی دعوے کی بدترین سزا ملے گی اس لئے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ ہو سرکاری طور سے اس بات کا خیال رکھا جائے اگر لڑکا ہو تو فوراً مار ڈالا جائے اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے اور بنی اسرائیل سے سخت بیگار لی جائے اور مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورۂ ابراہیم میں ایک کا دوسرے پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ قٓ کے شروع میں بیان کی جائے گی، اللہ تعالیٰ مضبوطی دے ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین۔ ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ ﴾ کے معنی لگا دینے اور ہمیشگی کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیتے جاتے تھے۔ چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لیے فرعونیوں کے عذاب کو تفسیر کے طور پر لڑکوں کے قتل کرنے سے بیان فرمایا۔ اور سورۂ ابراہیم میں شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اس لئے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ یہ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی کنیت ابو مرہ تھی۔ اصل

میں اصطخر کے فارسیوں کے اصل میں سے تھا اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی۔ ﴿ بَلَآءٌ ﴾ کے اصل معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر ابن عباس ؓ، مجاہد ؒ، ابو العالیہ ؒ، سدی ؒ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں امتحان اور آزمائش بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلونہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور ﴿ اُبْلِیْهِ اِبْلَآءً وَبَلَآءً ﴾ کا لفظ بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لئے آتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش تھی یعنی اس عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں۔

قرطبی ؒ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور ﴿ وَبَلَآءٌ ﴾ کے معنی برائی کے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے فرعونیوں سے بچالیا، تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کھڑا کر دیا اور تمہیں اس میں سے پار اتار کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکروں سمیت ڈبو دیا۔ اس کی پوری تفصیل سورہ شعراء میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عمرو بن میمون اودی ؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ مرغ جب بولے تب سب نکلو اور انہیں پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ لیکن اس رات قدرت الٰہی سے صبح تک مرغ نہ بولا، مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس سے پہلے کہ اس کی کلیجی سے میں فارغ ہولوں اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے، چنانچہ حاضر ہو گیا، اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کروفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ ہوگئی، پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا امر رب آگے آگے ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ! رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں نہ رب تعالیٰ کو۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا یا کہا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ اپنی لکڑی دریا پر مارو۔ لکڑی لگتے ہی پانی نے راستہ دیدیا اور پہاڑوں کی طرح سخت ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ اسلام اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گزر گئے انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونیوں نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستے پر ڈال دیئے جب فرعون کا سارا لشکر دریا میں اتر گیا تو پانی کو مل جانے کا حکم ہوا اور چاروں طرف ریل پیل ہوگئی اور سارے کے سارے ڈوب مرے بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں کنارے پر کھڑے کھڑے دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورہ کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں سے آزاد ہوئے اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں۔ پس حضور ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری، مسلم، نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے پانی کو کھڑا کر دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے شیخ یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو اور ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔

چالیس دن کا وعدہ اور بچھڑے کی پوجا: یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ جب تمہارے نبی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور پیچھے سے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی پھر ان کے آنے پر تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کے باوجود بھی بخش دیا۔ اور جگہ قرآن میں ہے ﴿ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ﴾ یعنی ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ اسلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ یہ واقعہ فرعونیوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش تھا کتاب سے مراد توراۃ ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل ہدایت وضلالت میں فرق کرے یہ کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورۂ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ﴿ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ﴾ بھی آیا ہے یعنی ہم نے سابقہ لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لئے بصیرت افزا اور ہدایت ورحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واوَ زائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ بعض نے کہا ہے کتاب پر فرقان کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا۔ دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دو ناموں سے بطور عطف کلام عرب میں آیا کرتی ہے۔ شعراء عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اپنے آپس میں قتل کرو۔ تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔

یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں کو گھیر لیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ واستغفار کرنے لگے تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورۂ

طٰہٰ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو بتا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے اور قتل کرنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جب اندھیرا چھٹا انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں۔ اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔

یہ ایک سخت فرمان تھا جسے ان لوگوں نے پورا کیا اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقیماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جب اس طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنا شروع کی کہ اے اللہ! اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرما دیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور روزیاں پا رہے ہیں اب موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی تلواریں' نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں' آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور رب تواب ورحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

(تم اسے بھی یاد کرو کہ) تم نے (حضرت) موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو لے کر اللہ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔

اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز بلند ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اے اللہ! بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑو۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے انہیں سزا مل گئی پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کئے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

ایمان کے لئے شرائط اور اللہ تعالیٰ کا عذاب: محمد بن اسحاق" فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لئے چلے۔ ان سے کہا کہ تم توبہ کرو اور روزہ رکھو پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کر لو۔ جب بحکم الٰہی طور سینا پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ

اسی کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ جب کلام الٰہی شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کی کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھ آنے والے بھی اللہ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں۔ جب کلام الٰہی ختم ہوا تو ابر ہٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس آئے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ! ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی کی وجہ سے ان پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے کہ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اے اللہ ہماری توبہ ہے تو قبول فرما اور ہم پر فضل و کرم کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا۔ اب سب نے یک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی ان سے فرمایا گیا کہ جب تک وہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں میں ان کی توبہ قبول نہ فرماؤں گا۔ سدیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑ چکنے کے بعد کا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ خطاب گو عام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد یہی ستر شخص ہیں۔

رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے قصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سوائے حضرت ہارون علیہ السلام کے اور ان کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری تعالیٰ کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری تعالیٰ کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ' تو وہ کہنے لگے کہ حضرت! ہمیں کیا خبر 'اللہ تعالیٰ خود آ کر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ اس قول پر ان کے اوپر غضب الٰہی تعالیٰ نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے پھر زندہ کئے گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الٰہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔

ماوردیؒ نے کہا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی۔ اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں خود ان پر یہ واردات پیش آئی اب تصدیق ایک بے اختیار امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

قرطبیؒ کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے۔ یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے۔ خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے خود ان کے ساتھ ایسے ایسے کام ہوئے کہ جو بالکل نادر خلاف قیاس اور زبردست

معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے اسی طرح یہ بھی۔ ٹھیک قول یہی ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۷﴾

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلوی اتارا (اور کہدیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو اور انہوں نے ہم پر تو ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ: اوپر بیان ہوا تھا کہ فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں۔ اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں ﴿غَمَامٌ غَمَامَةٌ﴾ کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں۔ یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا۔ جو وادی تیہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ، ربیع بن انسؒ، ابو مجلزؒ، ضحاکؒ، اور سدیؒ نے بھی یہی کہا ہے حسنؒ اور قتادہؒ نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل معمول کے بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا۔ ابو حذیفہؒ کا قول بھی یہی ہے ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ الخ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ بادل میں آئے اور اس کے فرشتے۔ یہی وہ بادل ہے جس میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت خاص من وسلویٰ: جو من ان پر اترا وہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھا لیا کرتے تھے وہ گوند کی قسم کا تھا کوئی کہتا ہے شبنم کی طرح کا تھا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اولوں کی طرح من ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیدہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک اترتا رہتا تھا ہر شخص اپنے گھر بار کے لئے اتنی مقدار میں لے لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو جائے اگر کوئی زیادہ لے تو خراب ہو جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دو دن کا لے لیتے تھے۔ جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس من کا سترواں حصہ ہے۔ شعروں میں بھی من شہد کے معنی میں آیا ہے یہ سب اقوال قریب قریب ہیں۔ غرضیکہ ایک چیز تھی انہیں بلا تکلیف و تکلف ملتی تھی اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملا لی جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دیا جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں من سے مراد یہی من مشہور نہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ بعض کہنے لگے کھمبی کا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا کھمبی تو من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ سلویٰ ایک قسم کا پرندہ ہے چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے سرخی مائل رنگ کا۔ جنوبی ہوائیں چلتی تھیں اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے اور اگر دوسرے دن کے لئے رکھتے تو خراب ہو

جاتا اور جمعہ کے دن دو دن کے لئے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہے اس دن عبادات میں مشغول رہنے کا اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے۔ ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تیہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہوگا؟ تب ان پر من وسلوی اتار اگیا۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کے لئے درخواست کی گئی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنی لکڑی مارو لکڑی لگتے ہی اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے بانٹ لیا۔ پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس چٹیل میدان میں سایہ کے بغیر گزر مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا۔ رہ گیا لباس وہ قدرت الٰہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ ایک سال کے بچہ کا لباس جوں جوں اس کا قد و قامت بڑھتا جاتا نہ وہ پھٹتا نہ خرابی پڑتی نہ میلا ہوتا۔ ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن کریم میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور ﴿ اِذِ اسْتَسْقٰى ﴾ والی آیت وغیرہ۔

ہذلی" کہتے ہیں سلوی شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ مؤرج نے اور جوہری نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دوا کا نام ہے نسائی یا کثائی کہتے ہیں سلوی واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاوی آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے۔ یعنی لفظ سلوی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لیے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بھی بہت ساری اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

صحابہ کرامؓ اور بنی اسرائیل: بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے کے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع رسول پر اور عبادات الٰہی پر جمے رہے۔ نہ معجزات طلب کئے نہ دنیا کی راحتیں مانگیں نہ اپنے عیش کے لئے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی۔ جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے بیتاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب صحابہؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ! اس کھانے میں برکت کی دعا کیجئے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کر کے حاضر کر دیا جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام توشے دان بھر لیے۔ پانی کے قطرے قطرے سے جب ترسنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ کی دعا سے ایک بادل آیا اور ریل پیل کر دیا پیا پلایا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لیے۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس ثابت قدمی اولوالعزمی کامل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾

ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو' اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے ﴿حطة﴾ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے۔ اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر آئے اور انہیں ارض مقدس میں جانے کا حکم ہوا جو زمین ان کی موروثی تھی' ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو' تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۂ مائدہ میں ذکر ہے۔ قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدی ؒ' ربیع ؒ' قتادہ ؒ' ابو مسلم ؒ' وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لیے لکھدی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ریحاء ہے۔ بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا فرمائی بلکہ سورج کو ان کے لیے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تا کہ فتح ہو جائے' فتح کے بعد انہیں یہ حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ جو' اس فتح کی شکر گزاری کے لئے ہو گا۔

ابن عباس ؓ نے سجدہ سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ سے مراد یہاں پر خشوع و خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کی بجائے اور اونچا کر لیا۔ ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہ ؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں اس میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسن ؒ اور قتادہ ؒ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں اے اللہ! ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور مجھ سے بخشش طلب کی تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں بھی تمہاری خطاؤں سے درگزر کر لوں گا۔

فتح مکہ کے موقع پر فرمان الٰہی سورۂ ﴿اِذَا جَآءَ﴾ الخ نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آ جائے مکہ فتح ہو اور لوگ دین ربانی میں آ جائیں تو اے نبی! تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد و ثنا بیان کرو اس سے استغفار کرو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر و استغفار کا ذکر ہے وہاں حضور ﷺ کے آخری وقت کی خبر بھی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے حضرت عمر ؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے پسند فرمایا تھا۔ جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور ﷺ شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ ﷺ پر عیاں تھے یہاں تک سر جھکائے ہوئے تھے کہ اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکریہ کی بھی' اور دونوں طرح کے قول محدثین کے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسریٰ کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعت پڑھیں۔ دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں' واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدے کرتے ہوئے اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کہتے ہوئے دروازے سے داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور ﴿ حِطَّةٌ حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ ﴾ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ نسائی' عبدالرزاق' ابوداؤد' مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے' ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا' اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں ﴿ سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ ﴾ میں ﴿سُفَهَاء ﴾ یعنی بیوقوفوں سے مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیا تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کے بدلے انہوں نے ﴿ حِنطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَآءُ فِيهَا شَعِيرَةٌ ﴾ کہا تھا' ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے ﴿هطا سمعاثا ازب مزبا ﴾ ۔ابن عباسؓ بھی ان کی اس تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کے بدلے ﴿ حنطة ﴾ کہتے ہوئے داخل ہونے لگے۔ حضرت عطاءؒ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' ضحاکؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ربیعؒ' یحییٰؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اسے مذاق میں اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ فرماتا ہے کہ ہم نے ظالموں پر ان کی فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے' کوئی کہتا ہے غضب ہے' کسی نے طاعون کہا ہے' ایک مرفوع حدیث میں ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے پہلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ الخ۔ ابن جریر میں ہے کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے جس سے تم سے پہلے لوگ عذاب دیئے گئے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو' جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے' اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور ہم نے کہدیا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

احسانات کا مزید تذکرہ: یہ ایک اور نعمت یاد دلائی جا رہی ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہادیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر ہر قبیلے کے لیے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کر دیا اور ہم نے کہدیا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بے محنت کی روزی کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو' نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک چار کونوں والا پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہہ نکلیں۔ یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لاد دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے رکھ دیتے اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے نہریں بہہ نکلتیں۔ جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا' ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا۔

بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا۔ دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا دو شاخیں تھیں' جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا تھا انہوں نے لکڑی اور یہ پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بمشورہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اٹھا لیا تھا جس سے یہ معجزہ آپ کا ظاہر ہوا۔

زمخشری کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جنس کے لیے ہے عہد کے لیے نہیں یعنی کسی ایک پتھر پر لکڑی مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو۔ حسن سے بھی یہی مروی ہے اور یہی معجزے کا کمال اور قدرت کا پورا اظہار ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی لگتے ہی وہ بہنے لگتا اور پھر دوسری لکڑی لگتے ہی خشک ہو جاتا۔ بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ پتھر گم ہو گیا تو ہم پیاسے مرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لکڑی نہ مارو صرف زبانی کہو کہ انہیں یقین آ جائے' واللہ اعلم۔

ہر ایک قبیلہ اپنی اپنی نہر کو اس طرح جان لیتا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی پتھر کے پاس کھڑا رہ جاتا اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے۔ جس شخص کی طرف جو چشمہ جاتا وہ اپنے قبیلہ کو بلا کر کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے۔ یہ واقعہ میدان تیہ کا ہے۔ سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا بیان ہے لیکن چونکہ وہ سورۂ مکی ہے اس لیے وہاں ان کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات ان پر نازل فرمائے تھے وہ اپنے رسول ﷺ کے سامنے دہرائے ہیں' اور یہ سورت مدنی ہے اس لیے یہاں خود انہیں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ﴿ فَانْۢبَجَسَتْ ﴾ کہا اور یہاں ﴿ فَانْفَجَرَتْ ﴾ کہا اس لیے کہ وہاں اول اول جاری ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں آخری حال کا بیان ہے' واللہ اعلم۔ اور ان دونوں جگہ کے بیان میں دس وجہ سے فرق ہے جو فرق لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔ زمخشری نے اپنے طور پر ان سب وجوہ کو بیان کیا ہے اور حقیقت اس میں قریب ہے' واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ ھُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ ھُوَ خَيْرٌ ۭ اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا' پس اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار' ساگ' ککڑی' گیہوں' مسور اور پیاز دے' آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے یہ ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔

اچھی چیز کے بدلے گھٹیا چیز کے طلبگار: یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت الٰہی کی ناقدری کا بیان ہو رہا ہے کہ من وسلویٰ جیسے پاکیزہ طعام پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے ایک طعام سے مراد ایک قسم کا طعام ہے یعنی من وسلویٰ۔ ﴿ فُوْم ﴾ کے معنے میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود کی قرات میں ﴿ ثُوْم ﴾ ہے۔ مجاہد نے ﴿ فُوْم ﴾ کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے' یعنی لہسن۔ ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ اگلی لغت کی سابقہ کتابوں میں ﴿ فَوِّمُوْا لَنَا ﴾ کے معنے ﴿ اِخْتَبِزُوْا ﴾ یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں جیسے ﴿ عَاثُوْرِ شَرٍّ' عَافُوْرِ شَرٍّ' اَثَاثِی' اَثَافِی' مَغَافِیْر' مَغَاثِیْر ﴾ وغیرہ جن میں ف سے ث اور ث سے ف بدلا گیا ہے' کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں' واللہ اعلم۔ اور لوگ کہتے ہیں ﴿ فُوْم ﴾ کے معنے گیہوں کے ہیں۔ ابن عباس سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ اور احیحہ کے شعر میں بھی ﴿ فُوْم ﴾ گیہوں کے معنے میں آیا ہے۔ بنو ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کے معنے میں مستعمل تھا۔ فوم کے معنے روٹی کے بھی ہیں۔ بعض نے سنبلہ کے معنی کئے ہیں۔ قتادہ اور عطاء فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے اسے فوم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں فوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم بہتر چیز کو ردی چیز کے بدلے کیوں طلب کرتے ہو؟ پھر فرمایا جاؤ شہر میں یہ سب چیزیں پاؤ گے۔ جمہور کی قرات ﴿ مصرا ﴾ ہی ہے اور تمام قرائتوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ ابی

بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ سے ﴿ مِصْرَ ﴾ کی قرات بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿ مصرا ﴾ سے بھی مراد مخصوص شہر مصر لی جائے۔ اور یہ الف ﴿ مِصْرًا ﴾ کا ایسا ہی جیسا ﴿ قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا ﴾ میں ہے۔ مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں پالو گے میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر، سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا اس لیے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا، واللہ اعلم۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے

شامت اعمال: مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان پر مسلط گئی، اہانت و پستی ان پر ڈال دی گئی جزیہ ان سے وصول کیا گیا مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈالا گیا، فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا باءوا کے معنی لوٹے اور رجوع کیا کے ہیں باء کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر، عناد، حق کی قبولیت سے انکار اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر اور انبیاء۔ اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بناء پر تھا۔ اس سے زیادہ بڑا کفر اور کونسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور اس کے انبیاء کو بلاوجہ قتل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔

مالک بن مرارہ رہاویؓ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں خوب صورت آدمی ہوں میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچ گیا تھا اس لئے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو انبیاء کو قتل کر ڈالتے تھے پھر بازاروں میں جا کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (ابوداؤد طیالسی) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہوگا، جسے نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا امام اور تصویریں بنانے والا۔ یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کئے ہوئے کاموں کو کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

مسلمان ہوں یہودی ہوں نصاری ہوں یاصابی ہوں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں۔اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی۔

ہر نبی کا تابعدار ایمان دار اور صالح ہے: اوپر چونکہ نافرمانیوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تا قیامت ہے کہ نہ مستقبل کا خوف اور نہ یہاں نہ ملنے والی چیزوں کا افسوس اور نہ حسرت اور جگہ ہے ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں۔یہی کہتے ہیں ﴿ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ تم ڈرو نہیں،تم اداس نہ ہو،تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی ؓ فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن دینداروں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز و روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان ؓ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ ﷺ مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں حضرت سلمان ؓ کو اس سے بڑا رنج ہوا وہیں یہ آیت نازل ہوئی۔لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراۃ کو مانتا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو،لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آجائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔اگر وہ اب بھی توراۃ اور سنت موسیٰ علیہ السلام پر جما رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور تابعداری نہ کی تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے،شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانہ میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو پالے تو آپ ﷺ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے۔اگر اب بھی اس نے انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑا اور آپ ﷺ کے طریقے پر عمل نہ کیا تو ہلاک ہوگا (ابن ابی حاتم) سدی ؒ اور سعید ابن جبیر ؒ بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا۔لیکن جب دوسرا نبی آیا اور اس نے اس کا انکار کیا تو کافر ہو جائے گا۔قرآن کی ایک تو یہ آیت جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے ﴿ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ یعنی جو شخص اسلام کے سوا اور دین ڈھونڈے اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ ان دونوں آیات میں یہی تطبیق ہے۔کسی شخص کا کوئی عمل کوئی طریقہ مقبول نہیں تاوقتیکہ وہ شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آگئے۔ آپ ﷺ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کے لئے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اسکی شریعت کے مطابق عمل کرنا شرط ہے۔

یہود کون ہیں؟ لفظ یہود ہوادۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے جس کے معنی توبہ کے ہیں۔جیسے قرآن میں ہے ﴿ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں۔پس انہیں ان انہی دو وجوہات کی بنا پر یہود کہا گیا ہے توبہ کی وجہ سے اور آپس کی دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یہودا کہ اولاد میں سے تھے اس لے انہیں یہود کہا گیا ہے۔یہودا حضرت یعقوب کے بڑے لڑکے کا نام تھا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ہلتے تھے اس بناء پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی اور ان کا نام نصاری ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت

یعنی تائید اور مدد کی تھی۔ انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا اس لئے انہیں نصاری کہا گیا۔ قتادہؒ اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے ابن عباس ؓ سے بھی یہ مروی ہے واللہ اعلم۔

نصاریٰ ﴿نَصْرَانَةٌ﴾ کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاوی اور سکران کی جمع سکاری اس کا مونث ﴿نَصْرَانَةٌ﴾ آتا ہے۔ اب جب کہ خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ آیا اور آپ ﷺ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر اور ان پر سب پر آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع واجب ہوئی اور آپ ﷺ کی امت کا نام مومن رکھا ان کے ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء علیہم السلام پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔

صابی کون ہیں؟ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لا مذہب کے کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے اسی بناء پر ابو حنیفہ ؒ اور اسحاق ؒ کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت حسن ؒ اور حضرت حکم ؒ فرماتے ہیں یہ گروہ مانند مجوسیوں کے ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پنج وقتہ نماز قبلہ کی جانب پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو زیاد اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابو الزناد ؒ فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں بکوثی کے رہنے والے سب انبیاء کو مانتے ہیں ہر سال میں تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبد الرحمن بن زید ؒ کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بناء پر آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صابی کہتے تھے یعنی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنے کی بناء پر ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح ؑ کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ مجاہد ؒ حسن ؒ اور ابن ابی نجیح ؒ کا یہی فتویٰ ہے۔ قرطبی ؒ فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔ ابو سعید اصطخری نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

رازی ؒ فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانیین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی پر مشرکین اصحاب رسول اللہ ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے

یاد کرو تاکہ تم بچ سکو۔ لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے۔

وعدہ توڑنے والے یہود: ان آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرنے اور منوانے کے لئے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کھڑا کر دیا تھا۔ اور جگہ ہے ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ﴾ الخ جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کھڑا کیا اور یہ یقین کر چکے کہ وہ اب گر کر انہیں کچل ڈالے گا اس وقت ہم نے کہا ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھام لو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤ گے۔ طور سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورۂ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم نے اس کی تفسیر کی ہے اور یہی ظاہر ہے۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر روئیدگی ہوتی ہو۔ حدیث فتون میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اس وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا کہ اب تو سنیں۔ سدیؒ کہتے ہیں ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کو دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹا لیا۔ اسی وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا اس سے مراد تو راۃ ہے۔ قوت سے مراد اطاعت ہے۔ یعنی تورات پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ تم پر پہاڑ گرا دیا جائے گا۔ اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو یعنی توراۃ پڑھتے پڑھاتے رہو لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کی بھی کچھ پروانہ کی اور عہد شکنی کی اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی اگر وہ توبہ قبول نہ فرماتا اور انبیاء کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا' اس وعدہ کو توڑنے کی بناء پر دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ اسے ہم نے اگلوں پچھلوں (پہلے اور بعد کے آنے والوں) کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا۔

یہود بندر کیوں بنا دیئے گئے؟ اس واقعہ کا بیان پوری تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں ہے جہاں فرمایا ہے ﴿ وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ ﴾ الخ وہیں اس کی پوری تفسیر بھی پوری بیان ہو گی' ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے ان پر ہفتہ کے دن کی تعظیم ضروری کی گئی تھی اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں' تو انہوں نے حیلہ کیا گڑھے کھود لئے' رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے ہفتہ والے دن وہ آ گئیں یہاں پھنس گئیں اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا' اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور قرآن کریم کے واضح الفاظ کے بھی خلاف ہے اس آیت پر پھر سورۂ اعراف کی آیت ﴿ وَاسْأَلْهُمْ ﴾ الخ پر اور ﴿ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ ﴾ الخ پر نظر ڈالو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے جوان بندر بن گئے اور بوڑھے سور ہو گئے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یہ تمام مرد و عورت دم والے بندر ہو گئے تھے آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے جو لوگ انہیں اس مکر و حیلہ سے روکتے تھے وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو

ہم پہلے ہی سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کی نسل نہیں ہوئی تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے' کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ تعالیٰ اپنے غضب و غصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے ہمیں نجات دے (آمین) ﴿خَاسِئِيْنَ﴾ کا معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ابن عباس ؓ وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت و ادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا اس دن کی عزت کے طور پر ان کا شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بناء پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور اچھلتی کودتی رہتی تھیں باقی دنوں میں کوئی نظر بھی نہیں آتی تھی ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔

اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے۔ ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور ہو گیا جو مصلحت وقت برتنے والے اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والے تھے وہ نہ تو ان کا پورا ساتھ دیتے نہ ان کا شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو منع کرنے والے جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔

بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ ساز فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور ایک دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گزر گئی ایک دن جب یہ مسلمان سو کر اٹھے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں یہ لوگ حیران تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر ہو گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا دیکھا کہ وہ تمام لوگ عورتوں اور بچوں سمیت بندر بن گئے ہیں ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ تمام انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں۔ بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں' اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو مصلحت پسند انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہی لوگ باقی بچے جو منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیات وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ انکی صورتیں بدل دی گئیں تھیں سچ مچ بندر بنا دیئے گئے تھے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے جیسے مجاہد ؒ کا قول ہے ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری

صورتیں بھی ان کی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

﴿ فَجَعَلْنَا هَا ﴾ میں ﴿ هَا ﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿ قِرَدَةً ﴾ ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو عبرت کا سامان بنایا' اس کا مرجع حِیْتَان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع ﴿ عُقُوْبَة ﴾ ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قَرْيَة ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرتناک امر بنایا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں۔

﴿ نکال ﴾ کہتے ہیں عذاب وسزا کو جیسے اور جگہ ہے ﴿ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴾ اس کو عبرت کا سبب بنایا آگے پیچھے والی بستیوں کے لیے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ﴾ الخ ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تا کہ وہ لوگ لوٹ آئیں اور ارشاد ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ ﴾ الخ اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرتناک واقعہ دلیل بن جائے گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلوں پچھلوں کے لئے یہ ایک سبق ہے لیکن ظاہر ہے گزرے ہوئے اگلے لوگوں کے لئے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرتناک ہو دلیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تو گزر چکے تو صحیح قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت سعید بن جبیرؒ کی واللہ اعلم۔ اور یہ بھی معنی بیان کئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے گناہوں کے لئے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی آس پاس کی بستیاں قرآن فرماتا ہے ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ ﴾ الخ۔

امت محمدیہ ہشیار باش: الغرض یہ عذاب ان کے آنے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی لئے ﴿ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ یعنی یہ بعد کے آنے والے پرہیزگاروں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ یہاں تک کہ امت محمدیہ ﷺ کے لئے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب وسزا ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے اور ان کے مکر وفریب سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئی اب جو ایسا کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب ان پر بھی آ جائیں۔ ایک صحیح حدیث امام ابو عبداللہ ابن بطہؒ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿ لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِاَدْنَى الْحِيَلِ ﴾ یعنی تم وہ نہ کرو جو یہودیوں نے کیا حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں

گائے ذبحہ کرنے کا قصہ: اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مالدار اور تونگر تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا بھتیجے نے جب دیکھا کہ بوڑھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کی دھن میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ تاکہ اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں' اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول

کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے۔ کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے اس چچا کی لاش کو لیجا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈ نے لگا پھر ہائی دھائی مچادی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا اور ان قلعہ والوں پر تہمت رکھی اس نے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا لیکن یہ سر ہو گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا۔ یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ایک گائے ذبح کر لو۔ انہوں نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ کا گائے کے ذبیحہ کا حکم؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقعہ پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچی ہے جوان عمر کی ہے۔ انہوں نے کہا حضرت! ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں بھلی لگتی ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت! ایسی گائیں بھی بہت ہیں' کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جتی' کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے' یک رنگی ہے' کوئی داغ دھبہ نہیں جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔ اب نکلے ایسی گائے ڈھونڈنے کو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس سے ملی یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جب کہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کروں گا۔ اس نے کہا نہیں ابھی قیمت دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں۔ اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو نہیں جگاؤں گا تم اگر ٹھیر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا۔ یونہی ادھر سے کمی ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاںتک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو تو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں۔ لڑکا کہتا ہے کہ اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ جب میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کو جاننے اور انکی راحت رسانی کی کوشش کرنے اور انکا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔ جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے' پھر کہتے ہیں کہ تین لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آخر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی۔ یہ برکت اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جب کہ یہ بہت محتاج تھا اسکے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اسکی رانڈ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے میری لڑکی سے نکاح کر لے۔ بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ لگ گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا

اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی کیادی اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا۔ یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق یا تکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردے کو زندہ کر دیا اور اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ! دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ گائے نہ تو بالکل بوڑھی ہے نہ بچی۔ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہے۔ پس اب جو تمہیں حکم دیا گیا بجا لاؤ وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہے۔ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتائے' اس قسم کی گائیں تو بہت ساری ہیں پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے آپ نے فرمایا! اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی' زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں' وہ تندرست اور بے داغ ہے انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا۔ گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دیا۔

بنی اسرائیل کی سرکشی: بنی اسرائیل کی سرکشی سرتابی اور حکم الٰہی امر الٰہی میں کرید کا یہاں بیان ہو رہا ہے، کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا' بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریج فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اگر آخر میں وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی یہ سختی نہ ہٹتی اور اظہار ان پر نہ ہوتا۔ پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا نہ تو وہ بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے بلکہ درمیانی عمر کی ہے پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد رنگ کی ہے اور چمکدار رنگ ہے جو دیکھنے والوں کے من بھائے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر وقت خوش و خرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے ﴿تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اس کی شوخی اور چمکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعائیں اس سے اٹھ رہی ہیں توراۃ میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے لیکن شاید یہ عربی کرنے والوں کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا کہ اے اللہ کے نبی! کوئی اور نشانی بھی پوچھئے تا کہ شبہ مٹ جائے انشاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا۔ اگر یہ انشاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے کفایت ہو جاتی۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا کلام ہے' واللہ اعلم۔ اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں نہیں جتی' پانی نہیں سینچا' اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں' یک رنگی ہے' سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں' اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی۔ مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ﴿ ذَلُوْلٌ ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جوتتی اور نہ پانی پلاتی ہے نہ اس میں کوئی داغ دھبہ ہے۔ اب اتنی بڑی کدو کاوش کے بعد بادل ناخواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے اسی لئے فرمایا کہ ذبح کرنے کے قریب نہ تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے ٹٹولتے تھے کسی نے تو کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو۔ بعض کہتے ہیں اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی اور گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتوں میں اسرائیلی روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ بجا آوری حکم کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا' واللہ اعلم۔ اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو بلا دیکھے ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا کہ اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے جیسے کہ حضرت امام مالکؒ امام اوزاعیؒ امام لیثؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے اگلوں کا اور پچھلوں کا اور اسکی دلیل بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور حدیث میں نبی ﷺ نے دیت کے اونٹوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں قتل خطا میں اور اس قتل میں جو مشابہ عمد کے ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے کوفی اور امام ثوریؒ وغیرہ بیع سلم کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف و احوال پوری طرح ضبط نہیں ہو سکتے' اسی طرح ابن مسعودؓ حذیفہ بن یمانؓ اور عبدالرحمٰن بن سمرہؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللَّهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۷۳﴾

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا ہم نے کہا اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

صحیح بخاری میں ﴿ ادارئتم ﴾ کے معنی تم نے اختلاف کیا کے ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے مسیّب بن رافع کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿ واللہ مخرج ما کنتم تکتمون ﴾ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گائے کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی

ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ' وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان نہ تو قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے نہ معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں ہم بھی اس کی تلاش وتفتیش میں نہ پڑیں گو بعض نے کہا ہے کہ وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا۔ کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا۔ کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم رکھیں۔ اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی کو کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنائی۔ اس سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے ایک تو آیت ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ ﴾ میں اور دوسرے اس قصے میں اور تیسرے ان کے قصے میں جو ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجاڑ بستی پر ان کا گزر ہوا تھا۔ چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد زندہ ہو جانے میں۔ پانچویں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت وزیست سے تشبیہ دینے میں۔ ابوداؤد طیالسیؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ ابورزین عقیلیؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مردوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح جلائے گا؟ فرمایا کبھی تم اجاڑ زمین پر گزرے ہو؟ کہا ہاں فرمایا پھر کبھی اسے سرسبز وشاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں فرمایا اسی طرح موت کے بعد زیست ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ﴾ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں اور وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھاتے ہیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا پیدا کیا ہوا نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گزاری نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برانگیختگی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ اور امام مالکؒ کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لونڈی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کپڑے اتار لے گیا جب اس کا پتہ نبی ﷺ کو لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس لونڈی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا' فلاں نے مارا' ؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور اس سے باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک جب یہ برانگیختگی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور ﴿ قسامۃ ﴾ کے لیکن جمہور اس کے مخالف ہیں اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں' اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان

سے پانی نکل آتا ہے' اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں' تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔

پتھر دل لوگ کون ہیں؟ اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر جیسے بن گئے۔ اسی لیے ایمان والوں کو اس طرح سختی سے روکا گیا اور کہا گیا ہے ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ جب ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل زمانہ گزرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں کے اکثر فاسق ہیں۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے بھی اپنے چچا کے دوبارہ مرنے کے بعد اس کی تکذیب کی اور کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل بھی پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی ہیں اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے گو وہ بہنے کے قابل نہ ہو' بعض پتھر خوف اللہ سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے اور جگہ ہے ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو اللہ تعالیٰ حلم و بردباری اور بخشش و عفو والا ہے۔ ابو علی جبائی نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ رازی ؒ بھی غیر درست بتاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح بھی نہیں کیونکہ اس میں دلیل کے بغیر لفظی معنی کو چھوڑنا لازم آتا ہے' واللہ اعلم۔ نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے' گر پڑنا دل سے ڈرنا ہے بعض کہتے ہیں یہ مجازاً کہا گیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ یعنی دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ رازی ؒ اور قرطبی ؒ کہتے ہیں ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

دیکھئے اس کا فرمان ہے ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ﴾ الخ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا' انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے۔ اوپر آیت گزر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴾ یعنی ستارے اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور فرمایا ﴿ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾ الخ۔ اور فرمایا ﴿ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾ یعنی زمین و آسمان نے کہا کہ ہم خوشی خوشی حاضر ہیں۔ اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ پھٹ جاتے ہیں اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ ﴾ یعنی گنہگار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں ﷺ مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت کے دن دے گا۔ اور اس طرح کی بہت سی آیات واحادیث ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ "او" کے بارے میں اس کی بابت قرطبی ؒ اور رازی ؒ تو کہتے ہیں کہ یہ تخییر کے لیے

ہے۔ یعنی اس کے دلوں کو خواہ پتھر جیسے سخت سمجھ لو خواہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازی ؒ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لیے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے بھی زیادہ سخت' واللہ اعلم۔ اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں' وہ بھی سن لیجیے۔ اس پر تو اجماع ہے کہ او شک کے لیے نہیں' یا تو یہ معنی میں واؤ کے ہے یعنی ان کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ جیسے ﴿ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ میں اور ﴿ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴾ میں۔ شاعروں کے اشعار میں بھی "او" واؤ کے معنی میں جمع کے لیے آیا ہے۔ یا او یہاں پر معنے میں بل یعنی بلکہ کے ہے جیسے ﴿ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ میں اور ﴿ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴾ میں اور ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴾ میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ۔ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم و یقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لیے ایسا کلام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ یعنی ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہو' تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لیے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت' یعنی بعض ایسے اور بعض ایسے۔ اس قول کے مطابق یہ قول بھی ہے ﴿ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ پھر فرمایا ﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿ كَسَرَابٍ ﴾ الخ پھر فرمایا ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ ﴾ الخ مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے' واللہ اعلم۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو ایسے کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ امام ترمذی ؒ نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے۔ بزار میں حضرت انس ؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنکھوں سے آنسو کا نہ بہنا' دل کا سخت ہونا' امیدوں کا بڑھ جانا' لالچی بن جانا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٧﴾

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں' حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر عقل و علم والے ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمان داری ظاہر کرتے ہیں' اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہیں جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں' کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتا ہے۔

کلام اللہ میں تحریف کرنا یہود کا طریقہ ہے: اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ناامیدی دلا رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی بڑی پریشانیاں دیکھتے ہوئے اپنے دلوں کو سخت پتھر جیسے بنالیا' اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کرڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ﴾ الخ یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے کیونکہ یہ اللہ کے کلام میں ردوبدل کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پہاڑ پر جا کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کی دی۔

سدی ؒ فرماتے ہیں ان لوگوں نے توارۃ میں تحریف کی تھی یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بد خصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ﴾ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے' تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب سے دور کر دیا تھا۔ اسی طرح حلال کو حرام' حرام کو حلال' حق کو باطل' باطل کو حق کر دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینے اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی' ہاں کبھی کبھی جب رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا۔ ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا' مریدوں سے الگ ہوتے تو حق بات بھی کہدیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملتے کو کہدیا کرتے کہ تمہارے نبی ﷺ سچے ہیں' یہ برحق رسول ﷺ ہیں لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے کیوں عرب سے یہ باتیں کہتے ہو پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے اللہ کے ہاں بھی تمہیں لاجواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدگی اور ظاہرداری سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے۔ تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا جاؤ کہدو ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آئے تو پھر ویسے ہی رہے جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آکر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْٓ ﴾ الخ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے ایک حصہ میں ایمان لاؤ پھر دوسرے میں کفر کرو تاکہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے گروہ کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سے پوچھتے کہ کیا تمہاری کتاب میں حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ نہیں؟ تو وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو۔

مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہماری گھر کی باتیں انہیں کس نہ بتادیں؟ خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے حجت ہو جائے گی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی' تم یہ جو چپکے چپکے اپنے گروہ سے

کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور تم جو اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو تمہارے اس برے کام سے میں بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو اس تمہارے اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے حاصل ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے۔

اُمی کی تفصیل: اُمی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو ﴿ اُمِّيُّوْنَ ﴾ اس کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفتوں میں سے ایک صفت امی بھی آئی ہے' اس لیے کہ آپ ﷺ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کہتا ہے ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ ﴾ الخ تو اے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا تھا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب' مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا اتنا۔ پہلی بار تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں کو تین بار نیچے کی طرف جھکایا یعنی تیس دن کا اور دوبارہ پھر ایسے ہی کیا' لیکن تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ کر لیا یعنی انتیس دن کا۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ ابن جریر" فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں ان پڑھ آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس" سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کیا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے۔ لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے' دوسرا یہ کہ اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ امانی کے معنی باتیں اور اقوال حضرت ابن عباس" سے مروی ہے۔ کذب کے آرزو کے جھوٹ باندھ لینے کے معنی بھی کئے گئے ہیں تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے ﴿ الا اذا تمنی ﴾ الخ یہاں تلاوت کے معنے صاف ہیں۔ شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنے میں ہے۔ اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ (فضول) باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ڈکارتے تھے۔

ویل کیا چیز ہے؟ ﴿ ویل ﴾ کے معنے ہلاکت اور بربادی کے ہیں' اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ﴿ ویل ﴾ ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے' اس کی گہرائی اتنی ہے کہ متواتر چالیس سال گرتے چلے جانے کے بعد نیچے تہہ تک پہنچیں گے۔ لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے' منکر بھی اور ضعیف بھی۔ اور ایک حدیث غریب میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ﴿ویل﴾

ہے۔ یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کر دی اس میں کمی زیادتی کی۔ آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا توراۃ اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے کو اور ان کی کمائی کو بربادی اور ہلاکت ہے۔ ﴿ ویل ﴾ کے معنے سخت عذاب' سخت برائی' ہلاکت' افسوس' درد' دکھ' رنج وملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ﴿ ویل' ویح' ویش' ویه' ویك' ویب ﴾ سب ایک ہی معنی میں ہیں' گو بعض نے ان الفاظ کے جداجدا معنے بھی کئے ہیں۔ لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لیے اسے مبتدا بنادیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز لکھا ہے لیکن ویلا کی قراءت نہیں۔ یہاں پر یہودیوں کے علماء کی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے گروہ کو خوش کر کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے' اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی' اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے پھیلایا' پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تحریف شدہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو۔ تھوڑے مول سے مراد تمام دنیا کا مال مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں اس کی قدر و قیمت کچھ نہیں۔ لیکن جنت کے مقابلہ میں وہ بے حد حقیر چیز ہے پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں' ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا ہرگز نہیں بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو۔

جہنم کا عذاب چالیس دن؟ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن اپنا آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ یہ دھوکا انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے' تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ ﷺ کی امت' آپ ﷺ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا' نہیں بلکہ تم ہی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ کے خدمت میں بطور ہدیہ کے بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو۔ پھر ان سے پوچھا' تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا وہی ہمارا باپ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا' انہوں نے کہا اے ابوالقاسم ﷺ اگر جھوٹ بھی کہیں گے تو آپ ﷺ کے سامنے نہ چل سکے گا ہم تو آزما چکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت۔ آپ ﷺ نے فرمایا دور ہو جاؤ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا اچھا بتاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضور فرمایا کیوں؟ کہا اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز نقصان نہ دے گا اور

اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد' بخاری' نسائی)۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں' جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

جنتی اور جہنمی کون؟ مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر برے ہیں' جو نیکیوں سے خالی ہاتھ ہے' وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ ﴾ الخ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں اور نہ اہل کتاب کے' ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی والا اپنی نیک کاری کا' برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا' اور بھلے کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا' نہ مرد کا نہ عورت کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابووائل' ابوالعالیہ' مجاہد' عکرمہ' حسن' قتادہ' ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو پے در پے ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر قابض ہو جائے۔ ربیع بن خثیم کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو وہ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم جیسا عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان ہے اور تمہاری بداعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال ہیں' انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ والی جنتیں ملیں گی۔ اللہ کے عذاب اور ثواب دونوں پائیدار ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا اسی طرح قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا نمازیں قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رہا کرنا' لیکن پھر تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔

حقوق اللہ میں اہم بات اللہ کی عبادت ہے: بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ نہ صرف

بنو اسرائیل کو بلکہ تمام مخلوق کو یہی حکم ہوا ہے' فرمان ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ یعنی اور تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں سب لوگ میری ہی عبادت کیا کریں' اور فرمایا ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اسکی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ پھر حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق چونکہ بہت بڑا ہے اسی لئے پہلے ان کا حق بیان ہوا۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ﴾ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان' اور جگہ فرمایا ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ ﴾ الخ تیرے رب کا یہ فیصلہ ہے کہ اسکے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا' پوچھا کہ اس کے بعد۔ فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے کہا حضور ﷺ! میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ تو پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ' پھر اور قریب والے کیساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ۔

ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرنا: آیت میں ﴿ لَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت ﴿ لَا تَعْبُدُوْا ﴾ کے مبالغہ زیادہ ہے' یہ خبر ہے معنی میں طلب کے۔ بعض لوگوں نے ﴿ ان لا تَعْبُدُوْا ﴾ بھی پڑھا ہے۔ اُبی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ وہ ﴿ لَا تَعْبُدُوْا ﴾ پڑھتے تھے۔ یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سر پرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیانہ کر سکتے ہوں' اس کی مزید تشریح انشاءاللہ سورۂ نساء کی اس معنی کی آیت میں آئے گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو' برائی سے روکو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' بھلائی کا حکم دو' برائی سے روکو' بردباری' درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنالو' یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات ہی کر لیا کرو (مسند احمد)۔

پس قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا' پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا' پھر اچھی باتیں کہنے کا' پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا کہ نماز پڑھو زکوۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے اپنے وعدے پر قائم رہے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ فرمایا ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ الخ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ' اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ' ساتھ والوں کے ساتھ' مسافروں کے ساتھ' لونڈی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک احسان اور بھلائی کیا کرو۔ یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ الحمدللہ کہ یہ امت بہ نسبت دوسری امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اسد بن وداعہ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ لیکن یہ اثر غریب ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود و نصاری کو ابتداً اسلام علیک نہ کیا کرو' واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو جلاوطن نہ کرنا تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے۔ لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی ہاں جب وہ قیدی بنکر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیئے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

بعض احکامات کا ماننا اور بعض کا انکار کیا یہی ایمانداری ہے؟ اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کا آپس میں کبھی اتفاق نہ ہوتا تھا۔ ہمیشہ آپس میں جنگ و جدال رہتا تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع' بنو نضیر' بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر تو خزرج کے طرفدار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے اور بنو قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس اور خزرج میں جب کبھی جنگ ہوتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے اور دیس نکالا بھی دیدیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے جب لڑائی موقوف ہوتی تو فریق مغلوب کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ میرے اس حکم کو تم نے مان لیا' لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل بھی نہ کرو' نہ گھروں سے نکالو' اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو' یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے مانند ایک جان کی ہیں۔

یہ حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی' صلہ رحمی اور رحم و کرم میں مثل ایک جسم کے ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے' بخار چڑھ جاتا ہے' راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک ادنیٰ مسلم کے لئے سارے جہان کے

مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے۔

عبد خیر کہتے ہیں ' ہم سلمان بن ربیعہؒ کی ماتحتی میں لنجر میں جہاد کر رہے تھے محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک یہودیہ لونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت کے پاس جب ہم پہنچے تو عبداللہ بن سلام اس کے پاس گئے اور فرمایا' یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے 'اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو' اس نے کہا بہت اچھا میں چودہ سو دیتا ہوں' آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم میں نہیں بیچوں گا۔ اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا۔ آپ نے کہا سن! یا تو تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھروں سے بے گھر بھی نہ کیا کرو۔ اب یا تو توراۃ کو مان کر تو اسے خرید یا توراۃ کا منکر بن۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا۔ آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایات میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا' یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے اسے توراۃ کی یہ آیت سنائی۔ غرض اس آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام ربانی کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے۔ امانت داری اور ایمان داری ان سے اٹھ چکی تھی۔ نبی ﷺ کی صفات' آپ ﷺ کی نشانیاں' آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق' آپ کی جائے پیدائش' جائے ہجرت وغیرہ سب چیزیں انکی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور ہمیشگی والے اُخروی عذاب بھی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد اور رسول بھی بھیجے۔ اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی۔ لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تم نے جھٹ سے تکبر کیا' بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔

انبیاء کے ساتھ بنی اسرائیل کا سلوک: بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراۃ کی تحریف و تبدیلی کی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی کی شریعت پر آنے والے انبیاء علیہم السلام آئے ان کی بھی مخالفت کی۔ چنانچہ فرمایا ﴿ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ﴾ الخ یعنی ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا جس پر انبیاء خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو حکم دیتے رہے ان کے علماء اور درویش بھی اس کے ماننے کا حکم کرتے تھے۔ الخ غرض پے درپے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراۃ کے خلاف بھی تھے اسی لئے انہیں نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کر دینا' مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک مار کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑا دینا' بیماروں کو اپنے دم جھاڑنے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا' بعض غیب کی خبریں اللہ کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ' پھر

آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو لگا دیا۔

لیکن بنی اسرائیل اپنی تکذیب اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے تھے کہیں مار ڈالتے تھے، محض اس بناء پر کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و احکام اس کی قبولیت سے مانع ہوتے تھے۔ اس لئے دشمنی پر اتر آتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن کعبؒ، اسمٰعیل بن خالدؒ، سدیؒ، ربیع بن انسؒ، عطیہ عوفیؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ الخ یعنی اسے لے کر روح امین اترتے ہیں۔

صحیح بخاری میں تعلیقاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابتؓ شاعر کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا وہ مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! حسان کی مدد روح القدس سے کر جیسے کہ یہ تیرے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔ صحیح کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تو اس وقت بھی ان شعروں کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے بہتر شخص موجود تھے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا' ابوہریرہ! تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ حسان! تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے' اے اللہ! تو حسان کی تائید روح القدس سے کر۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حسان! تم ان مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں بھی جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا' تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں' ان سب نے کہا ہاں بے شک (ابن اسحاق)۔ ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کئے بغیر نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو۔ بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے۔ بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے۔ بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہے۔ کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت' کسی نے کہا پاک' کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے' جیسے فرمایا ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب و حکمت توراۃ و انجیل کے سکھانے کا بیان بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز اور روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ قدس سے مراد مقدس ہے' جیسے ﴿ هَاتِمُ جُوْدٌ ﴾ اور ﴿ رَجُلُ صِدْقٌ ﴾ میں۔ روح القدس کہنے میں اور ﴿ روح منه ﴾ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے' یہ اس لئے بھی کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح لی ہے کیونکہ ان کی روح انسانی پیٹھ وغیرہ سے پاک صاف اور الگ تھلگ رہی تھی۔ پھر فرمایا کہ ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقہ کو قتل کرتے ہو۔ جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں

مستقبل کا اس لئے کہ ان لوگوں کی حالت آیت کے نزول کے بعد بھی یہی رہی چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اس وقت تو اس نے رگ کاٹ دی۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے ملعون کر دیا ہے ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے۔

غلف کے معانی و مفہوم: یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں، اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے جواب ملا کہ یوں نہیں بلکہ اللہ کی لعنت کی مہر لگ گئی ہے، ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ ﴿ غُلْفٌ ﴾ کو ﴿ غُلُفٌ ﴾ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ ﴾ الخ یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں ان پر مہر لگی ہوئی ہے وہ اسے نہیں سمجھتے اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں، نہ اسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل والے ہوتے ہیں جن پر غضب الٰہی ہوتا ہے یہ دل کفار کے ہوتے ہیں۔ سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے ﴿ وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ﴾ الخ۔ تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت، ثواب عذاب وغیرہ کے قائل، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے، توراۃ کو کتاب اللہ ماننے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے، بلکہ آپ علیہ السلام کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں، تیسرے معنے یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقع پر بالکل نہ ہونے کی صورت میں بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں، واللہ اعلم۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾

ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی جس کے پہلے یہ خود اس کے ساتھ کافر پر فتح چاہتے تھے، تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔

یہود کا انکار حسد کی وجہ سے ہے: جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ کی سچی کتاب لے کر اللہ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفات ہم توراۃ میں پاتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمن سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے۔ لیکن جس وقت حضور علیہ السلام مبعوث ہوئے تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں، پہچان لیا، دل سے قائل ہو گئے مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے، حسد کر کے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں آ گئے۔ بلکہ وہ مشرکین

مدینہ جو ان سے یہ سنتے چلے آتے تھے انہیں ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر وہ یہود پر غالب آ گئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت بشر بن براء ؓ، حضرت داؤد بن سلمہ ؓ نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہماری شرک کی حالت میں ہم سے حضور ﷺ کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور جو اوصاف تم آپ کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ ﷺ میں موجود ہیں پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ ﷺ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے سے مانتے تھے، منتظر تھے لیکن آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے خیال سے صاف انکار کر بیٹھے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰي غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؀

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، وہ ان کا کفر کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا، اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے، اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں۔

یہودیوں کے حسد اور تکبر کی سزا: مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے جو حضور ﷺ کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا اور آپ ﷺ کی نصرت و امداد کی بجائے مخالفت اور دشمنی کی اور اس سے اپنے آپ کو جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا، یہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سوا حسد و بغض، تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں۔ چونکہ حضور ﷺ ان میں سے نہ تھے بلکہ آپ ﷺ عرب میں سے تھے، اس لئے یہ منہ چڑھا کر بیٹھ گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حاکم نہیں۔ وہ رسالت کے حقدار کو خوب جانتا ہے، وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب تھا اور اب دوسرا حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنے سے نازل ہوا، یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری نہ ماننے کا اور دوسرا غضب حضرت محمد ﷺ کی پیغمبری نہ ماننے کا، یا پہلا غضب وہ جو بچھڑے کے پوجنے کی بابت تھا، دوسرا غضب حضور ﷺ کی مخالفت کی بناء پر۔

چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت سے انکاری ہوئے تھے اور اس حسد و بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کیا تاکہ گناہ کا بدلہ پورا ہو جائے، جیسے فرمان ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾ میری عبادت سے جو بھی تکبر کرے گا، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا۔ جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے بوس نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے، جہاں کی آگ دوسری تمام قسم کی آگ سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاۗءَهٗ ۤ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں' اچھا ان سے یہ تو دریافت کر کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟ تمہارے پاس تو موسیٰ علیہ السلام یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا تم ہو ہی ظالم۔

خواہش کے بندے نفس کے غلام: یعنی جب ان سے قرآن کریم پر اور نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہدیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کی تصدیق موجود ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ یعنی اہل کتاب آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہو۔ پس آپ ﷺ کے انکار سے توراۃ و انجیل پر بھی ان کا ایمان نہ رہا۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ وانجیل پر تو تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء جو ان کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے بغیر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر' تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے ماتحت ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے تم نے بڑے معجزات دیکھے' طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون وغیرہ ان کی بددعا سے بطور معجزے کے ظاہر ہوئے' لکڑی کا سانپ بن جانا' ہاتھ کا روشن چاند بن جانا' دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا' بادلوں کا سایہ کرنا' من و سلویٰ اتارنا' پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا' لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے' ادھر تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا' اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر بھی تمہارا ایمان کہاں رہا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ ﴿ مِنْ بَعْدِهٖ ﴾ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى ﴾ الخ یعنی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے صریح ظلم کیا' جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا' جیسے فرمایا ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ ﴾ الخ یعنی جب انہیں ہوش آیا' نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت کہا کہ اے اللہ! اگر تو ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری خطا نہ بخشے گا' تو ہم انتہائی نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہدیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو۔ تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی' اور ان کے دلوں میں انکے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت (گویا) پلادی گئی ان سے کہدو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو۔

یہود کا سب سے بڑا کفر: اللہ تبارک و تعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں، مخالفتیں، سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کیا لیکن جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے اس کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ جس کے پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا گو بچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے! بار بار کی عہد شکنیاں کئی مرتبہ کے کفر، کیا سب بھول گئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ع ۲ عند المتاخرین ۲ = ع

کہدو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو، لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ بلکہ اے نبی تو انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائے گا، یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

یہود کو مباہلہ کی دعوت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی ﷺ کی زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر دے، لیکن ساتھ ہی پیشینگوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہونے کے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور ﷺ کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے اگر یہ لوگ اس اعلان کے تحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے، روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے۔ اسی طرح جو نصرانی آپ ﷺ کے پاس آئے تھے وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کا نام و نشان بھی نہ پاتے۔ (مسند احمد)۔

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت ﴿ قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ آخر تک پڑھیئے ان کا دعویٰ تھا کہ ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ﴾ ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں یہ کہا کرتے تھے ﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ جائیں گے، اس لئے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر ڈالے لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم

تھا یہ اسکے لئے تیار نہ ہوئے اور ان کا کذب سب پر کھل گیا۔ اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضور ﷺ کے پاس آئے، بحث مباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ ﴿ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ ﴾ الخ آؤ ہم، تم، دونوں اپنی اپنی اولادوں اور بیویوں کو لیکر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے لیکن وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہرگز اس نبی ﷺ سے مباہلہ نہ کرو ورنہ فوراً برباد ہو جاؤ گے۔ چنانچہ مباہلہ سے انکار کر دیا اور جھک کر صلح کر لی اور دب کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا۔

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْلَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ﴾ یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے، اس کی پوری تفصیل اس آیت کے تحت بیان ہو گی، انشاء اللہ۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لئے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لئے ہی ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا، لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اسکی موت کی دعا کریں اس اعلان کے سنتے ہی یہودی تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشینگوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز طلب موت نہیں کریں گے۔

اس مباہلہ کا نام اصطلاح میں تمنی رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کفار کے لئے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں، خواجہ حسن بصری ؒ فرماتے ہیں منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ یہ لمبی عمر بھی انہیں عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی، چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا اور انہیں تھا، پھر ان کی سیاہ کاریاں بھی سامنے تھیں اسلئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے، اللہ تعالیٰ انکے اعمال سے بے خبر نہیں، تمام بندوں کے تمام اچھے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

(اے نبی!) تم کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت و خوشخبری دینے والا ہے۔ (تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور اسکے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔

یہودیوں کی حضرت جبرائیل سے دشمنی: امام طبری ؒ فرماتے ہیں، اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن بعض تو کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور ﷺ سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں

حضرت عمرؓ سے ان کا جو مناظرہ حضور ﷺ کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

یہودیوں کے نبی ﷺ سے سوالات: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ ﷺ سے چند سوال کرتے ہیں' جن کے صحیح جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے جو چاہو پوچھو۔ مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں' تو تم میری نبوت کا اقرار کرو گے اور میری فرمانبرداری میں لگ جاؤ گے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح اللہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتایئے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! جب (حضرت) یعقوب عرق النسا کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے گا تو میں اپنی سب سے زیادہ مرغوب چیز کھانے کی اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ علیہ السلام کے پسند خاطر تھا چھوڑ دیا تمہیں اللہ کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اتاری بتاؤ یہ سچ ہے۔ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور! سچ ہے' بجا ارشاد ہوا۔

یہودیوں نے کہا کہ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ عورت اور مرد کے پانی کی کیا کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے' ان میں سے جو بھی غالب آ جائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شکل بھی اس کے مطابق ہوتی ہے' جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو حکم ربانی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر آ جائے حکم ربانی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر اقبال کیا کہ بے شک آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ آپ نے ان دو باتوں پر اللہ کو گواہ کیا۔

انہوں نے کہا اچھا اب یہ فرمایئے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس نبی کی خاص نشانی کیا ہے اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے' تمہیں اس رب کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی بتاؤ میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا کہ آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اس پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' میرا ولی جبرئیل علیہ السلام ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس اللہ رب العزت کا پیغام لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے وہ سختی و خونریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں گے ہاں اگر آپ ﷺ کے پاس (حضرت) میکائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے جو رحمت' بارش' پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں جو ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ ﷺ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ "رعد" کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا: صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب یہ خبر سنی تو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور اکرم ﷺ! تین باتیں پوچھتا ہوں جن کا جواب نبیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں، یہ فرمایئے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتائے ہیں، سنو! حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا، وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا، پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جواب سنتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے ﴿ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ پھر کہنے لگے حضور اکرم ﷺ! یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں اگر انہیں پہلے سے میرا اسلام لانا معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے برا کہنے لگیں گے۔ آپ ﷺ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔

آپ ﷺ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ کہا بڑے بزرگ اور باخبر آدمی ہیں بڑے بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں، وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام کے قبول کرنے میں تامل نہ ہو گا؟ وہ کہنے لگے ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ﴾ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اب تک چھپے ہوئے تھے باہر آگئے اور زور سے کلمہ پڑھنے لگے پھر یہ یہودی شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اور اس کے باپ دادا بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجے کا آدمی ہے اور خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا حضور اکرم ﷺ! اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

لفظ جبرائیل وغیرہ کے معانی: صحیح بخاری میں ہے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ﴿ جَبْر، مِيكَ، اِسْرَاف ﴾ کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل وغیرہ کے معنے عبداللہ ہوئے۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف معنی بھی کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایل کے معنے عبد کے ہیں اور ان سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں، جیسے عربی میں عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالمالک، عبدالقدوس، عبدالسلام، عبدالکافی، عبدالجلیل وغیرہ، لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے، اسی طرح ایل ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے اسماء حسنیٰ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں اسی قاعدہ کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے، جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ

لوگوں کا پتھر کے پاس نماز پڑھنا اور جناب عمرؓ کا اظہار ناراضگی: اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی۔ شعبیؒ کہتے ہیں حضرت عمرؓ روحا میں آئے دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر پتھروں کے ایک تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور ﷺ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے پھر چلے جایا کرتے تھے، اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہاں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے۔

حضرت عمرؓ کا یہودیوں سے مکالمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کی تصدیق کر رہی ہے، یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ راستے سے حضور اکرم ﷺ نکلے، انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا خیر میں جاتا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ واحد کی قسم، رب کے حق یاد کرو اور رب کی نعمتوں پر نظر رکھ کر، اللہ کی کتاب

تم میں موجود ہونے کا خیال رکھ کر اسی رب کی قسم کھا کر کہو کہ کیا تم حضور ﷺ کو رسول نہیں مانتے اب سب خاموش ہو گئے' ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا ان سے کہا کہ اس نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے' اس بڑے پادری نے کہا سنیئے جناب آپ نے زبردست قسم دی ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں۔

میں نے کہا افسوس جب جانتے ہو تو مانتے کیوں نہیں ہو۔ کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس وحی آسمانی لے کر آنیوالے جبرئیل ہیں وہ نہایت سخت' تنگی' شدت' عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لیکر (حضرت) میکائیل علیہ السلام آتے جو رحمت و رافت' تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا کچھ قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری تعالیٰ کے دائیں بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی' جبرئیل کے دشمن سے میکائیل علیہ السلام دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا' نہ ان میں سے کسی کا دشمن اللہ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آسکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے' واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف ہے۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو' اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہو تو ایسے کافر کا اللہ بھی دشمن ہے۔ اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔

حضور کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب! مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا حضور! سنائیے۔ آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ ﷺ کو خبر کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ ﷺ کو خبر پہنچا دی۔ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ' مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں شعبی ؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

فرشتوں میں بھی رسول ہیں: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں اللہ کے حکم سے نبی کریم ﷺ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں۔ کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام انبیاء کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کے ماننے والوں کو کافر بتاتا ہے' فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے' دوسری آیت کے آخر تک۔ پس ان آیات میں صراحتاً ان لوگوں کو کافر کہا جو کسی رسول کو نہ مانیں اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے' قرآن فرماتا ہے ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ﴾ اور فرماتا ہے ﴿ وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ ﴾ یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے' یہ نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے۔

صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنیوالا ہے۔ قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کے تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوشخبری دیتا ہے جیسے فرمایا ﴿ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّ شِفَآءٌ ﴾ فرمایا ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلاً وَّ مِنَ النَّاسِ ﴾ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے۔ جبرئیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصی طور پر نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔

حضرت میکائیل علیہ السلام بھی کبھی کبھی انبیاء علیہ السلام کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے حضرت میکائیل علیہ السلام روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ رات کو جب جاگتے تب یہ دعا پڑھتے ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اے اللہ' اے جبرئیل' میکائیل' اسرافیل کے رب' اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے' اے چھپے کھلے کے جاننے والے اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے' اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ لفظ جبرئیل وغیرہ کا تحقیق اور اسکے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عمیرؒ فرماتے ہیں فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام خادم اللہ ہے۔ ابو سلیمان دارانیؒ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ ایک روایت میری روایات کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے' جبرئیل اور میکائیل کے الفاظ میں بہت سی لغات اور قرأتیں ہیں جن کی تفصیل لغت کی کتب میں موجود ہے ہم انہیں یہاں بیان کر کے کتاب کا حجم بڑھانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم مفاد ان پر موقوف نہیں' اللہ تعالیٰ مدد کرے' ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔

آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ ہو جائے اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں ایک حدیث میں ہے کہ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے جس کا دشمن میں ہو جاؤں وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ

أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں اتاری ہیں' جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا' یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے' بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔ جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنیوالا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے' اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے' سلیمان نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا' وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے' اور بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا' وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔ پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد و عورت میں جدائی ڈال دیں' اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے' اور بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں' اور وہ بدترین چیز ہے جسکے بدلے وہ اپنے آپ فروخت کر رہے ہیں کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔ اور اگر یہ لوگ ایماندار متقی بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا۔ اگر یہ جانتے ہوتے۔

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں نازل فرما دی ہیں۔ یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ' ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ان کی تحریف و تبدیل احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرما دیئے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کی طرف مجبور ہو جاتا ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو انکا حسد و بغض روک دے' ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا اور حکمتوں والا کلام بن نہیں سکتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوینی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں نہ آپ کے پاس کوئی روشن دلائل ہیں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزماں کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہو' اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے۔ "نبذ" کے معنے پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو عہد باری تعالیٰ کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود تھا۔ فرمایا ﴿ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ﴾ یعنی یہ لوگ توراۃ و انجیل میں حضور کا ذکر موجود پاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق

کرنے والا ہمارا پیغمبر ان کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب سے بے پرواہی کر کے اس طرح اسے چھوڑ دیا گویا کوئی علم ہی نہیں بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ ﷺ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپ ﷺ کو شفا ملی۔ توراۃ سے تو حضور ﷺ کا مقابلہ کر نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق کرنے والی تھی، تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابیں لے لیں ان کے پیچھے لگ گئے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے، نفسانی خواہشات تو سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز ﴿ **مَا تَتْلُو الشَّيٰطِيْنُ** ﴾ میں داخل ہے۔

یہود کا سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہنا جھوٹ ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ پاخانے جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو وہ دے جاتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا وقت آیا تو اس وقت ایک شیطان جن آپ کی صورت میں آپ کی بیوی کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو انہوں نے دے دی، اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے، حکومت کرنے لگا۔ ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام لے گئے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ ان دنوں شیاطین نے جادو، نجوم، کہانت، شعر اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں۔ آپ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا آپ پھر سے تخت و تاج کے مالک ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جا سکتے تھے اس لیے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں بر آمد ہوئیں، بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے انکاری ہو گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بری الذمہ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے۔ فرمایا عراق کے کس شہر سے؟ اس نے کہا کوفہ سے۔ پوچھا وہاں کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علیؓ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے۔ آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور نہ ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح کرتیں، سنو! شیاطین آسمانی باتیں چرا لایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں، وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی کا ذکر اس آیت ﴿**وَ اتَّبَعُوْا**﴾ میں ہے۔

اس زمانے میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کر دیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اعظم، مشیر خاص اور دلی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی نہ تھے، بلکہ جادوگر تھے۔ اس بناء پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ﷺ نے ایک سچے نبی ﷺ کی برأت کا اعلان کیا اور یہودیوں کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام انبیاء کے زمرے میں سنکر بہت

بدکتے تھے اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر وغیرہ بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ یاد رہے کہ ﴿ "عَلٰی" ﴾ یہاں پر ﴿ "فِیْ" ﴾ کے معنے میں ہے یا ﴿ تَتْلُوْا ﴾ متضمن ہے ﴿ تَكْذِيْبُ ﴾ کا اور یہی اولیٰ اور احسن ہے، واللہ اعلم۔

حسن بصری ؒ کا قول ہے کہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی تھا اور یہ بالکل سچ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤد اور جالوت کے قصے میں ہے ﴿ مِنْ ۢ بَعْدِ مُوْسٰی ﴾ - بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا ﴿ انما انت من المسحرين ﴾ یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ ﴾ الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر ما نافیہ ہے یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف ﴿ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ پر ہے۔ یہودیوں کا دوسرا اعتقاد کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں اس کی تردید ہے۔

ہاروت ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ﴿ اِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ ﴾ میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔ قرطبی ؒ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے اس کے سوا کسی اور معنی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہئے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں جادو اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں، ربیع بن انس ؒ فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا اس بناء پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیو! تمہارا خیال جبرئیل و میکائیل کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی اسے اس طرح پڑھتے تھے ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ ﴾ یعنی داؤد و سلیمان دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا۔ یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریر ؒ نے اس کا زبردست رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں ﴿ مَا ﴾ معنے میں ﴿ الَّذِیْ ﴾ کے ہے اور ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے انہیں جادو کی تعلیم کی اجازت دی ہے لہٰذا ہاروت و ماروت اس فرمان باری کو پورا کر رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں ﴿ مَلِكَيْنِ ﴾ یعنی بادشاہوں کی قرأت پر ﴿ انزال خلق ﴾ کے معنے میں ہوگا جیسے فرمایا ﴿ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ﴾ اور کہا ﴿ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ﴾ یعنی ہم نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کیے، لوہا بنایا۔ آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ﴿ مَاانْزَلَ اللّٰهُ دَاءً ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں ان سب کے علاج بھی پیدا کئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے۔ یہاں سب جگہ انزال خلق یعنی پیدائش کے معنے میں ہے، ایجاد یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی، اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون تفصیل کے ساتھ ہے، جو ابھی بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے، اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں۔ حضرت علی ؓ، حضرت ابن مسعود ؓ، حضرت ابن عباس ؓ، حضرت ابن عمر ؓ، حضرت کعب احبار ؒ، حضرت سدی ؒ اور کلبی یہی فرماتے ہیں۔

اب اس حدیث کو سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر بد لوگ ہیں کیسے نافرمان سرکش ہیں' ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو میں ان میں انسانی خواہشات کو پیدا کرتا ہوں اور انہیں میں بھیجتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا' اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہدیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو میں اپنے انبیاء کی معرفت اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں' لیکن تم سے بلاواسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' زنانہ کرنا' شراب نہ پینا۔ اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کیلئے حسین و جمیل عورت کی صورت میں انکے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ دیوانے ہو گئے۔ اور اس سے زنا کرنا چاہا۔ اس نے کہا اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا' وہ چلی گئی' پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی ہوں۔ انہوں نے اسے بھی نہ مانا۔ اور پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو۔ انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زناکاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے وہ تمام کام تم نے کر ڈالے یہ نادم ہوئے' پھر انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کیے۔ صحیح ابن حبان' مسند احمد' ابن مردویہ' ابن جریر' عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی حذاء کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

ابن مردویہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک رات کو دوران سفر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ کیا زہرہ ستارہ نکلا؟ اس نے کہا نہیں۔ دو تین مرتبہ کے سوال کے بعد کہا اب زہرہ طلوع ہوا' تو فرمانے لگے اسے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔ حضرت نافعؒ نے کہا حضرت ایک ستارہ جو حکم اللہ سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا سن میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' پھر اسکے بعد مندرجہ بالا حدیث (باختلاف الفاظ) سنائی' لیکن یہ بھی غریب ہے حضرت کعبؓ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے' اور ممکن ہے کہ وہ اسرائیلی روایت ہو' واللہ اعلم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے بھی اس قسم کی روایات بہت کچھ منقول ہیں۔ بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو' انہوں نے سکھا دی' یہ پڑھ کر چڑھ گئی۔ اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی۔ بعض مرفوع روایات میں بھی یہی ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اسکے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں ان سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں۔ ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا کیونکہ یہ فنا ہو جانے والا ہے اور آخرت کے عذاب دائمی ہیں۔ چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل اور مال حرام سے ممانعت بھی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ فیصلہ انصاف کے ساتھ کریں۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا' پھر دو

کی آزمائش ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بال دیناوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی' جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف فیصلہ کر دو تو پھر میں تیار ہوں ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا' پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی' لیکن اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہی ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔ عبداللہ بن عمرؓ جب کبھی ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے' اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ پڑھ سکے' سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں پہلے پہل چند دنوں تک تو یہ فرشتے ثابت قدم رہے صبح سے شام تک عدل کے ساتھ فیصلے کرتے رہتے شام کو آسمان پر چڑھ جاتے پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا گیا تھا۔ الغرض ہاروت و ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے'' جیسے مجاہد سدی' حسن بصری' قتادہ' ابوالعالیہ' زہری' ربیع بن انس' مقاتل بن حیان وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دارومدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے۔ کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد' ابن حبان' بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث' حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ مل ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے۔ پھر ظاہر سے ہٹا کر بے جا تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی' واللہ اعلم۔ (فتح البیان)۔

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دومتہ الجندل کی ایک عورت حضور ﷺ کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصے بعد آپ ﷺ کی تلاش میں آئی اور آپ ﷺ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی' میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی' ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ ایک بڑھیا سے میں نے یہ ذکر کیا۔ اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر' وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا میں تیار ہو گئی' وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی' ایک پر وہ خود سوار ہوئی دوسرے پر میں بیٹھ گئی' تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے کہا' ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔ میں نے ان سے کہا۔ انہوں نے کہا سن ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ' اس کا سیکھنا کفر ہے۔

میں نے کہا میں تو سیکھوں گی۔ انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے آ۔ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی' میں واپس گئی اور کہا میں فارغ ہو آئی۔ انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی تک کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر۔ میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے انہوں نے پھر کہا جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ چلا واپس آئی۔ پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑا سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ میں واپس چلی آئی ان سے ذکر کیا' انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا اب چلی جا۔ میں

آئی اور اس بڑھیا سے کہا کہ انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا بس تجھے سب کچھ آ گیا' اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا' اگ جا' وہ فوراً اگ گیا' میں نے کہا تجھ میں بالی پیدا ہو جائے' چنانچہ ہو گئی۔ میں نے کہا سوکھ جا' وہ بالی سوکھ گئی۔ میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا۔ وہ بھی ہو گیا۔ پھر میں نے کہا "سوکھ جا" تو سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا "آٹا بن جا" تو آٹا بن گیا۔ میں نے کہا "روٹی پک جا" تو روٹی پک گئی۔ یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المومنین! قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ میں یونہی روتی پیٹتی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ حضور ﷺ سے کہوں 'لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ ﷺ کو بھی میں نے نہ پایا' اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر پھر اسنے بین و بکا شروع کی اور اس قدر روئی کہ ہر ایک کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حیران تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں۔ آخر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اب سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو۔

اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں بھی تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے و قیاس سے گھڑ گھڑا کر بتا دیتے ہیں بالکل نہیں رکتے۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عین چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے' جیسے قرآن میں ہے ﴿ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ ﴾ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا' اور فرمایا ﴿ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دیناوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ بابل کی سرزمین پر جا رہے تھے عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی' اور فرمایا میرے حبیب ﷺ نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے یہ زمین ملعون ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور ابوداؤدؒ نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموش رہیں تو وہ حدیث ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سرزمین پر نماز مکروہ ہے' جیسے کہ ثمودیوں کی سرزمین کی بابت حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی منزلوں میں نہ جاؤ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف ربانی سے روتے ہوئے جاؤ۔ ہیئت داں لوگوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحر غربی او قیانوس سے ستر درجہ اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استواء تینتیس درجہ ہے' واللہ اعلم۔ چونکہ ہاروت و ماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر' کفر و ایمان کا علم دے رکھا ہے اس لئے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں اور ہر طرح روکتے ہیں جب نہیں مانتا تو وہ کلمات اس سے کہہ دیتے ہیں' اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے' ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جادو آ جاتا ہے' شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے۔ ایمان کے نکل جانے کے بعد غضب الٰہی اس کے رونگٹے رونگٹے میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا' آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن حکیم میں مذکور ہے ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ﴾ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اسکی بات کو سچ سمجھے اس نے (حضرت) محمد (ﷺ) پر اتری ہوئی وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار)۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تائید میں اور احادیث بھی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت و ماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس سے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض

اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیج دیتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو' یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں' کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا' کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا۔ شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں کیا یہ تو معمولی کام ہے' یہاں تک کہ ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگالیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا' اسے اپنے پاس بٹھالیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادوگر بھی اپنے جادو سے یہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات واطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے' یا دل میں عداوت آجائے وغیرہ وغیرہ' آہستہ آہستہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جائے۔ "مرء" کہتے ہیں آدمی کو' اس کا مذکر مونث اور تثنیہ تو ہے جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی ان کے اپنے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وہ سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان کی کوئی قدر و وقعت اللہ کے پاس ہے' نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی محسوس کرتے اور ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔ بزرگان دین نے اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں ﴿ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا ﴾ فرمایا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے' بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

بجالہ بن عبیدؒ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادوگر مرد عورت کو قتل کر دو۔ چنانچہ ہم نے تین جادوگروں کی گردن ماری۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں تین صحابہؓ سے جادوگر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جادوگر کی حد تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اسماعیل بن مسلم ضعیف ہیں' صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن طبرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہی حدیث مرفوع مروی ہے' واللہ اعلم۔

ولید ابن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب دکھایا کرتا تھا بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک بزرگ صحابیؓ نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے' جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑادی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود زندہ ہو کر دکھا' پھر قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی ﴿ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾ کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابی نے ولید کی اجازت اسکے قتل میں نہیں لی تھی اس لئے اس نے ناراض ہو کر انہیں گرفتار کر کے پھر چھوڑ دیا۔ امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کے فرمان اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو۔

جادو کے منکر: معتزلہ جادو کے وجود کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں جادو کوئی چیز نہیں' بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو وہ کافر ہے' لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر وغیرہ کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' آسمان کو اور تاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے۔ فلسفی اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو تاروں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت ﴿ وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ ﴾ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت ﷺ پر جادو کیا جانا اور آپ ﷺ پر اس کا اثر ہونا ہے' تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں۔

کیا جادو کا علم سیکھنا جائز ہے؟ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں۔ محققین کا یہی قول ہے' اسلئے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو گا تو اس سے معجزے اور جادو میں پوری طرح فرق واضح ہو جائے گا' اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہوا۔ رازیؒ کا یہ قول بالکل غلط ہے' اگر عقلاً وہ اسے برا نہ بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برا نہ بتاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتانے کے لئے کافی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے جو شخص کسی جادوگر یا کاہن کے پاس جائے وہ کافر ہوا۔ سنن میں حدیث ہے کہ جس نے گرہ دی اور اس میں پھونکا' اس نے جادو کیا۔ پس رازی کا یہ قول غلط ہے' ان کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے' یہ بھی ٹھیک نہیں آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ آئمہ اسلام میں سے کس نے یہ کہا ہے پھر ﴿ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ ﴾ کی آیت کو پیش کرنا بھی سوائے جرأت کے اور کچھ نہیں کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے' آیت میں شرعی علم والے علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ پھر ان کا یہ قول کہ اسی سے معجزے کا علم حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل واہی محض غلط اور فاسد ہے اس لئے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس معجزے کے ماننے کے لئے جادو کا علم جاننے پر موقوف نہیں' وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ بھی اسے معجزہ مان گئے' صحابہ رضی اللہ عنہم' تابعین' آئمۃ المسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کبھی ایک بھی جادو جانتا تو کیا جادو کے پاس تک نہیں پھٹکا نہ سیکھا نہ سکھایا نہ کیا نہ کرایا بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے۔ پھر یہ دعویٰ کرنا کہ معجزہ کا جاننا واجب اور جادو اور معجزے کا فرق جادو کے جاننے پر موقوف لہذا جادو کا سیکھنا واجب یہ کس قدر مہمل دعویٰ ہے۔

جادو کی اقسام: اب جادو کی قسمیں سنئے جنہیں ابو عبداللہ رازی نے بیان کیا ہے۔

(۱) ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہیں کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقررہ الفاظ پڑھا کرتے ہیں اور انہی کی پرستش کرتے ہیں' اسی قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہیں ہدایت کی۔ رازی نے اس فن میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ﴿ **السرا المكتوم فى مخاطبة الشمس و النجوم** ﴾ رکھا ہے' ملاحظہ ہو ابن خلکان وغیرہ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ پھر اس سے توبہ کر لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صرف معلوم کرانے کے لئے اور اپنے اس علم کو ظاہر کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی نہ کہ ان کا اعتقاد بھی یہی ہو جو کہ سراسر کفر ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے طور طریقے لکھے ہیں۔

(۲) دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ والے لوگوں کا ہے' وہم اور خیال کو بڑا اثر ہوتا ہے' دیکھئے اگر تنگ پل زمین پر رکھ دیا جائے

تو اس پر انسان بآسانی چلا جائے گا لیکن یہی تنگ پل اگر کسی دریا پر ہو تو نہیں گزر سکے گا' اس لئے کہ اس وقت خیال ہوتا ہے کہ اب گرا اور اب گرا' تو واہمہ کی کمزوری کے باعث جتنی جگہ پر زمین میں چل پھر سکتا تھا اتنی جگہ پر ایسے ڈر کے وقت نہیں چل سکتا۔ حکیموں اور طبیبوں نے بھی مرعوف (جس شخص کو نکسیر کی بیماری ہو) کو سرخ چیزوں کے دیکھنے سے روک دیا ہے اور مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ عقلمند لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگتی ہے' صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے' اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر ہوتی' اب اگر نفس قوی ہے تو ظاہری سہاروں اور ظاہری کاموں کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اتنا قوی نہیں تو پھر ان آلات کی بھی ضرورت پڑتی ہے' جس قدر نفس کی قوت بڑھتی جائے گی وہ روحانیات میں ترقی کرتا جائے گا اور تاثیر میں بڑھتا جائے گا اور جس قدر یہ قوت کم ہوتی جائے گی اسی قدر یہ کم ہوتا چلا جائے گا' یہ کیفیت غذا کی کمی لوگوں کے میل جول کے ترک وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے کبھی تو اسے حاصل کر کے انسان نیکی کے کام شریعت کے مطابق اس سے لیتا ہے' اس حال کو شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں جادو نہیں کہتے اور کبھی اس حال سے باطل میں اور خلاف شرع کاموں میں مدد لیتا ہے اور دین سے دور ہو جاتا ہے! ایسے لوگوں کے یہ خلاف شرع کاموں سے کسی کو دھوکا کھا کر انہیں ولی نہ سمجھ لینا چاہئے کیونکہ شریعت کیخلاف چلنے والا ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ صحیح احادیث میں دجال کے بارے میں کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کر کے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ وہ ملعون و مردود ہے۔

(۳) تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے۔ معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں' ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں۔

(۴) چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا' آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبدہ بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف کچھ کا کچھ دکھائی دینے لگتا ہے' تم نے دیکھا ہو گا کہ شعبدہ باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جما دیتے ہیں اور اسکی باتوں کی طرف متوجہ ہو کر ہمہ تن اس میں مصروف ہو جاتے ہیں' تو وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا اسی لئے قرآن میں ہے ﴿ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ ﴾ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں ڈر بٹھا دیا۔ اور جگہ ہے ﴿ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ سب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں' حالانکہ درحقیقت ایسا نہ تھا' واللہ اعلم۔

(۵) بعض چیزوں کی ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا' مثلاً گھوڑے کی شکل بنا دی اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے جہاں ایک ساعت گذری اور اس ناقوس میں سے آواز نکلی حالانکہ کوئی اسے نہیں چھیڑتا۔ اسی طرح انسانی صورت اس کاری گری سے بنائی کہ گویا اصلی' انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے۔ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زئبق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے۔ گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی وزنی چیزیں کھنچی آتی ہیں سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں جو انہیں جانتا ہو وہ ان فنون سے یہ کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پر اسرار طریقہ سے گرجے کی قندیلیں جلا دیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دی اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا۔ بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب و ترہیب کی حدیثیں گھڑ لی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو

کوئی حرج نہیں، لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے۔ اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرند کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اسکے گھونسلے میں لا لا کر رکھ جاتے ہیں۔ اس پادری نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی اسے لا کر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تاکہ ہوا اس سے جائے، اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لا لا کر رکھ جاتے۔ اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت ان ہی کی ہے۔ لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر نذر نیاز چڑھانے لگے اور یہ کرامت دور دراز تک مشہور ہو گئی حالانکہ نہ کوئی کرامت تھی نہ معجزہ، صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لئے پوشیدہ طور پر کر رکھا تھا، اور وہ لعنتی فرقہ اس پر رتیجھا ہوا تھا۔

(۶) بعض دواؤں کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں۔ مقناطیس ہی کو دیکھو لوہا کس طرح اس کی طرف چلا آتا ہے اکثر صوفی اور فقیر اور درویش انہی حیلہ سازیوں کو کرامت کے طور پر لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

(۷) دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہے منوالینا ہے، مثلاً اس سے کہدیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اس کو ایک قسم کا خوف اور ڈر، ہیبت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو حواس کو ضعیف بنا دے گا۔ اب اس وقت وہ جو چاہے گا کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے گا، اسی کو تنبلہ کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان کو معلوم ہو سکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل قیافے سے کم عقل شخص کو پہچان کر ہی کرتا ہے۔

(۸) آٹھویں قسم چغلی کرنا جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا، یہ چغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے بدکانے اور ان کے درمیان عداوت و دشمنی ڈالنے کے لئے ہو تو شرعاً حرام ہے، جب اصلاح کے طور پر اور آپس میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لئے کوئی ایسی ظاہری بات کہہ دی جائے جس سے یہ دونوں آپس میں صلح کر لیں یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے ٹل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے، ان میں بد دلی پھیل جائے اور مخالفت و پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے، حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لئے ادھر ادھر لے جاتا ہے، اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے، اور جیسے حضرت نعیم بن مسعودؓ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر عرب کے کافروں اور یہود کے کافروں کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوا دی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی، یہ کام بڑے عالی دماغ زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یاد رہے کہ امام رازیؒ نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں کی ہیں یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر میں انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں، اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے اور اسی لئے صبح کے اول وقت کو سحور کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی نالی ہے۔ ابو جہل نے بدر کے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام خوف کے مارے پھول گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے ﴿ سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ ﴾ یعنی لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام مخفی کر کے انجام دیا۔

ابو عبداللہ قرطبیؒ کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے گو معتزلہ اور ابو اسحاق اسفرائنی شافعیؒ اسکے قائل نہیں۔ اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی، کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے کہ اس میں بھی ایک خاص اثر ہوتا ہے، کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطانی کاموں سے بھی لوگ کرتے ہیں، کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کے کہ بعض بیان جادو ہے' دو مطلب ہو سکتے ہیں 'ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپ ﷺ نے فرمایا ہو اور ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے' جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبھی میرے پاس تم مقدمہ لیکر آتے ہو اور ایک شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعوے کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔

وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہؒ نے اپنی کتاب الاشراف علی مذاہب الاشراف میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو کی حقیقت ہے' لیکن ابو حنیفہؒ اس کے قائل نہیں' جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابو حنیفہؒ 'امام مالکؒ اور امام احمدؒ کافر بتاتے ہیں' امام ابو حنیفہؒ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا' ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور اسے نفع دینے والا سمجھے وہ کافر ہے' اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو' تو کافر ہے' اگر یہ نہ ہو اور جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر جب جادو کرے اور جادو کو استعمال میں لائے اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جب تک بار بار نہ کرے یا کسی معین شخص کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے۔ تینوں امام رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے۔ امام مالکؒ 'امام ابو حنیفہؒ' اور ایک مشہور قول میں امام احمدؒ کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے کیونکہ 'اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی' اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ ایک روایت میں امام احمد کا یہی قول بھی ہے۔ اہل کتاب کا جادوگر بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا' لیکن امام مالکؒ 'شافعیؒ' احمد بن حنبلؒ کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ لبید ابن اعصم یہودی نے حضرت محمد ﷺ پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا۔ اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو اسکے بارے میں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے' واللہ اعلم۔

حضرت زہریؒ کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے' یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر اگر وہ توبہ کر لے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے' اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے' اس جادوگر کو جسکے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں آئمہ اربعہ وغیرہ کافر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے ﴿ فَلَا تَكْفُرْ ﴾

امام مالکؒ فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پالیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں جیسے زندیق' ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہوگی' اگر اسکے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہر صورت مارا جائے گا' امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ مار ڈالنے کے لئے میں نے اس پر جادو نہیں کیا تو قتل خطا کی دیت (جرمانہ) لے لی جائے۔

جادوگر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن مسیّب ؒ نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری میں ہے۔ عامر شعبی ؒ بھی اس میں کوئی ہرج نہیں بتاتے، لیکن حسن بصری ؒ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ ﷺ کیوں جادو کھلواتے نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دیدی اور میں لوگوں پر برائی کھلوانے سے ڈرتا ہوں۔ حضرت وہب ؒ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر مالیدہ بنا کر پانی ملا لیا جائے پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کرا دیا جائے انشاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو۔ جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ کی سورتیں ہیں، حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں، اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾

اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے اس حسد سے کیا ہوا) اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مسلمانوں کا غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے، یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برا لیتے تھے جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سنئے تو کہتے تھے راعنا اور مراد اس سے رعونت اور سرکشی لیتے تھے، جیسے اور جگہ بیان ہے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا الخ یعنی یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں، اپنی زبانوں کو موڑ توڑ کر دین میں طعنہ زنی کے لئے ﴿ رَاعِنَا ﴾ کہتے ہیں اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے ان میں ایمان بہت ہی کم ہے۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو ﴿ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ ﴾ کہتے ہیں اور ﴿ سَام ﴾ کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں ﴿ وَعَلَيْكُمْ ﴾ کہا کرو، ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بد دعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔ الغرض قول و فعل میں ان سے مشابہت کرنی منع ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے رکھی ہے ذلت اور پستی اس کے لئے ہے جو میرے احکام کا خلاف کرے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ مشابہت والا حصہ مروی ہے۔ اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال و افعال، لباس، عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت ڈراوا اور حرمت ہے۔

حضرت ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو

جایا کر دیا تو کسی برائی سے ممانعت ہو گی۔ یا کسی نیکی کا حکم ہو گا۔ حضرت خیثمہ ؒ فرماتے ہیں توراۃ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ﴿ یٰآ اَیُّھَا الْمَسَاکِیْنَ ﴾ فرمایا ہے لیکن امت محمدیہ کو ﴿ یٰآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ ﴿ رَاعِنَا ﴾ کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں جیسے ﴿ عَاطِنَا ﴾۔ مجاہد ؒ فرماتے ہیں اس کے معنے مخالفت کے ہیں یعنی خلاف نہ کہا کرو' ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی۔ انصار نے بھی یہی لفظ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا' جس سے قرآن کریم نے انہیں روک دیا۔ حسن ؒ فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں مذاق کی بات کو یعنی تم حضور ﷺ کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو۔ ابو صخر ؒ کہتے ہیں' جب حضور ﷺ جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی تو وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبی کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی۔ سدی ؒ کہتے ہیں رفاعہ بن زید یہودی حضور ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں یہی لفظ بولنے شروع کر دیئے' جس پر انہیں روک دیا گیا۔ جیسے سورہ نساء میں بھی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا۔ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ انگور کو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو' وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ ان بدباطن لوگوں کے حسد و بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں جو اس کامل نبی ﷺ کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے' اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں' ان سے کہدو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے' وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں' کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے' اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

ناسخ اور منسوخ کی بحث: حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں نسخ کے معنے بدل کے ہیں۔ مجاہد ؒ فرماتے ہیں مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتی ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ ابن مسعود ؓ کے شاگرد اور ابو العالیہ اور محمد بن کعب قرظی ؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ضحاک ؒ فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں۔ عطاء ؒ فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنے ہیں۔ سدی ؒ کہتے ہیں اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت ﴿ اَلشَّیْخُ وَ الشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّةَ ﴾ یعنی زانی مرد اور عورت کو سنگسار کر دیا کرو' اور جیسے آیت ﴿ لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَ ادِیَانِ مِنْ ذَھَبٍ لَا بْتَغٰی لَھُمَا ثَالِثًا ﴾ یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں تو پھر بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ ابن جریر ؒ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں حلال کو حرام' حرام کو حلال' جائز کو ناجائز' ناجائز کو جائز وغیرہ۔ حکم کرنا' روکنا اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے۔ ہاں جو خبریں دی گئی ہیں' واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں رد و بدل اور ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔

نسخ کے لفظی معنے نقل کرنے کے ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے اسے نسخ کہتے ہیں خواہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ہیں۔ نسخ کے معنی کسی شرعی حکم کا بعد والی دلیل کی وجہ سے ہٹ جانا ہے' کبھی ہلکی چیز کے بدلے

بھاری ہوتی ہے کبھی بھاری کے بدلے ہلکی۔ اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا۔ رہے نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرائط وغیرہ کے لئے اس فن کی کتابوں کو دیکھنا چاہئے۔ تفسیر ان احکام کے بیان کرنے کی جگہ نہیں۔ طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سورت یاد کی تھی اسے وہ پڑھتے رہے' ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن قوت حافظہ نے ساتھ نہ دیا' گھبرا کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی دلوں میں سے نکال لی گئی تم غم نہ کرو بے فکر ہو جاؤ۔

زہری نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے' اسکے ایک راوی سلیمان بن ارقم ضعیف ہیں۔ ابو بکر انباری نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے' جیسے قرطبیؒ کا بیان ہے ﴿ نُنْسِهَا ﴾ کو ﴿ نَنْسَأُهَا ﴾ بھی پڑھا گیا ہے ﴿ نَنْسَأُهَا ﴾ کے معنے موخر کرنے پیچھے ہٹا دینے کے ہیں۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں' منسوخ نہیں کرتے۔ ابن مسعودؓ کے شاگرد کہتے ہیں یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ عبد بن عمیرؒ مجاہدؒ اور عطاءؒ سے مروی ہے ہم اسے مؤخر کرتے ہیں اور پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ عطیہ عوفیؒ' سدیؒ اور ربیعؒ کہتے ہیں یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں یعنی ناسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں۔ ابو العالیہؒ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں ﴿ نُنْسَأُهَا ﴾ پڑھا اور اسؒ کے معنے مؤخر ہونے کے بیان کئے۔ ﴿ نُنْسَها ﴾ جب پڑھیں تو یہ مطلب ہو گا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھا لینا چاہتا تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیتا تھا اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ سعد بن ابی وقاصؓ ﴿ ننسها ﴾ پڑھتے تھے تو ان سے قاسم بن ربیعہ نے کہا کہ سعید بن میسبؒ تو ﴿ ننسائها ﴾ پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ﴾ ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا۔ اور فرماتا ہے ﴿ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ﴾ جب بھول جا اپنے رب کو یاد کر۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ علیؓ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے اور ابیؓ سب سے زیادہ قاری قرآن ہیں اور ہم ابیؓ کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ابیؓ کہتے ہیں میں نے تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اسے نہیں چھوڑوں گا' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ مَا نَنْسَخ ﴾ یعنی ہم جو منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا یا اس سے بہتر ہوتا ہے (بخاری و مسند احمد)۔ یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا ہے لیکن مصلحت الٰہی اس پچھلی چیز میں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حاکم مطلق اور مختار کل ہے مخلوق میں ہیر پھیر کرنے والا' پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جسطرح جسے چاہتا ہے بناتا ہے' جسے چاہے نیک بختی دے جسے چاہے بد بختی دے' جسے چاہے تندرستی دے جسے چاہے بیماری دے' توفیق دے جسے چاہے بے نصیب کر دے' بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے' جسے چاہے حلال کرے' جسے چاہے حرام فرما دے' جسے چاہے رخصت دے' جسے چاہے روک دے' وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں' کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو ہٹا دیا' اب آزمائش ہو جاتی ہے نیک لوگ تو اس وقت بھی اطاعت کے لئے کمربستہ تھے اور اب بھی ہیں' لیکن بد باطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں' حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہئے جو حکم دے بجا لانا چاہئے' جس سے روکے رک جانا چاہئے'

اس مقام میں بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ بعض تو کہتے تھے اس میں محال عقلی لازم آتا ہے اور بعض محال نقلی بھی مانتے تھے۔ اس آیت میں گو خطاب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا

ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی صرف عناد و تکبر کی بناء پر منکر ہو گئے تھے۔ ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لئے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں بااختیار ہے اسی طرح حکموں میں بھی بااختیار ہے جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے' جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے' اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے' اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلا بھی یہ ثابت شدہ امر ہے جو کہ پہلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا' پھر اسے حرام کر دیا۔ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تو اس وقت تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہو گئی۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراۃ میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربانی کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن ابھی بہت سے باقی ہیں جو منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودی بھی ان کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے' آپ ﷺ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے' یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں' یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے وہ اگلی شریعتیں صرف آپ ﷺ کے آنے تک ہی تھیں اس لئے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں' یا کہے کہ ناسخ ہے۔ بہر صورت رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ آخری کتاب کو اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں' پس اس آیت میں اللہ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورہ آل عمران میں بھی بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے' نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے فرمان ہے کل الطعام یعنی کل کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے' بلکہ واقع بھی ہے اور اسی پروردگار کی حکمت بالغہ ہے' ابو مسلم اصبہانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے۔ جہاں جہاں نسخ قرآن میں موجود ہے اس کے جواب میں گو ابو مسلم نے بہت محنت کی' لیکن محض بے سود ہے۔ جس عورت کا خاوند مر جائے پہلے اس کی عدت ایک سال تھی پھر چار مہینے دس دن کر دی گئی اور دونوں آیات قرآن پاک میں موجود ہیں' قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبۃ اللہ ہوا۔ دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو کر دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیات کلام اللہ میں موجود ہیں۔ پہلے حکم تھا کہ نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیات قرآن کریم میں موجود ہیں' وغیرہ وغیرہ' واللہ اعلم۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تھا' (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔

غیر ضروری اور زیادہ سوالات باعث ہلاکت و تباہی ہیں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو' یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے جیسے۔ ارشاد ہے ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ ﴾ اے ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسی پوچھ گچھ جاری رکھو گے تو یہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حضور ﷺ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص پر ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول بکواس سے اور مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بد خصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرتے تھے جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے' تو کسی نے کہا حضور (ﷺ) ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر سال نہیں۔ لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو نہ بجا لا سکتے۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور ﷺ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آجائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں میں کوئی سوال حضور ﷺ سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گزر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور ﷺ سے سوال کر بیٹھے پھر ہم بھی سن لیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں' انہوں نے حضور ﷺ سے صرف بارہ مسائل ہی پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن میں مذکور ہیں' جیسے شراب وغیرہ کا سوال' حرمت والے مہینوں کی بابت سوال' یتیموں کی بابت سوال وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر ''ام یا تو بل'' کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے' یہ حکم مومن کافر سب کو ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿ یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ﴾ اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے انہوں نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند آواز سے ہلاک کر دیا۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ ﷺ کو مان لیں' اس پر یہ آیت اتری۔

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! کاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو

جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا تھا۔ آپ ﷺ نے سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ نہیں اے اللہ! نہیں' ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا سنو بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا اب یا تو دنیاوی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی کو منظور کرے۔ لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْيَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِاللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ یعنی جس سے کوئی براکام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے' پھر استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے' پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گزرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے' گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے۔ اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ نہیں تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو' باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونیوالا ہی تھا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قریش نے حضور ﷺ سے کہا اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا لیکن مائدہ (آسمانی دستر خوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا' اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا۔ مراد یہ ہے کہ تکبر عناد سرکشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسانی کو سختی سے بدلے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت و ضلالت میں گھر جاتا ہے' اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا ﴾ کیا تو انہیں نہیں دیکھا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرار گاہ ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

الثلثة

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد و بغض کی بناء پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں' تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تم نمازیں قائم رکھو زکوۃ دیتے رہا کرو۔ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

قومی عصبیت بدبختی کا باعث ہے: ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں سے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے' ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہری ؒ کہتے ہیں اسکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ گو انکی کتاب میں حضور کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضور کی صفتیں جانتے تھے اور آپ ﷺ کو اچھی طرح پہچانتے

تھے پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے۔ ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بناء پر کہ عرب میں آپ ﷺ کیوں مبعوث ہوئے کفر وانکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگزر کرتے رہو اور اللہ کے حکم اور اسکے فیصلے کا انتظار کرو' جیسے اور جگہ فرمایا تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننا پڑیں گی۔ بالآخر حکم نازل فرمادیا کہ ان مشرکوں سے اب دب کر نہ رہو ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید ؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر کرتے تھے اور ان کی ایذا اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیات اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا' اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں ڈھیر ہو گئیں۔ پھر مومنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوۃ وغیرہ کی حفاظت کرو یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہاں میں دے گا اس سے کوئی چھوٹا بڑا' ظاہر' پوشیدہ' اچھا برا عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ ﴿ مُبْصِر ﴾ کے بدلے ﴿ بَصِيْر ﴾ کہا جیسے ﴿ مُبْدِع ﴾ کے بدلے ﴿ بَدِيْع ﴾ اور ﴿ مُؤْلِم ﴾ کے بدلے ﴿ اَلِيْم ﴾۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت میں ﴿ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴾ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا' یہ صرف ان کی امنگیں ہیں' ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔ سنو جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہو گا نہ غم اور اداسی۔ یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں' اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی نہیں حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں' اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں' قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا۔

ہر عمل کی قبولیت کے لئے اتباع سنت شرط ہے: یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورہ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم

اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہو گا؟ اسی طرح پہلے گزرا کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے۔ جس کے جواب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں ان کے ایک دعوے کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائے' اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا' جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے رب کی طرف متوجہ کر دیئے ہیں' الغرض اخلاص اور سنت کے مطابق ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو ﴿ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ ﴾ سے مراد خلوص اور ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ سے مراد اتباع سنت ہے' نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک کہ سنت کی تابعداری نہ ہو۔ حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے (مسلم)۔

پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ یعنی انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے سب رد کر دیئے۔ اور جگہ ہے کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں۔ جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ اور جگہ ہے قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہو گی جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور عابد مراد لئے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو ظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو مقصود رب کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے۔ ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق رب کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔ اور فرمایا ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴾ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ﴾ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہو اسے نیک عمل کرنا چاہئے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا' آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا۔

نجران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے' اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا' حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں' توراۃ میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں توراۃ کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرانی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا' اس میں بھی اشارہ انہیں کی طرف ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب لوگ مراد ہیں۔ امام ابن جریر ؒ اس سے عام مراد لیتے ہیں جو سب کو شامل ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ تعالیٰ کرے گا جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہو گا۔ اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے' سورہ حج میں ارشاد ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ ﴾ (پوری آیت) یعنی مومنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ﴾ کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر حق کے ساتھ فیصلے کرے گا وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۱۴)

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہئے' ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے مکافات عمل: اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا اور مدد کی تھی۔ بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کے شہ دینے پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا' اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا۔ اور مشرکین نے بھی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ والے سال کعبۃ اللہ سے روکا تھا یہاں تک کہ ذی طوای میں آپ ﷺ کو قربانی کا فریضہ ادا کرنا پڑا اور مشرکین سے صلح کر کے آپ ﷺ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی' باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ اور اس کے اجاڑنے کی کوشش انکی یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج و عمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو انہوں نے روک دیا۔ حضرت ابن عباس ؓ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر ؒ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے' لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن زید ؒ اور حضرت ابن عباس ؓ کا قول بھی یہی ہے یاد رہے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی تو محض بے دین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام کے دین پر تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اوپر یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بد خصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ کو مسجد حرام سے روکا مکہ سے نکالا پھر حج و عمرہ سے بھی روک دیا۔

ابن جریر ؒ کا یہ کہنا کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت رکھ دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے ﴿ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ یعنی یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں مشرکوں سے اللہ تعالیٰ کی مسجد آباد نہیں ہو سکتیں' جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں' جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔ مساجد کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز و زکوٰۃ کے پابند اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنے والے ہیں اور یہی لوگ راہ راست والے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ان لوگوں نے کفر بھی کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانیوں کو ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا۔ اگر ہمیں ان مومن مردوں عورتوں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی ضعیفی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے جنہیں تم جانتے بھی نہیں تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دیدیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان نہ

پیس دیئے جائیں اس لئے ہم نے سر دست یہ حکم نہیں دیا۔ لیکن اگر یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں۔ پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مساجد کی آبادی حقیقی معنی میں ہے وہ ہی روک دیئے گئے تو مساجد کے اجاڑنے میں کونسی کمی رہ گئی؟ مساجد کی آبادی صرف ظاہری زیب و زینت رنگ و روغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ ہونا' اسمیں شریعت کا قائم رہنا' انہیں شرک و ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا' یہ ان کی حقیقی آبادی ہے۔

پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خوف ہو کر یہ مسجد میں آئیں' مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! انہیں بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو جب ہم تمہیں غالب کر دیں تو اس وقت یہی کرنا۔ چنانچہ مکہ فتح ہو گیا آپ ﷺ نے اگلے سال ۹ ھ میں اعلان کرادیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے' اور بیت اللہ کا طواف کوئی ننگا ہو کر نہ کرے۔ جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے وہ قائم ہے۔ یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ یعنی مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو۔ اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کانپتے ہوئے اور خوفزدہ مسجد میں آئیں لیکن اس کے برعکس الٹا یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غلبہ دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کپکپانے لگیں گے' چنانچہ یہی ہوا اور حضور ﷺ نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں اور یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ الحمد للہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسول اکرم ﷺ پر عمل بھی کر دکھایا۔ اس سے مساجد کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی' بالخصوص اس جگہ کی اور اس مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن و انس کے رسول حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان گنہگاروں پر دنیا کی رسوائی بھی آئی اور جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو روکا جلاوطن کیا' اسی طرح اس کا پورا بدلہ انہیں ملا یہ بھی روکے گئے اور جلاوطن کئے گئے اور ابھی اخروی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ کی حرمت توڑی' وہاں بت رکھدیئے' غیر اللہ سے دعائیں اور مناجات شروع کر دیں ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ' اور اگر اس سے مراد نصرانی لئے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ وہ بھی بیت المقدس کی مسجد میں ڈرتے ہوئے جاتے ہیں' انہوں نے بھی بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی'' بالخصوص اس صخرہ (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح جب یہودیوں نے بے حرمتی کی اور نصرانیوں سے بھی بڑھ گئے' تو ان پر ذلت بھی اس سے زیادہ نازل ہوئی۔ دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدی کے زمانے کی رسوائی بھی ہے اور جزیہ کی ادائیگی بھی ہے۔ حدیث میں ایک دعا وارد ہوئی ہے ﴿ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ ﴾ اے اللہ! تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔ یہ حدیث حسن ہے' مسند احمد میں موجود ہے' صحاح ستہ میں نہیں' اس کے راوی بشیر بن ارطاۃ صحابی ؓ ہیں' ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے۔ اور دوسری وہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقعہ پر وہیں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے' تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا منہ ہے' اللہ تعالیٰ کشادگی اور سمائی والا بڑے علم والا ہے۔

قبلہ' بیت المقدس کی بجائے کعبتہ اللہ کب بنا: اس آیت میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ان صحابہ ؓ کو تسلی دی جارہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے اور اپنی مسجد سے روکے گئے تھے' حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو کعبتہ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ ماہ تک تو ادھر ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ

نے کعبتہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ ابو عبید قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب ناسخ و منسوخ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ کا حکم، یہی قبلہ کا ہے ﴿ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ ﴾ والی آیت نازل ہوئی، حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے، پھر آیت ﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ ﴾ الخ نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنا شروع کی۔

مدینہ میں جب حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہ یہودی بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ ہوا اور آپ ﷺ اپنی چاہت اور دعا اور انتظار کے مطابق کعبتہ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیئے گئے تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے الخ، پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو پھر جانا چاہئے ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق و مغرب میں تم جہاں کہیں بھی ہو۔ منہ کعبہ کی طرف کرو۔ بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق و مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو سب جہتیں اللہ ہی کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں، جیسے فرمایا ﴿ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا ﴾ تھوڑے بہت جو بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبتہ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا، اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں، اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہو تو صحیح ہے کوئی اللہ کے علم سے خالی نہیں، اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں حاضر ہو۔ نیز مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور رہ روی اور خوف کے وقت کے لئے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہو ادا کیا کرو۔

سواری پر اور تاریکی میں نماز پڑھنے کی تفصیل: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انکی اونٹنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا نماز پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آیت کا ذکر کئے بغیر یہ حدیث مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری، صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عمرؓ سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو۔ حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ (حضرت) عبداللہ بن عمرؓ میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا مشہور فرمان اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ سفر خواہ پر امن ہو خواہ خوف ڈر اور لڑائی کا ہو سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں۔ امام مالکؒ اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور ابو سعید اصطخریؒ بغیر سفر کے بھی اسے جائز کہتے ہیں، حضرت انسؓ سے بھی یہ روایت ہے، امام ابو جعفر طبریؒ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے اندازے سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی اس نماز کو ادا شدہ بتایا گیا۔ حضرت ربیعہؓ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے ایک جگہ پڑاؤ کیا، رات اندھیری تھی لوگوں نے پتھر لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی، صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی، ہم نے حضور ﷺ سے ذکر کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے، امام صاحبؒ نے اسے حسن کہا ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیے تھے تاکہ صبح کی روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز

قبلہ کی طرف ادا ہوئی ہے یا نہیں، صبح معلوم ہوا کہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضور ﷺ نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے بھی دو راوی ضعیف ہیں یہ روایت دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انکے ساتھ حضور اکرم ﷺ نہ تھے یہ سند بھی ضعیف ہے۔ ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ احادیث ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا بیان: بعض مفسرین ؒ کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے، جب نبی ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی اور فرمایا ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا نصرانی تھا اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ یعنی بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر، اس چیز پر جو اے مسلمانو! تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، لیکن یہ روایت غریب ہے، واللہ اعلم۔ اس کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لئے نمازیں پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔ قرطبی ؒ فرماتے ہیں کہ انکے جنازے کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہیئے۔

اور اس کے نہ ماننے والے اس کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا زمین آپ کے لئے لپیٹ لی گئی تھی، دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہاں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ ابن عربی اسی جواب کو پسند کرتے ہیں۔ قرطبی ؒ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو، اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو، ابن عربی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز کی شریعت نہ ہو۔ یہ جواب بہت اچھا ہے، تیسری یہ کہ آپ نے غائبانہ نماز جہازہ ادا کی تاکہ لوگوں کو رغبت ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بناء پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ یہی ہے کہ جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہئے کیونکہ گو حضور ﷺ نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا ہو لیکن پھر بھی صحابہ ؓ کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔ اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ ہی ہوا جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں وہ تو اس صورت میں بھی قائل ہیں، اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نمازہ جنازہ مشروع نہ ہو شریعت بھی اسلام تھی نہ کہ اور۔ تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور بر تقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تاکہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو، واللہ اعلم۔ (مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اہل مدینہ، اہل شام، اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر، بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذی ؒ نے اسے ایک اور سند سے بھی نقل کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابو طالب، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عمر ؓ سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے، ملاحظہ ہو دار قطنی، بیہقی وغیرہ، امام ابن جریر ؒ فرماتے ہیں یہ مطلب بھی اس آیت کا ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگنے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو میرا منہ بھی اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا۔ حضرت مجاہد ؒ سے مروی ہے کہ جب

یہ آیت ﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا) اتری تو لوگوں نے کہا کس طرف دعا کریں؟ اس کے جواب میں یہ آیت ﴿ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا ﴾ نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب اور گنجائش والا اور علم والا ہے جس کی کفایت سخاوت اور فضل و کرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے' وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے' کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے' زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اس کی ملکیت میں ہے' اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے' وہ زمین و آسمان کا ابتداء پیدا کرنے والا ہے' وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ اور بے نیاز ہے: یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود و مشرکین کے رد میں بھی' جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ تعالیٰ مالک ہے' ان کا پیدا کرنے والا' انہیں روزیاں دینے والا' ان کے اندازے مقرر کرنے والا' انہیں قبضہ میں رکھنے والا' ان میں رد و بدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو سکتا ہے' نہ عزیر علیہ السلام اور نہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا' نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے مشرکین عرب کا خیال تھا اس لئے کہ دو برابر کے مناسبت رکھنے والے' ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اسکی اولاد کیسے ہو گی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے۔

تم رحمٰن کی اولاد بتاتے ہو یہ کتنی بے ہودہ اور لغو بات تم کہتے ہو' یہ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہو جانا اور اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ممکن ہے' تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ملکیت ہے زمین و آسمان کی کل ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت کے دن تنہا تنہا پیش ہونے والا ہے پس غلام اولاد نہیں بن سکتا' ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں۔ اور سورہ اخلاص میں اس کی نفی فرمائی' ارشاد ہوا ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے' اللہ بے نیاز ہے' اس کی کوئی اولاد ہے نہ ماں باپ' اس کا ہم جنس کوئی نہیں۔ ان آیات اور ان جیسی اور آیات میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح و تقدیس بیان کی' اپنا بے نظیر' بے مثل اور لاشریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کا بطلان کیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے پھر اس کی اولاد اور بیٹے بیٹیاں کہاں سے ہو نگی؟

سورہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا' مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے یہ نہیں چاہئے تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد

پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے' حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو۔ یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور علیہ فرماتے ہیں بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں' لوگ اس کی اولادیں بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے۔ پھر فرمایا ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے اس کی غلامی کی اقراری ہے اس کے لئے اخلاص کرنے والی ہے' اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں عبادت گزار ہے' جس کو کہے یوں ہو' اس طرح بن! وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے' اسی طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے' کفار بھی گو نہ چاہیں لیکن ان کے سائے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں۔ قرآن نے اور جگہ فرمایا ﴿ وللہ یسجد ﴾ آسمان و زمین کی کل چیزویں خوشی و ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں' ان کے سینے صبح و شام جھکتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے وہاں مراد اطاعت ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں' ممکن ہے صحابی کا یا اور کسی کا کلام ہو' اس سند سے اور آیات کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضعیف ہے کوئی شخص اس سے دھوکے میں نہ پڑے' واللہ اعلم۔

پھر فرمایا وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی سابقہ نقشے کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے۔ لغت میں بدعت کے معنی تو پیدا کرنے نیا بنانے کے ہیں۔ حدیث میں ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ تو ہوئی شرعی بدعت' کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغتہ ہوتا ہے شرعاً مراد نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کر کے پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا اچھی بدعت ہے۔ ﴿بدیع' مبدع﴾ سے پھیرا گیا ہے جیسے ﴿مولم﴾ سے ﴿الیم﴾ اور ﴿مسمع﴾ سے ﴿سمیع﴾ معنی مبدع کے انشاء اور نو پید کرنے والے کے ہیں' بغیر مثال کے اور بغیر نمونے کے اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے۔ بدعتی کو اس لے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین الٰہی میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو' اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عربی زبان میں مبتدع کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے ہر چیز اس کی اطاعت گزاری کی اقراری ہے' سب کا پیدا کرنیوالا' بنانے والا' موجود کرنے والا' بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا ایک وہی رب العالمین ہے اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے' خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں۔ جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا' اسنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم انہیں خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا مان لو۔ پھر فرمایا کہ اس اللہ کی قدرت و سلطنت سطوت و شوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہے اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح اور ایسی ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے' جیسے فرمایا ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ اور ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ﴾ شاعر کہتا ہے

﴿ اِذَا مَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا　　يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ ﴾

مطلب سب کا یہ ہے کہ ادھر اللہ کا ارادہ کسی چیز کا ہوا اور اس نے کہا ہو جا' وہیں وہ ہو گیا۔ اس کے ارادہ سے مراد جدا نہیں پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایے سے یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری جگہ صاف صاف فرمادیا ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے جنہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر فرمایا ہو جا' وہ ہو گئے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ ؕ کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا' ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی 'اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے' ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں۔

رافع بن حریملہ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم خود بھی تو اس سے اس کا کلام سنیں' اس پر یہ آیت اتری۔ مجاہد ؒ کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریر ؒ فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے' اس لئے کہ آیت انہیں کے بیان کے دوران میں ہے' لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبی ؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری تعالیٰ ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ اور یہی بات ٹھیک ہے' واللہ اعلم۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا اور پھر یہ جو فرمایا کہ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا' اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں' جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا جاتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ﴾ یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لئے ہماری ان زمینوں میں چشمے جاری نہ کر دیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ﴾ یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟ الخ اور جگہ فرمایا ﴿ بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ ﴾ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے' وغیرہ وغیرہ۔

یہ آیات صاف بتاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضور ﷺ سے صرف تکبر و عناد کی بناء پر ایسی ایسی چیزیں طلب کیں' اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا اور ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی فضول سوالات کئے تھے' ارشاد ہوتا ہے ﴿ یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْکِتٰبِ ﴾ الخ اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا' ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو آمنے سامنے دکھا۔ اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے یعنی ان مشرکین کے دل کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا لوگوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا انہوں نے بھی ان کی موافقت کی پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لئے اپنی آیات بیان کر دیں جن سے رسول کی تصدیق عیاں ہے کسی اور چیز کی طلب کی حاجت باقی نہیں رہی یہی نشانیاں ایمان لانے کے لئے کافی ہیں' ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہوا نہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہو گا' جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ الخ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیات آ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾

ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرا وا دینے والا بنا کر بھیجا ہے جہنمیوں کے بارے میں تجھ سے نہیں پوچھا جائے گا۔

آپ کا کام نصیحت کرنا ہے احتساب ہم کریں گے: حدیث میں خوشخبری جنت کی اور ڈراوا جہنم سے۔ ﴿ لا تُسْئَلُ ﴾ کی دوسری قرأت ﴿ ماتُسْئَلُ ﴾ بھی ہے اور ابن مسعود ؓ کی قرأت میں ﴿ لَنْ تُسْئَلَ ﴾ بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا' جیسے فرمایا ﴿ فانما علیک البلغ وعلینا الحساب ﴾ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔ اور فرمایا ﴿ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾ تو نصیحت کرتا رہ' تو صرف نصیحت کرنیوالا ہے ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ہم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں تم ان پر جبر کرنیوالے نہیں ہو تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنادو جو قیامت سے ڈرتے ہوں۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ایک قرأت میں اس کی ولاَ تَسْئَلْ بھی ہے یعنی ان جہنمیوں کے بارے میں اے نبی ﷺ! مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔

عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' اس پر یہ فرمان نازل ہوا' پھر آخری دم تک آپ ﷺ نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا۔ ابن جریر ؒ نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن عبیدہ ؒ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے۔ قرطبی ؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کا حال انتہا درجہ کا برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو۔

رسول اکرم ﷺ کے والدین کا تذکرہ: قرطبی ؒ نے تذکرہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کے والدین زندہ کئے گئے اور ایمان لے آئے۔ اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے کسی کے سوال پر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں اس کا جواب بھی وہاں ہے لیکن یاد رہے کہ آپ ﷺ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔

ابن جریر کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن پوچھا کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر ؒ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضور ﷺ اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں۔ پہلی ہی قرأت ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہدیا؟

ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپ ﷺ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا' پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہو گئی تو آپ ﷺ اس سے ہٹ گئے اور بیزاری ظاہر فرمائی اور صاف بتا دیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اسکی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے حضرت عطاء بن یسار ؒ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت وثنا توراۃ میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ ﷺ کی قرآن میں ہیں وہی توراۃ میں بھی ہیں' توراۃ میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ﷺ ہے' میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بدزبان ہے' نہ سخت گو' نہ بدخلق' نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے' نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے۔ بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ ٹیڑھے دین کو ان کی وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ ﴿ لا اله الا الله ﴾ کا اقرار نہ کر لیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں۔ بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی۔

ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد ہے' عطا کہتے ہیں کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعب ؒ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے' تو کہدے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے' اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے پھر ان کی خواہش کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے پاس نہ تو تیرا کوئی والی ہو گا اور نہ مددگار' جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں' وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں' اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔

آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تجھ سے ہر گز راضی نہیں ہوں گے تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا پر چل۔ انہیں دعوت رسالت پہنچا دے دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس پر قائم رہ۔ حدیث میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہیگی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے خبردار کیا کہ ہر گز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کے لئے اپنے دین میں سست نہ ہونا' ان کی طرف نہ جھکنا' نہ ان کا کہا ماننا فقہا کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا' جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ﴾ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اس استدلال پر اس مسئلہ کی بناڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کافر آپس میں ایک دوسروں کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول ہے۔ اور دوسری روایت میں امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں' ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے' واللہ اعلم۔

حق تلاوت کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت سوال جنت ہو اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حلال و حرام کو جاننا' کلمات کو ان کی جگہ رکھنا ہیر پھیر نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں واضح آیات پر عمل کرنا' متشابہ آیات پر ایمان لانا' مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس کو مطلب حق اتباع بجالانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے ﴿ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴾ میں ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسکے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔ پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں' یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کو سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں وہ قرآن پر ایمان لانے

پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰاةَ ﴾ اور فرمایا ﴿ قل یا اهل الکتاب لستم علی شی حتی تقیمو التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم ﴾ اگر یہ توراۃ وانجیل پر اور اللہ کی انکی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا الخ۔ فرمایا اے اہل کتاب! جب تک تم توراۃ اور انجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس کا قائم نہ کر لو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو' ان کا قائم کرنا لازم ہے کہ اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضور ﷺ کا ذکر' آپ ﷺ کی صفت' آپ ﷺ کی تابعداری کا حکم' آپ ﷺ کی ہمرکابی کی رغبت سب کچھ موجود ہے۔

اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی امی ﷺ کی تابعداری کرتے ہیں جس رسول کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب توراۃ وانجیل میں بھی وہ لکھا دیکھتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ ﴾ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے۔ اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کر کے کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا' یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ﴾ یعنی پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں تو راہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر تو صرف تبلیغ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا' اس کے ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں' جیسے فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اسکی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے اولاد یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اس دن سے ڈر جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی نہ انکی مدد کی جائے گی۔

خبردار: پہلے بھی تقریباً اس موضوع کی آیت گذر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے یہاں صرف تاکید کے طور پر ذکر کی گئی اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی' جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے' جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ آپ ﷺ کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے' پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچازاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی' ان میں سے خاتم النبیین ﷺ کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت ہو رہی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِيۡ ‌ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا' تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا' عرض کرنے لگے میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔

توحید میں دنیا کا امام: اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے احکام الٰہی کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جواں مردی دکھائی۔ فرماتے ہیں اے نبی! تم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعوے دار ہیں ذرا ابراہیم (علیہ السلام) کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے واقعات تو سناؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف پر' اسوہ ابراہیمی پر کون قائم ہے؟ وہ تو آپ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿ وَ اِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى ﴾ ابراہیم وہ ہیں جنہوں نے پوری طرح وفاداری دکھائی۔ اور جگہ فرمایا ﴿ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ ﴾۔ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے پیشوا اللہ تعالیٰ کے فرمابردار مخلص اور شکر گزار نعمت تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک کار بنایا تھا۔ پھر ہم نے تیری طرف اے نبی! وحی کی کہ تو بھی ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی' اور نہ مشرک تھے۔ بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہوا اور یہ نبی ابتلاد اور ایمان والے' ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے۔ ابتاء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔

کلمات کیا ہیں؟ کلمات سے مراد شریعت کا حکم اور ممانعت وغیرہ ہے' کلمات سے مراد کلمات تقدیریہ بھی ہوتی ہے' جیسے حضرت مریم علیہا السلام کی بابت ارشاد ہے ﴿ صَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا ﴾ یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور اس کے لکھے ہوئے کی بھی' وہ بڑی فرمانبردار تھیں۔ اور کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتی ہے ﴿ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے' یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل ہے۔ غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا۔ ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج' مونچھوں کو کم کرنا' کلی کرنا' ناک صاف کرنا' مسواک کرنا' سر کے بال منڈوانا یا رکھنا تو مانگ نکالنا' ناخن لینا' زیر ناف کے بال لینا' ختنہ کرانا' بغل کے بال لینا' پیشاب پاخانہ کے بعد استنجا کرنا' جمعہ کے دن غسل کرنا' طواف کرنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا' رمی جمار کرنا' طواف افاضہ کرنا۔

مکمل اسلام: حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد پورا اسلام ہے۔ جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورہ براءت میں ہے ﴿ اَلتَّـآئِبُوۡنَ ﴾ سے ﴿ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ تک یعنی توبہ کرنا' عبادت کرنا' حمد کرنا' اللہ کی راہ میں پھرنا' رکوع کرنا' سجدہ کرنا' بھلائی کا حکم دینا' برائی سے روکنا' اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرنا' ایمان لانا' دس کا بیان سورہ مومنون کے شروع اور سورہ معارج میں ﴿ قَدۡ اَفۡلَحَ يُحَافِظُوۡنَ ﴾ یعنی نماز کو خشوع خضوع سے ادا کرنا' لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا' زکوۃ دیتے رہا کرنا' شرمگاہ کی حفاظت کرنا' امانت داری کرنا' وعدہ وفائی کرنا' نماز پر ہمیشگی اور حفاظت کرنا' قیامت کو سچا جاننا' عذابوں سے ڈرتے رہنا' سچی شہادت پر قائم رہنا' باقی اور دس کا بیان سورہ احزاب میں ﴿ اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴾ سے ﴿ عَظِيۡمًا ﴾ تک ہے' یعنی اسلام لانا' ایمان' قرآن پڑھنا' سچ بولنا' صبر کرنا' عاجزی کرنا' خیرات دینا' روزہ رکھنا' بدکاری سے بچنا' اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا' ان تیس احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے' اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

کلمات ابراہیمی میں سے' اپنی قوم سے علیحدگی کرنا' بادشاہ وقت سے' نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرتا' پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبت

آئے' اس پر صبر و سہار کرنا پھر وطن اور گھر بار کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنا' مہمانداری کرنا' جانی اور مالی مصیبت اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کرنا' یہاں تک کہ بچہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے' یہ کل احکام خلیل الرحمٰن علیہ السلام بجالائے۔ سورج' چاند ستاروں سے بھی آپکی آزمائش ہوئی' امامت کے ساتھ 'بیت اللہ بنانے کا حکم کے ساتھ 'احکام حج کے ساتھ مقام ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ 'حضرت محمد ﷺ کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل! میں تمہیں آزماتا ہوں' دیکھتا ہوں کیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا مجھے لوگوں کا امام بنادے' کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنادے یہاں کے لوگوں کو امن دے' ہمیں مسلمان فرمانبردار بنالے' ہماری اولاد میں اپنی اطاعت گزار ایک جماعت رکھ' یہاں کے لوگوں کو پھلوں کی روزیاں دے' یہ تمام باتیں اللہ عزوجل نے پوری کر دیں اور یہ سب نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں' صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی' کہا تھا کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ کلمات سے مراد آیات بھی ہیں۔

موطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے سب سے پہلے مہمان نوازی کرنیوالے سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے سب سے پہلے مونچھیں ہلکی کرنے والے سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔ سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ! یہ کیا ہے؟ جواب ملا وقار و عزت ہے۔ کہنے لگے پھر تو اے اللہ! اسے اور زیادہ کر۔ سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے' سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے' سب سے پہلے تلوار چلانے والے' سب سے پہلے مسواک کرنیوالے' سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے' سب سے پہلے پائجامہ پہننے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے بھی بنایا تھا اور اگر لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہم علیہ السلام کی سنت ہے۔ مختلف صحابہ و تابعین وغیرہ سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ انہوں نے کہا تھا ہم نے نقل کر دیا اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تھیں' کسی خاص تخصیص کی کوئی قوی وجہ ہمیں نہیں ملی' واللہ اعلم۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں' مونچھیں کم کرنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا۔ ناک میں پانی دینا' ناخن لینا' پوریاں دھونی' بغل کے بال لینا' زیر ناف کے بال لینا' استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا۔ شاید کلی کرنا تھی' بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں' ختنہ کرنا' موئے زہار لینا' مونچھیں کم کرانا' ناخن لینا' بغل کے بال لینا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وفا کرنے والا اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ. يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ ایک روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے' لیکن یہ دونوں احادیث ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعیف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کی روایت ضعف کا ذکر کئے بغیر بیان کرنی جائز نہیں' متن بھی ضعیف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امامت کی خوشخبری سنکر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول تو کیجاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر دیجاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہونگے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ انکی اقتدا اور پیروی کی جائیگی۔ سورہ عنکبوت کی آیت اس مطلب کو اور واضح کر دیتی ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی وہاں ہے ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ یعنی ہم نے انکی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھدی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء اور رسول آئے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں سے تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب آپ ہی کی اولادوں میں ہوئیں' ﴿ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ

عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ ۔﴾ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں ظالم کو امام نہیں بناؤں گا۔ ظالم سے مراد بعض نے مشرک بھی لی ہے۔ عہد سے مراد امر ہے' ابن عباس فرماتے ہیں ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑانہ بنانا چاہئے گو وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہو' حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا ان کی اولاد کے نیکیوں کے حق میں قبول ہوئی ہے۔ یہ بھی معنے کئے گئے ہیں کہ ظالم کا کوئی عہد نہیں کہ اسکی اطاعت کی جائے۔ اس کا عہد توڑ دیا جائے پورا نہ کیا جائے۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا وعدہ اس سے کچھ نہیں' دنیا میں تو خیر کھاپی رہا ہے اور عیش و عشرت کر رہا ہے۔ عہد سے مراد دین بھی ہے' یعنی تیری تمام اولاد دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمِنْ ذُرِّیَّتِھِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ مُبِیْنٌ ﴾ یعنی انکی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی۔ اور اطاعت کے معنی بھی کئے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہے۔ اور عہد کے معنے نبوت کے بھی آئے ہیں۔ ابن خویز منداد مالکی فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مفتی نہ گواہ اور نہ راوی۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب کی اور امن وامان کی جگہ بنائی۔ تم مقام ابراہیم کو قبلہ مقرر کر لو۔

بیت اللہ امن وامان کی جگہ: ﴿ مَثَابَةً ﴾ سے مراد بار بار آنا' حج کر کے گو جائیں لیکن سب کے دل میں لگن لگی رہتی ہے' ہر ہر جگہ سے لوگ بھاگے دوڑے اسکی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں' یہی جمع ہونے کی جگہ ہے' یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی اسکے آس پاس لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن وامان رہتا۔ کسی کو کوئی گالی بھی نہ دیتا' یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی' نیک روحیں اس کی طرف مشتاق رہتی ہیں' گو ہر سال زیارت کریں لیکن تاہم خیال ادھر ہی رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے' آپ ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ ﴿ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ ﴾ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے' یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا۔ سورہ مائدہ میں ہے ﴿ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گرا دیا جائے۔ اس گھر کے شرف کو دیکھ کر پھر اسکے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے شرف کو خیال دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ ﴾ ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیم کو دی (اور کہدیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' اور جگہ ہے ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ ﴾ اللہ کا پہلا گھر مکہ ہے جو برکت وہدایت والا' نشانیوں والا ہے۔

مقام ابرھیم علیہ السلام کیا ہے؟ مقام ابراہیم والا' امن وامان والا' مقام ابراہیم سے مراد کل حرم ہے' اور خاص مقام ابراہیم بھی ہے' اور پورا حج بھی ہے' مثلاً عرفات' مشعر الحرام منیٰ' رمی رجمار' صفا مروہ کا طواف۔ مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کیلئے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا' لیکن حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں یہ غلط ہے' دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بناتے تھے۔ حضرت جابر کی لمبی حدیث ہے کہ جب نبی ﷺ نے طواف کر لیا تو حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا' کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فاروق کے سوال پر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ یہ حکم نازل ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمر نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی ہے۔

حضرت عمر کی فضیلت: صحیح بخاری میں حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی' جو اللہ

تعالیٰ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا۔ میں نے کہا حضور! کاش ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنا لیتے تو حکم ﴿ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾ نازل ہوا۔ میں نے کہا یارسول اللہ! کاش آپ ﷺ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں' اس پر پردے کی آیت اتری۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضور ﷺ اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی کو دے گا' اس پر بھی فرمان باری نازل ہوا کہ ﴿ عَسٰى رَبُّهٗ ﴾ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت مروی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور عبداللہ ابن ابی بن سلول منافق جب مر گیا اور حضور ﷺ اسکے جنازے کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے کہا تھا کہ کیا آپ اس منافق کافر کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے مجھے ڈانٹ دیا اس پر آیت ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ نازل ہوئی اور آپ کو ایسوں کے جنازے سے روک دیا گیا۔

مقام ابراھیم کی مزید تفصیل ابن جریج کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دلکی چال چلے اور چار چکر چل کر کئے۔ پھر مقام ابراہیم کے پیچھے آکر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ﴾۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپ ﷺ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی عمارت بنا رہے تھے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی وہاں لے جاتے تھے اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں۔ اس کا پورا بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔ اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے' جو عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے۔ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے۔

﴿ وَمَوْطِیءُ اِبْرٰهِيْمَ فِی الصَّخْرِ رَطْبَةً عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ ﴾

یعنی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہ کے پیروں کی انگلیاں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں' اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الٰہی بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان دہ ہیں۔ وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ سے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے۔ خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہوگا اور اسی جگہ وہ پتھر رکھا رہا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں۔ پھر ایک مرتبہ پانی کے بہاؤ میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا۔ خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ جب یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا' ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اسے اسکی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے' لیکن یہ روایت مرسل ہے' ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پیچھے رکھا' واللہ اعلم۔

وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۤئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ إِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک صاف رکھو۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں' پھلوں کی روزیاں دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دونگا' پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا' اور یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے۔ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما' تو سننے والا اور جاننے والا ہے اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما' تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم وکرم کرنیوالا ہے۔

احکام بیت اللہ اور مساجد: یہاں عہد سے مراد حکم ہے پاک رکھنا گندی اور نجس اور بری چیزوں سے عہد کا تعدیہ "الی" سے ہوا تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا' کے ہیں پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے بچانا' غیر اللہ کی عبادت وہاں نہ ہونے دینا' لغو کاموں' فضول' بکواس' جھوٹی باتوں' شرک وکفر ہنسی مزاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی شامل ہے۔ طائف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں' اس تقدیر پر ﴿ عَاكِفِيْن ﴾ کے معنے مکہ کے باشندے ہوں گے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہیے کہ لوگوں کو بیت اللہ میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کسی وقت جنبی ہو جائیں ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں' تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہیے۔ ابن عمر ؓ انہیں بھی ﴿ عَاكِفِيْن ﴾ کہتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت فاروق اعظم ؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ؓ سویا کرتے تھے وہ جوان اور کنوارے تھے۔ ﴿ رُكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ سے مراد نمازی ہیں۔ یہ پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی' دوسرے اس لیے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں یہ بات رکھیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَإِذْ بَوَّأْنَا ﴾ الخ اس آیت میں یہی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف۔ امام مالک ؒ فرماتے ہیں باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لئے نماز افضل ہے' اسکی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کی لئے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنی اور خالص اللہ کے پجاریوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح ناانصافی ہے' اس لئے اور جگہ قرآن میں فرمایا کہ ایسے ظالموں کو ہم درد ناک عذاب چکھائیں گے۔ مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود ونصاریٰ کی بھی اس میں تردید ہو گئی کہ جب وہ ابراہیم واسماعیل

علیہ السلام کی افضلیت بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں' جب وہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھر انہیں کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے' جب وہ اسکے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت رب کے لئے بنایا گیا ہے' حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر باوجود ان نبیوں کی تابعداری کے دعویٰ کے کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں' کیوں بیت اللہ میں حاضری نہیں دیتے۔ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس بیت اللہ کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مساجد کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے۔ اور جگہ قرآن میں ہے ﴿ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے مساجد کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے ان میں ان کا نام ذکر کیا جائے' ان میں صبح شام اس کی تسبیح اسکے نیک بندے کرتے ہیں۔

حدیث میں بھی ہے کہ مسجد میں جس کام کیلئے ہیں اسی کیلئے ہیں' اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مساجد کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے (امام ابن کثیرؒ نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے) بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا' لیکن یہ سند غریب ہے بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا حرا' طور سینا' طور زیتا جبل لبنان اور جودی' ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سند غریب ہے۔ بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا' لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا' میں مدینہ کو حرم کرتا ہوں' اس کا شکار نہ کھیلا جائے' یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں' یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لیکر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا کرتے تھے حضور ﷺ اسے لیکر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں' ہمارے شہر میں ہماری ناپ تول میں برکت دے' اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے' میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی تھی میں بھی تجھ سے مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ کیلئے کی تھی بلکہ ایسی ہی ایک اور بھی پھر آپ ﷺ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ کی حرمت: انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ابو طلحہؓ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کوئی بچہ میری خدمت کیلئے لے آؤ' ابو طلحہؓ مجھے لے چلے' میں اب سفر و حضر میں حاضر خدمت رہنے لگا' ایک مرتبہ آپ باہر سے آرہے تھے جب احد پہاڑ نظر پڑا تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں' جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ! میں اسکے دو کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے دوسری روایت میں ہے۔ یا اللہ! جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے۔ اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا یہاں کے درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں۔ اسی مضمون کی دوسری بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں بھی مثل مکہ کے حرم ہے۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ مکرمہ کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور مامن ہے' بعض کہتے ہیں خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے' لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا ہی رہے گا۔ اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے' سنو! اسکے کانٹے نہ کاٹے جائیں' اس کا شکار نہ بھگایا جائے' اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے' ہاں جو اس کے مالک تک پہنچانا چاہے۔ اس کے لئے اٹھانا جائز ہے' اس کی گھاس نہ کاٹی جائے دوسری روایت میں ہے کہ

یہ حدیث آپ نے خطبہ کے دوران بیان فرمائی تھی' اور حضرت عباس ؓ کے سوال پر آپ ﷺ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت ابن شریح عدوی ؓ نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن! فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور ﷺ کو اس وقت دیکھا آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہدینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس ساعت یہاں جہاد حلال تھا پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے۔ لیکن عمرو نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں' حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا (بخاری و مسلم)۔

کوئی ان دونوں احادیث میں تعارض نہ سمجھے' تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ نے کی' جس طرح آنحضرت ﷺ نبی تو اس وقت سے تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم النبیین ﷺ لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ ﷺ کی نبوت کی دعا کی کہ ﴿ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ ﴾ الخ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج' جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و واضح ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی ابتداء نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ بن مریم کی بشارت اور میری ماں کا خواب' وہ دیکھتی ہیں کہ ان میں سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

اس بات کا بیان کہ آیا مکہ افضل ہے مدینہ سے جیسا کہ جمہور کا قول ہے' یا مدینہ افضل ہے مکہ سے جیسے کہ امام مالک ؒ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے' انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے جیسے کہ فرمایا ﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا' اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴾ الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا لوگ اسکے پاس سے اچک لئے جاتے ہیں اور یہاں وہ پرامن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیات بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی احادیث بھی اوپر گزر چکی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم)۔ آپ ﷺ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بناء سے پہلے تھی اس لئے کہا کہ اے اللہ! اس جگہ کو امن والا شہر بنا۔ سورہ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی' جب بیت اللہ تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے' اسی لئے اس دعا کے آخر میں انکی پیدائش کا شکریہ بھی ادا کیا۔

کافروں کے لئے صرف دنیاوی فائدہ ہے: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' بعضوں نے اسے بھی دعا میں داخل کیا ہے' تو اس تقدیر پر مطلب یہ ہو گا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر' اس میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے بھی مخالف ہیں' اور اسے کلام اللہ ماننے پر یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لئے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرماں ہوں گے تو اب مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والوں کی روزی کی طلب بھی صرف ایمان دار اولاد کے لئے کی'

مگر ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی میں دیتا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ كُلاًّ نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ﴾ الخ یعنی ہم انہیں اور ان کو فائدہ دیں گے' تیرے رب کی عطاء رکی ہوئی نہیں۔ اور جگہ ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا کا کچھ فائدہ گو اٹھالیں لیکن ہماری طرف آکر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے ہماری طرف یہ لوٹیں گے اور ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے' ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر سخت عذاب کی طرف بیقرار کریں گے۔ اور جگہ ہے ﴿ لَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ ﴾ الخ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کو چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر تکیے لگائے بیٹھے رہے اور سونا بھی دیتے' لیکن یہ سب دنیاوی فوائد ہیں آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

یہی اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے' یہاں عیش کر لیں پھر وہاں سخت پکڑ ہوگی' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ﴾ الخ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر پکڑ لیا' انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں' لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر انہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ﴾ الخ اس جملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں شامل کرنا شاذ قرأت کی بنا پر ہے جو سات قراء کی قرائت کے خلاف ہے' اور ترکیب سیاق و سباق بظاہر اس کا انکار کرتی ہے' واللہ اعلم' اس لئے کہ ﴿ قَالَ ﴾ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اس شاذ قرأت کی بناء پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہوتے ہیں جو نظم کلام سے بظاہر مخالف ہے' واللہ اعلم۔

قواعد جمع ہے ﴿ قَاعِدَةٌ ﴾ کی ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے نبیؐ! اپنی امت کو بناء ابراہیمی کی خبر دو' ایک قرأت میں ﴿ وَاِسْمٰعِيْلُ ﴾ کے بعد ﴿ وَيَقُوْلَانِ ﴾ بھی ہے اسی کی دلالت میں آگے لفظ ﴿ مُسْلِمَيْنِ ﴾ بھی ہے' دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت وہیب ؒ جب اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو بہت روتے اور فرماتے آہ خلیل الرحمٰن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر الٰہی کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں' اس کا گھر اسکے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خطرہ ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گر نہ جائے' سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے ﴿ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ وہ نیک کام کرتے ہیں' صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف الٰہی سے کانپتے رہتے ہیں (کہ ایسا نہ ہو قبول نہ ہوں)۔ حضرت عائشہ ؓ کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت مآب ﷺ سے بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ کمربند باندھنا عورتوں نے حضرت اسماعیل کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے' انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت سارہ ؓ کو ان کا نقش قدم نہ ملے۔ انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جب کہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

یہ بھی ہے زندگی: اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا اور سنسان بیابان پڑا ہوا تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا' یہاں لا کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے۔ جب خلیل اللہ واپس جانے کے لئے پلٹے تو حضرت ہاجرہؓ آوازیں دینے لگیں کہ اے خلیل اللہ! ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں اکیلا و تنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی مونس و

ہمدم نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی 'پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

حضرت ہاجرہ کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل! آپ ہمیں کسے سونپ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کو۔ کہا اے خلیل اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ کو تسکین ہو گئی اور فرمانے لگیں 'پھر تشریف لے جایئے وہ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک 'اپنی آنکھوں کے نور 'ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہ پیچھے نہیں ہیں اور یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا ﴿ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ الخ یا اللہ! میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے 'شاید وہ شکر گزاری کریں' آپ تو یہ دعا کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر 'اپنی بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے چل دیئے۔

ادھر مائی صاحبہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لیں 'وہ تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا اب نہ کھانے کو کچھ ہے اور نہ پینے کو پانی کا ایک قطرہ خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اسے معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا۔ ماماتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے 'کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے 'معلوم ہے کہ کسی انسان کا گزر اس بھیانک جنگل میں نہیں 'میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں 'کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا۔

صفاء اور مروہ کی سعی کی ابتداء: آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال دیکھا نہ جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آ جائے 'لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں 'تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مروہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں 'اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح ان دونوں پہاڑیوں کا درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں ہر چکر کے بعد آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑتی جا رہی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں صفا و مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہی ہے۔) ساتویں مرتبہ جو مائی صاحبہ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کانوں میں پڑتی ہے تو آپ خاموش ہو کر احتیاط سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اب کی مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور (اب جہاں زمزم ہے) وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پاتی ہیں۔

صبر کا پھل میٹھا ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں کہ میں ہاجرہ ہوں 'میں (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے کی ماں ہو۔ جبرائیل (ابراہیم علیہ السلام) تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتیں ہیں اللہ کو۔ فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا اے غیبی شخص! آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی 'وہیں زمین میں سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہؓ نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا 'مشک پر کر کے پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے آس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں 'اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہ السلام پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ

ہو تا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہو تا ۔) اب حضرت ہاجرہ ؓ نے پانی پیا اور بچے کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے کہا کہ تم بے فکر رہو اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا' جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا۔ حضرت ہاجرہ ؓ نے اب یہیں رہائش اختیار کر لی' زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں' بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی ادھر ادھر سے پانی گزر جاتا اور یہاں امن رہتا۔ کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ کداء کے راستہ کی طرف سے اتفاقا گزرا اور مکہ مکرمہ کے نیچے کے حصہ میں پڑاؤ کیا' ان کی نظریں ایک آبی پرندہ پر پڑیں' آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کا ہے' اور یہاں پانی کبھی نہ تھا' ہماری آمدورفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی' یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے' یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجے' انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے' اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسماعیل سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں' پانی کی جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں حضرت ہاجرہ ؓ تو چاہتی ہی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے' چنانچہ اس قافلہ نے یہیں پڑاؤ کر لیا۔

حضرت اسماعیل کا پہلا نکاح: حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا' اور انہیں سے عربی زبان بھی سیکھی' مائی ہاجرہؓ کا انتقال یہیں ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی' تو آپ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا۔ ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں تو حضرت اسمعیل علیہ السلام گھر پر نہ ملے' اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے؟ بڑی تنگی اور سختی ہے' فرمایا اچھا جب تمہارا خاوند آئے انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا۔ پوچھا کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے' آپ کی نسبت پوچھا' میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں' پھر پوچھا کہ گزران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہے۔ پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے ہیں کہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا' اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں' آپ فرمانے لگے بیوی سنو! یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو الگ کر دوں' (چونکہ تم نے ناشکری کی) جاؤ میں نے طلاق دی۔ انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام باجازت الٰہی یہاں آئے اس مرتبہ بھی اتفاقا حضرت ذبیح سے ملاقات نہ ہوئی' بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے روزی کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں' آپ آیئے تشریف رکھیئے جو کچھ حاضر ہے وہ تناول فرمایئے' آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ گزر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا کہ الحمد للہ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل اللہ کشادگی اور راحت ہے' اللہ کا بڑا شکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی۔ آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔ (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو (حضرت) خلیل (علیہ السلام) ان کے لئے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے' اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گزارہ کر سکتے ہیں دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔) آپ نے فرمایا اچھا میں جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں' از اں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے سارا واقعہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے'

مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گزار ہو)۔

بیت اللہ کی تعمیر: پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا' حضرت اسماعیل علیہ السلام باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور باادب ملے۔ جب باپ بیٹا مل کر فارغ ہوئے تو حضرت ابراھیم نے فرمایا' اے اسماعیل! مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے' آپ نے فرمایا ابا جان جو حکم ہوا ہو اس کی تعمیل کیجئے۔ کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے۔ میں حاضر ہوں' کہا اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے کہنے لگے بہت بہتر۔ اب باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی نیو رکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لا لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چنتے جاتے تھے' جب دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے' اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمانا' تو سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصلا' ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے۔

اوپر کی لمبی روایت' حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا' جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم! جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو' کمی زیادتی نہ ہو۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے۔ لیکن پہلی ہی روایت ٹھیک ہے اور اسی طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بناء پہلے رکھدی تھی لیکن بنایا بعد میں' اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علیؓ سے بناء بیت اللہ کی شروع کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ۔ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہئے کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہئے (وغیرہ) اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے وہاں تم میرا گھر بناؤ۔ آپ نے بنانا شروع کیا' جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈھ لاؤ' آپ پتھر ڈھونڈھ لائے تو دیکھا کہ اباجان اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں' پوچھا یہ کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبرائیل آسمان سے لے آئے۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی یہیں سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کعبۃ اللہ بنانے کے لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ارمینیہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبرئیل علیہ السلام ہند سے لائے تھے اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا پورے لوگوں کے خطاکار ہاتھوں سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بنیادیں پہلے سے موجود تھیں' انہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر شروع کی۔ عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے تھے اس وقت ان کا قد لمبا تھا زمین پر آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے' جب قد گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہو گئیں تو گھبرانے لگے' حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ۔ آدم علیہ السلام چلے جہاں جہاں آدم علیہ السلام کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک یاقوت اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا' حضرت آدم علیہ السلام یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے' گھبراہٹ جاتی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا۔ حضرت آدم علیہ

السلام نے یہ گھر حراء طور زیتا طور سینا اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا۔ لیکن ان تمام روایات میں تضاد ہے واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بنانے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے تھے تو اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا دور پر عمالیق کی آبادی تھی یہاں آپ اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی حاجرہؓ کو ایک چھپر تلے بٹھا گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت للہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں۔ پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑ یئے گواہی دیں گے۔ پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں۔ ذوالقرنین خوش ہوگئے اور کہنے لگے میں نے مان لیا۔ ارزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قواعد بنیان اور اساس کو کہتے ہیں یہ ﴿ قَاعِدَةٌ ﴾ کی جمع ہے قرآن میں اور جگہ ﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ اس کا مفرد بھی قاعد ہے۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیم علیہ السلام سے گھٹا دیا میں نے کہا! آپ ﷺ اسے بڑھا کر اصلی بنا پر کر دیں۔ فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب کا نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا۔ حضرت ابن عمر ؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس کے دو ستونوں کو چھوتے نہ تھے۔ صحیح مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اے عائشہ! اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نیا نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر ڈالتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کے لئے۔ چنانچہ ابن زبیر ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بناء ابراہیمی پر بناتا۔ اور روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے۔

قریش مکہ کا بیت اللہ کی تعمیر میں کمی کرنا:

نبی ﷺ کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو۔ اس بناء میں خود حضور ﷺ بھی شریک تھے پینتیس سال آپکی عمر تھی اور پتھر آپ ﷺ بھی اٹھاتے تھے۔ ابن اسحاق ؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول مقبول ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی اس وقت قریش نے کعبہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں چھت نہ تھی دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے درمیان میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ مال "دویک" نامی آدمی سے برآمد ہوا تھا جو خزاعہ کے قبیلے بنی ملیح بن عمرو کا مولی تھا ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لئے ہوگئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ لگی تھی یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں اس لئے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی کو جو قبطی قبیلے میں سے تھا چھت کا کام سونپا۔

یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بہت بڑا اژدھا تھا جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا۔ یہ سانپ ہر روز اس کنوئیں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا وہ اسے پکڑ کر لے اڑا۔ قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی ہمارے پاس موجود ہے سانپ کو بھی

اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کا اتارا جو اسکے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا۔ اس نے تمام قریش کو خطاب کر کے کہا' سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال ہی خرچ کرے' اس میں زناکاری کا روپیہ' سودی بیوپار کا روپیہ ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا۔ اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں' حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنو مخزوم بنائیں قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبۃ کا پچھلا حصہ بنو جمح اور بنو سہم بنائیں' حطیم کے پاس کا حصہ بنو عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو عدی بن کعب بنائیں۔ یہ معاملہ طے پا جانے کے بعد بیت اللہ کی پہلی عمارت گرانے کا مسئلہ پیش آیا کہ انہیں جدا کر کے۔ لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ اسے گرانا شروع کرے۔

آخر ولید بن مغیرہ نے کہا لو میں شروع کرتا ہوں۔ کدال لے کے اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے 'اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں' یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا۔ قریشیوں نے کہا بس اب چھوڑ دو اور رات بھر انتظار کرو اگر اس شخص پر کوئی وبال آجائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا رب کو ناپسند نہیں پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں شروع ہو جانا۔ چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی' اب سارے آگئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا۔ یہاںتک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے' یہاں سبز رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے' ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر انکی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دیا۔

نبوت سے پہلے اعزاز اور حجر اسود' نصب کرنے کا قصہ: پھر ہر قبیلے نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بننی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے۔ اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے' آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آگئی قبیلے آپس میں کھچ گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بنو عبد دار اور بنو عدی نے ایک برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے' اسی طرح چار پانچ دن گزر گئے۔ پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں' تو ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ عمر اور عقلمند تھے کہا سنو! لوگو! تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو' لیکن پھر منصف بنانے میں اختلاف ہو گا اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ آئے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے ہم آپ کے حکم پر رضامند ہیں یہ تو امین ہیں یہ تو محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سب آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ! وہ لے آئے۔ آپ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا۔ پھر فرمایا ہر قبیلے کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے' اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اونچا کیا۔ جب اسکے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع' اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے

ہاتھوں اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا (حضور پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ ﷺ کو "امین" کہا کرتے تھے)۔ اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا' قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا' پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا۔ ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔

کعبہ کی یہی عمارت رہی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیرؓ کو مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور ﷺ کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا' حطیم اندر شامل کر دیا' مشرق مغرب دو دروازے رکھے ایک اندر آنے کا اور دوسرا باہر جانے کا' اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا۔ آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا' یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے' اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنالیا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جبکہ شامیوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا اس وقت حضرت عبداللہؓ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا' موسم حج کے موقعہ پر لوگ جمع ہوئے انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اس کے بعد آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کعبہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بناؤں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اسکی اصلاح کر لوں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی مرمت کر دیں باقی سب پرانا ہی رہنے دیں' آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو کیا وہ خوش نہ ہو گا کہ اسے نئے سرے سے بنائے' پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو۔ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا پھر جو سمجھ میں آئیگا وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑ دیجائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کیا جائے' چنانچہ یہ حکم دیدیا۔ لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا اسپر عذاب نازل ہو گا' لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور ان نے ایک پتھر توڑا' جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو پھر سب نے گرانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔

اب بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا وہ کہتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے بناتا ایک آنے کا اور ایک جانے کا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے میرے پاس کافی روپیہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضور ﷺ کی تمنا پوری نہ کروں' چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم میں سے اندر لے لیا اور اب جو کھدائی کی ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ کا تھا اب اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو طول چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا' ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے' یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ مکرمہ کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے۔ لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو گرا کر پھر عبدالملک کے کہنے کے مطابق بنا دیا' لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بناء کو باقی رکھا جاتا' اس لئے کہ حضور ﷺ کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

عبدالملک بن مروان کا افسوس کرنا: لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی اس لئے اس نے اسے تڑوادیا' جب اسے حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم اسے یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑواتے' چنانچہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبداللہ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہ ؓ سے یہ حدیث نہ سنی ہوگی۔ حارث نے کہا ضرور سنی تھی خود میں نے بھی مائی صاحبہ ؓ سے سنا ہے۔ پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہ! تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب کا نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے انکی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آ'میں تجھے اصلی نیو بتادوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اسکی اصلیت پر بنانا چاہے' تو آپ ﷺ نے حضرت صدیقہ ؓ کو حطیم میں قریباً سات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اسکے دو دروازے کر دیتا ایک اندر آنیکا اور ایک جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا ایک مشرق رخ رکھتا دوسرا مغرب رخ' جانتی بھی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے آپ نے فرمایا حضور مجھے خبر نہیں۔ فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لئے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں داخل نہ ہونے دیں جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دیدیتے وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔ عبدالملک نے کہا اے حارث! تم نے خود اس حدیث کو (حضرت) عائشہ ؓ سے سنا ہے انہوں نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے' پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک ابن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ؓ کو کوس کر کہا کہ وہ (حضرت) عائشہ ؓ پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارث ؓ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے میں نے بھی (حضرت) عائشہ صدیقہ ؓ سے یہ سنا ہے۔ اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ قاضی عیاض ؒ اور امام نووی ؒ نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک ؒ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر ؓ کے بنائے ہوئے کے مطابق بنادوں۔ امام مالک ؒ نے فرمایا آپ ایسا نہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ کعبہ بھی بادشاہوں کھلونا بن جائے جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے۔ چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کریگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ کر دیگا' اسکا غلاف لے جائیگا اور اسکا خزانہ بھی' وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا' میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے۔ غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جسکے دیکھنے سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ کا حج و عمرہ کرو گے۔

حضرت خلیل اللہ و ذبیح اللہ کی دعائیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنالے یعنی مخلص بنالے' مطیع بنالے' موحد بنا' شرک سے بچا ریاکاری سے محفوظ رکھ' خشوع و خضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیع ؒ فرماتے ہیں مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں' جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا ﴿ قَدْ فَعَلْتُ ﴾ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی' پھر اپنی اولاد کیلئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل بھی آپ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی' قرآن میں ہے ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم

میں ایک جماعت حق و عدل پر تھی۔ لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کیلئے یہ دعا ہے گو عام طور پر دوسروں کو بھی شامل ہو اس لئے کہ اسکے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفے ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا ﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ لیکن اس سے آپکی رسالت خاص نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے عرب عجم سب کیلئے جیسے فرمایا ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ﴾ کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہئے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں ﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ﴾ اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمایا اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں ﴿ وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری صدقہ عالم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم)۔ پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام حج و ذبح وغیرہ سکھا۔ کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لے کر صفا پر آتے ہیں اور پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں پھر منیٰ کی طرف لے چلے عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر کہہ کر اسے کنکر مارو ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث ناامید ہو کر چلا گیا اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقعہ نہ ملا اور مایوس ہو گیا یہاں سے آپ کو مشعر الحرام میں لائے پھر عرفات میں پہنچایا پھر تین مرتبہ پوچھا کہو سمجھ لیا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾

اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیات پڑھے انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

دعائے ابراہیمی کا ظہور: اہل حرم کے لئے یہ اور دعا ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین ﷺ اس وقت سے ہوں جب کہ آدم علیہ السلام بھی مٹی کی صورت میں تھے میں تمہیں ابتدائی امر بتاؤں میں اپنے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ابوامامہ ؓ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنے ابتدائی حالات تو ہمیں بتایئے۔ آپ نے فرمایا میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئیں۔ آپ ﷺ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی سے مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ بطن

آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہو گا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کے خاتم حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا نام بھی بتادیا اور فرمایا' لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' مجھ سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق میں کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے (ﷺ) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے' خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائیگا۔

بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائیگا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسی علیہ السلام شرقی سفید مینارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری و مسلم میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔ صحیح بخاری میں اتنا اضافہ اور ہے کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے جواب میں کہا گیا کہ یہ بھی مقبول ہے اور یہ پیغمبر آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ اور مقاتلؒ بن حیان اور ابو مالکؒ وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی طاعت واخلاص سکھانا' بھلائیاں کرنا' برائیوں سے بچانا' اطاعت الٰہی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا' اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی' جو ہر چیز پر غالب ہے' وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں' وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت و عدل علم کے ساتھ رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ۭ

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا' اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے ہے' جب کبھی بھی انہیں انکے رب نے کہا مان لے' انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی مان لی' اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی' کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمالیا ہے' خبردار تم مسلمان ہی مرنا۔

دین ابراہیمی کے دعویدار مشرکین کا ذکر: ان آیات میں بھی مشرکین کا رد ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیروکار بتاتے تھے حالانکہ وہ مکمل طور پر مشرک تھے اور حضرت خلیل اللہ تو موحدوں کے امام تھے توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے' عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا' بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اور ان سب سے بیزار تھے اسی پر قوم سے الگ ہوئے' وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی پرواہ نہ کی' اور صاف کہدیا کہ ﴿ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ الخ میں بیزار ہوں اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو' میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے' میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ اور جگہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہدیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں' میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں' وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔ اور جگہ ہے ﴿ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ الخ ابراہیم (علیہ السلام) اپنے والد کے لئے بھی صرف ایک وعدے کی بناء پر استغفار کرتے تھے لیکن

جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔ اور جگہ ہے ابراہیم علیہ السلام مخلص اور مطیع امت تھے مشرک ہر گز نہ تھے' رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے' اللہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے' دنیا کے اچھے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہوں گے۔ ان آیات کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ہدایت کیلئے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی' خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا تھا' آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہونگے' ان کے مسلک و ملت کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہو گا؟ اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا ﴾ الخ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ موحد مسلمان اور مخلص تھے ان کے قریب وہی ہیں جو ان کی مانیں اور یہ نبی اور ایماندار' اللہ بھی مومنوں کا ولی ہے۔ جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا' اسی ملت وحدانیت کی وصیت ابراہیم ویعقوب نے اپنی اولاد کو کی۔ ﴿ ھا ﴾ کی مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد ﴿ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ہے دیکھئے ان کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت و عزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عامل رہے اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کی جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ ﴾ ہم نے اسے ان کی اولاد میں بھی باقی رکھا۔ بعض سلف نے ﴿ وَيَعْقُوْبَ ﴾ بھی پڑھا تو "بنیہ" پر عطف ہو گا اور مطلب یہ ہو گا کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیری ؒ کہتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن یہ صرف دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں' واللہ اعلم۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن کی آیت میں ہے ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ یعنی ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی۔ اور اس کا نصب خفض کا ہٹا کر بھی پڑھا گیا ہے' پس اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورہ عنکبوت میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق حضرت یعقوب عطا فرمائے اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب دی۔ اور آیت میں ہے ہم نے اسے اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام زائد عطا فرمایا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی تھے۔ اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔

حضرت ابوذر ؓ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں یارسول اللہ ﷺ! کونسی مسجد پہلے تعمیر کی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام۔ پوچھا پھر؟ فرمایا مسجد بیت المقدس۔ میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا چالیس سال الخ۔ ابن حبان ؒ نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان کے فاصلے کا یہ بیان ہے حالانکہ یہ قول بالکل مخالف ہے' ان دونوں انبیاء کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی' بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان علیہ السلام الرحمٰن تو اس کی مرمت کرائی تھی' اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی جس کا ذکر بھی آرہا ہے۔ وصیت اس امر کی ہوئی ہے کہ زندگی میں احسان والے رہو تاکہ موت بھی اس پر آئے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی: عموماً انسان زندگی میں جس چیز پر رہتا ہے اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتا ہے اسی پر اٹھے گا

بھی 'اللہ کی عادت اسی طرح ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر غالب آ جاتی ہے اور جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے 'لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے یا برے ظاہری طور پر ہوتے ہیں حقیقی طور پر نہیں' چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہے۔ قرآن کہتا ہے سخاوت' تقویٰ اور ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کی تصدیق کرنے والے کے لئے ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بخل وبے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

کیا(حضرت) یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے 'اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے' یہ جماعت تو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال سے تم نہ پوچھے جاؤ گے۔

ازل سے لے کر ابد تک صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے: مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی۔ ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود برحق کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لڑکے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تغلیب کے آ گیا ہے کیونکہ آپ حضرت یعقوب کے چچا ہیں' (علیہم السلام) اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔

اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری میں موجود ہے 'ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کا مذہب بھی یہی ہے' حسن بصری ؒ' طاؤس ؒ اور عطاء ؒ بھی یہی کہتے ہیں' امام ابو حنیفہ ؒ اور بہت سے سلف و خلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک ؒ' امام شافعی ؒ اور ایک مشہور روایت میں امام احمد ؒ سے منقول ہے کہ دو بھائیوں بہنوں کو بھی وارث کہتے ہی' حضرت عمر ؓ' حضرت عثمان ؓ' حضرت علی ؓ' حضرت ابن مسعود ؓ' حضرت زید بن ثابت ؓ اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے' قاضی ابو یوسف ؒ اور محمد بن حسن بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابو حنیفہ ؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کرینگے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے' اور ہم

اس کی اطاعت گزاری' فرمانبرداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہا کریں گے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَهٗ اَسْلَمَ ﴾ الخ زمین و آسمان کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اسکی مطیع ہے اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء علیہ السلام کا دین یہی اسلام رہا ہے' اگرچہ احکام میں جدائی رہی ہے جیسے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیات بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہم علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ امت ہے جو گزر چکی تمہیں ان کی طرف کی نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے' انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے اور تمہاری کرنی تم جو کچھ کرو گے وہ تمہارے ساتھ' تم انکے کاموں کے بارہ میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث مبارکہ میں ہے جس کا عمل دیر لگائے اس کا نسب جلدی نہ کرے گا۔

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

یہ کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں' اور (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) مشرک نہ تھے۔

عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہم ہیں تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے متبع ہیں جو استقامت والے' اخلاص والے' حج والے' بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے' استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے' اللہ کی فرمانبرداری کرنیوالے' تمام رسولوں پر ایمان لانے والے' لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے' ماں بیٹی خالہ پھوپھی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے' یہ سب معنے حنیف کے مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۠ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

(اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم (علیہ السلام) اسماعیل (علیہ السلام) اسحاق (علیہ السلام) یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی ور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء علیہ السلام دیئے گئے' ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد ﷺ پر اترا اس پر تفصیل وار ایمان لائیں اور جو آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر اترا اس میں بھی اجمالاً ایمان لائیں' ان اگلے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوں کا مجمل ذکر کر دیا' ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر

جائیں، جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے کسی کو مانتے تھے کسی سے انکاری تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، نصرانی حضرت محمد ﷺ کو، حجازی عرب موسیٰ، عیسیٰ اور محمد ﷺ تینوں کو نہیں مانتے تھے ان سب کو فتویٰ ملا کہ ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ﴾ یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں اہل کتاب توراۃ کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سناتے تھے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو، کہہ دیا کرو کہ اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ نبی ﷺ صبح کو دو سنتوں میں پہلی رکعت یہ آیت ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ﴾ پوری آیت اور دوسری رکعت میں آل عمران آیت ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

اسباط کی تشریح: اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو کہتے ہیں جو بارہ تھے جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے۔ بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل سے بنی اسرائیل ہیں، ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِذْجَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ الخ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء اور بادشاہ بنائے۔ اور جگہ ہے ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا ﴾ ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔ ﴿ سبط ﴾ کہتے ہیں تابع کو یہ بھی ایک کے پیچھے ایک تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ ماخوذ ہے ﴿ سَبَطٌ ﴾ سے ﴿ سبط ﴾ کہتے ہیں درخت کو، یعنی یہ مثل درخت کے ہیں جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ کل انبیاء علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے، نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل، محمد علیہم الصلوۃ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ ہمیں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لئے صرف قرآن و حدیث ہی ہے، ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں توراۃ، زبور، انجیل، پر ایمان رکھو لیکن (عمل کے لئے) قرآن کافی ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو راہ پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب کفایت کرے گا، وہ خوب سننے جاننے والا ہے، رنگ دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہو گا ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

نجات پانے کے لئے شرط: یعنی اے ایماندار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت و نجات پائیں گے، اور اگر باوجود قیام حجت کے پھر بھی باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف پر ہیں، اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تجھے کفایت کرے گا وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن ابی نعیم کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان ؓ کی تلاوت والا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمان ؓ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ انکی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑا تھا ﴿ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافع ؓ نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ رنگ سے مراد دین ہے اور اس کا زبر بطور اغراء کے ہے جیسے

فطرۃ اللہ میں' مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو اس پر چمٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں یہ بدل ہے ﴿ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں یہ مصدر موکد ہے ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ ﴾۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا اے رسول اللہ علیہ السلام! کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ آواز آئی ان سے کہدو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں۔ یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ع ۱۶

کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے' ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال' ہم تو اسی کے لئے خلوص کرنے والے ہیں' کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہدو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں' یہ امت ہے جو گزر چکی' جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے' تم ان کے اعمال سے سوال نہ کئے جاؤ گے۔

حقیقی دین' دین اسلام ہے: مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی علیہ السلام کو دے رہا ہے کہ تم ان کو کہو کہ ہم سے اللہ کی توحید' اخلاص اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے' ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے' ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے' ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ ﴾ الخ یعنے اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو' تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ فَاِنْ حَآجُّوْكَ ﴾ یہ تجھ سے جھگڑیں تو' تو کہدے "میں علیہ السلام نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے الخ"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا ﴿ اَتُحَآجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ ﴾ اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ اور جگہ ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ ﴾ 'تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیم (علیہ السلام) سے اسکے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا' پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے' ہم تم سے بیزار تم ہم سے الگ' ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یکسوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی' تم اے یہودیو! اور اے نصرانیو! کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو' کیا تمہارا علم اللہ سے بڑھ گیا' اللہ نے

تو صاف فرمادیا ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ خالص مسلمان تھے۔ ان کا اللہ کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے' محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے' لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔ پھر فرمایا تمہارے اعمال اللہ پر پوشیدہ نہیں اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہ تنبیہ کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی تم جب تک ان کے نقش قدم پر نہ چلو' صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے' ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بد اعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔ "جو کرے وہی بھرے"۔ تم نے جب ایک نبی کی تکذیب کی تو گویا تمام انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا' بالخصوص اے وہ لوگو! جو نبی آخر الزمان ﷺ کا مبارک زمانہ میں ہو تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے' تم نے اس نبی ﷺ کو جھٹلایا جو سید الانبیاء ﷺ ہیں' جو ختم المرسلین ہیں' جو رسول رب العالمین ﷺ ہیں۔ جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے' جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار درود و سلام آپ ﷺ پر نازل ہوں اور آپ ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ تفسیر ابن کثیر اردو کا پہلا پارہ ختم ہوا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ تو کہہ دے (اے نبی) کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔ ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں، جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کریگا، اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

قبلہ کی تبدیلی: کہا جاتا ہے کہ یہ "بیوقوف" لوگوں سے عرب کے مشرکین مراد ہیں ایک قول ہے کہ علماء یہود مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منافقین مراد ہیں، صحیح بخاری میں حضرت براء؄ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، آپ کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ خانہ کعبہ ہو۔ چنانچہ حکم ملنے کے بعد آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلی نماز عصر کی پڑھی۔ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک شخص ایک مسجد کے پاس سے گزرا وہاں لوگ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا "اللہ کی قسم میں نے مکہ کی طرف رخ کر کے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے" یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے اور ایسے لوگ جو تبدیلی قبلہ سے قبل انتقال کر گئے اور بہت سے تھے جو شہید ہوئے۔ لوگوں کو معلوم نہ تھا ان کی نمازوں کے بارے میں کیا کہیں؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ ﴾ نازل فرمائی "یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے ایمان ضائع نہ کرے گا"، صحیح مسلم میں یہ روایت دوسری طرح سے ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر آسمان کی جانب نظریں اٹھا کر حکم کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿ قَدْ نَرٰى تقلب ﴾ الخ اور کعبۃ اللہ قبلہ مقرر ہوا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کاش ہم کو ان لوگوں کا حال معلوم ہو تا جو سمت قبلہ بدلنے سے قبل وفات پا گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ نازل فرمائی۔

اہل کتاب میں سے بعض بیوقوفوں نے اس تبدیلی قبلہ پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ ﴾ نازل فرمائی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تھا۔ اس سے یہودی بہت خوش تھے، مگر آپ قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے چنانچہ جب قبلہ کی تبدیلیاں کا حکم ہوا تو یہودیوں نے حسد کی بنا پر اعتراضات کئے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرق اور مغرب سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ الخ اس بارے میں

دیگر کافی احادیث بھی مروی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ مکہ میں دور کنوں کے درمیان صخرہ بیت المقدس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان دونوں کو جمع کرنا ناممکن ہو گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کو اس بات کا حکم قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا یا کسی دوسرے ذریعہ سے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے کئی ماہ بعد تک آپ اسی پر عامل رہے اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ سے تبدیلی قبلہ کے خواستگار تھے بالآخر دعا قبول کی گئی بیت اللہ کی طرف پہلی نماز عصر پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ نماز ظہر تھی۔

حضرت ابو سعید ابن المعلی ؓ نے کہا کہ میں نے اور میرے ساتھی نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے اور دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ کی طرف پڑھیں' اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلے والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلم ؓ فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جو ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز ہی میں گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آگئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے' کہ اچانک کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لازم ہونا اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے۔ گو وہ حکم پہلے ہی نازل ہو چکا ہو کیونکہ اس لئے کہ ان حضرات کی عصر مغرب اور عشا کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا' واللہ اعلم۔

اب باطل پرست کمزور عقیدے والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے' کبھی اسے قبلہ کہتا ہے کبھی اسے۔ انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو اسی طرف اس کا منہ ہے' بھلائی کچھ اسی میں نہیں آگئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے۔ جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں اطاعت کے معنی اس کی حکم برداری کے ہیں اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا منہ پھیر لیں گے۔ امت محمدیہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمٰن ؑ کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی اللہ وحدہ لاشریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور جسے تمام تر فضیلتیں حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بڑا حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اور بڑا حسد ان کو ہماری آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔

پھر فرمایا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو اور تم دوسری امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں۔ وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں' اور کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوٰۃ وسطے یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بہتر' افضل اور اعلیٰ ہے اس لئے انہیں شریعت بھی کامل ملی راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا۔ جیسے فرمان ہے۔ ﴿ هُوَ اجْتَبَاكُمْ ﴾ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تمہارے باپ ابراہیم کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوحؑ کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں یا اللہ پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی امت کو بلایا جائیگا اور ان سے پوچھا جائے گا۔ کہ کیا نوح (علیہ السلام) نے میری باتیں تمہیں پہنچائیں تھیں؟ وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ نوحؑ سے کہا جائے گا کہ تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو۔ وہ کہیں گے کہ ہاں محمد (ﷺ) اور آپ ﷺ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب اس آیت ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ ﴾ کا ہے۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں۔ اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)۔ مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی، اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے۔ نبی سے پوچھا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں، کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت۔ پس محمد ﷺ اور آپ کی امت بلائی جائے گی ان سے یہی سوال ہو گا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے، اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿ وَ كَذٰلِكَ ﴾ کا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی ﴿ عَدْلًا ﴾ آیا ہے۔ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے۔ تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاءؑ نے احق رسالت ادا کیا تھا۔

واجب ہو گئی؟ مستدرک حاکم میں ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگ کہنے لگے حضور! یہ بڑا نیک آدمی بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا، اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور! پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن ظاہر میں تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی۔ پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے۔ لوگ کہنے لگے حضرت! یہ برا آدمی تھا، بڑا بدزبان اور کج خلق تھا۔ آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے یہ کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی۔ محمد بن کعبؒ اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول ﷺ سچے ہیں، دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے **وَكَذٰلِكَ** الخ مسند احمد میں ہے ابوالاسودؒ فرماتے ہیں، میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی۔ لوگ بکثرت مر رہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی۔ میں نے کہا امیر المومنین! کیا واجب ہو گئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار آدمی دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ ہم نے کہا، حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہوں؟ آپ نے فرمایا دو بھی۔ ہم نے ایک کی بابت سوال نہ کیا۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے، قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور! کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ پہلا قبلہ صرف امتحان کے طور پر تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ کام فی

الحقیقت بہت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان ویقین ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار ہیں' جو جانتے ہیں کہ حضور ﷺ جو فرمائیں سچ ہے' جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے مٹائے جو چاہے باقی رکھے اس کا ہر کام ہر حکم حکمت سے پر ہے اور ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔

قبلہ کی تبدیلی امتحان کیلئے تھی ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا اور انہیں نیا ورد اٹھا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ وَ اِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ ﴾ جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمان داروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ﴾ یعنی ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے لئے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپن ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴾ یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لئے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے' اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اسی میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرماں برداری ثابت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر کتنا شفیق ومہربان ہے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارا ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی۔ انہیں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف ورحیم ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملتا تو قیدیوں میں سے جس بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا' خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھالیا' سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا بتاؤ کیا تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈالدے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ہم نے تیرے چہرے کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا' اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو' اپنا چہرہ اسی طرف پھیرا کرو۔ اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں۔

قبلہ ابراہیمی رسول اللہ ﷺ کی چاہت تھی: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قرآن میں پہلا نسخ قبلہ کا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی' یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم کیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی' آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالآخر آیت ﴿ قَدْ نَرٰی ﴾ الخ نازل ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے؟ جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ پہلا قبلہ بطور امتحان کے تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ جہت کعبہ کی ہونا کافی ہے' اور یہی مذہب اکثر آئمہ کرام کا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مراد اس کی طرف ہے۔ ابوالعالیہ مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' قتادہ' ربیع بن انسؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

ابن جریج میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کا اور مسجد قبلہ ہے اہل حرم کا اور حرم قبلہ ہے تمام زمین والوں کا خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابونعیم میں بروایت براءؓ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند یہ امر تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں' چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ وہ سنکر جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے اضافے کے ساتھ مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ میں بھی بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿قد نری﴾ الخ تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں اس سے پہلے ہی ہم نے اس نئے حکم میں تعمیل کریں اور اول فرماں بردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضور ﷺ بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمرؓ مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں بروایت نویلہ بنت مسلمؓ موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے اور رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آکر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی۔ اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں' آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے ابن مردویہ میں بروایت عمارہ ابن اوسؓ مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ملی اور ہم سب مرد عورت بچے اسی حالت میں اس قبلہ کی طرف گھوم گئے۔

مسافر، لاعلم اور میدان جنگ کے سپاہی کی نماز: پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال جنوب میں

نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کرو۔ ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جارہی ہو ادھر ہی نفل ادا کرے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونا کافی ہے۔ اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف ہو سکے نماز ادا کرلے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں' اور وہ اندازہ سے جس طرف زیادہ دل جھکے نماز ادا کرلے پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

نماز کی حالت میں نظر کہاں رکھیں: مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے شافعیؒ احمدؒ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اس لئے کہ آیت کے لفظ یہ ہیں کہ منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع و خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی آئی ہے۔ اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ مگر اللہ بھی ان کے ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾

وقف لازم

تو اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دیدے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلے کا ماننے والا ہے' اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجودیکہ تیرے پاس علم آچکا پھر بھی انکی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے' تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے۔

حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنا ظلم ہے: یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت اور سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ شان رسول ﷺ کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیات آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ پھر اپنے نبی کی استقامت بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر اڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آجائیں اور ان کی راہ لگ جائیں وہ ہمارے تابع فرمان اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی (ﷺ) کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا

دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا۔

حق اور یہودی علماء کا کردار: ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہی جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو کامل یقین کے وقت عرب بولا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا' آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور! آپ بھی گواہ رہئے۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔

قرطبی ؒ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا' کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے آمین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتادی یعنی حضرت جبرئیل حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے آپ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپکو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں ہیں وہ آپ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ یہ یک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں۔ پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئیگا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہدایت والا قبلہ: حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابوالعالیہ ؒ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہد ؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مُوَلِّیْهَا کی دوسری قرات ﴿ مُوَلّٰهَا ﴾ ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً ﴾ یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں۔ گو تم ادھر ادھر ہو جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے

اسی زمین سے جمع کرے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

توجہاں سے نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر' یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے' جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اور جس جگہ سے تو نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے' اور جہاں کہیں تم ہوؤ اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو تا کہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے' تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ۔

یہودیوں کے بے جا اعتراضات کی پرواہ نہ کرو: یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی حکم پہلی ہی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کے لئے ہے دوسرا دیگر شہر والوں کیلئے تیسرا مسافروں کیلئے۔ بعض کہتے ہیں تینوں احکامات کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو آں حضور ﷺ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کے کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو گا تو اس حکم سے وہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی' ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور کم مشرف مانتے تھے اور اب حضور ﷺ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی۔ رازی وغیرہ نے یہاں کے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا تا کہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ اس امت کی صفت کعبہ کی طرف نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے آپ کو دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف پلٹے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب آپ نے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کے اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور حجت باز جو مشرکین اعتراضاً کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے

لیکن ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا تو گویا انہیں جواب مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا متبع ہے۔ پہلے ہم نے اپنے کمال حکمت سے اپنے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلے کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے۔ پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (ﷺ واصحابہ واتباعہ وسلم)۔ پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو۔ ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو' ان کے بیجا اعتراضات کی مطلق پرواہ نہ کرو' ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو' صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں' اور قبلہ کی طرح تمہاری ہر شریعت کامل کر دوں' اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں۔ اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئی تم اس سے نہ ہٹو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا اشرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔

موضوں پر بیش بہا نعمت کا ذکر: یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے۔ پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہالت چھائی ہوئی تھی جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا' وہ دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے۔ وہ علم میں گہرے' تکلف میں تھوڑے' دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے۔ دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے۔ اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا ﴾ کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ یہاں عربی سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے یہ احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اللہ تیرا شکر کس طرح ادا کروں۔ ارشاد ہوتا ہے' مجھے یاد رکھ بھول نہیں۔ یاد رکھنا شکر ہے اور بھولنا کفر ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے اور اسے جو اسکا شکر کرے اسکو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگ سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی

عندالمتاخرین ۱۲ ع ۳ ۱۸ع۵ ۲

جائے اس کا ذکر کیا جائے، غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہوگا؟ فرمایا برائی سے حسن بصریؒ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں، میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل فرماؤں گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھوں گا اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ اور جگہ ہے ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ یعنی تیرے رب کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصینؓ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

بہترین وسیلہ، صبر اور نماز ہے: شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے، ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو بھلائی میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر ہے یا برائی میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے۔ حدیث میں ہے، مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے، رنج پہنچتا ہے صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر وصلواۃ ہے جیسے اس سے پہلے گزر چکا کہ ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ صبر وصلواۃ کے ساتھ استعانت چاہو، یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا خوف رکھنے والوں پر بہت آسان ہے۔ حدیث میں ہے جب کوئی کام حضور ﷺ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔ صبر کی دو قسمیں ہیں، حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر، اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر۔ یہ صبر پہلے صبر سے بڑا ہے۔ تیسری قسم صبر کی مصیبت درد اور دکھ پر، یہ بھی واجب ہے جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرماں برداری میں استقلال سے لگے رہنا گو نفس پر شاق گزرے، طبیعت کے خلاف پڑے، جی نہ چاہے ایک صبر تو یہ ہے، دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ کے کاموں سے رک جانا گو طبعی میلان اس طرف ہو، خواہش نفس اکسار ہی ہو۔ امام زین العابدینؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ وہ بغیر

حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جارہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا۔ کہیں گے ہاں' حساب سے بھی پہلے۔ پوچھیں گے آخر آپ لوگ کون ہیں۔ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں' اللہ کی فرماں برداری میں لگے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے' مرتے دم تک اس پر اور اس پر صبر کیا اور جمے رہے۔ فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو' اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے یہی قرآن فرماتا ہے ﴿ يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے' اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں جان کر ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

شہداء کی زندگی: پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ روزیاں پارہے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چگتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آکر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اے اللہ ہمیں تو' تو نے وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا' پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں نہیں چھوڑا جاتا تو کہا اے اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج' ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں' پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں' رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا' یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے' لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی شرافت' کرامت' عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے دشمن کے ڈر سے بھوک پیاس سے مال جان اور پھلوں کی کمی سے صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدے۔ انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہدیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

آزمائش شرط ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کرلیتا ہے' کبھی ترقی اور بھلائی سے اور کبھی تنزل

اور برائی سے' جیسے فرماتا ہے ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصَّابِرِيْنَ ﴾ یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں گے۔ اور جگہ ہے ﴿ فَاَذَا قَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ ﴾ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف کچھ بھوک کچھ مال کی کمی کچھ جانوں کی' یعنی اپنوں اور غیروں کی خویش واقارب کی موت کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبرے جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے' بھوک سے مراد روزوں کی بھوک ہے۔ مال کی کمی سے مراد زکواۃ کی ادائیگی ہے' جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں پھلوں سے مراد اولاد ہے۔ لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے' واللہ اعلم۔

صابر کون لوگ ہیں: اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں قدر ہے' وہ کون لوگ ہیں؟ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ ﴾ الخ پڑھ لیا کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی ملکیت ہیں اور جو انہیں نقصان پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے۔ اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں بالآخر انہیں جانا ہے۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز ہے یعنی ہدایت، ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

مصیبت کے وقت کی تیر بہدف دعا: مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں' میرے خاوند (حضرت) ابو سلمہ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے ﴿ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ﴾ یعنی اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کرلیا۔

جب (حضرت) ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھوئے کھال رکھ دی اور حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی' اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا آپ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا حضور! یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں' ایسا نہ ہو کہ' آپ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو' دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں' تیسرے بال بچوں والی ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو' ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کردے گا اور عمر کے لحاظ سے میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا پھر حضور! مجھے کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا' فالحمد للہ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔

مسند احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ ﴾ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔ ابن ماجہ میں ہے حضرت ابو سنانؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی اس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ابو طلحہ خولانیؓ نے میرا ہاتھ پکڑ

کر مجھے نکالا اور کہا سنو! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے جب بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا تو اس کار دعمل کیا تھا؟ ملک الموت کہتے ہیں اے اللہ اس نے تیری تعریف کی اور اناللہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں' بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اور اپنی خوشی سے بھلائی کرنیوالوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔

صفا اور مروہ کا طواف اور اسکا طریقہ: حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہؒ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آپ نے فرمایا' بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے۔ اگر یہ بیان مد نظر ہوتا تو ﴿ اَنْ لَّا یَطَّوَّفَ بِھِمَا ﴾ ہوتا۔ سنو آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف میں حرج سمجھتا تھا' اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور ﷺ سے صفا اور مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں' پھر حضور ﷺ نے صفا اور مروہ کا طواف کیا اس لئے مسنون ہوا اور کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اسے ترک کر دے۔ (بخاری و مسلم)۔ ابو بکر بن عبدالرحمٰنؒ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ علمی بات ہے' میں نے تو اس سے پہلے یہ سنی ہی نہ تھی۔ بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصارؓ نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے' صفا اور مروہ کے طواف کا نہیں' اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے اسکے شان نزول یہ دونوں ہوں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفا اور مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے' اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگوں نے حضور ﷺ سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری۔ اساف بت صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے۔ ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا' اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ قریش نے انہی کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ عبرت ہو لیکن کچھ زمانے کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا و مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔

صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کر چکے تو رکن کو چوڑ کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔ یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت تجزاۃؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کر رہے تھے۔ لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے' لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کی ہم معنی ایک اور روایت بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان

لوگوں کی جو صفا اور مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑیگا۔ امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے' اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ' ثوریؒ' شعبیؒ' ابن سیرینؒ یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ' ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ امام مالکؒ سے عتبہ میں بھی روایت ہے ان کی دلیل ہے ﴿ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ﴾ لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے کیوں کہ آں حضرت ﷺ نے خود صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو۔ پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا ہے وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے' واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھدی یعنی فرض کر دی۔ غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام میں سے ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوری حج کے لئے سکھایا تھا۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کا اصل سبب حضرت ہاجرہؑ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ انہیں ان کے چھوٹے بچے سمیت یہاں چھوڑ کے چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی۔ تب مائی صاحبہ نہایت بے قراری بے بسی ڈر' خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پاک پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا غم و ہم' رنج و کرب' تکلیف و دکھ دور ہوا۔

طواف کے دوران: یہاں طواف کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت خشوع و خضوع سے یہاں طواف کرے اور اپنی فقیری' حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے حال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے' اور ثابت قدمی' نیکی' فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہ کی تکالیف کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی سے نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات چکروں کے آٹھ یا نو چکر لگائے یا نفلی حج و عمرے میں بھی صفا مروہ کا طواف کرے' اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے' واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدر دان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے' ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ فالحمد والشکر للہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ (۱۶۲)

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنیوالوں کی لعنت ہے مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کریں اور بیان کردیں (تو) میں انکی توبہ قبول کرلیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم و کرم کرنیوالا ہوں۔ جو کفار اپنے کفر میں ہی مرجائیں ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے' اور ان سے عذاب ہلکانہ کیا جائیگا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔

ان آیات میں ان لوگوں کیلئے زبردست دھمکی ہے جو اللہ تعالیٰ کی باتیں اور شرعی مسائل چھپالیا کرتے ہیں۔ اہل کتاب نے نعت نبی ﷺ کو چھپالیا تھا جس پر ارشاد ہوا کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں رب کی باتیں پھیلائے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی' اسی طرح ان لوگوں پر جو حق بات کو جانتے ہوئے گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں' ہر چیز لعنت بھیجتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔

حق بات کو چھپانے والے ملعون ہیں اگر وہ توبہ نہ کریں: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھما کا سنتے ہیں سوائے جن وانس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔ حضرت عطارؒ فرماتے ہیں لَا عِنُوْنَ سے مراد تمام جانور اور تمام جن وانس ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کی شومی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے اور مامون لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے' یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں ہے کہ علم چھپانے والے کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور تمام لعنت کرنے والے یعنی ہر باز بان اور ہر بے زبان' چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی' واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کرلیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کرلیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کردیں تو ان لوگوں کی توبہ وہ رب تواب رحیم قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہ تھی لیکن نبی التوبہ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں' توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مرجائیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور عذاب میں بھی ہمیشہ یہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو نہ کبھی موقوف ہو بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب ہوتے رہیں گے' ﴿ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ ﴾۔ حضرت ابوالعالیہ اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کو روک لیا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ۔

کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطابؓ اور آپ کے بعد کے آئمہ کرام سب کے

سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے۔ لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں' اور آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے دلیل ہے کسی معین کافر پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ اور دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابو بکر ابن عربی مالکی۔ لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔ بعض نے اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے' واللہ اعلم۔

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنیوالا اور بڑا مہربان ہے۔

اکیلا معبود: یعنی الوہیت میں وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اور نہ اس جیسا کوئی ہے اور واحد اور احد ہے اور فرد اور صمد ہے' اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اسم اعظم ان دونوں میں ہے۔ ایک یہ آیت اور دوسری آیت ﴿ الٓمٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾ اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے' اسے بھی توجہ سے سنئے۔ فرماتا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾

آسمان اور زمین کی پیدائش' رات دن کا ہیر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا' آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا' ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔

واضح اور پختہ دلائل: مطلب یہ ہے کہ اس رب کی ربوبیت اور اس کی توحید پر ایک دلیل تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے اور روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو۔ پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بفلک پہاڑ ہیں' جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں' جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس پر تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکان بنا کر بستے ہو اور جس سے صدہا طرح کا نفع اٹھاتے ہو' پھر رات دن کا آنا جانا' رات گئی دن آیا' دن گیا رات آگئی نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر' ہر ایک اپنے صحیح اندازے سے آئے اور جائے کبھی دن بڑے' کبھی راتیں' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں

جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے' پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال و اسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ جن کے ذریعہ مختلف ممالک سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہو' یہاں کہ چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا' ہر طرف ریل پیل کر دینا' زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا' ان سب کی حفاظت کرنا' ان کے لئے روزی پہنچانا' ان کے لئے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا' ہواؤں کو پرواہ پچھوا چلانا' کبھی ٹھنڈی کبھی گرم' کبھی کم کبھی زیادہ' بادلوں کو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کرنا' انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا' ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقلمند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پا لیتے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھے لیٹتے یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بے کار نہیں بنایا' تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا یہ پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو۔ آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اے اللہ! تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا' کیا عجب کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت ﴿وَاِلٰهُكُمْ﴾ الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے کہ ایک اللہ تمام جہاں کا بندوبست کیسے کریگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے۔ بعض میں ہے کہ اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نشان ہائے قدرت ان پر ظاہر کئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے' ایمان والے اللہ کی محبت میں۔ بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ مشرک لوگ جانتے کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب نہیں (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو (اپنی آنکھوں) دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائینگے اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے کاش ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے' اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں انکے اعمال دکھائے گا ان پر حسرت و افسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے۔

اللہ تعالیٰ جیسی محبت دوسروں سے؟ اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اُخروی حال بیان ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں' اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی جماتے ہیں جیسے اللہ کی ہونی چاہئے۔ حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے' وہ شریک اور ساتھی سے پاک ہے۔ بخاری و مسلم میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔ پھر فرمایا ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں' وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت کریں نہ دوسروں سے ایسی محبت کریں نہ کسی اور کی طرف التجا کریں نہ دوسروں کی طرف جھکیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر بوجہ شرک کے ظلم کرتے ہیں عذابوں کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ عذابوں کو دیکھ لیتے تو یقین ہو جاتا کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے۔ دوسرا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہرگز نہ اڑتے۔

اس دن جن جن کو ان لوگوں نے اپنا پیشوا بنا رکھا تھا' وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے' فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا ولی ہے' یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے تھے انہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے کہ جن جن کی لوگ عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن ﴿ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ انکی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن بیٹھیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے ﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ﴾ تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔ اسی طرح اور جگہ ہے ﴿ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہونگے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہونگے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار بن جاتے۔ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفریہ احکام' تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا۔ اب سب کو اندرونی ندامت ہوگی اور ان کی گردنوں میں ان کے اعمال کے طوق ہوں گے۔ اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ ﴾ یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں نے تمہیں جو سبز باغ دکھا رکھا تھا وہ محض دھوکا تھا۔ تم پر میرا کوئی زور تو تھا نہیں مگر میں نے تمہیں کہا تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری فریادرسی کروں نہ تم میری۔ میں تمہارے اگلے شرک سے انکاری ہوں' جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ پھر وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی۔ دوستیاں کٹ جائیں گی اور رشتے ٹوٹ

جا گے۔

بلا دلیل باتیں ماننے والے اور بے وجہ اعتقاد رکھنے والے اور پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت سے کہیں گے کہ اگر اب ہمیں دنیا میں ایک بار لوٹ جانے کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے' نہ ان کی طرف التفات کریں نہ ان کی باتیں مانیں' نہ انہیں اللہ کا شریک سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ درحقیقت اگر بالفرض یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے' جیسے فرمایا ﴿ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾ اسی لئے یہاں فرمایا انہیں اللہ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا ان پر حسرت و افسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ ضائع ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا ﴾ اور جگہ ہے ﴿ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ ﴾ اور جگہ ہے ﴿ اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ ﴾ یعنی انکے اعمال برباد ہیں' ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں' انکے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودہ ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں سے کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو' وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جنکا تمہیں علم نہیں۔

رزق حلال کھاؤ: اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے۔ فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھلاؤ کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو۔ میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔

حضور ﷺ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔ آپ نے فرمایا اے سعد پاک چیزوں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی شومی کی وجہ سے چالیس دن کی اسکی عبادت قبول نہیں ہوگی' جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے جیسے اور جگہ ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے' تم بھی اسے دشمن سمجھو اس کی اور اس کے گروہ کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں۔ ایک اور جگہ فرمایا ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو اپنا دوست جانتے ہو حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے۔ ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے۔

خطوات الشیطان کیا ہے: ﴿ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا بہکاوا ہوتا ہے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروقؒ کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص بھیڑ ذبح کر دے یہ نذر لڑکے کا ذبح کرنا خطوات الشیطان سے ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ایک دن بکری کے کھر کو نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ہٹ کر دور جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کھاؤ۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھالو۔

ابو رافعؒ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ اب میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا یہ شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں زینب بنت سلمہؓ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا۔ یہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ عاصم اور ابن عمرؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی دم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے کے برابر دیدے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زناکاری اور اس سے بڑھ کر اللہ پر ان باتوں کے جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ پس ہر کافر اور بدعتی اس میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کرینگے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔ اور کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے گونگے اور اندھے ہیں انہیں عقل نہیں۔

گمراہی اور جہالت: یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے نہیں سمجھ سکتے، صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے، حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کی راہ چلنے سے اندھی ہے، عقل و فہم سے

دور ہے‘جیسے اور جگہ ہے﴿ صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ﴾ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گونگے اور اندھیرے میں ہیں۔ جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگادے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں ہی کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (انکے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

رزق حلال اور حرام کیا ہے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو حلال کا لقمہ دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور حرام کا لقمہ عدم قبولیت کا سبب مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ‘لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے۔ اس نے رسولوں اور ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اور فرمایا﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ﴾ پھر آپ نے فرمایا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا اور غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کی ہیں اس لئے اس کی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد پھر حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے‘ خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو یا کہیں سے گر کر مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود مر جائے ہیں تاہم حلال ہیں۔ قرآن کہتا ہے﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ ﴾۔ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا‘ انشاء اللہ تعالیٰ۔ عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہؓ کا اس کو کھانا پھر حضور ﷺ کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب حدیث میں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں‘ مچھلی اور ٹڈی‘ کلیجی اور تلی‘۔ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل سے آئے گا‘ انشاء اللہ

مسئلہ: مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے۔ امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت کے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے‘ اسی طرح مردار کی کھیس شیر دانی بھی۔ مشہور مذہب ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہؓ کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو ان پر بطور اعتراض کے وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز جب زیادہ میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے گھی پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں

حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو۔ سور کی چربی کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت 'میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا اقتضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں کافر لوگ اپنے معبودان باطلہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے سوال ہوتا ہے کہ عجمی جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں۔ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ' ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جب کہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھا لینا مباح کیا ہے ارشاد فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ تو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ باغ اور عاد کی تفسیر میں مجاہدؒ فرماتے ہیں ڈاکو یار ہزن 'مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا' سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا مراد ہے ایسے لوگوں کیلئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں۔ غیر باغ کی تفسیر مقاتل بن حیانؒ یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو' اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لئے کھائے اور اگر ساتھ لینا چاہے اتنا لے لے کہ زندہ رہ سکے اور حلال چیز کے ملنے تک باقی نہ رہے جب حلال چیز مل گئی تو اسے پھینک دے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار کر دیا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ایک شخص بھوک کی شدت سے بس ہو گیا اور اسے ایک مردار جانور نظر آ گیا اور ساتھ ہی کسی دوسرے کی حلال چیز بھی نظر آ گئی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہئے مردار نہ کھائے پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہ چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں' اس میں دو قول ہیں' ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والوں کے قول کی تائید میں یہ حدیث جو ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت عباد بن شرحبیل غزیؒ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی' میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چل پڑا۔ کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا' یہ بے چارہ بھوکا تھا نادان تھا' جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دیدو (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجتمند شخص یہیں کچھ کھا لے لیکن ساتھ لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں الخ۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔ مسروقؒ فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ

کھائے اور مر جائے' وہ جہنمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت میں ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہے۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کریگا' نہ انہیں پاک کرے گا' بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے' یہ لوگ عذاب کی آگ کو کیسے برداشت کرنیوالے ہیں۔ ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپالیا اس کتاب میں اختلاف کرنیوالے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں۔

بدترین علماء حق چھپانے والے: یعنی جو یہود نبی ﷺ کی صفات کو جو توراۃ میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور ہدیے سمیٹتے رہتے ہیں اور اس دنیائے فانی کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضور ﷺ کی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی جو تورات میں ہیں لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے۔ اس خوف سے ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس لئے دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی۔ آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا' وقتاً فوقتاً وہ جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہے تھے ظاہر ہو گئیں' علاوہ ازیں خود حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادات نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی ایسی پوشیدگیاں جگہ جگہ بیان کی گئیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ یہ مال جو اللہ کی باتوں کو چھپا کر تم کماتے ہو یہ دراصل آگ کے انگارے ہیں جنہیں تم پیٹ میں بھر رہے ہو۔

یتیموں کا مال کھانے والے؟: قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھا جائیں یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات چیت بھی نہ کرے گا' نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے رحمت کی نظر ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہ

رہے بلکہ سزا یاب ہوں گے اور وہاں تملاتے ہی رہیں گے۔

حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں' بوڑھا زانی جھوٹا بادشاہ' متکبر فقیر پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی۔ انہیں چاہیے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور علیہ السلام کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپالیا اور خود بھی آپ کے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی' پس اظہار پر جو نعمتیں اور مغفرتیں انہیں ملنے والی تھیں ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لے لئے۔

پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانی میں مشغول ہوگئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق یوں ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو ختم کرنے کے لئے اتری تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی' ظاہر کرنے کی جو باتیں چھپائیں' اللہ کے نبی کی دشمنی کی' آپ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے قرابت داروں یتیموں مسکینوں مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے غلاموں کو آزاد کرے' نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے' جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگدستی دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے' یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔

بھلائی، نیکی کیا ہے؟ اس آیت میں صحیح عقیدہ اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا حضور نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا سن! نیکی کی محبت اور برائی کی عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہدؒ حضرت ابوذرؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں' حالانکہ ابوذر سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابوذرؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سن ایک شخص نے یہی سوال حضور علیہ السلام سے کیا آپ نے اسی

آیت کی تلاوت فرمائی۔ وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے ابن مردویہ)۔ یہ روایت بھی منقطع ہے اب اس آیت کی تفسیر سنئے! مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کرلو۔ اصل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہے۔ اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗءُهَا ﴾ یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو' یہ کوئی بھلائی نہیں' یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض مزید احکام بھی نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف ایمان کا کلام ہے اور حقیقت ایمان کا عمل ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے' فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں تمام بھلائیوں کا عامل ہو۔ حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا' اس نے کامل اسلام لے لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی۔ اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں یہ مانتا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت کو شامل ہے وہ مانتا ہے' اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

بہترین صدقہ: صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام پر دے کہ تجھے مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ﴾ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو۔ لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے' اصل میں یہ فرمان حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔
قرآن کریم میں سورہ دہر میں فرمایا ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ ﴾ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں' یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں' نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ اور جگہ فرمایا ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام پر نہ دو' تم حقیقی بھلائی نہیں پا سکتے۔ اور جگہ فرمایا۔ ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے دوسروں کو دیدی اور اپنی حاجتمندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذوی القربیٰ: ﴿ ذَوِي الْقُرْبٰى انه ﴾ میں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دینے کے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں۔ حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابتدار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہے' ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا' تمہاری بخشش

اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔

یتامیٰ: یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور کوئی ان کا کمانے والا نہ ہو' نہ خود انہیں اپنی رزوی حاصل کرنے کی قوت اور طاقت ہو۔حدیث میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

مساکین: مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو جوان کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے کو کافی ہو سکے' ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت وذلت کی حالت سے بچ سکیں۔ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ انکی ضروریات پوری ہو سکیں اور نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور لوگ انہیں کچھ دیدیں۔

ابن السبیل: ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ ختم ہو چکا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ آسانی سے اپنے وطن پہنچ جائیں۔اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت اللہ میں سفر کر رہا ہو' اسے جانے آنے کا خرچ دینا۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔

سائلین: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں انہیں بھی صدقہ زکوۃ دینا چاہئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداؤد)

رقاب: فی الرقاب سے مراد غلاموں کی آزادی ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو لکھدیا ہو کہ اتنا ہم تمہیں دیدیں تو ہم آزاد ہیں' لیکن اب ان بیچاروں کے پاس مالکوں کو دینے کیلئے کچھ بھی نہیں تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا' الرقاب کی باقی تفسیر سورہ براۃ میں عربی کی تفسیر میں بیان ہو گی انشاء اللہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مال میں زکواۃ کے سوا اللہ تعالیٰ کا کچھ اور حق بھی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔اس حدیث کا ایک راوی ابوحمزہ میمون اعور ضعیف ہے۔

نماز اور زکواۃ: پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع سجود اطمینان اور آرام خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح کہ ادائیگی کا شریعت میں حکم ہے اور زکواۃ بھی ادا کرے' یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو واہی باتوں اور ذلیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا۔﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا﴾ یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی سے آلودہ کرنے والا تباہ ہو گیا۔ موسیٰ نے فرعون سے بھی یہی فرمایا تھا کہ ﴿ ھَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی ﴾ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ﴾ یعنی ان مشرکوں کیلئے ویل ہے جو زکواۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے پس یہاں مندرجہ بالا آیت میں زکواۃ سے مراد زکواۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک وکفر سے پاک کرنا ہے' اور ممکن ہے مال کی زکواۃ مراد ہو اگر ایسا ہو تو پھر باقی اور احکام نفلی صدقہ کے سمجھے جائیں گے' جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکواۃ کے سوا اور حق بھی ہیں پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے' جیسے اور جگہ ہے ﴿یوفون بعھد اللہ﴾ الخ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

وعدہ توڑنا نفاق کی خصلت ہے' جیسے حدیث میں ہے' منافق کی تین نشانیاں ہیں' بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت لڑائی کے موقعہ پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر وسہار کرنے والے اور لوہے کی لاٹھی کی طرح جم

جانے والے۔ ﴿ صَابِرِیْنَ ﴾ کا نصب بطور مدح کے ہے۔ ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گذار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے' آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے' جس کسی کو اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے' تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد پھر جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا۔ عقلمندو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) بچے رہو گے۔

قصاص کی تفصیل: یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو' آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام' عورت کے بدلے عورت' اس کے بارے میں حد سے نہ بڑھو' جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور بطور دیت میں لی جاتی تھی اور جب بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کو قتل کر دیتا تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا جاتا یا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں اس آیت کا شان نزول اسطرح بیان ہوا کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے انکا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ ﴿ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ﴾ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے۔ جس پر ﴿ اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنُ بِالْعَيْنِ ﴾ نازل ہوئی۔

پس آزاد لوگ سب برابر ہیں' جان کے بدلے جان لی جائیگی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو' اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جبکہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائیگا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے ارادہ سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ امام مالک ؒ بھی اس آیت کو ﴿ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ﴾ سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ ؒ' ثوری ؒ' ابن ابی لیلۃ اور داؤد ؒ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا

جائے گا۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ حضرت قتادہؒ اور حضرت حکمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اسکے بدلے اسکی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کی ناک کاٹے ہم بھی اسکی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا۔ لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بدلے کا حکم نہیں آیا۔

مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہیں کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ ﴿ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ ﴾ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ:۔ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاءؒ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں ﴿ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ﴾ موجود ہے علاوہ ازیں حدیث میں بھی ہے ﴿ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُهُمْ ﴾ یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاص کر اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: چاروں آئمہ اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی لوگوں نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہو تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں سات آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمر نے ان ساتوں کو ایک کے بدلے میں قتل کرا دیا اور فرمایا اگر صنعاء بستی کے سب لوگ اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کا خلاف آپ کے زمانے میں کسی صحابیؓ نے نہیں کیا۔ پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا، لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت معاذؓ حضرت ابن زبیرؓ عبدالملک بن مروان زہری، ابن سیرین، حبیب بن ابی ثابتؒ سے بھی یہ قول مروی ہے۔ ابن المنذرؒ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے۔ پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کو چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل پر مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے ادا کر دے حیل وحجت نہ کرے

مسئلہ:۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کو قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ:۔ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن، قتادہ، زہری، ابن شبرمہ، لیث اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علماء دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی

عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں 'قصاص' دیت' اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی' دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لئے سخت دردناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت بھی لے لی اور پھر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہی جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لے' درگذر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو' ان میں سے کسی ایک چیز پر رضامندی کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت لے لی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل ہی کراؤں گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو قصاص میں نسل انسانی کی بقا ہے اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زیست ہے۔ قاتل کو خود خیال ہو گا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفی للقتل' قتل' قتل کو روک دیتا ہے' لیکن قرآن میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے' دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن وامان سکون و سلامتی رہے گی تقویٰ تمام نیکیوں کے کرنے اور تمام برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾ ع ۲۲

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑے تو اپنے ماں باپ اور قرابتداروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے' اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اسکا گناہ بدلنے والے پر ہی ہو گا' اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ ہاں جو شخص وصیت کرنیوالے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس کی اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وصیت کی تفصیل: اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے صحیح اقوال کے مطابق میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا' ہر وارث اپنا مقررہ حصہ

بغیر وصیت کے لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہؓ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچادیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں جب اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد)۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا تاقی اقرباء کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی پھر میراث کی آیات نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت للرجال نصیب الخ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو موسیٰؓ سید ابن مسیب، حسن، مجاہد، عطا، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کردیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ ﴾ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے لیکن جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ ابن عباسؓ، حسن مسروق طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد (رحمہم اللہ) کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیر ربیع ابن انس، قتادہ اور مقاتل بن حیانؒ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر بعد کے فقہاء کی اصلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہوگئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کردیا ہے اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے رہی جو وارث نہیں اور جو وارث ہیں ان کے حق میں نہ رہی۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریبا ایک ہوگیا۔

لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق کلام سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی۔ جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے پس والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب اور فرض ہے ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیتہً اٹھ گیا باقی رہ گئے وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے اور دوسرا یہ کہ حدیث میں صاف آچکا ہے۔

ایک حدیث: میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے گذار دے راوی حدیث حضرت عمرؓ کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک کرنے کے بارے میں بہت سی آیات اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک وصاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔

﴿خیرا﴾ سے مراد یہاں مال ہے اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے۔ بعض مفسرین کا تو یہ قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ زیادہ وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی۔ بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؓ سے ذکر ہوتا ہے ایک قریشی مر گیا ہے اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں ہیں اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔

آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان ترک خیر افرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اپنی اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی دینار بتاتے ہیں قتادہ ایک ہزار بتاتے ہیں۔

﴿معروف﴾ سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے' وصیت جائز کرے ناجائز نہیں اور وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے' اسراف اور فضول خرچی بھی نہ کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا نہیں۔ کہا ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا خیر تہائی مال کی وصیت کر دو گو یہ بھی بہت ہے تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔

صحیح بخاری میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ آں حضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حنظلہ کے دادا حنیفہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جو ان کے ہاں پلتے تھے سو اونٹوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذرا معاملہ حضور ﷺ تک پہنچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں صدقہ میں پانچ دو دس دو پندرہ دو بیس دو پچیس دو تمیں دو پینتیس دو اگر اس پر بھی نہ مانو تو پھر زیادہ سے زیادہ چالیس دو الخ۔ پھر فرماتا ہے جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپالے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے' میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گا اللہ تعالیٰ وصیت کرنیوالے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی' نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ ہے نہ کوئی راز۔ جنف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں۔ مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا' مثلاً کہدیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ بغیر کسی ارادہ کے ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردوبدل میں کوئی گناہ نہیں وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچ جائے اور حقداروں کو حق بھی مل جائے تاکہ شرعی وصیت پوری ہو جائے ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں' واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت خطاکاری کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ سے بھی مروی ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے' ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔ ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث میں بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے۔ لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے صحیح حدیث وہ ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی ستر سال نیک لوگوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل وانصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی

(موز کردہ) حد دو ہیں' ان سے آگے نہ بڑھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم بچ جاؤ۔ گنتی کے چند ہی دن ہیں' لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دونوں میں اس گنتی کو پورا کر لے' طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں' اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے' لیکن تمہارے حق مین افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو۔

فرضیت روزہ اور اسکا مقصد: اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انھیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو۔ روزہ کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاہر ہو جاتا ہے' ردی اخلاط اور واہی اخلاق سے انسان بچ جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزوں کا حکم تھا۔ اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا' لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو۔ یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے اگلوں پر تھے' روزے سے بدن کی پاکیزگی ہے اور شیطانی کاموں سے بچنا بھی ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اے جوانو! تم میں سے جس میں نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ اس کے لئے یہ خصی ہونا ہے۔ پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند ہی دن ہیں تاکہ کوئی اکتا نہ جائے اور ادائیگی سے قاصر نہ ہو بلکہ ذوق و شوق سے اللہ کے اس فریضہ کو بجا لائے۔ پہلا تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم ہوا پھر اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے' انشاء اللہ۔

حضرت معاذؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ' عطاءؒ' قتادہؒ اور ضحاک کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا پھر حضور ﷺ کی امت کے لئے اس کو بدل دیا اور ان پر اس مبارک مہینہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے اگلی امتوں پر فرض تھے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو' یا سفر میں ہو تو' وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد دوسرے دنوں میں جب کہ وہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں۔ ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے' خواہ نہ رکھے اور فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا' گو

روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ مجاہدؒ طاؤسؒ اور مقاتلؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

نماز کی تبدیلی کی تین حالتیں: مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ نماز اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔

پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ: سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضور ﷺ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر قد نری الخ والی آیت اتری اور مکہ کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔

دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک آدمی دوسرے کو بلاتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز ہو گئے پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؒ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا' کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ دو مرتبہ' غرض یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں ﴿ قد قامت الصلوۃ ﴾ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آ چکے تھے۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں' کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں' وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں' وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا' پھر حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا حضرت معاذؓ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حضور ﷺ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز رہ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لوں گا۔ چنانچہ انہیں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی گئی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے' تم بھی اب یونہی کیا کرو' یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔

روزوں کی تبدیلی: پہلی تبدیلی' نبی ﷺ جب مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔

دوسری تبدیلی' ابتداء یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے' جو چاہے روزہ نہ رکھے اور فدیہ دیدے۔ پھر یہ آیت اتری ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو' وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو' مسافر نہ ہو' تندرست ہو' بیمار نہ ہو' اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا۔ ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا معذور جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔

تیسری تبدیلی' یہ کہ ابتدا میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا' سو گیا تو پھر گو رات ہی کو جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔

پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابیؓ دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا' لیکن حالت بہت نازک ہو گئی حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا' ادھر حضرت عمرؓ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا اور حضور ﷺ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا' جس پر یہ آیت ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ سے ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ تک نازل ہوئی' اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے

پینے اور اپنی بیوی سے جماع کرنے کی رخصت دی گئی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا' جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا' جو چاہتا رکھ لیتا' جو نہ چاہتا نہ رکھتا' یہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔

انتہائی بوڑھا' حاملہ یا دودھ پلانے والی کیا کرے؟ ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ کا مطلب حضرت معاذؓ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دیدیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ ﴾ اتری اور یہ آیت ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ منسوخ ہوگئی۔ حضرت ابن عمرؓ بھی اس کو منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ابن ابی لیلے کہتے ہیں کہ عطاءؒ کے پاس میں رمضان میں گیا' دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اب یہ حکم صرف بہت زیادہ کمزور بوڑھے بڑے کے لئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا' ہاں ایسے بوڑھے' بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو کیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہذا یہ مثل بچے کے ہے' اور اس پر کفارہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے اور اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاری کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو وہ فدیہ دیدے' جیسے حضرت انس بن مالکؓ نے اپنی بڑی عمر میں' بڑھاپے کے آخری وقتوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت تیار کر کے تمیں مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا۔

اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت جب اسے اپنی جان کا' یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو انکے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دیدیں اور جب خوف ہٹ جائے تو قضا بھی کرلیں۔ بعض کہتے ہیں صرف فدیہ کافی ہے قضا نہ کریں' بعض کہتے ہیں قضا کرلیں فدیہ نہیں' اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں' نہ فدیہ دیں' نہ قضا کریں۔ (امام ابن کثیرؒ نے) اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے' فالحمد للہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کرلیں' فدیہ نہ دیں۔ (مترجم)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا' جو لوگوں کو ہدایت کرنیوالا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانی ہے' تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے' ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو' اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے' اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمھارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں' وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں: ماہ رمضان کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ' انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ کو نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارہویں کو اور انجیل اٹھارویں کو۔ سابقہ تمام صحائف اور توراۃ' انجیل اور زبور وغیرہ' جس جس پیغمبر پر نازل ہوئیں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں' لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمان دنیا تک تو ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب ہے ﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ اور ﴿ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ کا' قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو' (لیلۃ القدر) لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے' ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں' برسوں میں' جا کر مکمل ہوا تو پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا ابن مردویہ وغیرہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آدھے رمضان میں قرآن کریم آسمان دنیا کی طرف اترا' بیت العزۃ میں رکھا گیا' پھر حسب ضرورت و قائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں اس کا نزول مکمل ہوا۔ اس میں بہت سی آیات کفار کے جواب میں بھی اتریں' کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارے کا سارا کیوں نہیں اترا' جس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴾ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں وغیرہ۔

پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راستے پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے' ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں جدائی کرنے والا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے' شہر رمضان یعنے رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے' شہر رمضان یعنے رمضان کا مہینہ کہا کرو' حضرت مجاہدؒ اور محمد بن کعبؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اس کے سب اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ۔

بیمار اور مسافر کے لئے رخصت: غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند نظر آ جائے تو کوئی شخص اپنے گھر میں ہو' سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو' اسے روزے رکھنا لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی وہ ختم ہوگئی۔ اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کی رخصت کا بیان کیا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں بعد میں قضا کرلیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے' یا تکلیف بڑھ جائے' یا سفر میں ہو تو افطار کرلے اور جتنے روزے رہ جائیں بعد میں قضا کرلے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے۔

(۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور رمضان المبارک کا چاند نظر آجائے' پھر رمضان میں سفر کرنا پڑے تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں' کیوں کہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن میں موجود ہے۔ ہاں ان لوگوں کا بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آجائے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ابو محمد ابن حزمؒ نے اپنی کتاب (المحلّٰی) میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے' واللہ اعلم۔ نبی ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزدہ کے لئے نکلے' روزے سے تھے' کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (بخاری و مسلم)

(۲) صحابہ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ﴾ لیکن صحیح قول' جو جمہور کا مذہب ہے' یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے' اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے' بعض روزے سے ہوتے تھے' بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے۔ پس وہ ایک دوسرے پر کوئی قدغن نہیں لگاتے تھے۔ اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا' بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے' گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کے۔

مسئلہ: ایک جماعت علماء کا خیال ہے (جس میں حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں) کہ سفر میں روزہ رکھنا' نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضور ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے' ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا' نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے کہا یا رسول اللہ روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں' فرمایا اگر چاہو رکھو اور چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزے سے تکلیف کا ڈر ہو تو افطار کرنا افضل ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا گیا ہے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور! یہ روزے سے ہے' آپ ﷺ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم)۔ یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔

روزے کے بارے میں چند متفرق مسائل: چوتھا مسئلہ آیا قضا روزوں کے لئے متواتر روزے رکھنے ضروری ہیں' یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو کوئی حرج تو نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے۔ جدا جدا نہیں بلکہ لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ جبکہ بعض اور لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ قضا روزے متواتر رکھنے ضروری نہیں جس طرح چاہے رکھ سکتا ہے' چاہے متواتر رکھے یا وقفہ دے کر' جمہور سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے اور دیگر دلائل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ رمضان میں متواتر روزے رکھنا اس لئے ہے کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو' اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے 'ابو عروہؓ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے 'معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ یارسول اللہ! کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا دین آسانیوں والا ہے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو آسانی کرو' سختی نہ کرو تسکین دو' نفرت نہ دلاؤ۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا' نفرت نہ دلانا' آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یک طرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

مجن بن ادرعؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' آپ اسے غور سے دیکھتے رہے' پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو' لوگوں نے کہا یارسول اللہ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے' آپ نے فرمایا اسے نہ سناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ بن جائے۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انھیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے' سختی کا نہیں۔ اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت 'نعمت 'ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے۔ جیسے حج کے موقعہ پر فرمایا ﴿ فَاِذَاقَضَيْتُمْ مَّنَا سِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾ یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔ ایک جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ' رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے' سورج کے غروب سے پہلے' رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی اصبہانی ظاہریؒ کا مذہب ہے کہ اس آیت کی رو سے عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس امر میں صیغہ امر کا ہے ﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ ﴾ جبکہ احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں۔ باقی بزرگان دین اسے مستحب بتاتے ہیں' گو بعض تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجالا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے احرام کردہ کاموں سے بچ کر' اس کی حدوں کی حفاظت کر کے تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ (یہاں تک تفسیر ابن کثیر کے پہلے جزو کا ترجمہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر ابن کثیر کے دوسرے جزو کا ترجمہ یہاں سے شروع ہوتا ہے وَاللّٰهُ المستعان

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں' تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں' ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں پس لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں' یہی انکی بھلائی کا باعث ہے۔

دعا کرنے کے آداب اور قبولیت کی شرائط: ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کرلیں' یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے' اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔ ایک روایت میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر)۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا' تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے اس پر یہ آیت اتری (ابن جریج)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے' ہر اونچائی پر چڑھتے وقت' ہر بلندی پر چڑھتے وقت' ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آکر فرمانے لگے 'لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکارتے ہو وہ تو تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے' اے عبداللہ بن قیس سن جنت کا خزانہ ﴿ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ ہے (مسند احمد)۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں' جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں (مسند احمد)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (رواہ الامام احمد)۔ اس مضمون کی آیت قرآن کریم میں بھی ہے فرمان ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾ جو تقویٰ اور احسان وخلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام سے فرمایا جاتا ہے ﴿ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی ﴾ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو بے کار نہیں کرتا' نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے' نہ سنے۔ اس میں دعا کرنے کی رغبت دلائی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو' نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں' تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے (۱) اس کی دعا اسوقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے (۲) اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے (۳) اس کی وجہ سے کوئی آنیوالی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور! پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا' پھر اللہ کے ہاں کونسی کمی ہے؟ (مسند احمد)۔ عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹل جاتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا (موطا مالک)۔ بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ قبول نہ ہونے کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کردے' یہ جلدی کرنا ہے۔ ابو جعفر طبریؒ کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہؓ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنیوالے ہوتے ہیں۔ اے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے

دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو' سنو غفلت کرنے والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ (مسند احمد)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا' تو آپ نے دعا کی اے اللہ عائشہ کے اس سوال کا کیا جواب ہے' جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ)۔ یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی' پھر فرمایا اے اللہ! تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے' میں حاضر ہوں' الٰہی میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں' حمد و نعمت اور بادشاہی تیرے ہی لئے ہے' تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو نرالا یکتا بے مثل اور ایک ہی ہے' تو پاک ہے' اہل وعیال سے دور ہے' نہ تیرا ہمسر کوئی نہ تیری برابری کرنے والا کوئی' نہ تجھ جیسا کوئی' میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا' تیری ملاقات حق' جنت دوزخ قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے' اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے' ایک میری ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان تقسیم ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' تیرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کو پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا' درمیان کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں' ایک کام (دعا کرنا) تیرا اور ایک کام (قبول کرنا) میرا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان لانے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابو داؤد طیالسی)۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابہؓ کی یہ دعا منقول ہے۔ ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ﴾ یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر' جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے' تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرمادے۔ اور حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی' عادل بادشاہ' روزے دار شخص اور مظلوم' اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ دیر سے کروں (مسند۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ)۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا' وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو' تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا ہے' اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرما لیا' اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے' تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا' سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو' یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تم ان کے قریب بھی نہ بھٹکو' اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں۔

رمضان المبارک میں کھانا پینا اور جماع : ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا' جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہؓ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر رخصت کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔

﴿ رفث ﴾ سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباسؓ عطاء مجاہد سعید بن جبیر' طاؤس' سالم بن عبداللہ' عمرو بن دینار' حسن' قتادہ' زہری' ضحاک' ابراہیم نخعی' سدی' عطاء خراسانی' مقاتل ابن حیان رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انسؓ لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے جس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھانا پینا اور جماع نہیں کر سکتا تھا' بلکہ یہ رات اور دوسرا دن گزار کر بعد از مغرب کھانا پینا حلال ہوتا تھا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاریؓ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے' بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں' میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں' تو وہ گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی' جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس کیا کہ اب یہ رات دوسرا دن بھوکے پیٹوں سے کیسے گزرے گا۔ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیسؓ بھوک کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ حضور ﷺ کے پاس اس کا ذکر ہوا تو اسوقت یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ رمضان بھر عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے' لیکن بعض لوگوں سے کچھ قصور ایسے بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی حضرات سے ہو گیا تھا' جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کر لی تھی' پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئی اور یہ رحمت کی آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی' اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے بیدار ہو کر کھا پی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدی میں اپنا یہ قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا مجھے نیند آ گئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اس رات آپ دیر تک مجلس نبی میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا۔

﴿ مَا كَتَبَ اللّٰهُ ﴾ سے مراد اولاد ہے۔ بعض نے کہا ہے جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلتہ القدر مراد ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سب ہی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی اجازت ہے۔

سحری وافطاری اور انکے متعلقہ مسائل: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں پہلے ﴿ من الفجر ﴾ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوتی کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات' دن ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے کہ میں نے بھی دو دھاگے سیاہ اور سفید اپنے تکئے کے نیچے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا۔ صبح کو نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپ فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا' اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا' رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مطلب حضور ﷺ کے اس قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے' تو اگر تیرے تکیے کے نیچے یہ دونوں (تاریکی اور سفیدی) آجاتی ہوں' تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک ہے۔ صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے' لیکن یہ معنی غلط ہیں' بلکہ مطب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہو گی' واللہ اعلم بخاری میں حضرت عدیؓ کا اسی طرح کا سوال اور آپ کا اسی طرح کا جواب تفصیلاً یہی ہے۔

آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا برکت ہے۔ اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد)۔ اسی طرح اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے ایسے وقت کہ فارغ ہونے کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے' اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحر میں تاخیر کرے تب تک بھلائی میں رہے گی۔ (مسند احمد)۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اس کا نام غذاء مبارک رکھا ہے۔

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا۔ لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ﴾ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقت کو پہنچ جائیں' مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب آجائے۔ یہی مراد اس حدیث میں بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا صبح ہو گئی' کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت حذیفہ حضرت ابوہریرہ حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب ہی سحری کھانا مروی ہے' جیسے محمد بن علی بن حسین' ابو مجاز' ابراہیم نخعی' ابوالضحیٰ' ابووائل وغیرہ شاگردان ابن مسعود اور عطاء اور حسن اور حاکم بن عیینہ اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اور ابولشعثاء جابر بن زید' اور یہی مذہب ہے اعمش اور جابر بن راشد کا' اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ہم نے ان سب کی اسناد اپنی مستقل کتاب ''کتاب الصیام'' میں بیان کر دی ہیں' واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب

ہوتے ہی افطار کرنا' لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا' کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں خیط کا لفظ موجود ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (حضرت) بلالؓ کی اذان سنکر تم سحری سے رک نہ جایا کرو' وہ رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں' تم کھاتے پیتے رہو' جب تک (حضرت) عبداللہ ابن ام مکتومؓ کی اذان نہ سن لو وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمانوں کے کنارے میں لمبی پھیلتی ہے' بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو' یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے۔ ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلالؓ کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں صبح کاذب کو سفیدی' صبح کے ستون کی مانند بتایا گیا ہے۔ دوسری روایت میں اس پہلی اذان کی جس کے موذن حضرت بلالؓ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سونے والوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں کو لوٹانے کے لئے ہوتی ہے۔ فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی)۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ فجر دو ہیں ایک تو بھیڑیے کی دم کی طرح کے اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں' لیکن وہ فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے' نہ اس سے نماز کا وقت ہونا معلوم ہو سکتا ہے' نہ حج فوت ہوتا ہے' لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کے لئے نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے یہ منقول ہے' اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ : چونکہ جماع اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق مقرر کیا ہے' اس سے اس مسئلہ پر استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے اس پر کوئی حرج نہیں۔ چاروں آئمہ اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرام کا یہی مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت جماع کرتے' صبح کے وقت جنبی اٹھتے پھر غسل کر کے روزے سے رہتے۔ آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے نہ قضا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں صبح نماز کے وقت آجانے تک جنبی ہوتا ہوں تو کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یارسول اللہ ہم تو آپ جیسے نہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا واللہ مجھے تو امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے' اور یہ حدیث شرط شیخین پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی ﷺ سے۔ سنن نسائی میں یہ حدیث بروایت ابوہریرہؓ ہے' وہ اسامہ بن زیدؓ سے اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں کرتے' اسی لئے بعض علماء کا تو قول ہے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے کہ وہ مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کے علاوہ' حضرت ابوہریرہؓ' سالمؒ عطاءؒ'

ہشام بن عروہؒ اور حسن بصریؒ یہی مذہب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور صبح صادق ہونے پر آنکھ کھلی تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث کا یہی مطلب ہے۔ اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہو گا۔ حضرت عروہؒ، طاؤسؒ اور حسنؒ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم نخعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث حضرت عائشہؓ والی حدیث سے منسوخ ہے، لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔ ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس کی ناسخ یہ آیت قرآنی ہے، لیکن یہ بھی دور کی بات ہے، اس لئے کہ اس آیت کے بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث میں لا نفی کمال کا ہے، یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث سے جواز صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے، واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔ بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ادھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کرلے۔ بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہؓ کی بیوی حضرت لیلیٰؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے، تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ اور بھی بہت سے حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! خود آپ تو ملاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں میں رات گزارتا ہوں، میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے، تو آپ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا پھر چاند نظر آ گیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نظر نہ آتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا۔ گویا آپ ﷺ ان کی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے، اور اسی طرح روزے کو بغیر افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انس حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہؓ سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امت کو منع ہے اور آپ ﷺ کی ذات اس سے مخصوص تھی، آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آپ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عرب شاعر کا شعر ہے۔

﴿ لَهَا اَحَادِيْثُ مِنْ ذِكْرَ اكَ تَشْغَلُهَا عَنِ الشَّرَابِ تَلْهِيْهَا عَنِ الزَّادِ ﴾

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص

دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وصال نہ کرو' جو کرنا ہی چاہے تو سحری تک کرلے لوگوں نے کہا آپ تو وصال کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والے پلا دیتا ہے (بخاری و مسلم)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں آپ سحری کھا رہے تھے۔ فرمایا آؤ تم بھی کھالو۔ اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں آپ نے فرمایا کم روزہ کس طرح رکھتی ہو؟ انھوں نے بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں (ابن جریر)۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبادت کے طور نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا' واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے سمجھا ہو کہ حضور ﷺ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا' نہ کہ ناجائز بتانے کے طور پر' جیسے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے عامرؒ اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے پہل غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں۔ مروی ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے اس اثناء میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا وہی رات تو جو چاہے کھالے جو نہ چاہے نہ کھائے۔

اعتکاف کے چند مسائل: پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہو خواہ رمضان میں ہو خواہ دوسرے مہینوں میں' اس پر دن کے وقت اور رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک کہ اعتکاف پورا نہ ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کرلیا کرتے تھے۔ جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر یہ کام حرام کیا گیا۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ پس علماء کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے' مثلاً پیشاب یا پاخانہ' یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے' وہاں ٹھہرنا جائز نہیں' نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے' نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کیلئے جائز ہے' بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے۔ اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے ان سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب <کتاب الصیام> کے آخر میں بیان کیا ہے ﴿ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ﴾

چونکہ قرآن میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں۔ آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے۔ آپ کے بعد امہات المومنینؓ آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری و مسلم)۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حییؓ نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کے اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضور ﷺ انکو گھر تک چھوڑنے کیلئے ساتھ چل

پڑے' راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ سنو یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپ نے فرمایا شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے' مجھے خیال ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دل میں کوئی بد گمانی نہ پیدا کر دے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اس اپنے واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہؓ حضور ﷺ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں' واللہ اعلم۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں' جیسے بوس کنارہ وغیرہ' ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں میری طرف سر جھکا دیا کرتے تھے میں آپ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے علاوہ گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں' میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل' اس میں جو کام جائز اور جو ناجائز ہیں' وہ غرض یہ سب ہماری حد بندیاں ہیں' خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا' نہ ان سے تجاوز کرنا' نہ ان کے آگے بڑھنا۔ بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول ﷺ کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اسی بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ یعنی وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے' اللہ تعالیٰ تم پر رحمت و رافت نازل کرنے والا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ع ۲۳ / ۷

ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

ایک دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ حرام ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو شخص کسی دوسرے کے مال پر ناحق قبضہ کرے اور جو اصل حقدار ہے اس کے پاس کوئی شہادت یا دلیل نہ ہو کہ یہ مال میرا ہے اور ناحق قبضہ کرنے والا اس کا انکار کر دے کہ یہ مال اس (اصل مالک کا) کا ہے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے' حالانکہ وہ (ناحق قبضہ کرنے والا) جانتا ہو کہ اس پر اس کا (اصل مالک) حق ہے اور یہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے آپ کو گنہگاروں میں شامل کر رہا ہے۔ حضرت مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' حسن' قتادہ سدی مقاتل بن حیان' عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے' کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں انسان ہوں' میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک (شخص) دوسرے سے زیادہ

حجت باز ہو' میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سنکر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ در حقیقت میرا فیصلہ واقعہ خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوادوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھالے یا نہ اٹھائے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ' حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کی شرعی حیثیت کو بدل نہیں سکتا۔ فی الواقع جو حرام ہو وہ قاضی کے فیصلے سے حلال اور اور حلال حرام نہیں ہو سکتا۔ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہری ہوتا ہے' باطن میں نافذ نہیں ہوتا اگر وہ فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر' ورنہ حاکم کو تو اجر ملیگا' لیکن اس فیصلہ کی بنا پر حق کو ناحق اور ناحق کو حق بنا لینے والا رب کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا' جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کیلئے جھوٹے مقدمات بنا کر' جھوٹے گواہ گزار کر' ناجائز طریقوں سے حکام کو چکر دے کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے' قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے 'گواہوں کی گواہی کے مطابق' ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے ممکن ہے خطا کرے' اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے' تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھ لو' یہ جھگڑا باقی ہی ہے' یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں سے اسے بدلہ دلوائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ ھِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۸۹)

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں میں حج کے موسم کیلئے ہے ('احرام کی حالت میں) اور گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں' بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو' گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

ماہ و سال چاند کے تعین کیلئے ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے' عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے' حج کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے' اسے دیکھ کر روزے رکھو' اسے دیکھ کر عید مناؤ۔ اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو' اس روایت کو امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے' گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو داؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ دراصل

یہ بھی جاہلیت کے زمانہ کے قریشیوں نے اپنے لئے ایک امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آسکتے تھے لیکن باقی کے سب لوگ اس طرح نہیں جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک باغ میں تھے وہاں سے آپ اس کے دروازے میں سے نکلے آپ کے ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامرؓ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے اس پر لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضور ﷺ کو جس طرح کرتے دیکھا کیا مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے مٹایا۔ عطاءؒ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جو اسلام نے اٹھا دیا۔ پھر فرمایا اللہ کے حکموں کو بجالانا اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا و سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝١٩٠ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٩١ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٩٢ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩٣

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہ ہی ہے۔ اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔

جہاد کا حکم اور اسکی شرائط: حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے۔ حضور ﷺ اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں اور جو آپ سے نہ لڑیں خود آپ ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برات نازل ہوئی۔ بلکہ عبدالرحمن ابن زید بن اسلمؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْ تُّمُوْهُمْ ﴾ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو۔ لیکن اس میں نظر ہے' اس لئے کہ یہ تو صرف مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ان دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں' جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ﴾ یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے تمام کے تمام مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا' انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا ارادہ تمہارے قتل کا اور تمہیں جلاوطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی ارادہ ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو' ناک کان وغیرہ نہ کاٹو' خیانت اور چوری نہ کرو' عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو' ان بوڑھے کمزور اور ناتواں لوگوں کو بھی نہ مارو' جو نہ لڑنے کے قابل ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں' درویشوں اور تارک الدنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی' نہ درخت کاٹو' نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباس ' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت مقاتل بن حیانؒ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو خیانت نہ کرو' بدعہدی سے بچو' ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو' بچوں اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو' اللہ کی راہ میں جہاد کرو' کفار سے لڑو' ظلم وزیادتی نہ کرو' دھوکہ بازی نہ کرو' دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو' درویشوں کو قتل نہ کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی' حضور ﷺ نے اسے بہت برا منایا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمادیا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک' تین' پانچ' سات' نو' گیارہ مثالیں دیں ایک تو ظاہر کر دی باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان زور آوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب لوگوں نے ان پر ظلم وزیادتی شروع کر دی جس کے باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا۔ یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آ گئی تو انہوں نے ظلم وزیادتی شروع کر دی' فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں' جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم وزیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے۔ چونکہ جہاد کے احکام میں بظاہر قتل وخون ہوتا ہے' اس لئے یہ بھی فرمادیا کہ اگر قتل وخون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ کفروشرک ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے' اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے۔ ابو مالکؒ فرماتے ہیں تمہاری یہ خطاکاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے بخاری و مسلم میں ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں یہ شہر حرمت والا ہے' آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانہ سے لیکر قیامت تک باحرمت ہی ہے صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا' لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی'' اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں' اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (ﷺ) کے لئے اجازت دی تھی' لیکن تمہیں اس کی کوئی اجازت نہیں۔ مراد آپ کے اس فرمان سے فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا' چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضور ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے اور جو مسجد میں

چلا جائے امن میں ہے اور جو ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی ان سے یہیں لڑو تا کہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحابؓ سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے اور ان کے ساتھیوں نے مل ملا کر یورش کی تھی اور آپ نے درخت تلے اپنے اصحابؓ سے بیعت لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا۔ چنانچہ اس نعمت کا بیان اس آیت ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ میں ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام کی طرف جھکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا۔ گو کہ انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو لیکن پھر بھی وہ باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین دوسرے تمام ادیان پر غالب اور بلند ہو جائے۔ جیسے بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے تو بتایئے کہ ان میں کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنیوالا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو اس کے دین کا بول بالا ہو۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کہیں جب وہ اسے کہہ لیں تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیں گے، مگر اسلامی احکام میں اور ان کا باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہو گا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ یعنی مجاہدؒ کے اس قول کے معنی یہ ہوئے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے' یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے' پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ و جدال ہو۔

یہاں لفظ ﴿ عُدْوَانُ ﴾ جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے حقیقتاً وہ زیادتی نہیں۔ جیسے فرمایا ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ﴾ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو۔ اور جگہ ہے۔ ﴿ فجزآء سیئة سیئة مثلها ﴾ یعنی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ فَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ﴾ یعنی اگر تم سزا اور عذاب دو تو اتنا ہی دو جتنا تم پر کیا گیا ہے۔ پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا کو بدلہ کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا و عذاب نہیں۔ عکرمہؒ اور قتادہؒ کا بیان ہے اصل ظالم وہی ہے جو ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کا انکاری ہو۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس دو شخص آئے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر لوگوں نے چڑھائی کر رکھی تھی' اور آ کر کہا کہ لوگ تو مر کٹ رہے ہیں آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ فرمان جناب باری کا نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن آپ نے اللہ کی راہ کا جہاد کیوں چھوڑ رکھا ہے اور کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو' ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو' حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں۔

آپ نے فرمایا بھتیجے سنو! اسلام کی بناء پانچ ہیں' اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا' پانچ وقت کی نماز ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' زکواۃ دینا' بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس نے کہا کیا قرآن کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمانداروں کی دو جماعتیں اگر آپس میں

جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرادو اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمان بردار بن جائے اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تا وقتیکہ فتنہ مٹ جائے۔ آپ نے فرمایا ہم نے حضور ﷺ کے زمانہ اس کی تعمیل کرلی جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے' جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر فتنہ آپڑتا تھا یا تو قتل کردیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنس جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہوگئے اور فتنہ برباد ہوگیا۔ اس نے کہا اچھا تو پھر فرمایئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا عثمانؓ کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا گو تم اس معافی سے برا مانو اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

حرمت والے مہینے اور بیعت رضوان: ذوالقعدہ سنہ ۶ھ میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لئے اپنے صحابہ کرامؓ سمیت مکہ کی طرف چل پڑے' لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں۔ چونکہ ذوالقعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے' ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کردیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکوں نے قتل کردیا' جو کہ حضور ﷺ کا پیغام لے کر مکہ میں گئے تھے' تو آپ نے اپنے چودہ سو اصحابؓ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور صلح کی طرف مائل ہوگئے۔ پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا۔ اسی طرح آپ جب کہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جاکر قلعہ بند ہوگئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا بالآخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد یہ محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے' اور جعرانہ سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا' یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں' اور یہ عمرہ آپ کا ذی القعدہ میں ہوا یہ سنہ ۸ھ کا واقعہ ہے' اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے۔ پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرلو' یعنی مشرکین میں بھی عدل کا خیال رکھو۔ یہاں بھی زیدتی کے بدلہ کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے ایک مقام پر عذاب و سزا کے بدلہ کو بھی سزا کے لفظ سے ہی تعبیر کیا گیا ہے اور برائی کے بدلے کو بھی برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت مکہ میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت و شان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہوگئی لیکن ابن جریرؒ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ مجاہدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے

ساتھ دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

مع عند المتقدمین ۱۲

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک و احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

جہاد اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے حضرت ابو عمرانؒ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں' سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور ﷺ کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے' آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہو گیا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا' ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے' آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے' اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا لڑائی ختم ہو گئی' ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی' نہ مال کی دیکھ بھال کی' نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا' پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی' پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار و تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں خود کو ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' وغیرہ)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبیدؓ تھے' حضرت براء بن عازبؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں' اور وہ مجھے گھیرے میں لے لیں اور قتل کر دیا جاؤں' تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے ﴿ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ اے نبی اللہ کی راہ میں لڑتا رہ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے اسی کو تکلیف دے۔ یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ)۔ ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا' یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور ازد شنوء قبیلہ کا ایک آدمی جرأت کر کے دشمنوں میں گھس گیا' ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا' لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ شکایت کی چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا یہ اپنی جانوں کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت ضحاکؒ بن ابوجبیرہ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا

ہے۔ اور بعض مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا' یہ اپنے ہاتھوں ہلاک ہونا ہے ﴿تھلکۃ﴾ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبیؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے' تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک' پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے' حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے۔ پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو' اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو' اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی' قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے' ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اسکے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے' خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ دیدے' خواہ قربانی کرے' ہاں امن کی حالت میں جو شخص عمرہ سے لے کر حج تک تمتع کرے' تو اس کو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے' جسے طاقت ہی نہ ہو' وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں' یہ پورے دس ہو گئے' یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں' لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے۔

حج اور عمرہ کا پورا کرنا کیا ہے؟ اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا' پھر جہاد کا بیان ہوا' اب حج کا ذکر ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے۔ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرہ کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے گو عمرہ کے واجب اور مستحب ہونے میں علماء کے دو اقوال ہیں جنھیں ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے ﴿ فللہ الحمد و المنتہ ﴾ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو' تمہارا یہ سفر حج و عمرہ کی غرض سے ہو' میقات پہنچ کر لبیک پکارنا شروع کر دو' تمہارا ارادہ تجارت یا کسی اور غرض دنیوی کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج و عمرہ بھی کر لیں تاکہ اس طرح حج و عمرہ بھی ہو جائے' لیکن یہ پورا کرنا نہیں' پورا کرنا یہ ہے کہ

صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرہ کو حج کے مہینوں میں نہ کرے اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ حج کے مہینے مقرر ہیں' قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے۔ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے۔ لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے' ایک سنہ ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں' دوسرا ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء' تیسرا ذوالقعدہ ۸ھ میں عمرۃ الجعرانہ' چوتھا ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ میں حج کے ساتھ۔ ان چار عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا ہاں آپ نے ام ہانیؓ سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان مائی صاحبہ نے آپ کیساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری میں یہ پورا واقعہ موجود ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ مائی صاحبہ کے لئے ہی مخصوص حکم ہے' واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہی کہ حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں۔ حج اس وقت پورا ہوتا ہے جب کہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو کنکر مارے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑے' اب حج ادا ہو گیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے۔ حضرت عبداللہؓ کی قرأت یہ ہے ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ ﴾ عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا ابن عباسؓ کی قرات بھی یہی تھی حضرت علقمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابراہیمؒ سے مروی ہے ﴿ وَاَقِيْمُوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ ﴾ شعبیؒ کی قرأت میں والعمرۃ ہے' وہ فرماتے ہیں عمرہ واجب نہیں گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے۔ بہت سی احادیث میں کئی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرہ دونوں کو جمع کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے۔ ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص آں حضرت ﷺ کے پاس آیا اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے' اس پر یہ آیت اتری۔ حضور ﷺ نے پوچھا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ موجود ہوں۔ فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار دے اور خوب اچھی طرح غسل کر لے اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرہ میں بھی کر۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں ان کا نام یعلی بن امیہؓ آیا ہے' دوسری روایت میں صفوان بن امیہؓ ہے' واللہ اعلم۔

احرام والا' بیماری یا دشمن کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو کیا کرے؟ پھر فرمایا اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر ڈالو' مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت سنہ ۶ھ میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور آپ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں۔ چنانچہ ستر اونٹ ذبح کئے گئے سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ پہلی مرتبہ حضور ﷺ کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپ ﷺ باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے' بعض نے سر منڈوالیا بعض نے بال کتروالئے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضور! بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں ہی کے لئے دعا کی۔ تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی۔ سات سات شخص ایک اونٹ میں شریک تھے۔ کل تعداد صحابہؓ کی چودہ سو تھی۔ حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حد حرم

سے باہر تھا۔ گویہ بھی مروی ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے' واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن گھیر لے' یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے' کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ طاؤس' زہری اور زید بن اسلمؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے' یا بیمار ہو جائے' یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گا' وہ اگلے سال حج کر لے۔ اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے ذکر کیا انھوں نے بھی فرمایا سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ابن زبیرؓ' علقمہ' سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر' مجاہد' نخعی عطا' مقاتل بن حیانؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ سفیان ثوریؒ ہر مصیبت و ایذا کو ایسا ہی بتاتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبدالمطلبؓ کی صاحبزادی ضباعہؓ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں' آپ نے فرمایا حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہو گی جہاں میں مرض سے رک جاؤں۔ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا' فالحمد للہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اونٹ' گائے' بکری' بھیڑ یا ان کے نر ہوں' ان آٹھوں قسموں میں جسے چاہے ذبح کرے۔ ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے۔ غالباً ان کی دلیل حدیبیہ کا واقعہ ہو گا۔ اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری۔ حضرت عروہؒ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے یہ دلیل ہے کہ قرآن نے آسانی ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے۔ اور قربانی کے جانور اونٹ گائے بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے ترجمان قرآن رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی' پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ اس کا عطف ﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ ﴾ الخ پر ہے نہ کہ ﴿ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ ﴾ پر۔ ابن جریرؒ سے یہاں سہو ہو گیا ہے' وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے سال جب کہ مشرکین حائل ہو گئے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا' تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں' لیکن امن کی حالت میں جب کہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرہ کے تمام احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو یا ان میں سے ایک کا کرنے والا ہو یا اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو' یا خواہ تمتع کی نیت کی ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ تو احرام سے ہی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوا لیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار

سکتا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دیدے۔

صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں (حضرت) کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضور ﷺ کے پاس لے گئے' جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں' آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا میں نہیں خیال کرتا تھا کہ تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی' کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ذبح کر ڈالو' میں نے کہا حضور! میں تو مفلس آدمی ہوں' آپ نے فرمایا اچھا جاؤ اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا' یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دے دینا۔ پس یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا جو حضور ﷺ نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا' ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہوگئی تھیں۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا لیا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے ﴿ نُسُكٌ ﴾ یعنی قربانی ایک بکری ہے' اور روزے اگر رکھے تو تین ہیں' اور صدقہ اگر دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے۔ حضرت علیؓ محمد بن کعب' علقمہ' ابراہیم' مجاہد' عطاء' سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب ابن عجرہؓ کو تینوں مسئلے بتا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کر لو کافی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہاں دو تین طریقے لفظ "او" کے ساتھ بیان ہوئے ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔ حضرت مجاہد' عکرمہ' عطاء' طاؤس' حسن' حمید' اعرج' ابراہیم نخعی اور ضحاکؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ آئمہ اربعہ اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ' اگر چاہے روزے رکھ لے' اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے' روزے تین ہیں' صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع (یعنی آٹھ سیر سے آدھی چھٹانک کم) ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کرے' اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے۔ پروردگار رحمٰن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینا تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے' پھر صدقہ کا ذکر کیا' پھر قربانی کا اور حضور ﷺ کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا' پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا' پھر تین روزے رکھنے کا۔ سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں ﴿ فالحمد الله۔ ﴾

سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے' تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا' اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے' ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے' ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے' روزے دس ہیں' صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسنؒ اور عکرمہؒ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتاتے ہیں' لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں' اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور کھانا چھ مسکینوں کا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ بکری کی قربانی کرے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے' جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں' اختیار ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ ہی میں کرے ہاں روزے جہاں چاہے رکھ لے۔ ایک اور روایت میں ہے ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ حج کو نکلے' آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسینؓ بھی تھے' میں ابن جعفر کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے' میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے۔ ابن جعفر انہیں دیکھ کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک

ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسینؓ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوالو پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا۔ تو اگر اس اونٹ کا قربان کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا، تو ظاہر کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔

حج تمتع کرنے والوں کیلئے احکام: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج تمتع کرنے والا شخص بھی قربانی کرے، خواہ حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو۔ اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں مشہور بھی یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے، جیسے کہ اس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں آپ قارن تھے اور یہ بات تمام راوی کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپ کے ساتھ تھے۔ پس اس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردویہ)۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے۔

عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا، پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور ﷺ نے اس سے روکا، لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمرؓ ہیں۔ حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے۔ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرہ کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے، ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ لیکن یاد رہے کہ یہ ممانعت حضرت عمرؓ کی بطور حرام کہنے کے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ لوگ بکثرت بیت اللہ کا قصد حج و عمرہ کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپؓ سے صراحتاً مروی ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص نہ پائے، وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے، یہ پورے دس دن ہو جائیں گے۔ یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو، وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں اور باقی سات بعد میں اور علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے۔ حضرت عطاءؒ کا قول یہی ہے، یا احرام باندھتے ہی رکھ لے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤسؒ، مجاہدؒ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں۔ حضرت شعبیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر عرفہ سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے، ایک یوم الترویہ کا، ایک عرفہ کا۔ حضرت علیؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آجائیں تو حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے (بخاری)۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت عکرمہ، حسن بصری اور عروہ بن زبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فی الحج عام ہے اور ان دنوں کو بھی شامل ہے۔ امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے کہ ان دونوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں پھر سات روزے لوٹتے وقت، اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ جاؤ، پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہدؒ اور عطاءؒ یہی کہتے ہیں۔ یا مراد وطن میں پہنچ جانا ہے، یہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریرؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجتہ الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی' ذوالحلیفہ سے آپ نے قربانی ساتھ لے لی تھی' عمرہ کی پھر حج کی تہلیل کی۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا' بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ رکھ لی تھی' بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ کا طواف کر کے' صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام کھول ڈالے' سر کے بال منڈوالے' یا کتروالے' پھر حج کا احرام باندھے۔ اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے الخ (بخاری و مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔

پھر فرمایا یہ پورے دس ہیں۔ یہ فرمان تاکید کیلئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا' ہاتھ سے لکھا۔ اور قرآن میں بھی ہے ﴿ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ ﴾ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ ﴾ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا نہیں۔ اور جگہ ہے ہم نے موسیٰ کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور مزید دس کے ساتھ پورا کیا اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا۔ پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے' ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام و کمال کرنے کا۔ ﴿ كَامِلَةٌ ﴾ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔

حج تمتع کا حکم کن کیلئے ہے: اس کے بعد فرماتا ہے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے تمتع باہر والوں کے لئے ہے تم کو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا' طاؤس کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن عطاؒ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی جو لوگ احرام باندھنے کے مقامات سے نزدیک ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں۔ مکحولؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ تو عرفات' مزدلفہ' عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

زہریؒ فرماتے ہیں مکہ سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو' یا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے اور لوگ نہیں کر سکتے۔ عطاءؒ دو دن بھی فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں مکی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو' ان سب کے لئے یہی حکم ہے' اس لئے کہ سب حاضر کہے جائیں گے' ان کے علاوہ تمام مسافر' ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اس کے احکام ہیں بجا لاؤ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اپنے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے مہینے مقرر ہیں جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے' تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔

احرام کے مسائل اور سفر خرچ کی تلقین: عربی دان حضرات کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ حج' حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر رہیں۔ پس حج کے مہینوں احرام باندھنا' دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے۔ امام مالک امام ابو حنیفہ 'امام احمد 'اسحٰق 'ابراہیم نخعی 'ثوری' لیث رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل ﴿ يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ﴾ الخ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو ''نسک'' کہا گیا ہے اور عمرہ کا احرام ہر مہینے میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہو گا۔

جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہو گا۔ بلکہ اگر دوسرے مہینہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے۔ لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحبؒ کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس 'حضرت جابر 'عطاء اور مجاہدؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ﴾ ہے جبکہ عربی دان حضرات کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے ہیں' تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے جو احرام حج کا باندھے گا وہ صحیح نہ ہو گا' جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی' انہوں نے ابن جریج سے سنا' انہیں عمرو بن عطاء نے کہا' ان سے عکرمہ نے ذکر کیا' کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ﴾ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔ ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا یہ فرمان کہ سنت یوں ہے' حکم میں مرفوع حدیث کے ہوتا ہے۔

پس یہ حکم رسول ہو گا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوائے حج کے مہینوں کے لائق نہیں اس کی اسناد بھی اچھی ہیں' لیکن شافعیؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے' تو آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے' واللہ اعلم۔ ﴿ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ﴾ سے مراد' حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں شوال' ذوالقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔ (بخاری) یہ روایت ابن جریر اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور امام حاکمؒ اسے صحیح بتلاتے ہیں۔ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت عبداللہ بن عباس رضوان علیہم اجمعین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عطاء حضرت مجاہد' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت شعبی' حضرت حسن' حضرت ابن سیرین 'حضرت مکحول' حضرت قتادہ' حضرت ضحاک بن مزاحم' حضرت ربیع بن انس' حضرت مقاتل رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں اور امام شافعی' امام ابو حنیفہ' امام احمد بن حنبل' ابو یوسف اور ابو ثور رحمتہ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اس کو پسند فرماتے ہیں۔

اشھر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے' جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔ پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا سا ہی ہوتا ہے مگر تغلیبا' ایسا بول دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی تغلیبا' تیسرے مہینے کا ذکر ہے۔ قرآن میں بھی ہے ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ يَوْمَيْنِ ﴾ حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے۔ امام مالک' امام شافعیؒ کا پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے۔ ابن عمرؓ' ابن شہاب' عطا' جابر بن عبداللہؓ' طاؤس مجاہد عروہ ربیع اور قتادہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث

میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے کیوں کہ اس کا راوی حصین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں' واللہ اعلم۔

امام مالکؒ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینہ میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں۔ امام ابن جریرؒ بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منی کے دن گذرتے ہی جاتا رہا۔ محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ' عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو۔ قاسم بن محمدؒ سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں جانتے۔ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے' واللہ اعلم۔ (اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ میں چار عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا' واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کر لے یعنی حج کا احرام باندھ لے اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔

فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاءؒ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے۔ ابراہیمؒ اور ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکارنے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں۔ اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفث سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام کام بھی حرام ہیں' جیسے مباشرت کرنا بوسہ لینا' ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا' گو کہ بعض نے مردوں کے مجمعوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے' فحش باتیں کرنا' دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا' اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر کرنا' اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے' چھیڑ چھاڑ' مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفث میں داخل ہیں' اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔

مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی' شکار' گالی گلوچ وغیرہ بد زبانی ہے' جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ 'بدالقاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے۔ قرآن فرماتا ہے ﴿لَا تَنَابَزُوْا بِا لْاَلْقَابِ ﴾ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اسی طرح حرم میں بھی اس کی حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اسے ہم المناک عذاب چکھائیں گے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا' بال منڈوانا یا کتروانا' ناخن لینا وغیرہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے' لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے' واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص اس بیت اللہ کا حج کرے 'نہ رفث کرے 'نہ فسق 'وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان میں جھگڑا نہ کرو۔ اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں ان میں کمی زیادتی نہ کرو۔ موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم میں اور جگہ فرمادی گئی ہے۔ اسی طرح قریش مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے 'پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ کے ہاتھوں وقت حج ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں 'اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے 'نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے 'بس یہ جھگڑے اب ختم کر دو' واللہ اعلم۔

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو' نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ 'نہ کسی کو گالیاں دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہ ؒ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں 'ہاں مارے نہیں 'لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ علیہ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ آنحضرت علیہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماء ؓ اپنے والد حضرت صدیق اکبر ؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں حضرت ابو بکر ؓ اور آنحضرت علیہ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابو بکر ؓ کے خادم کے پاس تھا 'حضرت ابو بکر صدیق ؓ اس کا انتظار کر رہے تھے 'تھوڑی دیر میں وہ آگیا اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے ؟ اس نے کہا حضرت کل رات گم ہو گیا 'آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا۔ نبی علیہ مسکرارہے تھے اور فرماتے جارہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں ؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے 'لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضرت علیہ کا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے۔ پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے ' واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کے ہاتھ سے ایذا نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جارہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ سفر حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے جس پر یہ حکم ہوا۔ حضرت عکرمہ ؒ 'حضرت ابن عیینہ ؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بخاری نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھتا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو 'آٹا ستو وغیرہ توشے میں لے لو۔ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے 'بلکہ ابن عمر ؓ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی فرماتا ہے کہ آخرت کے توشے کی بھی تیاری کر لو 'یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف الٰہی لے کر جاؤ۔ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا ﴿ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے یعنی خشوع 'خضوع 'طاعت و تقوے کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو بلکہ یہ لباس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے۔ ایک حدیث میں

بھی ہے کہ دنیا میں اگر خرچ کرو گے تو آخرت میں پاؤ گے' یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی)۔ اس حکم کو سنکر ایک مسکین صحابیؓ نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں' آپ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے' اور بہترین خزانہ خوف الٰہی ہے (ابن ابی حاتم)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو' یعنی میرے عذابوں سے میری پکڑ دھکڑ سے میری گرفت سے میری سزاؤں سے ڈرو' دب کر میرے احکام کی تعمیل کرو' میرے ارشاد کا خلاف نہ کرو تاکہ نجات پاسکو' یہ ہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں' جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو' اس کا ذکر اس طرح کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔

کیا حج کرنے والا تجارت بھی کر سکتا ہے؟: صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ' مجنہ اور ذوالمجاز نام کے بازار تھے۔ اسلام کے بعد صحابہ کرامؓ حج کے دنوں میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے' جس پر انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کوئی گناہ کا کام نہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آس حضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی' کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے' یا احرام کے بعد حاجی کو خرید و فروخت حلال ہے۔ ابن عباسؓ کی قرات میں ﴿ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ کے بعد ﴿ فِىْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ ﴾ کا لفظ بھی آیا ہے۔ ابن زبیرؓ سے بھی یہ مروی ہے اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہ تیمیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطان کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں' تو آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل آیت ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ﴾ الخ لے کر اترے اور حضور ﷺ نے اس شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا۔ مسند عبدالرزاق اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے' بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا۔

میدان عرفات مزدلفہ میں دخول اور خرچ کی تفصیل: عرفات کو منصرف پڑھا گیا ہے' حالانکہ غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی اسم علم اور تانیث اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مومنات' ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا۔ عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بہترین کام ہے۔ مسند احمد

وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے' تین مرتبہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا۔ منٰی کے تین دنوں میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں' ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لیکر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ نبی ﷺ حجتہ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے تھے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے کہ دس تاریخ کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج پالیا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے' ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے' تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں طی کی پہاڑیوں سے آرہا ہوں' اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی' واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو' پس اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا (مسند احمد و سنن)۔ امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا' جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ ﴿ عَرَفْتَ ﴾ کیا تم نے پہچان لیا' حضرت خلیل اللہؑ نے جواب دیا ﴿ عَرَفْتَ ﴾ میں نے جان لیا' کیونکہ اس سے پہلے یہاں آچکے تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گا۔ حضرت عطاءؒ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو مجلزؒ سے بھی یہی مروی ہے' واللہ اعلم۔ عرفات کا نام مشعر الحرام' مشعر الاقصیٰ اور "الال" بھی ہے اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمتہ ہے۔ ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے۔ اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے اور جب دھوپ پہاڑ کی چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی تھی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا' تو وہ وہاں سے چل پڑتے۔ لیکن حضور ﷺ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا' پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں قیام کیا اور صبح سویرے بالکل اول وقت' رات کے اندھیرے اور صبح کی چاندنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز فجر ادا کی اور جب چاند صاف ہو گیا تو فجر کی نماز کے گویا آخری وقت میں آپ نے یہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے' دیکھو مشرک و بت پرستی والے تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو لوٹ جاتے تھے سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی' لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس چلیں گے' اور مشعر الحرام سے وہ سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی دھوپ چڑھ جاتی تھی کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح نمایاں ہو جائے جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں' لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے پہلے ہی پہل چل دینگے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم)۔ امام حاکمؒ نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتایا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسورؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت مسورؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے' لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں۔

حضرت معرور بن سویدؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے' آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم نے لوٹنے کو صاف پایا۔ صحیح مسلم کی حضرت جابرؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث' جس میں حجتہ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے' کہ رسول اللہ ﷺ غروب ہونے تک

عرفات میں ٹھہرے' جب سورج غروب ہو گیا اور قدرے زردی ظاہر ہو گئی تو آپ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے حضرت اسامہؓ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل کھینچ لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو! آہستہ آہستہ 'اطمینان' سکون' نرمی اور دل جمعی کیساتھ چلو۔ جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کر دیا کرتے تا کہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے۔ مزدلفہ میں آکر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز (اکٹھی) ادا کی' اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں' مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے' پھر لیٹ گئے' صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان وا قامت ہوئی' پھر قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے' قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب روشنی ہو گئی۔ طلوع آفتاب سے سورج نکلنے سے پہلے ہی آپ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت اسامہؓ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں سے چلے تو کس چال چلتے تھے؟ فرمایا درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے۔ ہاں جب راستے میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو۔ یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمونؒ ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مشعر الحرام کے بارے میں پوچھا تو آپ خاموش رہے' جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے یہ ہے مشعر الحرام۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ کا تمام علاقہ' پہاڑ اور اس کے اطراف واکناف مشعر الحرام ہے' آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں' تو فرمایا یہ لوگ یہاں کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی یہ سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے۔ حضرت عطاءؒ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑ دیئے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا' وادی محسر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ورے ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تا کہ راستے سے یکسوئی ہو جائے۔ مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو' مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم مین داخل ہے۔

سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی مثلاً' قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے' بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرسؓ سے اس معنے کی مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی۔ امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں۔ پس یہ تین اقوال ہوئے۔ ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے' واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں' واللہ اعلم مترجم)۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہاں وادی محسر نہیں۔ مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں۔ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان ابن موسیٰ اشدق نے جبیر بن مطعم کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں' واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہؑ کی اس سنت کو واضح کر دیا حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے' یعنی اس ہدایت سے پہلے' یا اس قرآن سے پہلے' یا اس رسول (ﷺ) سے پہلے' فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی۔ فالحمد للہ۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

واپس لوٹنے کی جگہ: "ثُمَّ" یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرمادیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے۔ البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ طریقہ اپنالیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں' اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے' باقی تمام عرب عرفات میں جاکر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے واپس لوٹتے تھے۔ اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ' عطاء' مجاہد' قتادہ' اور سدیؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اس پر اجماع بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈھنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا' میں کہنے لگا کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آکر ٹھہرے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منٰی کو جانا ہے' (واللہ اعلم) اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیلؑ ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد امام ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔

استغفار اور دعائے سید الاستغفار: پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم)۔ یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریر)۔ آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے ﴿ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا سْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَ بُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ ﴾ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اس رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہو گا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھیگا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھایئے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں' آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

النصف

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ پس بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمایا اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے لئے انکے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے

ارکان حج کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو: یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ اور ساتھ ہی ذکر کا طریقہ بتادیا کہ اس طرح ذکر اللہ کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقعہ پر تھے 'کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا' کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا' سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں عظمتیں اور عزتیں بیان کیا کرو۔ اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو' اسی لئے ﴿ اَوْ اَشَدَّ ﴾ پر زبر تمیز کی بنا پر لائی گئی ہے، یعنی اس طرح اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

﴿ اَوْ ﴾ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے ﴿ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ اور ﴿ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ اور ﴿ اَوْ اَدْنٰى ﴾ 'ان تمام مقامات میں لفظ ﴿ اَوْ ﴾ ہرگز ہرگز شک کے لئے نہیں ہے' بلکہ فجر عنہ کی تحقیق کے لئے ہے' یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کی حامل دعاء: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے' ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلبی کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اعرابی یہاں آکر صرف یہی دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ اس سال بارشیں اچھی برسا غلے اچھے پیدا ہوں' اولادیں بکثرت ہوں' وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں اس لئے ان کی تعریفیں کی گئی۔ اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے، اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی گھر بار، بیوی بچے، روزی علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی غلام' عزت و آبرو غیرہ تمام چیزیں آگئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا گھبراہٹ سے نجات پانا نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا سرخ رو ہونا، اور عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب اس میں آئے گا پھر اس کے بعد جہنم کے عذاب سے نجات چاہتا ہے، اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے۔ مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ۔ قاسمؒ فرماتے ہیں جسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے، اس حدیث میں ﴿ رَبَّنَآ ﴾ سے پہلے ﴿ اَللّٰهُمَّ ﴾ بھی ہے۔ حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے، تو آپ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد)۔ حضرت انسؓ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے تو اس دعا کو نہ چھوڑتے' چنانچہ حضرت ثابتؒ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں آپ نے یہی ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا ﴾ الخ پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آگئیں (ابن ابی حاتم)

آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے، صرف ہڈیوں کا

ڈھانچہ رہ گیا ہے، آپ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے، اس نے کہا ہاں، میری یہ دعا تھی کہ اے اللہ جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال، آپ نے فرمایا سبحان اللہ، کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے تو نے یہ دعا ﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا ﴾ (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دیدی (احمد)۔ رکن بنی جمح اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ وغیرہ)۔ لیکن اس کی سند میں ضعف ہے' واللہ اعلم۔

آپ فرماتے ہیں جب کبھی رکن کے پاس سے گذرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے، تم جب کبھی یہاں سے گذرو تو رَبَّنَا اٰتِنَا الخ پڑھا کرو (ابن مردویہ)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کے ساتھ ملازمت کرلی ہے' اس اجرت پر کہ وہ مجھے ساتھ سواری پر سوار کرلیں اور حج کے موقع پر وہ مجھے رخصت دیں کہ حج ادا کرلوں، اور اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمایئے کہ اس طرح میرا حج ہو جائے گا، آپ نے فرمایا ہاں' بلکہ تو، تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ ﴾ الخ (مستدرک حاکم)۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اللہ تعالیٰ کی یاد، ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو' دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں' اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، پرہیزگاروں کے لئے یہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

ایام تشریق اللہ کا ذکر اور کھانے پینے کے دن ہیں: ایام معدودات سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد ﴿ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عرفہ کا دن قربانی کا دن، اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد)۔ اور حدیث میں ہے ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں (احمد)۔ پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ، عرفات کل ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں' اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ منی کے دن تین ہیں، دو دن کی جلدی کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں، حضور ﷺ نے عبداللہ بن حذافہؓ کو بھیجا کہ وہ منی میں گھوم کر منادی کردیں کہ، ان دنوں میں روزہ نہ رکھے، یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ ایک اور مرسل روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی کرنے والے بشر بن سحیمؓ تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی دس سے تیرہ تک۔ ابن عمر' ابن زبیر' ابو موسیٰ' عطاء' مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' ابو مالک' ابراہیم' نخعی' یحییٰ بن ابی کثیر' حسن' قتادہ' سدی' زہری' ربیع بن انس' ضحاک' مقاتل بن حیان' عطاء خراسانی امام مالکؒ رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں' ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے۔ مگر مشہور قول پہلا ہی

ہے' اور ریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت اسی پر ہے' کیونکہ دو دن کی جلدی اور دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد مقررہ ذکر بھی ہے' اور ویسے عام طور پر بھی ذکر اللہ مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عملدر آمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک، اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دار قطنی میں ہے' لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں' واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ اپنے خیمے میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے' یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا۔ اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارتے وقت تکبیر اور ذکر اللہ کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداؤد وغیرہ ہم میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا مروہ کی سعی' شیطانوں کو کنکریاں مارنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے' اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اسکے سامنے جمع ہونا ہے اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہوگا، پس جہاں کہیں بھی ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر رب کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر اور آمادہ کر دیتا ہے ایسے کو جہنم ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنیوالا ہے۔

منافقوں کا طریق کار اور انکی نشانیاں: سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں بیان کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں ﴿ مَنْ يَّشْرِيْ ﴾ الخ والی آیت اتری اور منافقین کی مذمت کے بارے میں ﴿ "مَنْ يُّعْجِبُكَ" ﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے۔

قتادہؒ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ حضرت نوف بکالیؒ جو توراۃ وانجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں' مرقوم ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبر) سے زیادہ کڑوے ہیں' لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔

قرطبیؒ لکھتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف اور قرآن میں بھی موجود ہے' پڑھیئے آیت ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ ﴾ الخ حضرت سعیدؒ نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعبؒ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن محیصنؒ کی قرآت میں ﴿ يَشْهَدُ اللّٰهُ ﴾ ہے معنے یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ الخ یعنی منافق تیرے پاس آکر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں' رب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن رب کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ لیکن جمہور کی قرآت ﴿ يُشْهِدُ اللّٰهَ ﴾ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو یہ اپنی خباثت کو چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر ونفاق ظاہر ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ ﴾ الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے' صحیح معانی آیت کے یہی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں

﴿ اَلَدُّ ﴾ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے۔ سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افترا اور بہتان بازی کرتا اور گالیاں بکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے بیوفائی کرے' جب جھگڑا کرے گالیاں بکے۔ ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو، اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں۔ قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے' عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

سعی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد وارادہ کرو' یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں' کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون ووقار کے ساتھ آؤ۔

منافقوں کا مزید تذکرہ: غرض یہ ہے کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا' کھیتی باڑی' زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہدؒ سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ وتذکیر کے ذریعے سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی

جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں' سنو اس سے بڑھ کر سنو! کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ ان کیلئے جہنم ہی کافی ہے یعنی سزا میں اور وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کی شان: منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومیؓ کے حق میں نازل ہوئی یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لیکر نہیں جانے دیں گے، اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، آپ نے سب مال چھوڑ دیا اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارک بادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا' بڑے نفع کی تجارت کی، آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے' آخر بتاؤ تو سہی کہ یہ مبارکبادیاں کیا ہیں؟ ان بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضور ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔

قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب تم مکہ میں آئے تو ہمارے پاس مال نہ تھا، یہ سب مال یہیں کمایا، اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے، چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لیکر خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے ان کو گھیر لیا، آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں، میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھید تار ہوں گا، اس کے بعد تلوار سے میں تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں، جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر تم میرے پاس آسکتے ہو پھر جو چاہو کر لو' اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا تمام مال دے دیتا ہوں یہ سب لے لو اور مجھے جانے دو چنانچہ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی، آپ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارکباد دی۔

اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان میں ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دیدی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایمان دار و اس خرید فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ حضرت ہشام بن عامرؓ نے جب کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت ﴿ مَنْ يَّشْرِیْ ﴾ کی تلاوت کر کے سنادی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو' وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں

آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا اسلام ہے: اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ تمام احکام کو بجا لائیں تمام ممنوعات سے بچ جائیں کامل شریعت پر عمل کریں۔ ﴿ سِلْم ﴾ سے مراد اسلام ہے اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ ﴿ کَافَّةً ﴾ کے معنی سب کے سب پورے پورے۔ عکرمہؒ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام' اسد بن عبید 'ثعلبہؓ وغیرہؓ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے' انہوں نے حضور ﷺ سے گذارش کی کہ ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت ورراتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری، کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو، لیکن اس میں حضرت عبداللہ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا وہ اعلیٰ درجہ کے عالم تھے اور پورے مسلمان تھے' انہی کامل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کے بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کے ساتھ دیں۔

بعض مفسرین نے کافۃ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے تمام احکام کو مانو۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح اسلام میں آجاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو شیطان کی نہ مانو، وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور رب پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ رب بھی بدلہ لینے میں غالب ہے' نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے، نہ اس پر کوئی غالب آسکے، وہ اپنے احکام کے جاری کرنے میں حکمتوں والا ہے' وہ غالب ہے اپنی پکڑ میں، وہ حکیم ہے اپنے امر میں، وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے، اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ انکے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

شافع محشر کا تذکرہ: اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائینگے اور ہر شخص اپنے کئے کو بھگت لیگا' جیسے، اور جگہ ارشاد ہے ﴿ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ ﴾ الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائینگے اور تیرا رب خود آجائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ آجائیں گے اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی' اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ الخ یعنی کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں، یا خود اللہ تعالیٰ آجائے، یا اس کی بعض نشانیاں آجائیں، اگر یہ ہو گیا تو پھر نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے۔ امام ابن جریرؒ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے' اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا اٹھیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت

طلب کریں گے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔

یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے' آپ جواب دیں گے میں تیار ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں، پھر آپ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا، آسمان دنیا ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آجائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آجائیں گے۔ اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تعالیٰ تشریف لائے گا۔

فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے، ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی ﴿ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَ الْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَ الْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِی یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی. سُبْحَانَ ذِی السُّلْطَانِ وَ الْعَظْمَةِ سُبْحَانَهٗ سُبْحَانَهٗ اَبَدًا اَبَدًا ﴾ حافظ ابو بکر ابن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے' واللہ اعلم۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام کو اسدن جمع کرے گا جس کا وقت مقرر ہے وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے، آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوں گی، ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا، اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نزول فرمائے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کی چکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے جس سے دل ہل جائیں۔ زہیر بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر وزبرجد ایسی آوازیں آرہی ہوں گی ہوگا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا۔

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ آئیگا جس میں چاہے چنانچہ بعض قرائتوں میں یوں بھی ہے ﴿ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ ﴾ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا ﴾ یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو تو، کہ ہم نے انھیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں' جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے۔ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی وہ ایمان داروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیز گار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہونگے' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کی احسان فراموشیاں اور صدقہ کرنے کا صلہ: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ کے علیہ اسلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی' ان کے لئے دریا کو چیر دینا' ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا من و سلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ، جن سے میرا خود مختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی (حضرت) موسیٰ کی نبوت کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان لانے کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ رہیں گے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا ﴾ الخ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرار گاہ میں پہنچادیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیاوی زندگی پر دیوانے بنے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے۔ بلکہ جو ایماندار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی، اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آجائے گی۔ روزی دینا جسے اللہ جتنی چاہے دیدے، جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے۔ حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر' میں تجھے دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے ﴿ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ تو جو کچھ خرچ کرو رب اس کا بدلہ دے گا۔

صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے اے اللہ تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو برکت عنایت فرما' دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کے مال کو برباد کر۔ اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے، میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھالیا' وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا' ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا اسے تو نے باقی رکھ لیا' اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو، تو دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جسے کا گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے' اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دئے گئے تھے اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے انہیں اختلاف کیا پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی' اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھی

راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔

امت محمدیہ کی سابقہ امتوں پر فضیلت: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق اور شریعت کے پابند تھے، پھر اختلاف پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا۔ بلکہ آپ کی قرآت بھی یوں ہے کہ ﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ ﴾ الخ۔ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ کی قرات بھی یہی ہے۔ قتادہؒ نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ، جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح۔ حضرت مجاہدؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے۔ لیکن اول قول معنی اور سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا، ان کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الٰہی سے ہو سکے' لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض، تعصب و ضد اور نفسانیت کے بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں، لیکن قیامت کے دن جنت میں جانے کے اعتبار سے سب سے آگے (پہلے) ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی ہمیں ان کے بعد دی گئی لیکن انھوں نے اختلاف کیا اور اللہ نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی ان میں اختلاف رہا لیکن ہمیں یہ ہدایت نصیب ہوئی۔ تمام کے تمام اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں، جمعہ ہمارا ہے، ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا' زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا' یہود نے بیت المقدس کو لیکن امت محمدیہ نے کعبہ کو قبلہ مقرر کیا۔ اس طرح نماز میں بھی' ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع ہے اور سجدہ نہیں' بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چالتے رہتے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمد ﷺ کی نماز سکون و وقار والی ہے' نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدیہ کو نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے' کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے نصاریٰ نے انہیں نصرانی کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے پس اس بارے میں بھی ہمارے رہبری کی گئی اور خلیل اللہؑ کی نسبت صحیح خیال تک ہم پہنچا دیئے گئے۔ حضرت عیسیٰ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی' نصرانیوں نے انہیں اللہ، اور رب کا بیٹا کہا' لیکن مسلمان اس افراط تفریط سے بچا لئے گئے اور انہیں روح اللہ اور کلمتہ اللہ اور نبی برحق مانا۔

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتدا میں سب لوگ رب واحد کی عبادت کرنے والے نیکیوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے' درمیان میں اختلاف رونما ہو گیا تھا' پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہو گی' یہاں تک کہ امت نوحؑ پر بھی ان کی شہادت ہو گی' قوم ہود' قوم صالح' قوم شعیب اور آل فرعون کا حساب کتاب بھی انہی کی گواہیوں پر ہو گا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں ﴿ وَ اللّٰهُ يَهْدِی ﴾ الخ سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ﴿ وَلِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے، گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت رب کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی وہ جسے چاہے راہ استقامت سمجھا دیتا ہے

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَ

اِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ یعنی اے اللہ ! اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے اللہ ! اے چھپے اور کھلے کے جاننے والے اللہ ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے، میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا تو جسے چاہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ حضور ﷺ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے ﴿ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَ لَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَنَضِلَّ وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴾ اے اللہ ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں۔ اے اللہ ہمیں نیک کار پرہیزگار اور لوگوں کا امام بنا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ ابتک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے' انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

تنگی کے بعد آسانی: مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں' سابقہ تمام امتوں کا بھی امتحان لیا گیا' انھیں بھی بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں۔ ﴿ بَاْسَآءُ ﴾ کے معنی فقیری اور ﴿ ضَرَّآءُ ﴾ کے معنی بیماری کے بھی کئے گئے ہیں۔ ﴿ زُلْزِلُوْا ﴾ دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ بیچارے کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارتؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے' سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن تاہم دین الٰہی کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضر موت تک کا سفر ایک ایک سوار کرنے لگے گا' اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ آ پڑے' لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔

قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ﴿ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا ﴾ الخ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی ہم نے تو اگلوں کو بھی آزمائش کی۔ سچوں اور جھوٹوں کو یقیناً ہم علیحدہ علیحدہ کر کے رہیں گے۔ چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش یوم الاحزاب کو یعنی جنگ خندق میں ہوئی' جیسے خود قرآن نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمان ہے ﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ الخ' یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا' جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں' دل حلقوم تک آ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔

اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گے جب کہ منافق اور کمزور یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ اور رسول کے وعدے تو غرور ہی کے تھے۔

ہر قل نے جب ابو سفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے' ابو سفیان نے کہا ہاں۔ پوچھا پھر کیا رنگ رہا؟ کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے' تو ہر قل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے' لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔ مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اگلے مومنوں نے بمعہ نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی' جنہیں جواب ملا کہ امداد بہت ہی نزدیک ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے' برائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندہ جب ناامید ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آپہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جارہا ہے' پس اللہ تعالیٰ ان کی جلد بازی اور اپنی رحمت کے قریب ہونے پر ہنس دیتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں' تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

خیرات کے حقدار: مقاتلؒ فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں اسے آیت زکوۃ نے منسوخ کر دیا' لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی! لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں' تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں' جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے' پھر درجہ بدرجہ قریبی لوگوں سے' یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں' باجوں' تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عنایت فرمائے گا وہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَھُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾ ع ۲۶ ۱۰

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو' حقیقی علم اللہ ہی کو ہے' تم محض بے خبر ہو۔

جہاد کی فرضیت اور کا حکم: دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہریؒ

فرماتے ہی جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ بیٹھے رہنے والوں پر یہ لازم ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے وہ امداد کریں' جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں' جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو' نہ اپنے دل میں جہاد کا ارادہ کیا وہ جاہلیت کی موت پر مرے گا اور حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی' ہاں جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو جایا کرو' یہ حکم آپ نے مکہ کے فتح کے دن فرمایا تھا۔

پھر فرماتا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی' کیونکہ ممکن ہے قتل بھی کئے جاؤ' ممکن ہے زخمی ہو جاؤ' پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش وغیرہ' لیکن سمجھو تو ممکن ہے کہ تم برا جانو اور تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ ہے اور دشمن کی پامالی ہے' ان کے مال' ان کے ملک بلکہ انکے بال بچے تک تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہ ہی تمہارے لئے بری ہو' عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے' نہ خیر و برکت' اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو' لیکن دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے' کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آجائے گا اور دنیا میں قدم نکانے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی' تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے' وہ جانتا ہے کہ کون سا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کون سا برا ہے۔ وہ اسی کام کے لئے حکم دیتا ہے جس میں تمہاے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو' تم اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر حکم کو کشادہ پیشانی سے مان لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں' تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے' لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا' اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا' یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے' یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں' اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں' تو ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور

ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ایمان لانے والے ہجرت کرنیوالے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں' اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنیوالا ہے۔

حرمت والے مہینے اور عمرو بن حضرمی کا قتل: رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور ان کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ کو بنایا' جب وہ جانے لگے تو حضور ﷺ کی جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ ﷺ نے انھیں تو روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو پڑھ لو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبی پڑھا اور انا اللہ الخ پڑھکر کہا کہ میں نے حضور ﷺ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کیلئے تیار ہوں' پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھکر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو واپس لوٹ گئے لیکن بقایا تمام ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخری کا یہ آخری دن ہے' یا رجب کا پہلا دن تو انھوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہ ؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس لوٹی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی اور قتل بھی کیا' اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسر' حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عتبہ بن غزوان سلمی اور حضرت سہیل بن بیضاء اور حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی تھے۔ بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن جحش (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے صاف فرمادیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑھے' یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ ؓ تھے۔ ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہوگیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان' عثمان' عبداللہ وغیرہ تھے۔ حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہ ؓ کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدی اور مال غنیمت لے کر واپس آئی۔ مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت کا دعوے تو یہ ہے کہ وہ رب کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال و قتال کرتے ہیں۔ مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخری میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخری کی آخری شب تھی۔ رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہوگئی تھیں۔ مشرکین ؒ کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جارہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو! تمہاری بداعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں۔ انہیں حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور آپ ﷺ مجبوراً واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی ﷺ کے ہاتھ پر فتح کرایا اور مسلمانوں کا پورا تسلط وہاں ہوگیا۔ اب اعتراض کرنے لگے جس پر انہیں ان میں لاجواب کیا گیا۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آرہا تھا۔ گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا' لیکن صحابہ کو معلوم نہ تھا' وہ اس رات کو جمادی الاخری کی آخری رات سمجھتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے۔ سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے آٹھویں حضرت رباب اسدی ؓ تھے' انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور ﷺ نے بھیجا تھا' یہ سب مہاجر صحابہ تھے' ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ دو دن کے سفر کے بعد حضور ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا تھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ

کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ۔ جب یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سارے کے سارے ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرع کے اوپر معدن میں پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلے میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا۔ مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے مسلمان پہلے تو انہیں دیکھ کر گھبرائے' لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آ جائیگا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے' انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ ؓ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا' عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ راستہ ہی میں سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول ﷺ کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ میں تقسیم کر دیا جبکہ اس وقت تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہئے۔ جب یہ لشکر سرکار نبی میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا؟ نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضور ﷺ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا۔

پھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ ؓ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے۔ دوسری جانب یہودیوں نے ایک بد فال نکالی' چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا تو انہوں نے کہا ﴿ عَمَرَتِ الْحَرْبُ ﴾ لڑائی پر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہو گی۔ اس کے باپ کا نام حضرمی تھا اس سے انہوں نے فال کی کہ ﴿ حَضَرَتِ الْحَرْبُ ﴾ وقت لڑائی آ پہنچا۔ قاتل کا نام واقد ؓ تھا جس سے انھوں نے کہا ﴿ وَ قَدَتِ الْحَرْبُ ﴾ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی تو اس سے بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں' تمہارا یہ فتنہ کہ تم اللہ کے دین سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو' نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمان اس رنج و افسوس سے آزاد ہوئے اور حضور ﷺ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ قریشیوں نے پھر آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے' مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان (جب آ جائیں تب آؤ' مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا نہ پہنچاؤ۔ چنانچہ جب وہ آ گئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان ؓ تو مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی قسمت میں ہی رہ گئے' آخر بئر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے ؓ ہاں عثمان بن عبداللہ کہ واپس گیا اور وہی کفر میں ہی مرا۔ ان غازیوں کو یہ آیت سنکر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضور ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کی وجہ سے دوسرے صحابہ ؓ کی چشمک کی بنا پر کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں' ہم غازیوں میں شمار کئے جائیں گے یا نہیں۔ جب حضور ﷺ سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت ﴿ ان الذین امنوا ﴾ الخ نازل ہوئی اور انکی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اسلام اور کفر کے مقابلہ میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا۔ کفار کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے۔ اس پر آیت ﴿ یَسْئَلُوْنَكَ ﴾ الخ نازل

ہوئی۔ یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الٰہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہیں، لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار خود عبداللہ بن جحشؓ کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے' اللہ ان سے خوش ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْـمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے لوگوں کو اس سے دینوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن انکا گناہ انکے نفع سے بہت زیادہ ہے' اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ حاجت سے زائد چیز' اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو' امور دینی اور دنیوی کو' اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں' تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے' تم اگر ان کے مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں' بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے' اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا' یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

شراب اور جوئے کی حرمت کیوں: جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ تو اس کا واضح بیان فرما' اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی' لیکن حضرت عمرؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ اسے ہمارے لئے اور زیادہ صاف بیان فرما' اس پر سورہ نساء کی یہ آیت ﴿ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ الخ نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں' حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی' آپ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر' اس پر سورہ مائدہ کی آیت ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ ﴾ الخ اتری۔ جب فاروق اعظمؓ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ پڑے تو آپ بول اٹھے ﴿ اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا ﴾ ہم رک گئے' ہم باز آئے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد' ابو داؤد' ترمذی اور نسائی وغیرہ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کا راوی ابو میسرہ ہے جن کا نام عمرو بن شرجیل ہمدانی کوفی ہے' ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں' واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمرؓ کے ﴿ اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا ﴾ کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابوہریرہؓ والی اور سورہ مائدہ کی آیت ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ ﴾ الخ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی' انشاءاللہ تعالیٰ۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے' اس کا پورا بیان بھی سورہ مائدہ میں ہی آئے گا' انشاءاللہ تعالیٰ۔

میسر کہتے ہیں جوئے بازی کو' گناہ ان کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے بر آمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں' یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت کا جاہلیت کے زمانہ کے شعر ہے کہ شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی خرید فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے لیکن ان کے فوائد کے مقابلہ میں ان کے نقصانات بکثرت ہیں' کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا' ہوش و حواس کا بے کار ہونا ضروری ہے' ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے'

یہ آیت گو شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی مگر اس میں صاف صاف حرمت بیان نہ ہوئی تھی' اس لئے حضرت عمرؓ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو' چنانچہ آخرکار سورہ مائدہ کی آیت میں صاف فرمادیا گیا کہ شراب اور جوا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں' اے مسلمانوں! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سے باز آجاؤ۔ شیطان کی تمنا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں ذکر اللہ اور نماز سے روک دے کیا اب تم شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ انشاءاللہ اس کا پورا بیان سورہ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی' پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی' پھر سورۂ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔

﴿ قُلِ الْعَفْوُ ﴾ کی ایک قرآت بھی ہے اور دونوں قرائتیں ٹھیک ہیں' معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بند بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور! ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں' اور ہم مال دار بھی ہیں' کیا کچھ اللہ کی راہ میں دیں؟ جس کے جواب میں ﴿ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ کہا گیا' یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے' بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کر۔ ربیعؒ کہتے ہیں افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا حضور! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ' اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے آپ نے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو' اس نے کہا حضرت! ایک اور ہے آپ نے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات میں لگاؤ' اس نے کہا ایک اور بھی ہے آپ نے فرمایا اب تو خود دیکھ بھال سکتا ہے۔

مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا اپنے نفس سے شروع کر' پہلے اسی پر صدقہ کر' پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر' پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر' پھر بھی بچے تو اور دوسرے حاجت مندوں پر۔ اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق رکھ کر باقی بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ دے' اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے' پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اور اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں زکوۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے' ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے' کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے' اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور

تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے' تاکہ تم دنیائے فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسنؒ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں غور و فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴾ یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے' تو ان کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے' یتیموں کا کھانا ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔ اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ رہا تو اسے یا تو وہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے' تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کی جس پر یہ آیت ﴿ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾ الخ نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں یہ موجود ہیں اور سلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل کام ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو۔ ﴿ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾ سے تو یہی علیحدگی مراد ہے' لیکن پھر ﴿ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ ﴾ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی' اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں' ہاں نیت نیک ہونی چاہئے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کو نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا جو تنگی اور مشکل تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیدیا' بلکہ یتیم کی سرپرسی اگر فقیر مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لا سکتا ہے' اور اگر کسی مال دار نے بوقت ضرورت اس کی کوئی چیز اپنے مصرف میں استعمال کی تو بعد میں ادا کر دے۔ یہ مسائل انشاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورہ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؀ۧ

شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو' ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو

تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو' اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں' ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے' یہ لوگ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے' وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

مسلمان عورت کے علاوہ دوسرے کی عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے؟ بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے۔ گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ الخ یعنی تم سے پہلے جو کتاب اللہ دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زناکاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب کی عورتیں مخصوص ہیں۔ مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' مکحول' حسن' ضحاک' قتادہ' زید بن اسلم اور ربیع بن انس ؒ کا بھی یہی فرمان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت صرف بت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس طرح کہہ لو یا اس طرح مطلب دونوں کا ایک ہی ہے' واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کیا سوا ایماندار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے۔ اور خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں نکاح کرنا حرام قرار دیدیا گیا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ﴾ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے یہودیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر ؓ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں۔ ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دیدیتے ہیں' آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے' میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کر دوں گا' لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمر ؓ سے بالکل ہی غریب ہے۔ امام ابن جریر نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر ؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تاکہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا کوئی اور حکمت عملی اس فرمان میں تھی۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہ ؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں' خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں تم مومنہ عورتوں سے نکاح نہ کرو' اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا' اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہا ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں' لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق ؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی۔ امام بخاری ؒ حضرت عمر ؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں۔ حضرت امام احمد ؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے' یہ فرمان حضرت عبد اللہ بن رواحہ ؓ کے

بارے میں نازل ہوتا ہے' ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی' ایک مرتبہ غصہ میں آکر اسے تھپڑ مار دیا تھا' پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے۔ کہا حضور! وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو عبداللہ پھر تو وہ ایماندار ہے۔ کہنے لگے' یارسول اللہ! قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ پھر اس سے نکاح بھی کر لوں گا۔ چنانچہ یہی کیا' جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرادیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم غلام بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

نکاح کیلئے مال دولت کی بجائے دینداری دیکھو: مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن انہیں مغرور کر دے۔ عورتوں کے مال دار ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے' نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو۔ بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر وہ دیندار ہو تو بہت افضل ہے۔ لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ایک تو مال دوسرے حسب نسب تیسرے جمال و خوبصورتی چوتھے دین' تم دینداری کو ترجیح دو۔ مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے اور متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے ﴿ **لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ** ﴾ نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو حبشی غلام ہو مگر پھر بھی وہ رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت محبت دنیا حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا سکھاتی ہے جسکا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالٰی کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کیلئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرمادیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے' کہدو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں انکے قریب نہ جاؤ' ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے' اللہ تعالٰی توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے' تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو' اور اللہ تعالٰی سے ڈرتے رہا

کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دے۔

ایام حیض اور جماع سے، متعلق مسائل کی تفصیل: حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے' نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہ ؓ نے اس بارے میں حضور ﷺ سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہمارے مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حضیر ؓ اور حضرت عباد بن بشر ؓ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور ! پھر ہمیں جماع کی بھی اجازت دی جائے۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا' یہاں تک کہ اور صحابہ ؓ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے۔ جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی بزرگ تحفتہ دودھ لے کر آئے' آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انھیں بلایا اور وہ دودھ انھیں پلایا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے۔ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔

حدیثوں میں ہے کہ حضور ﷺ بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمند باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد)۔ حضرت عمارہ ؓ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے، آتے ہیں اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس دوران میں مجھے نیند آ گئی، آپ ﷺ کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا یہاں آؤ، میں نے کہا حضور ! میں تو حیض سے ہوں، آپ نے مجھے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی' ﷺ وازواجہ واصحابہ وسلم

حضرت مسروق ؓ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ﴿اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَ عَلٰی اَهْلِهٖ﴾ حضرت عائشہ ؓ نے جواب دے کر ﴿ مَرْحَبًا مَرْحَبًا ﴾ کہا اور اندر آنے کی اجازت دی، آپ نے کہا مائی صاحبہ میں ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا' سن میں تیری ماں ہوں تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمائیے آدمی کو اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر)۔ اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنین ؓ کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ، مجاہد حسن' اور عکرمہ ؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا، بیٹھنا، اسکے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہے۔

حضرت عائشہ ؓ سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سر دھویا کرتی، آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے۔ میں پانی پیتی تھی پھر پیالہ آپ کو دیتی' آپ بھی وہیں منہ لگا کر اس پیالہ سے وہی پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوتے تھے، اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ ؓ فرماتی ہیں' میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریے پر آ جاتی' نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں۔ تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہمد ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے اس کے حیض کی حالت میں اس سے ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیدیتے تھے کہ تہہ بند باندھ لیں (بخاری)، اسی طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کی حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تہ بند کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ) ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ حضرت سعید بن مسیّبؒ اور حضرت شریحؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔ اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ اور استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے، چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار۔ مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں، صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے۔ امام شافعیؒ کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اس کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئی ہیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں۔ گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر آئمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ' یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں' طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہو جاتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع کرنا ہے' ویسے سونا' بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان کہ ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ، اس میں ارشاد ہے کہ ان کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل لفظ ﴿ فَأْتُوْهُنَّ ﴾ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں۔ یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے' یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر حکم ہو تو پہلا حکم اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے، یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا' جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے ﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ﴾ جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو' اور جگہ ہے ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ ﴾ یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

ان علماء کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالیؒ وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب حیض کا خون آنا رک جائے' مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔ ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اسکا خاوند آ سکتا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ ان تمام علماء کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری میعاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا ہو تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو' واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ ہے ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ کا اس سے مراد حیض کا خون بند ہونا ہے اور ﴿ تَطَهَّرْنَ ﴾ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہدؒ حضرت عکرمہؒ' حضرت حسنؒ' حضرت مقاتل بن حیانؒ' حضرت لیث بن سعدؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہدؒ وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہ اور تابعین سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ میں وطی کرنا حرام ہے اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے' انشاء اللہ ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے وہ نکل آئیں۔ اس لئے اس کے بعد کے جملے میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو' اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں' حیض کی حالت میں اپنی بیویوں سے نہ ملنے والوں' اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ' تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھیر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مردوں کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن جگہ ایک ہی رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے ساتھ کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہ آ' ہاں اس کے منہ پر نہ مار' زیادہ برا نہ کہہ' اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا' ایک ہی گھر میں رہ الخ (احمد و سنن)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتایئے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور ﷺ سے یہ پوچھا تھا۔ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے الٹا لٹا کر مباشرت کی تھی۔ لوگوں نے اسے برا بھلا کہا' اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابط' حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے۔ فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ کہا فرمایئے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے۔ جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے

خاوند کی یہ بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی' چنانچہ وہ دربار نبوت میں حاضر ہوئی۔ ام سلمہؓ نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت ﷺ آ جائیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصاریہ عورت تو شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن مائی صاحبہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلالو۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ کہا کہ حضور میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا سامنے سے آیا پیچھے سے تجھے اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصاری والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ بخشے انہیں کچھ وہم سا ہو گیا' بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے۔ بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے۔ یہودی ایک ہی طریقے پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے۔ یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ اس کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے' وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں آکر جب آباد ہوئے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقرر طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور ﷺ تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کریم سیکھا' اول سے آخر تک انہیں سنایا' ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا' اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گذرا)۔ ابن عمرؓ کا وہم یہ تھا کہ بعض میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافعؒ سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ میں وطی کے بارے میں اتری ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔

لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے' دوسرا اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا۔ اور اوپر کی جو احادیث ہیں وہ بھی سنداً صحیح نہیں' بلکہ انہی حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے وطی دبر کو جائز کیا ہے۔ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ حضرت عبداللہؓ تو اس آیت کا یہی مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف کی سند صحیح نہیں۔ معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمرؓ اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ عنقریب بیان ہوں گی' انشاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال بلکہ حرام ہے۔

گو یہ قول یعنی جواز بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام مالکؒ کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا قول ہرگز یہ نہیں۔ صحیح روایات بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگو! شرم وحیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا۔ عورتوں کے پاخانہ کی جگہ میں وطی نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس حرکت سے منع فرمایا (مسند احمد) روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت

یامرد کے ساتھ یہ کام کرے اللہ تعالیٰ اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا (ترمذی) حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ میں نے ﴿ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ چت خواہ پٹ، لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے وہ چھوٹا لوطی ہے (مسند احمد)۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بھی یہی فرمان منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ، ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر کرنے والا (فاعل) ہو خواہ نیچے کرانے والا (مفعول) ہو، اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی (مشت زنی) کرنیوالا، اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنیوالا، اور عورت کی دبر میں وطی کرنیوالا اور عورت اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنیوالا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنیوالا اور ہمسایہ کو تنگ کرنے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔ لیکن اسکی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستہ میں وطی کرے اسکو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھتا (مسند)۔

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ (دبر میں) کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ کے اوپر اتری ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابو سلمہؓ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی)۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ وہ شخص ہے دیکھ قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی۔ پس صحیح سے اور صحابہ کرامؓ سے بہت سی اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسے حرام ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے پس غیر صحیح اور مختلف معنے والی میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں، گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ رہے امام مالکؒ تو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل بن روح نے امام مالک سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو، بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے، خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچ سائل نے کہا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں، مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ان کے شاگرد اور ساتھی، سعید بن مسیب، ابو سلمہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، مجاہدؒ حسن وغیرہ سلف صالحینؒ سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں۔ جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے، گو بعض لوگوں نے فقہاء مدینہ بلکہ امام مالکؒ سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ عبدالرحمٰن بن قاسمؒ کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا، پھر ﴿ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ پڑھ کر فرمایا خود یہ لفظ "حرث" ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی نہیں، کھیتی

میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالکؒ سے اس کے مباح ہونے کی بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے' واللہ اعلم۔

ٹھیک اسی طرح امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑلی ہے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا۔ پھر فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو' یعنی ممنوعات سے بچو نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے۔ اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب کتاب لے گا۔ ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے' یہ دعا پڑھے ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا ﴾ یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہر گز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو' اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں' ہاں اسکی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو' اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے۔

قسم کی اقسام اور انکی تفصیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کے لئے اللہ کی قسموں کو نشانہ نہ بناؤ' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ ﴾ الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں' وہ قرابت داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں۔ کیا تمہاری اپنی خواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے۔ ایسی قسم اگر کوئی کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھالے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑا رہے وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروقؒ وغیرہ اور بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ ان جمہور کے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کی قسم انشاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن سمرہؓ سے فرمایا اے عبدالرحمن سرداری امارت اور امامت کی طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا' تو اگر کوئی قسم کھا لے اور اس کے خلاف میں بھلائی دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ دیدے اور اس نیک کام کو کرلے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو کرلے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ دیدے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ ابوداؤد میں

ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے اور نہ رشتوں ناتوں کو توڑنے ہیں۔ جو شخص کوئی قسم کھالے اور نیکی اس کے کرنے میں نہ ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرلے۔ اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح احادیث میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ اپنی ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرلے۔ ابن عباسؓ سعید بن مسیبؒ مسروقؒ اور شعبیؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد او ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے وہ ﴿ لا اله الا الله ﴾ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں، تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرماتا ہے ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادے کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے۔ دوسری آیت لے لفظ ﴿ بما عقدتم الایمان ﴾ ہیں۔ ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں، دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں، ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کرکے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے وہ تیراندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانہ پر لگے گا کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا۔ آپ کے صحابی نے کہا دیکھیے حضور! اس کی قسم کے خلاف ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا۔ یا کوئی شخص اپنے لئے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بددعا کا کلمہ اپنی زبان سے نکال دیتا ہے وہ بھی لغو میں داخل ہے یا غصے میں غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرلے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پرواہ نہ کرے اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کی تقسیم کردو۔ دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کی کہی تو میرا تمام مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ ﷻ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے کاٹنے میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسم کھالو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر حلم و کرم کرنے والا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے' پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

ایلاء کی مدت اور اسکی تفصیل: ایلا کہتے ہیں قسم کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھالے تو دو صورتیں ہیں' یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی۔ اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان میں عورت بھی صبر کرے' اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں جیسے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضہ اور مطالبہ کرے کہ یا تو خاوند میل ملاپ کر لے یا طلاق دیدے' اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایلا خاص ہے بیویوں کے لئے لونڈیوں کے لئے نہیں۔ یہی مذہب جمہور علماء کرام کے ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک تو آزاد ہیں اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائیگا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے میل میلاپ کر لیں یا طلاق دیدیں۔ یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ کنایہ ہے جماع کرنے سے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کوئی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہ ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے یہی اس کا کفاہ ہے۔ اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی بھی اوپر گذر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے' واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر جماع کیے بغیر چار مہینے گذر گئے تو طلاق واقع ہو جائیگی حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' ابن عمر' زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے۔ (لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہو گی' بعض کہتے ہیں بائن ہو گی۔ جو لوگ طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنا پڑے گی۔ ہاں ابن عباسؓ اور ابوالشعثاء فرماتے ہیں کہ اگر ان مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آگئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گذرتے ہی طلاق واقع نہ ہو گی' بلکہ اب ایلا کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا یا تو وہ اپنی قسم سے توڑے یا پھر طلاق دیدے۔ موطا امام مالکؒ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ صحابہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ چار ماہ کے بعد ایلا کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا۔ پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں ہمارا مذھب بھی یہی ہے۔ اور حضرت عمر' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ' حضرت عثمان حضرت زید بن ثابت اور دس سے اوپر اوپر دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دار قطنی میں ہے حضرت ابو صالح فرماتے ہیں' میں نے بارہ صحابہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو سب نے یہی جواب دیا حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت ابوالدرداء' حضرت ام المومنین

عائشہ صدیقہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں' اور تابعین میں سے حضرت سعید بن میسب حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت مجاہد حضرت طاؤس حضرت محمد بن کعب حضرت قاسم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے' اور حضرت امام مالک' حضرت امام شافعی' حضرت امام احمد اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ لیث' اسحاق' ابن راہویہ' ابوعبید' ابوثور' داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم خود اس کی طرف سے طلاق دیدے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی' عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے۔ لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا' مالک میں حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر کا ایک واقعہ عموماً" فقہاء کرام ذکر کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر عموماً راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے' ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے "افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں مرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۤءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۲۸)

ع ۲۸/۷ ۱۲

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں' انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو' ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں اچھائی کے ساتھ' ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے' حکمت والا۔

طلاق کی عدت : ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں ائمہ اربعہ نے اس میں سے لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے' وہ دو حیض عدت گزارے۔ کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے' لیکن حیض کی مدت آدھے پر تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے وہ دو حیض گذارے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ لونڈی کے لئے طلاقیں بھی دو ہیں۔ اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر)۔ لیکن اس کے راوی مظاہر ضعیف ہیں۔ یہ حدیث ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام حافظ دارقطنی فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے۔ لیکن حضرت ابن عمر سے یہ روایت مرفوع مروی ہے۔ گو اسکی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں

کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے بھی مروی ہے بلکہ صحابہؓ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کا شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔ لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں' محمد بن سیرینؒ اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے' لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت زید بن سکن انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔

قروء کی تفصیل: قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہؓ کا یہی فرمان ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن کی بیٹی حفصہ کو جب کہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہؒ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہؒ نے جو صدیقہؓ کی دوسری بھتیجی ہیں اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہؓ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)۔ بلکہ موطا میں ابو بکر ابن عبدالرحمنؒ کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھ دار علماء فقہا کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہی کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہو گئیں اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا)۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی محقق امر یہی ہے۔ ابن عباسؓ' زید بن ثابت سالم' قاسم عروہ' سلیمان بن یسار' ابو بکر بن عبدالرحمن' ابان بن عثمان' عطاء بن ابو رباح' قتادہ' زہریؒ اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ' امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثور بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔ اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ ﴿ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو' یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا آیت میں بھی قروء سے مراد بھی حیض کے سوا یعنی پاکی کی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی' اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے وہ بتیس دن اور دو لحظے میں ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں' اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔ بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ میں اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرا حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی) تو فرمایئے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے کہ رجوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابو درداء' حضرت عبادہ ابن صامت' حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت معاذ' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب' علقمہ اسود' ابراہیم' مجاہد' عطا' طاؤس' سعید بن جبر' عکرمہ' محمد بن سیرین' حسن' قتادہ' شعبی' ربیع' مقاتل بن حیان' سدی' مکحول' ضحاک' عطاء خراسانیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمدؒ سے زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے' ابو ثور' اوزاعی' ابن ابی لیلےٰ' ابن شبرمہ' حسن بن صالح' ابو عبداللہ اور اسحٰق بن راہویہ ؒ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبشؓ سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان ؒ اسے ثقہ بتاتے ہیں۔ امام ابن جریر ؒ فرماتے ہیں لغتاً قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کے وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی' اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے' واللہ اعلم۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو ابو عمرو بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر ابن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں۔ ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف' (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)۔ پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں یعنی حمل ہو تو اور حیض آئے تو۔ پھر فرماتا ہے اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو۔ اس میں انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے انہیں ہوشیار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے حیض نہ آیا ہو۔ اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا ہو اور اسے چھپا نہ لیں' اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے' لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جب تک طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سو طلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں۔ طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماء اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا ضمیر کے لوٹانے سے پہلے کی عام لفظ کی خصوصیت ہو جاتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل نہیں تھی۔ طلاق کی ایک ہی صورت تھی واللہ اعلم۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق: پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں' ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا' لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے اللہ کی امانت سے انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پہ کسی ایسے کو نہ آنے دے جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ' پلاؤ' پہناؤ اڑھاؤ۔ ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ' جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ' اس کے منہ پر نہ مارو اسے گالیاں نہ دو اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو' ہاں گھر میں ہی رکھو۔ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے' جسمانی حیثیت سے بھی' اخلاقی حیثیت سے بھی' مرتبہ کی حیثیت سے بھی' حکمرانی کی حیثیت سے بھی' خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی' دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی۔ غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے' اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دیدیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے' اسمیں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ ہیں حدیں اللہ کی خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔ پھر اگر اس کو طلاق دیدو تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اسکے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے' پھر اگر وہ بھی طلاق دیدے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے' یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے۔

طلاق کا طریقہ اور مسائل: اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے۔ اس سے عورتوں کی جان شکنجے میں تھی کہ طلاق دی اور عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی' اسی طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے' پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں' تیسری طلاق کے بعد لوٹانے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔

سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے' پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا' اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دیدوں گا اور جب عدت ختم ہونے کا وقت آئے گا تو رجوع کر لوں گا' یونہی کرتا چلا جاؤں گا' وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی' اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے' اور تیسری طلاق کے بعد اسے خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا' اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے' اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تاکہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے' اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ طلاق دو' نہ اس کا کوئی حق مارو' نہ اس پر کوئی ظلم کرو' نہ اسے ضرر و نقصان پہنچاؤ۔

خلع کے مسائل: ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں' تیسری کا ذکر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا ﴿ اَوْ تَسْرِیْحٌ ۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ میں! جب تیسری طلاق کا ارادہ کرو تو عورت کو تنگ کرنا' اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کے طلاق پر آمادگی ظاہر کرے' یہ مردوں پر حرام ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ﴾ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے جیسے فرمایا ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـــًٔـا مَّرِيْٓـــــًٔا ﴾ یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔ اور جب میاں بیوی میں نااتفاقی بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور خاوند کے حقوق پورے نہ کرتی ہو تو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کرے' تو خاوند کے دینے اور عورت کے لینے میں کوئی گناہ نہیں' یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بلاوجہ طلاق طلب کرے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے' اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے' اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ائمہ سلف خلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کیطرف سے ہو اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کسی صورت میں یہ جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھہریگا۔ بکر بن عبداللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے ﴿ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـــًٔـا ﴾ یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ لیکن یہ قول ضعیف اور مردود ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے میں نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بنت سہل ہوں' فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضور! میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی' یا وہ نہیں یا میں نہیں' آپ سنکر خاموش ہو رہے۔ جب حضرت ثابتؓ آئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں' حضرت حبیبہؓ نے کہا حضور! میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں' آپؐ نے حضرت ثابتؓ کو فرمایا سب لے لو' چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہؓ آزاد ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابتؓ نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور ﷺ نے جب انہیں یہ فرمایا اس وقت انہوںؓ نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجئے چنانچہ وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین داری میں عیب گری نہیں کرتی لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت نے طلاق دیدی۔ بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھیؓ ہے کہ مجھے اب غیظ و غضب کی برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو دیا ہے لیلو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہؓ نے فرمایا تھا وہ صورت میں بھی کچھ اچھا نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں اور یہ سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرت میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں' ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کر دو حبیبہؓ نے کہا تھا آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی

کہا تھا کہ حضور! اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے ﴿ فیما افتدت بہ ﴾ فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کرو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے۔ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل محروم کر دیتے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کے موقعہ پر میں نے کہدیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے ہاں کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا۔ مگر میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمان نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر اور سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمر، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح اور عثمانؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک، لیث، امام شافعی اور ابوثورؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اور اصحاب ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہو گا۔ اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضاء جائز ہو گا۔ امام احمد، ابوعبید اور اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں۔ سعید بن مسیبؒ، عطاء، عمرو بن شعیب، زہری، طاؤس، حسن، شعبی، حماد بن ابوسلیمان اور ربیع بن انسؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ معمر اور حاکم کہتے ہیں حضرت علیؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور زاغی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ وہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے، اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبیؐ نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا ہے اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے، کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے، اس میں سے کچھ نہ لو الخ۔ ربیع کی قرات میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود الٰہی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہو گے۔

خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیدی ہیں، پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ عکرمہؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں، دیکھو اول آخر طلاق کا ذکر ہے، پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمر، طاؤس، عکرمہ، احمد ابن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہو گی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کچھ نام لیا ہو تو جو کچھ نام لیا ہو وہ ہے۔ لیکن یہ اثر ضعیف ہے، واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عمرؓ سعید بن میسب، حسن، عطاء شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھ، ثوری، اوزاعی، اور ابو عثمان بتیؒ کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے، امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاقوں کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہی ہو جائے گی اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہو گی، اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

خلع لینے والی عورت کی عدت کا بیان : مسئلہ: امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد، اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمر، علی، ابن مسعودؓ اور سعید بن میسب، سلیمان بن یسار، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، ابن شہاب، حسن، شعبی، ابراہیم، نخعی، ابو عیاض، فلاس بن عمرو، قتادہ، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خلع چونکہ طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے۔ حضرت عثمانؓ کا یہی فیصلہ ہے۔ ابن عمرؓ گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن ساتھ ہی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباسؓ عکرمہ، امان ابن عثمانؒ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ کو بھی خلع کر بعد ایک ہی حیض گذارنے کا حضورؐ کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں ہاں اگر ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آجانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو۔ مریم مغالبہ کے بارے میں حضورؐ کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المومنین نے کی۔

کیا خلع والی عورت سے رجوع ہو سکتا ہے ؟ مسئلہ :- جمہور علماء کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں، اس لئے کہ عورت نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرالیا ہے۔ عبداللہ ابن ابی اوفیٰ، ماہان حنفی، سعید اور زہری کا قول ہے کہ اگر وہ واپس لیا ہوا واپس کردے تو رجوع کا حق حاصل ہے، بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بے شک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے۔ داؤد ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ ابن عبدالبر ایک فرقہ کا یہ قول بھی روایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح کوئی دوسرا اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا، لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں، اس میں علماء کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباس، ابن زبیر، عکرمہ، جابر بن زید، حسن بصری، شافعی، احمد، اسحاق، ابو ثور کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالک کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دیدے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں، اس کی تائید اس قول سے ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی ابو حنیفہ ان کے اصحاب، ثوری، اوزاعی، سعید بن میسب، شریح، طاؤس، ابراہیم زہری، حاکم، حکم اور حماد کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابوالدرداء سے بھی یہ

مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں الخ۔

صحیح حدیث میں ہے اللہ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو فرائض کو ضائع نہ کرو' محارم کی بے حرمتی نہ کرو' جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے' ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوئی ہے جو سنن نسائی میں ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کو کئی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں' آپؐ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جانے لگا' یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

طلاق بتہ اور نکاح حلالہ کا بیان : پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دیدے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو ہمبستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دیدے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً "لونڈی بنا کر گو وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ مجرد عقد کے حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو۔ لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق بتہ دیدیتا ہے' وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دیدیتا ہے تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو لیں (مسند احمد' ابن ماجہ وغیرہ)۔ اس روایت کے راوی حضرت ابن عمرؓ سے خود امام سعید بن مسیبؒ ہیں۔ پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلادلیل۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے' ایک مکان میں میاں بیوی ہو جاتے ہی' پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن صحبت داری نہیں ہوتی جب بھی یہی حکم ہے۔ خود آپ کے زمانے میں ایسا واقعہ ہوا۔ آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری و مسلم)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دیدی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت مآب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کا نہیں مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فیصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہشمند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے' یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس' بلکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً "عورت روزے سے نہ ہو احرام کی حالت میں نہ ہو اعتکاف کی حالت میں نہ ہو حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو محرم یا معتکف نہ ہو' اگر طرفین میں سے یہ حالت اور پھر گو وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے مسلم خاوند کے لئے حال نہ ہو گی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصریؒ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضورؐ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا

ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ ﴿ عُیَسْلَۃ ﴾ سے منی مراد نہیں یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ عیسلہ سے مراد جماع ہے۔ اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آچکی ہے۔ مسند احمد میں گودنے والی' گدوانے والی' بال ملانے والی اور ملوانے والی عورتوں ملعون ہیں۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے' سود خوار اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے' عمر' عثمان اور ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہے' تابعین فقہا بھی یہی کہتے ہیں' علی ابن مسعود اور ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان۔ اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر لعنت ہے' ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے۔ ایک حدیث میں ہے میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ کونسا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلالہ کرے یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو۔ نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دیدی' اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہوگا۔ آپ نے کہا ہرگز نہیں ہم تو اسے نبیؐ کے زمانے میں زنا شمار کرتے تھے' نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو۔ اس حدیث کے اس پچھلے جملے نے اسے گو یہ موقوف ہے حکم میں مرفوع کے کر دیا' بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کر دوں گا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی' اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے' رضی اللہ عنہم۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دیدے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکر و فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا' یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا' اس سے ہم بستری بھی ہوئی' پھر اس نے بھی طلاق دیدی اور اس کی عدت ختم ہو چکی پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی تین طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اس سے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالکؒ 'امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہی گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی' واللہ اعلم۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَ

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم وزیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

طلاق کے عورتوں کو اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن طلاقوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا تو عمدگی کے ساتھ لوٹا لے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں سے بغیر اختلاف جھگڑے دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے میٹ دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دیدی مدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی پھر رجوع کر لیا' یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ رانڈ۔ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حاضر خدمت ہو کر سبب دریافت کیا' آپ نے فرمایا کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی' میں نے رجوع کیا' یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں' عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اسکی عدت لمبی کرنے کیلئے رجوع ہی کرتا چلا جائے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے۔ پھر کہدے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا' ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی (ابن مردویہ)۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں لوگ طلاق دیتے اور آزاد کر دیتے نکاح کر لیتے اور پھر کہدیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو طلاق دے یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ پکے ارادے سے ہوں یا دل لگی سے تینوں ہی ثابت ہو جائیگی' نکاح' طلاق اور رجعت۔ ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے' ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں کتاب اور سنت سکھائی' حکم بھی کیئے منع بھی کئے وغیرہ وغیرہ۔ جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر داری کو بخوبی جانتا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں' یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین وایمان ہو' اس میں تمہاری بہترین ستھرائی اور پاکیزگی ہے' اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کی ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گذر جائے پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح ہی کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن جریر اور ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی اور عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن جریر اور ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی نہ عورت اپنا نکاح کر سکتی ہے' وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں۔ دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں۔ گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں' ﴿ فَالْحَمْدُلِلّٰه ﴾ ۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی ہمشیرہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقلؓ فرماتے ہی میری بہن کا مانگا میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دیدی پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی' میں نے انکار کیا اس پر یہ آیت اتری' جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجودیکہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا' اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کرا دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام جمیل بنت یسار تھا۔ ان کے خاوند کا نام ابو البداح تھا۔ بعض نے ان کے نام فاطمہ بنت یسار بتایا ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا یہ نصیحت وعظ ان کے لئے ہے جنہیں شریعت پر ایمان ہو' اللہ کا ڈر ہو' قیامت کا خوف ہو' انہیں چاہئے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں' شریعت کا اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دیدینا اور اپنی حمیت وغیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں یہ علم حقیقت میں اللہ ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو' جنکے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اسکی طاقت ہو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اسکی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم دستور کے مطابق جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ بھال رہا ہے۔

بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے: یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والی عورتوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ دودھ پلانے کی پوری مدت دو سال ہے۔ دو سال کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں' اس کے بعد دودھ پینے والا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔

رضاعت کے احکام اور متعلقہ مسائل: ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہے۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے' اور اکثر اہل علم صحابہؓ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اسکے بعد کی رضاعت معتبر نہیں اس حدیث کے راوی شرط صحیحین پر ہیں۔ حدیث میں ﴿ فی الثدی ﴾ کا جو لفظ ہے اسکے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضورؐ نے اس وقت بھی فرمائے تھے جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلانے کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دار قطنی میں ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اسکے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿ فِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ ﴾ الخ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ یعنی حمل اور دودھ "دونوں کی مدت" تیس ماہ ہیں اور یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت جابر' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ام سلمہؓ حضرت سعید بن المسیب' حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام محمد امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت بتاتے ہیں۔ زفر ازاعی سے بھی یہ روایت ہے امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ پیئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔ امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالکؒ کا فرمان ہے' واللہ اعلم۔

ہاں صحیح بخاری' صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی کہ ہے وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں۔ عطاء اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ جس شخص کا آنا جانا کہیں ضروری جانتی وہاں حکم دیتیں کہ وہ

عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولیٰ تھے آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں' حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اس کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے' لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اسکا انکار کرتی تھیں' اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ یعنی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں' ساتوں فقیہوں' کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہؓ کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں' رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ باقی رضاعت کا پورا پورا مسئلہ ﴿ وامھا تکم الا تی ارضعنکم ﴾ کی تفسیر میں آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے' اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ تو زیادتی ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دیدیا کریں' جیسے فرمایا ﴿ لینفق ذوسعة من سعته ﴾ یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں' اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کے دودھ پلانے کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے۔ اس لئے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بے شک بچہ کو دیدے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے وہ غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حضرت سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہؒ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی بھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت کے بغیر دوسرے کی رضامندی ناکافی ہو گی۔ یہ بچے کی بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچوں کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے' دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۂ طلاق میں فرمایا ﴿ فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن ﴾ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوادو۔ چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کے بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کامل طور پر والد والدہ کے دیدے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں' اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوادیں' لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے تیئں چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں جب مدت ختم کریں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔

خاوند کی وفات کے بعد عدت کی مدت مسعود: اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کے انتقال کے بعد چار مہینے دس رات عدت گزاریں خواہ ان سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمایئے اس کی نسبت کیا فتوے ہے۔ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتوے دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو' اللہ رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہئے' اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعیؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشقؓ کے بارے میں رسول اللہؐ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں' اس کی عدت وضع حمل ہے گو انتقال کے ایک ساعت بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے ﴿ **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** ﴾ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف بخاری و مسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہؓ کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزرنے پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسنابل ابن بعکک نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو' اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہؓ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں۔ اب اگر تم چاہو تو بے شک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی اور شاگرد بھی اس حدیث کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ ابن سیرینؒ اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ سعید بن مسیبؒ' ابوالعالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں' اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو گا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ ابن مسعودؓ کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاطاً اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں' اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی

حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی' واللہ اعلم۔

سعید بن مسیّب ؒ فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح ان ہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے ربیع بن انس ؒ بھی یہی فرماتے ہیں-امام احمدؒ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا لوگو! سنت نبوی کو ہم پر خلط ملط نہ کرو' اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہے۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے-امام احمدؒ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ سعید بن مسیّب ؒ' مجاہد' سعید ابن جبیر' حسن' ابن سیرین' ابو عیاض' زہری اور عمر بن عبدالعزیز ؒ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک مروان جو امیر المومنین تھے یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی' اسحٰق بن راہویہ اور احمد بن حنبل ؒ بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں۔ لیکن طاؤس اور قتادہؒ اس کی عدت بھی آدھی بتاتے ہیں۔ یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہؒ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں تین حیض عدت گزار دے۔ حضرت علی' ابن مسعودؓ' عطاء اور ابراہیم نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک' امام شافعی' اور امام احمدؒ کی مشہور روایت میں یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے' ابن عمرؓ' شعبی' مکحول' لیث' ابو عبید' ابوثورؒ اور جمہور کا مذہب یہی ہے۔ لیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سردار فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام شافعیؒ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں' واللہ اعلم۔ (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے' واللہ اعلم)۔ زاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگوار رہے۔ ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا' آپؐ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کبھی کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بھسی رہتی تھی' سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹ کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتی۔ یہ تھی زمانہ جاہلیت کی رسوم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کے ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں نظر ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ' مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں رانڈ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں' اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ بالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں' کیونکہ آیت میں عام حکم ہے' ہاں ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں' اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو الخ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کم سن نابالغہ عورت کے لیے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کے تصفیہ کا یہ موقع نہیں' ﴿ واللہ الموفق بالصواب ﴾ پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں

اپنا بناؤ چناؤ کریں یا نکاح کریں یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن ' زہری اور سدیؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً کنایۃً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور ان سے ذکر کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو' اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے۔

پیغام نکاح کا طریقہ: مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں' میں ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے' انشاءاللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا' میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں جیسے کہ نبیؐ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے فرمایا تھا (جبکہ اس کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دیدی تھی) کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا' عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتومؓ کے ہاں گزارو۔ جب حضرت فاطمہؓ نے عدت ختم ہونے کے بعد حضورؐ کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جنکا مانگا تھا نکاح کرا دیا۔ ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً یا کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے' واللہ اعلم۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش۔ اور جگہ ہے تیرا رب انکے سینوں کی پوشیدگیوں کو اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اور جگہ ہے میں تمہارے چھپے کھلے کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زناکاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں' نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور سے عدت میں کرنے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے۔ پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دینا کہ جلدی نہ کرنا عدت گذر جانے کی مجھے خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں' اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی۔ اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد وہ نکاح کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی انکی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ

عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اسکو پہلے خاوند کی عدت گذر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کی طرح نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائیگی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اسکے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحبؒ کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمرؓ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو' اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو۔ برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ رب عالم خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو آسانی والا اپنے انداز سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔

حق مہر کے مسائل: عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد مَس سے نکاح ہے۔ دخول سے پہلے طلاق دے دینا جبکہ مہر کا بھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے۔ اس لئے حکم ہوا کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا دوپٹہ لحاف اور چادر دے دے۔ شریحؒ فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے۔ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے وغیرہ دے۔ حسن ابن علی نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلے میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوا دی جائے۔

امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی خاص چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے۔ گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے

مروی ہے۔ اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہیئے۔ یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وللمطلقت متاع بالمعروف ﴾ الخ۔ پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے ﴿ فتعالین امتعکن ﴾ یعنی اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں الخ۔ پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آ بھی چکی تھیں۔ سعید ابن جبیر' ابوالعالیہ' حسن بصریؒ کا قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے' واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿ یایها الذین امنوا اذ نکحتم المومنت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسو هن ﴾۔ یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورتوں سے نکاح کرلو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گذاریں' تم انہیں کچھ مال واسباب دے دو اور اچھے کردار سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیبؒ کا قول ہے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

سہل بن سعدؓ اور ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیمہ بنت شرجیل سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپ نے ابو اسیدؓ سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب ومتاع کا دینا ضروری ہے جب کہ عورت کی رخصتی نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو' اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہو گا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔ ابن عمرؓ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیئے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو۔ یہی مطلب سورۂ احزاب کی اس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق الخ۔ حضرت شعبیؒ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا' تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔ ○

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲۳۷)

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے' تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے آپس کی

فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

حق مہر کی مزید تفصیل: آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا۔ وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا تھا۔ کیوں کہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جب کہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں کی صورتیں یکے بعد دیگرے بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ خلوت ہو گئی۔ یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے ہوں۔ گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی روایت سے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر ہے الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا ادھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے۔ اور پورا مہر دے دے۔ لیکن یہ قول شاذ ہے' کیونکہ کوئی اور قول اسکی تائید نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔ حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے امام شافعیؒ کا جدید قول بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً" نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباسؓ علقمہ' حسن' عطاء' طاؤس' زہری' ربیعہ زید بن اسلم' ابراہیم نخعی' عکرمہ' اور محمد بن سیرین (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) سے بھی یہی مروی ہے' ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو دوسرے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہو۔

حضرت عکرمہؓ' فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے گو وہ عورت سمجھدار ہو۔ حضرت شریحؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن جب شعبیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے۔ تمہارا معاف کرنا ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد مرد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے۔ آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا۔ اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس میں کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگدستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرمادیا ہے۔ اگرچہ تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے' ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔ نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے۔ حضرت عون بیان کرتے ہوئے اتنا روئے کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہے اور فرمایا کہ میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں نے بڑی راحت پائی۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو' کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اس پر تمہارا کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار سہی' ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے۔

نمازوں کی حفاظت اور صلوۃ وسطیٰ کی مکمل تفصیل: اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے اوقات کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو۔ اور اول وقت ادا کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ کون سا عمل افضل ہے؟۔ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ ﷺ اور بھی جواب دیتے۔ (بخاری و مسلم) حضرت ام فروہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' آپ اعمال کا ذکر فرمارہے تھے اسی میں آپ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں پھر صلواۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے۔ سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلواۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز صبح پڑھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرہ کی مسجد کا ہے۔ اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں بصرہ میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ صلواۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ فرمایا یہی صبح کی نماز ہے اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے۔ اور سب نے یہی جواب دیا۔ جابر بن عبداللہؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی اور بعد بھی چار رکعت والی نمازیں ہیں اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں۔ لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے' یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشا اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے۔ اور دو نمازیں اس سے پہلے دن

کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرات پڑھی جاتی ہے۔ یعنی ظہر' عصر۔ بعض کہتے ہیں۔ یہ نماز ظہر کی نماز ہے۔ ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں یہی مسئلہ چھڑا لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت میں پڑھا کرتے تھے۔ (طیالسی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ پر اور کوئی نہ تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو ہیں۔

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا وہ عصر ہے پھر دو اور شخصوں نے پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ظہر ہے۔ پھر ان دونوں نے حضرت اسامہؓ سے پوچھا آپ نے فرمایا ظہر ہے۔ آپ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے' کوئی نیند میں ہوتا کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔ لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ لیکن حضرت زیدؓ سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے۔ اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ' حضرت ابو سعیدؓ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اکثر علماء صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بلکہ جمہور لوگوں کا بھی حافظ ابو محمد عبدالمومن دمیاطی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ﴿ **کشف الغطا فی تبیین الصلوٰۃ الوسطی** ﴾ ہے۔ اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطی عصر کی نماز ہے۔ حضرات عمر' علی' ابن مسعود' ابو ایوب' عبداللہ بن عمرو' سمرہ بن جندب' ابو ہریرہ' ابو سعید' حفصہ' ام سلمہ' ابن عمر' ابن عباس' اور عائشہ (رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا فرمان بھی یہی ہے۔ اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ امام احمدؒ کا امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ امام ابو یوسفؒ' محمدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) اس قول کی دلیل سنئے رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے دلوں کو اور گھروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے صلوٰۃ وسطی یعنی نماز عصر سے روک دیا۔ (مسند احمد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح کی یا عصر کی نماز لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا۔ اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتب میں مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہؓ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے۔ اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آکر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروانؒ کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا۔ آپؒ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ۔ تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سنئے مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے بچپنے میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا یہ ہوئی ظہر کی نماز پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ ہوئی عشاء کی نماز' پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی؟۔ میں نے کہا بیچ کی۔ فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی۔ کہا عصر فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطی ہے۔ (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ غرض صلوٰۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی حدیثوں میں وارد ہے۔ جن میں سے کوئی حسن ہے کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف اور ترمذی' مسلم وغیرہ میں یہ موجود ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور ﷺ کی تاکید اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانا تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو۔ سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیص تھا ادا کی۔ پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دیا۔ سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونسؒ سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت ﴿ حافظوا ﴾ تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے ﴿ والصلوٰ الوسطے ﴾ کے بعد ﴿ وصلوٰ العصر ﴾ لکھوایا۔ اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا (مسند احمد) ایک روایت میں ﴿ وھی صلوۃ ﴾ العصر کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور ﷺ کی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرابن رافع کو جو آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی تھی (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتب میں مروی ہے کہ ام المومنین نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی' ابن عباس اور عبید بن عسیر کی قرات بھی یونہی ہے۔

ان روایات کو مد نظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے اور عطف معطوف میں مغایرت ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ ﴿ صلوٰۃ الوسطے ﴾ اور ہے اور ﴿ صلوٰۃ عصر ﴾ اور لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علیؓ والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحتہ "موجود ہے۔ رہی "واؤ" سو ممکن ہے کہ زائد ہو عاطفہ نہ ہو۔ جیسے ﴿ وکذلك نفصل الایت ولتستبین سبیل المجرمین اور وکذلك نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین ﴾ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ ذات کے لئے نہ ہو جیسے ﴿ ولکن رسول الله وخاتم النبین ﴾ میں اور جیسے ﴿ سبح اسم ربك الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی والذی اخرج المرعی ﴾ میں' اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ﴿ مررت باخیك وصاحبك ﴾ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے' واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان قرآنی الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرات قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے قرآن میں اس قرات کو نہیں لیا۔ اور نہ ساتوں قراء کی قرات میں یہ الفاظ ہیں بلکہ یہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرات پائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرات کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت اتری ﴿ حافظوا علی الصلوت والصلوٰ الوسطے والصلوٰ العصر ﴾ تو ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور ﷺ کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے۔ پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی ﴿ حافظوا علی الصلوات والصلوٰ الوسطے ﴾ ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شقیقؒ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا ہوں کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی۔ پس اس بنا پر یہ قرات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغایرت کے لئے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔

بعض اور حضرات کا قول بھی یہی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت

والی اور اس کی تین رکعت ہیں۔ پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ اسطرح مبہم ہے۔ جس طرح ﴿ **لیلة القدر** ﴾ پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے۔ اور بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے۔ بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے کوئی کہتا ہے صلوٰۃ ضحیٰ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے۔ اس لئے کہ دلیلیں مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں' کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری ہے جس طرح حضرت سعید' ابن مسیّب ؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس بارے میں اس طرح مختلف تھے۔ پھر انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے۔ اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ وسطیٰ ہونا ثابت ہے پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابو حاتم رازی رحمہم اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی ؒ میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ ﴿ **کل ماقلت فکان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف قولی مما یصح فحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا تقلدونی** ﴾ یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے خبردار میری تقلید نہ کرنا۔ امام شافعی ؒ کے اس فرمان کو امام ربیع ؒ امام زعفرانی ؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابو الولید بن جارود ؒ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ﴿ **اذا صح الحدیث وقلت قولا فانا راجع عن قولی وقائل بذلک** ﴾ یعنی میری جو بات حدیث کے خلاف ہو میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو۔

یہ امام صاحب ؒ کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے آئمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے رحمہم اللہ ورضی عنہم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردی ؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب ؒ کا صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہیے کہ وہ نماز عصر ہے گو امام صاحب ؒ کا اپنا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے۔ مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے بھی اور بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے۔ ﴿ **فالحمد للہ** ﴾ بعض فقہا شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے۔ لیکن یہ سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں۔ علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے ﴿ **فالحمد للہ** ﴾

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو' جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت ابن مسعود ؓ کے سلام کا جواب حضور ﷺ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت معاویہ بن حکم سے جب کہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا کہ نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہیے یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے۔ (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے آپ ﷺ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے۔ جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور ﷺ کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔ اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھیے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں' میں نماز میں تھا۔ اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا' اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے' اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو پس یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔

اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید ابن ارقمؓ کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے' واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو۔ لیکن پہلا واقعہ زیادہ ظاہر ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ والی روایت جو مسند یعلی میں ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ کے جواب نہ دینے سے مجھے یہ خوف ہوا کہ شائد میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا ﴿ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ﴾ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔ چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ جس میں تمام ادب آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی یعنی میدان جنگ میں جب کہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار پیدل قبلے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو۔

ابن عمرؓ اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع حدیث ہے۔ مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے میں نماز پڑھ لیا کرو گو سواری پر سوار ہو کر۔ عبداللہ بن انیسؓ کو جب حضور ﷺ نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی الخ (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم) امام احمدؒ فرماتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب بہت زیادہ خوف ہو۔ جابر بن عبداللہؓ اور بہت سے دوسرے بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کی مڈ بھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں اگر فتح قریب آگئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں۔ یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔

مکحولؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا' صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی' ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے' خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام المحدثینؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت ﷺ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرما دیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ سے ورے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جب کہ نماز عصر کا وقت آگیا تو بعضوں نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور ﷺ کا یہ تھا کہ ہم

بہت جلد جائیں تاکہ عصر کی نماز کا وقت وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اور قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں کہا، پس اس سے حضرت امام بخاریؒ یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابو سعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔

لیکن امام بخاری، امام مکحول، اور امام اوزاعی رحمہم اللہ اجمعین کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں حکم کی بجا آوری کا پورا خیال رکھو جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہیے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت ﴿ واذا کنت فیھم ﴾ کی تفسیر میں آئے گا۔ انشاءاللہ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع

۳۱
ع
۷
۱۵

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو۔

بیوہ عورتوں کے متعلقہ مسائل: اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت (یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت) سے منسوخ ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود رہے گی ہم کوئی ہیر پھیر نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان و نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر میراث کی آیت نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سعید بن مسیّب کہتے ہیں سورۃ احزاب کی آیت ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ نے اسے منسوخ کر دیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا ہیں۔ اس

آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزارے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔

پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی اگر عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں۔ ﴿ وَصِيَّةً ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے۔ ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ﴾ اس کا نصب ﴿ فَلْتُوْصُوْا لَهُنَّ ﴾ کو محذوف مان کر ہے پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزارنا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔ امام ابن تیمیہؒ بھی اس قول کو اختیار کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی قول کو اختیار کرتے ہیں جبکہ باقی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل مؤطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی ہمشیرہ فریعہ بنت مالکؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لئے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے میکے چلی آؤں اور یہیں عدت پوری کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اجازت ہے میں لوٹی ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور ﷺ نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا میں نے پھر قصہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کے فیصلہ سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ حسن صحیح کہتے ہیں۔ مطلقہ عورت کو متاع دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے۔ لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اس صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصور مذہب ہے' واللہ اعلم'۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی حلال و حرام اور فرائض وحدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا اجمال اور ابہام باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت تذبذب میں نہ پڑ جاؤ بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے: وبا والی جگہ میں نہ جاؤ اور وہاں سے نہ نکلو ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے۔ بعض نو ہزار کہتے ہیں، بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں، بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں یہ لوگ ذاوردان بازرروان نامی بستی کے تھے۔ جو واسط کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں اسی بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کے بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے اتفاق سے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا چونا ہو گیا' اس جگہ بستی بس گئی تب حزقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ندا کرو کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پٹھے بھی جوڑ لو۔ چنانچہ اللہ کے اس نبی کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز لگائی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر ہر روح اپنے قدیم جسم میں آ جائے۔ چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا ﴿ سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ ﴾ اے اللہ! تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں کہ نہ جائیں۔ بالآخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم کسی جگہ وہاں کی خبر سن لو تو وہاں اس حالت میں جاؤ بھی مت۔ حضرت فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے۔ (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا الخ۔

پھر فرمایا جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا۔ اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں رزق نہ بڑھے نہ گھٹے موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے رک کر بیٹھ گئے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ جہادی شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے' ان سے کہو کہ ذرا اپنی جانوں سے بھی تو موت کو ہٹا دو اگر تم سچے ہو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں اے اللہ ہم پر لڑائی کیوں لکھدی کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں۔

اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سرادار اور بہادروں کے پیشوا اللہ کی تلوار اور اسلام کے پشت پناہ ابو سلیمان خالد بن

ولید کا وہ فرمان نقل کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جو آپ نے انتقال کے وقت فرمایا تھا۔ کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے' لڑائی سے جی چرانے والے نامرد وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ کی راہ میں زخمی ہو چکا ہے سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر تلوار نیزہ برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر پر فوت رہا ہوں میدان جنگ میں نہ رہا۔

پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے۔ حدیث نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری نے کہا تھا یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا اپنا ہاتھ دیجئے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور میں نے اپنا باغ جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔ (ابن ابی حاتم) قرض حسن سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور بال بچوں پر خرچ کرنا بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگنا ہ چار گنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿ **مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ** ﴾ الخ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سات دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے الخ۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ۔ حضرت ابوہریرہ سے ابو عثمان نہدی پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو۔ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دولاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں۔ مجھ سے زیادہ حضرت ابوہریرہ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا آپ حج کو گئے۔ پھر پیچھے سے میں بھی گیا۔ بصرہ پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم تم سب سے زیادہ میں ابوہریرہ کا صحبت یافتہ ہوں۔ میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابوہریرہ سے پوچھ لوں' چنانچہ میں وہاں سے صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ چل کھڑا ہوا' وہاں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا واہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو ﴿ **وما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل** ﴾ یعنی ساری دنیا کا اسباب آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دولاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے ﴿ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر** ﴾ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ الخ ابن ابی حاتم میں ہے۔ ﴿ **مثل الذین** ﴾ الخ کی آیت جب اتری تو حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کو اور زیادتی عطا فرما پس ﴿ **من ذالذی** ﴾ کی آیت اتری آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو ﴿ **انما یو فی الصابرون اجر ھم بغیر حساب** ﴾ کی آیت۔

حضرت کعب احبار سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورہ ﴿ **قل ھو اللہ** ﴾ کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لئے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں کیا میں اسے سچ مان لوں؟ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے بلکہ بیس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے بلکہ میں بیس لاکھ اور بھی اور تیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور

فرمایا جب اللہ تعالیٰ ﴿ اضعافا کثیرۃ ﴾ فرماتا ہے تو پھر اسے مخلوق گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی؟ پھر فرمایا رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کرو وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور جسے نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے تم سب قیامت کے دن اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

وقف لازم

کیا تو نے حضرت موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے۔ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو۔ انہوں نے کہا بھلا ہم راہ الٰہی میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے' اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہیں۔

احسان فراموش قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور احسان: جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہؒ نے یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے دور کا ہے جیسا کہ صراحتاً منقول ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے' واللہ اعلم۔

سدی کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن بابالی بن علقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابو باشف بن قارون بن یصہر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے نبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب مار کھائی اجڑے اور لٹے۔ پہلے تو توراۃ کی موجودگی اور تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے سے ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مر کھپ گئے ان میں صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی' ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے۔ اب بنی اسرائیل کی نظریں صرف اس عورت پر تھیں' انکی خواہش تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے' خود ان بیوی صاحبہ کی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شموئیل یا شمعون رکھا۔ اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی۔ نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی۔ جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں۔ بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا

لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم جہاد سے جی نہ چراؤ۔ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہیں ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس یہ سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

انہیں ان کے نبی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

حیلے اور بہانے ساز قوم: مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہ بنا دینے کی خواہش انہوں نے اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم الٰہی حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے بلکہ ایک لشکری تھے۔ شاہی خاندان یہودا کی اولاد تھی۔ اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے پانی پلانے والے تھے کسی نے کہا یہ دباغ رنگائی کرنے والے تھے۔ پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبی کے سامنے ان سے یہ ہوئی۔ پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں یہ تو حکم الٰہی ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے' پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم اور قوی طاقتور شکیل و جمیل شجاع و بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ شکیل قوی طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہیے پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے جسے چاہے ملک دے وہ حکمت والا رافت و رحمت والا ہے' اس سے کس کی مجال کہ سوال کرے' جو چاہے کر دے سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستثنیٰ ہے' وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے وہ علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوسٰى وَاٰلُ هٰرُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے۔ فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔

تابوت سکینہ اور اسکی تفصیل: نبی (تمویل یا سمعون) علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی برکت کی علامت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ تمہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار وعزت دل جمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جس میں آپ نے تورات کی تختیاں رکھی تھیں۔ کسی نے کہا اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی ہوا بھی تھی دو سر تھے۔ دو پر تھے اور دم بھی تھی۔ وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی میں فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہدیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اور من اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح کو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے۔ تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں' چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے اٹھا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں جا کر رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انہیں کہا اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو لاد کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں۔ اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے بعض تو کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے' واللہ اعلم۔ (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

جب حضرت طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے' لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا (حضرت) طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں' اللہ تعالیٰ صبر والوں کیساتھ ہے۔

حضرت طالوت کے لشکر کا امتحان: اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طالوت نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشرایعہ تھا۔ طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پیئے اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا مگر ایک چلو بھر بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں شامل رہے لیکن خوب پیٹ بھر کر پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں۔ اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمدؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا۔ یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سر فروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی وعظ کیئے فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں صبر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھایا ہے' تم صبر کرو طبعیت میں استقلال اور عزم رکھو اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو' اس صبر کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤد کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو مملکت و حکمت اور

جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا' اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل وکرم کرنے والا ہے یہ ہیں اللہ کی آیتیں ہم حقانیت کے ساتھ تجھ پر پڑھتے ہیں' بالیقین تو رسولوں میں سے ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کی موت: یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر وثبات کا پہاڑ بنادے۔ اور لڑائی کے وقت ہمارے قدم جمادے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر چنانچہ ان کی یہ عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کا تہس نہس کر دیتی ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار سرتاج جالوت مارا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے دوں گا۔ اور اپنا مال بھی آدھوں آدھ تمہیں دے دوں گا۔ اور حکومت میں بھی برابر کا شریک کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت علیہ السلام نے اپنا وعدہ پورا کیا بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے۔ اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل علیہ السلام کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ نے چاہے اپنے نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر بدلی تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ **ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا** ﴾۔ یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہوتا تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے توڑ دی جاتیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ماجہ) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کے اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے اور تمہیں روزی دی جائے گی۔ ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کو قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسنؒ بھی انہیں ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے۔ وہی سچا حاکم ہے اور اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے وہ تمام مخلوق پر فضل وکرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی سے تمہیں معلوم ہوئیں' تم میرے سچے رسول ہو میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار پرتاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔

﴿الحمد لله﴾ تفسیر ابن کثیر (اردو) کا دوسرا پارہ مکمل ہوا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کئے' اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی' اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر' اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

انبیاء کے درجات اور حضرت محمد کی فضیلت : یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور (حضرت) داؤد کو ہم نے زبور دی یہاں بھی اسی کا بیان کر کے فرماتا ہے۔ ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ اور حضرت آدمؑ صحیح ابن حبان میں حدیث ہے جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کس نبی کو آپ ﷺ نے کس آسمان میں پایا جو دلیل ہے ان کے مرتبوں کے کم و بیش ہونے کی۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہو گئی تو یہودی نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث! کیا ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبوی ﷺ میں آکر اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آگئے؟ یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچا لئے گئے پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو۔ پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم ہوا ہو لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر۔ فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور خلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے اس لئے آپ ﷺ نے منع فرما دیا چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے اپنے خیال اور اپنے ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت و تکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے فضیلت دے تم مان لو تمہارا کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو واضح دلیلیں اور ایسی حجتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا

کہ آپ ﷺ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیلؑ سے ہم نے ان کی تائید کی پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضاء و قدر کا نمونہ ہیں ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

ایمان والو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے اور نہ دوستی نہ شفاعت' کافر ہی ظالم ہیں۔

شفاعت کے مشرکانہ تصور کا رد: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تاکہ اللہ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے اور فرماتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں خیرات و صدقات کر لو قیامت کے دن نہ تو خرید و فرخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے' نہ کسی کا نسب اور دوستی محبت کچھ کام آسکتی ہے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون ﴾ یعنی جب صور پھونکا جائیگا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہو گا اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور پکے ظالم وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں عطاء ابن دینار" کہتے ہیں شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو زندہ اور سب کا تھامنے والا' جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند' اسی کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں' کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے' وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے' وہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکے نہ اکتائے' وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

آیت الکرسی کی فضیلت: یہ آیت آیت الکرسی ہے جو بڑی عظمت والی آیت ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے۔ آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں بار بار کے سوالات پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی۔ حضور

ﷺ فرماتے ہیں ابوالمنذر اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی۔ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجور کی ایک بوری تھی میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا میں نے اسے سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا' میں نے کہا تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے۔ اس نے ہاتھ بڑھادیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہے؟ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت والا میں ہی ہوں میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے ہم نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کونسی چیز ہے؟ اس نے کہا آیت الکرسی صبح کو جب میں سرکار محمدی میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی (ابویعلی) مہاجرین کے پاس آپ ﷺ گئے تو ایک شخص نے کہا حضور ﷺ قرآن کی آیت کونسی بہت بڑی ہے؟ آپ ﷺ نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی) آپ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ میں سے ایک سے پوچھا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا حضرت! میرے پاس مال نہیں اس لئے نکاح نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ قُلْ هُوَاللّٰهُ ﴾ یاد نہیں؟ اس نے کہا وہ تو یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا۔ کیا ﴿ قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ یاد نہیں؟ کہا ہاں وہ بھی یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا' پھر پوچھا کیا ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ ﴾ بھی یاد ہے کہا ہاں' فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا کیا ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُاللّٰهِ ﴾ بھی یاد ہے' کہا ہاں' فرمایا چوتھائی یہ کیا آیت الکرسی یاد ہے؟ کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا (مسند احمد) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے میں آکر بیٹھ گیا آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی میں نے کہا کہ نہیں فرمایا اٹھو نماز ادا کر لو' میں نے نماز پڑھی پھر آکر بیٹھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ابوذر! شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ میں نے کہا حضور! کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں فرمایا ہاں میں نے کہا حضور! نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا وہ سراسر خیر ہے جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ' میں نے کہا حضور! روزہ؟ فرمایا کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادتی ہے میں نے کہا صدقہ فرمایا بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ فرمایا کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں فرمایا حضرت آدمؑ میں نے کہا وہ نبی تھے؟ فرمایا نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے' میں نے پوچھا رسولوں کی تعداد کیا ہے؟ فرمایا سو اور کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت۔ ایک روایت تین سو پندرہ کا لفظ ہے۔ میں نے پوچھا حضور ﷺ آپ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کونسی اتری ہے؟ فرمایا آیت الکرسی ﴿ الله لا اله الا هو الحی القیوم ﴾ (مسند احمد) حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کرلے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی' آپ ﷺ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا بسم اللہ اجیبی رسول اللہ جب وہ آیا میں نے یہی کہا اور پکڑ لیا اس نے کہا میں اب نہیں آؤں گا' پھر اسے چھوڑ دیا' میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے' اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا' آپ ﷺ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا۔ میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے کر چھوڑ دیا' میں نے حضور ﷺ سے ذکر کیا اور آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا آخر مرتبہ میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا اس نے کہا چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس بھی نہ آسکے۔ میں نے کہا اچھا بتا تو کہا وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے آکر حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے (مسند احمد۔) صحیح بخاری میں کتاب

فضائل القرآن اور کتاب الوکالتہ اور صفتہ ابلیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوٰۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا۔ تیسری مرتبہ اس نے بتلایا کہ اگر تو رات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر محافظ مقرر ہوگا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آسکے گا (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کھجوریں تھیں اور مٹھی بھر وہ لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازہ کھولے کہنا ﴿ سبحان من سخرك محمد ﴾ شیطان نے عذر یہ بتلایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کیلئے میں یہ لے جا رہا تھا (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ کا ہوا۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کا حضرت ابوایوب انصاریؓ کا اور حضرت ابوہریرہؓ کا۔

آیت الکرسی کی برکات: حضرت عبداللہ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کی اور جن کی ملاقات ہوئی جن نے کہا مجھ سے کشتی کرے گا اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آسکے۔ کشتی ہوئی اور اس آدمی نے اس جن کو گرا دیا اس شخص نے کہا تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں۔ کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تو ہی ایسا ہے؟ کہا میں تو ان سب میں قوی ہوں پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس نے گرا دیا تو جن نے کہا وہ آیت الکرسی ہے جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ شخص حضرت عمرؓ تھے (کتاب الغریب) رسول ﷺ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ وہ آیت آیت الکرسی ہے (مستدرک حاکم) ترمذی میں ہے کہ ہر چیز کا کوہان اور بلندی ہے اور قرآن حکیم کی بلندی سورۃ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ حضرت عمرؓ کے سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کونسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ وہ آیت آیت الکرسی ہے (ابن مردویہ)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت ﴿ الم الله لا اله الا هو الحی القیوم ﴾ (مسند احمد)۔ اور حدیث میں ہے کہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرمائے ان تین سورتوں میں ہے۔ سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران اور سورۃ طٰہٰ (ابن مردویہ۔) ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں سورۃ بقرہ کی آیت آیت لکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طٰہٰ کی آیت ﴿ وعنت الوجوه للحی القیوم ﴾ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے (ابن مردویہ۔) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب ﴿ عمل الیوم واللیلة ﴾ میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے۔ اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابوالفرج ابن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے۔ ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمرانؑ کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقوں کا عمل دوں گا اس پر ہمیشگی صرف نبیوں سے ہوتی ہے یا صدیقوں سے یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ حدیث بہت منکر ہے ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۃ ﴿ حم المومن کو الیه المصیر ﴾ تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لئے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں دوسرے اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار مدنظر ہے ہم نے انہیں وارد نہیں کیا اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے ہیں پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ مخلوق کا

وہی ایک اللہ ہے دوسرے جملہ میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ **قیوم** کی دوسری قرائت **قیام** بھی ہے پس تمام موجودات اس کی محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ **ومن ایتہ ان تقوم السمآء والارض بامرہ** ﴾ یعنی اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان و زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر دل کے ہر خطرے سے وہ واقف مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے بھی باہر نہیں یہی پوری قیومیت ہے اونگھ اور غفلت سے نیند اور بے خبری سے اس کی ذات پاک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چار باتیں بتلائیں فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے وہ ترازو کا حافظ ہے جس کے لئے چاہے جھکا دے جس کے لئے چاہے نہ جھکائے دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ (حضرت) موسیٰ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں۔ انہوں نے یہی کیا تین راتوں تک سونے نہ دیا اس کے بعد دو بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں۔ آپ نے انہیں تھام لیا لیکن اجاگا تھا نیند کا غلبہ ہوا اونگھ آنے لگی آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک؟ آخر ایک مرتبہ ایسا جھونٹا آیا کہ بوتلیں ٹوٹ گئیں۔ گویا اس سے بتلایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بوتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سوئے تو زمین و آسمان کی حفاظت کس طرح ہو سکے لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو لگتی بھی نہیں' اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ جاگتا ہی رہتا ہے یا سو بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے جو ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان پیغمبر ہونا ثابت نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی بات ہے۔ ابن عباس سے یوں مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو بوتلیں پکڑوائی گئیں اور بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے اور حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ الخ' یعنی زمین و آسمان کی کل چیزیں رحمٰن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں ان سب کو اللہ نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور گھیر رکھا ہے ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہو گی کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے' جیسے ارشاد ہے ﴿ وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ ﴾

شفاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو گی: یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی سے ہو اور جگہ ہے ﴿ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی ﴾ کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے۔ حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں ہی چھوڑ دے گا جب تک چاہے گا پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا شفاعت کرو منظور کی جائے گی آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا وہ اللہ تعالیٰ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے جیسے اور جگہ

فرشتوں کا قول ہے کہ ﴿ ما نتنزّلُ اِلّا بِامرِ رَبِّکَ ﴾ الخ ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

کرسی کے بارے میں مفسرین کا موقف: کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم منقول ہے۔ دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر بغیر تاویل اور کیفیت جانے ایمان رکھنا ضروری ہے: ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں خود ابن عباسؓ سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں۔ حضرت ابو مالکؒ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کرسی کے جوف میں ہے اور کرسی عرش کے سامنے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بسیط کر دیا جائے تاہم کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں۔ اور حدیث میں ہے کہ کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں۔ ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضور ﷺ نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے۔ ایک عورت نے آکر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کرسی نے آسمان وزمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے وہ کرسی عظمت پروردگار سے چرچرا رہی ہے۔ گو یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے کسی میں ارسال ہے کوئی موقوف ہے کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے' کسی میں حذف ہے۔ اور ان سب سے زیادہ غریب حضرت جبیرؓ والی حدیث ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لئے رکھا جانا مروی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں واللہ اعلم۔ مسلمانوں میں ہیئت داں متکلمین کہتے ہیں کہ کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں جس پر نواں آسمان اور ہے جسے فلک ایثر کہتے ہیں اور اطلس بھی لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے حسن بصریؒ فرماتے ہیں کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار واحادیث میں وارد ہوا ہے علامہ ابن جریر تو اس بارے میں حضرت عمرؓ والی روایت پر اعتماد کئے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے واللہ اعلم۔

آسمانوں وزمین کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے: پھر فرمایا کہ اللہ پر ان کی حفاظت بوجھل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار' تمام چیزوں پر نگہبان' کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر متواضع ذلیل پست محتاج اور فقیر۔ وہ غنی وحمید وہ جو کچھ چاہے کر گزرنے والا کوئی اس پر حاکم نہیں' باز پرس کرنے والا نہیں' ہر چیز پر وہ غالب ہر چیز کا حافظ اور مالک وہ علو بلندی اور رفعت والا' وہ عظمت بڑائی اور کبریائی والا' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا اور پالنے پوسنے والا ہے' وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے اسی لئے فرمایا ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾ بلندی اور عظمت والا وہی ہے یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات وصفات باری میں وارد ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کئے اور بغیر تشبیہ دیئے جن الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تھا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْ

مِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں' سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی' جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا' جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر نہ کرنا: یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو۔ اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت؟ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والہ و شیدا ہو جائیگا ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے یہودیوں کے سپرد کر دیں گے اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے' جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور دین اللہ کے انصار بنے تو ادھر یہودیوں سے جنگ ہوئی اور آخر ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرور رسلؐ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ ان بنی نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تا کہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حصینیؓ نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لئے کشمش لیکر آیا تھا جن کے ہاتھوں یہ دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے' ان کے باپ نے حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنالوں ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی' حضرت عمرؓ کا غلام اسبق نصرانی تھا آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نسخ و تبدیل توراۃ و انجیل سے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے ہیں جب کہ وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں۔ بعض اور کہتے ہیں کہ آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے اگر کوئی انکار کرے اور مسلمانوں کی ماتحتی بھی اختیار نہ کرے نہ جزیہ دینا قبول کرے تو بیشک مسلمان اس سے جہاد کریں گے جیسے اور جگہ ہے ﴿ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ ﴾ عنقریب تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے یا تو تم اس سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے اور جگہ ہے اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر اور جگہ ہے ایماندارو! اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو تم میں وہ سختی پائیں اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں' یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان ہو جا اس نے کہا حضرت! میرا دل نہیں مانتا آپ ﷺ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو۔ یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرت ﷺ تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ ﷺ نے اسے مجبور کیا' مطلب یہ ہے کہ تو

کلمہ تو پڑھ لے پھر ایک دن وہ بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو۔ جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقراری اور عامل بن جائے وہ سیدھی اور صحیح راہ پر ہے۔

طاغوت کا مفہوم: حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں جبت سے مراد جادو ہے اور ﴿ **طاغوت** ﴾ سے مراد شیطان ہے۔ دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں ایک دلیر آدمی انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے انسان کا سچا نسب خلق حسن ہے گو وہ فارسی ہو یا نبطی حضرت عمر ؓ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی' بت کی پوجا کرنی ان کی طرف حاجتیں لے جانی ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنی وغیرہ۔

عروہ وثقی سے کیا مراد ہے: پھر فرمایا اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا' یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ چھٹے خوب مضبوط مستحکم قوی اور کڑا ہوا عروہ وثقی سے مراد ایمان' اسلام' توحید باری' قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے' یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک' اور جگہ ہے ﴿ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ** ﴾ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن عبادہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا جو ایک شخص آیا جس کا چہرہ خدا ترس تھا دو ہلکی رکعتیں نماز کی اس نے ادا کیں' لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں۔ جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا۔ کہا سبحان اللہ! کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ' میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں با آسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا' بس اس حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا میں نے حضور ﷺ سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا گلشن باغ۔ اسلام ہے اور ستون ستون دین ہے اور کڑا عروہ وثقے ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں ؓ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبوی میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ تعالیٰ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے ۔ خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک شخص آیا مجھے لے چلا ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں ہم پہنچے میں نے وہاں بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر پڑا' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھا لیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا مجھے اس نے اس ستون پر چڑھا دیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا جب یہ خواب حضور انور ﷺ کو میں نے سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے میدان' میدان محشر ہے' بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کا راستہ ہے پھسلنا پہاڑ شہدا کی منزل ہے کڑا اسلام کا کڑا ہے مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو اس کے بعد حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے گا۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیا شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں' یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

مومنوں کا ولی اللہ کافروں کے ولی شیاطین ہیں: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کے طلبگار کو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور شک وشبہ کے کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت وضلالت کو کفر وشرک کو مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے روکتے ہیں اور یوں نور حق سے ہٹا کر ناحق کی اندھیریوں میں جھونک دیتے ہیں یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔

حق ایک ہے باطل کی کئی قسمیں ہیں: لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لئے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں۔ کفر کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اس کی تابعداری کرو اور راستوں پر نہ چلو ورنہ راہ سے بھٹک جاؤ گے یہ وصیت تمہارے بچاؤ کے لئے کر دی اور جگہ ہے ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ﴾ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور باطل میں تفرق وانتشار ہے۔ حضرت ایوب بن خالدؒ فرماتے ہیں کہ اہل ہوا یا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن صاف اور نورانی ہو گا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیریوں والا ہو گا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا؟ جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا' جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے' وہ کہنے لگا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ' اب تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرت ابراہیمؑ اور غرور کے درمیان مناظرہ: اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن کوس بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت

بابل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں دنیا کی مشرق و مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر۔ حضرت سلیمان بن داؤدؑ اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر۔ فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی! تم نے اپنے دل سے اُسے نہیں دیکھا جو (حضرت) ابراہیم سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا' یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا جیسے کہ اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا اللہ نہیں جانتا' چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا اس لئے دماغ میں رعونت اور انانیت آگئی تھی سرکشی اور تکبر نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چار سو (۴۰۰) سال تک حکومت کرتا رہا تھا حضرت ابراہیمؑ سے جب اس وجود باری پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا پھر ہونا پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے موجد اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے۔ نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں کرتا ہوں' یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسری کو رہا کر دیا۔ دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور پوچ ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت و حیات پر اسے قدرت۔ لیکن جہلا کو بھڑکانے کے لئے اور اپنی علیت جتانے کیلئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے فراری کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے' چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تیرا تصرف پورا ہونا چاہیئے۔ میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا ہے کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے۔ اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا اقراری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی راہ یافتہ نہ ہو سکا ایسے بدوضع لوگوں کو اللہ تعالیٰ کوئی دلیل نہیں سجھاتا اور وہ حق کے مقابلہ میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں' ان پر اللہ کا غضب و غصہ اور اسکی ناراضگی ہوتی ہے اور ان کے لئے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔ بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہؑ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی۔ لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری کا مقدمہ تھا اور ان دونوں سے نمرود کے دعوے کا بطلان بالکل واضح ہو گیا۔ اصل دلیل پیدائش و موت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس ناسمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہیئے اور جس طرح موت و حیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں پھر کیا وجہ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نہ کرے اور اس کے کہے سے بجائے مشرق کے مغرب سے نہ نکلے؟ پس حضرت ابراہیمؑ نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا فالحمد للہ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ: زید بن اسلمؒ کا قول ہے کہ قحط سالی تھی لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے حضرت خلیل اللہ بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا' آپ خالی ہاتھ واپس آئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ اٹھیں بوریوں کو کھولا تو عمدہ اناج سے دونوں پر تھیں کھانا پکا کر تیار کیا آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے' پوچھا اناج کہاں سے آیا؟ کہا دو

بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔

نمرود پر عذاب الٰہی: اس نانہجار بادشاہ کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک فرشتہ بھیجا اس نے آکر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آڈٹا ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا دروازہ کھول دیا بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا یہ ربانی فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے وہیں ہلاک ہو گئے ہڈیوں کا ڈھانچ باقی رہ گیا انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا۔ ایسے سخت عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجہ بہتر تھی' اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا' یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ ﴿ اَعَاذَنَا اللّٰهُ ﴾

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٥٩﴾

یا مانند اس شخص کے جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا' اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے بعد اسے اٹھایا' پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا' بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ! ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا دکھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں' جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قدرت کی عظیم نشانی سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونا: اوپر جو واقعہ حضرت ابراہیمؑ کے مباحثہ کا گزرا اس پر اس کا عطف ہے یہ گزرنے والے یا تو حضرت عزیرؑ تھے جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن حلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضرؑ کا ہے یا حزقیل ابن بورا تھے یا بنی اسرائیل میں کا ایک شخص تھا یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے بخت نصر نے جب اسے اجاڑا یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا مکانات گرا دیئے اور آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا' اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے' انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہ و بالا ہو گئی ہے نہ مکان ہیں نہ مکین تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پر رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے پھر یہ کیسے آباد ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا۔ بھاگے ہوئے بنی اسرائیل بھی پھر آ

پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہو گئی اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تاکہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے ہیں تو شام کا وقت تھا خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے۔ اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ بھتا جو تمہارے ساتھ تھا باوجود سو سال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے یہ توشہ انگور انجیر اور شیرا تھا۔ نہ تو یہ شیرا بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے۔ اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑیں ہیں۔ انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لئے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک کے ساتھ ایک جڑیں مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی ﷺ کی قرات ﴿نُنْشِزُھَا﴾ زے کے ساتھ ہی ہے اور اسے ننشرھا رے کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے۔ مجاہدؒ کی قرات یہی ہے۔ سدیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیلی پڑی تھیں اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہو گئیں پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ قائم ہو گیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت رگیں پٹھے کھال پہنا دی پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نتھنے میں پھونک ماری بس اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہو گیا اور آواز نکالنے لگا۔ ان تمام باتوں کو حضرت عزیر دیکھتے رہے اور قدرت کی یہ ساری کارگری انکی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی۔ جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ تو میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے زیادہ علم ویقین والا ہوں۔ بعض لوگوں ﴿اعلم﴾ کو ﴿اعلم﴾ بھی پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۲۶۰) ع ۳۵

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرندوں کو لو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور ٹکڑے شدہ چار پرندوں کا زندہ ہونا: حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جائے جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں صحیح بخاری میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیم کے زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے کہا ﴿رَبِّ اَرِنِیْ﴾ تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (شاید یہ ہوگا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود

خلائق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ (مترجم) اب رب العالمین خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لے لو۔ مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیمؑ نے لے لئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کہتا ہے وہ اور مور مرغ اور کبوتر تھے۔ کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے۔ کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ مور اور کوا تھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اپنے پاس رکھ لیا' جب مائل ہو گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔ پس آپ نے چار پرندے لئے ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چار پہاڑوں پر یا سات پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے۔ پھر بحکم اللہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرند اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا۔ آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا' خود اس کا سر دیتے تو وہ جڑ جاتا۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ جس کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ سے جناب باری تعالیٰ کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا؟ اور حضرت خلیلؑ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں یہ آیت مجھے تو اور تمام آیات سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کونسی ہے؟ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں۔ ﴿ لَا تَقْنَطُوْا ﴾ والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ میرے گنہگار بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہونا میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کے لئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول پھر رب العزت کا یہ سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق وابن ابی حاتم وغیرہ۔)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے' اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

صدقات کا اجر وثواب: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنے مال کو خرچ کرے اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات (۷) سات (۷) سو گنا کر کے دی جاتی ہیں' تو فرمایا کہ جو لوگ راہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جہاد میں گھوڑوں کو پالنے میں' ہتھیار خریدنے میں حج کرنے کرانے وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھپ جائے اور دل میں گھر کر جائے۔ ایک دم یوں فرما دیتا کہ ایک کے بدلے سات سو ملیں گے اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ

اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں۔ جس طرح تمہارے بوئے ہوئے بیج کھیت میں بڑھتے بڑھاتے رہتے ہیں مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد مجتبے محمد مصطفے ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز اللہ کی راہ میں دیتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے' اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے جس شخص پر کوئی جسمانی بلا مصیبت دکھ درد بیماری آئے وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو عبیدہؓ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جب کہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لئے گئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ سرہانے بیٹھی تھیں' ان سے پوچھا کہ رات کیسے گزری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے' آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری یہ رات سختی کی نہیں گزری اس لئے کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک۔

مگر روزہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں آپ اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ روزے دار کو دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری قیامت کے دن روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے آخر میں ہے کہ روزہ ڈھال ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ نماز' روزہ' ذکر اللہ' اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنے بڑھ جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی ﴿ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ ﴾ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ ﴾ والی آیت اتری' آپ ﷺ نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ اتری پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل و کرم والا ہے وہ جانتا بھی ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں۔ ﴿ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے۔ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو' جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر' اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے' ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔

اس صدقہ کی فضیلت جس میں ریا اور احسان جتانا نہ ہو: اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے' نہ تو اپنی زبان سے نہ اپنے کسی فعل سے اور نہ اس شخص کو کوئی برائی پہنچاتے ہیں' ان سے پھر جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر و ثواب اللہ رب العزت کے ذمہ ہے ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف و خطرہ نہ ہو گا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم و رنج ہو گا اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔

کلمہ خیر کی فضیلت: پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکلنا کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا اور درگزر کرنا خطا اور کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہت بہتر ہے جس کی تہہ میں ایذا دہی ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں۔ کیا تم نے فرمان باری تعالیٰ ﴿ قول معروف ﴾ نہیں سنا؟ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے' وہ حلیم اور بردبار ہے گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم و کرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے' تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ایک تو دے کر احسان جتانے والا دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہمد لٹکانے والا تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہو گا نسائی میں ہے کہ تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں ماں باپ کا نافرمان شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا۔

نسائی کی اور حدیث میں ہے کہ یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات و خیرات کو منت و احسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف دہی کے صدقہ کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لئے دیا جائے' اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مد نظر ہو لوگوں میں تعریف و ستائش کی چاہت ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو' نہ اس کے ثوابوں پر نظر ہو اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہوئی ہو' پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی دھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گو لوگ سمجھتے ہوں کہ اس صدقہ کی نیکی کے پاس ہے جس طرح بظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب

بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کافر گروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لاوے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برسے تو شبنم ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

خالص بوجہ اللہ صدقے کا ثواب: یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمانداری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے۔ ربوہ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہوں اس لفظ کو ﴿ بِرُبْوَةٍ ﴾ اور ﴿ بِرُبُوَةٍ ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ وابل کے معنی سخت بارش کے ہیں۔ وہ دگنا پھل لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے۔ یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہو تاہم صرف شبنم سے ہی پھیلتا پھولتا ہے یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے۔ اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بے اجر نہیں رہتے وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾ ع

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ میں تند آندھی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

حسن عاقبت خاتم بالخیر: صحیح بخاری میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ایک دن صحابہ ؓ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں اس کا صاف جواب دو حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا امیر المومنین! میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو۔ فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔ پوچھا کونسا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے۔ پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں

بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداً اچھے عمل کئے' پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خالی ہاتھ رہ گیا جس طرح ایک شخص ہے جس نے ایک باغ لگایا' پھل اتار تار ہا لیکن جب کہ بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں' آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے کہ اتفاقاً آندھی چلی اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہرا بھرا لہراتا باغ دم بھر میں لاکھ کا خاک ہو گیا۔

اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں کر لیں لیکن پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا۔ کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی۔ ﴿ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَیَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّیْ وَانْقِضَاءِ عُمُرِیْ ﴾ اے اللہ! اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرما دیں تم بھی غور و فکر تدبر و تفکر کرو سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو جیسے فرمایا ﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلاَّ الْعٰلِمُوْنَ ﴾ ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرمایا انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ ښ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو' ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو' اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔ شیطان تم کو فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔ وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا' نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

صدقہ میں پاکیزہ اور طیب چیز دو: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ نے تم کو دیا ہے سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تم کو زمین سے نکال کر دیئے ہیں اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو' ردی واہیات سڑی گلی گری پڑی بے کار فضول اور خراب چیز راہ اللہ نہ دو۔ اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول

نہیں کرتا۔ تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تم کو دی جاتی تو نہ قبول کرتے پھر اللہ کیسے لے لے گا ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے' لیکن اللہ تعالیٰ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ کر حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں۔ دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی' ہاں دین صرف دوستوں ہی کو عطا فرماتا ہے جسے دین مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں' لوگوں کے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا ایذا سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم و ستم ہے جو شخص حرام طریقہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ تعالیٰ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقے خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے۔ خباثت سے خباثت نہیں مٹتی۔ پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں دوسرے حرام مال آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لا کر دو ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے۔ کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم کو ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لو گے۔ ہاں اگر شرم و لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے' اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں کا ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور واہی پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ بے کار چیز صدقے میں نہ دو۔ مسند میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کسی مسکین کو دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو تم کو پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتے اسے اور کو کیا دو گے؟ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تم کو وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے۔ مگر اس وقت جب تم کو اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو خیر تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر۔ تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت ﴿ لن تنالو البر ﴾ کے بھی۔

بوقت صدقہ شیطان کا وسوسہ ڈالنا: پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا۔ کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے۔ نہیں نہیں وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو' یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غرباء بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لیتا ہے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقویٰ کی آزمائش کرتا ہے وہ کشادہ فضل والا ہے اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔ صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے فضل اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تم کو عطا فرمائے گا وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں وہ حمید ہے تمام اقوال افعال تقدیر شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں اس کے سوا کوئی

عبادت کے قابل نہیں وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر جس کے دل میں یہ خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ پیدا ہو وہ اَعُوْذُ پڑھے پھر حضور ﷺ نے آیت اَلشَّیْطٰنُ تلاوت فرمائی (ترمذی)۔

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود سے موقوف بھی مروی ہے مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان روکتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس طرح فقیر ہو جائیں گے اس نیک کام سے روک کر پھر بے حیائیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے۔ گناہوں پر' نافرمانیوں پر' حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث میں تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور جو تم کو فقیری سے ڈراتا ہے میں اس کے مقابلہ میں تم کو اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہو گا اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے۔

حکمت کا مفہوم: حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ منسوخ محکم متشابہ مقدم موخر حلال حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے۔ پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہ کو پہنچ جائے اور زبان سے اس کا صحیح مطلب ادا ہو سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو اللہ تعالیٰ کا ڈر اس کے دل میں ہو۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث بھی ہے کہ حکمت کا سر اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں ہر امر دنیوی کو عقلمندی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں پس یہ ہے وہ حکمت جو اللہ نے اسے دی اور اسے اس سے محروم رکھا۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے وہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں کو شامل ہے اور نبوت بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیاء کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محرومی نہیں۔ سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گئی مگر وہ صاحب وحی نہیں لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے منقول ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا اپنا قول ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اسی کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے' سمجھ رکھتا ہو' بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظریں رکھے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا بھی کفارہ کر دے گا اللہ تعالیٰ

تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

تمہاری نذر اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک خرچ اور نذر کو اور ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں گناہ کے کام کرتے ہیں اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور المناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد کو اٹھے۔

چھپا کر صدقہ کرنا افضل ہے مگر دوسروں کو ترغیب دلانے کے لئے: پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لئے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی فائدہ ہو مثلاً اس لئے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے۔

پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ ؓ مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا' عادل' بادشاہ' وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے' وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں' وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک' وہ شخص جو خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے رو دے' وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے مگر وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ تعالیٰ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو ہلنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہو گیا۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت بھی کوئی ہے؟ فرمایا ہاں لوہا پھر اس سے سخت آگ اور اس سے سخت پانی اور اس سے سخت ہوا دریافت کیا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔ آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے باوجود مال کی قلت کے پھر بھی راہ اللہ میں خرچ کیا جائے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ پوشیدگی کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ حضرت شعبی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ؓ کے بارے میں اتری ہے حضرت عمر تو اپنا آدھوں آدھ مال حضور ﷺ کے پاس لائے اور حضرت صدیق ؓ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروق ؓ نے جواب دیا اتنا ہی صدیق کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضور ﷺ کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول ﷺ کا وعدہ کافی ہے۔ حضرت عمر ؓ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیق! آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں" آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرض ہو خواہ نفلی زکوۃ ہو یا خیرات اس کی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے لیکن حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ تو پوشیدہ دینا ستر گنا فضیلت رکھتا ہے

لیکن فرض زکوۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنا فضیلت رکھتا ہے۔
پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جب کہ وہ چھپا کر دیا جائے، تم کو بہت سی بھلائی ملے گی درجات بڑھیں گے گناہوں کا کفارہ ہو گا یُکَفِّرُ کو یُکَفِّرْ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہو گا جو فنعما ھی ہے جیسے ﴿ فاصدق واکون ﴾ میں واکن اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی بدی سخاوت بخیلی پوشیدہ گی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے، تم جو بھلی چیز راہ للہ دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے، تم کو صرف اللہ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہیئے، تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا، صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں، تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں پہچان لے گا، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اسکا جاننے والا ہے جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غم۔

غیر مسلم رشتہ داروں سے صلہ رحمی: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے پھر حضور ﷺ سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی، فرماتے ہیں کہ حضور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر سائل کو دو گو وہ کسی مذہب کا ہو (ابن ابی حاتم) حضرت اسماء والی روایت آیت ﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ ﴾ کی تفسیر میں آئیگی انشاء اللہ۔ یہاں فرمایا تم جو نیکی کرو گے اپنے لئے ہی کرو گے جیسے اور جگہ ہے ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ﴾ اور اس جیسی اور آیات بھی بہت ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایماندار کا ہر خرچ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پیئے۔ عطا خراسانی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کیلئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو۔ یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے، مستحق کے یا غیر مستحق کے اسے اپنے قصد اور

اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا جب کہ اس نے دیکھ بھال کر لی پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا اسی لئے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا' لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر اپنے جی میں کہا کہ آج رات پھر صدقہ دوں گا لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا۔ صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج رات ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا دے آیا دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اے اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دیئے جانے پر بھی' خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے شائد بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مال دار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔

سفید پوش ضرورت مند صدقہ کا زیادہ مستحق ہے: پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر ہجرتیں کر کے وطن چھوڑ کر کنبے قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضامندی کیلئے پیغمبر کی خدمت میں آ گئے ہیں جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں کافی ہو اور نہ وہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں۔ ﴿ ضرب فی الارض ﴾ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے ﴿ وَاِنْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ اور ﴿ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ میں۔ ان کے حال سے جو لوگ ناواقف ہیں وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسکین وہی نہیں جو دربدر جاتے ہیں کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں' کہیں سے دو ایک لقمہ مل گئے کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ ﴾ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا ﴿ وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾ ان کے لب و لہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ سنو قرآن کا فرمان ہے۔ ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴾ بالیقین اس میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں یہ لوگ کسی پر بوجھل نہیں ہیں کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے ﴿ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ تم بھی جا کر رسول ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب گیا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچالے گا جو شخص بے پرواہی برتے گا اللہ تعالیٰ اسے فی الواقع بے نیاز کر دیگا جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا وہ چمٹنے والا سوالی ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کئے بغیر ہی واپس چلا آیا اور روایت میں ہے

کہ یہ واقعہ حضرت ابو سعیدؓ کا ہے اس میں ہے کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آپ کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے ان کی اونٹنی کا نام یاقوتہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے چالیس درہم کے تقریباً نوے روپے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پرواہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم ہوگا اس کا منہ نچا ہوا ہوگا۔ لوگوں نے کہا حضرت! کتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ شام میں ایک قریشی تھے جنھیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذرؓ ضرورت مند ہیں تو تین سو اشرفیاں انہیں بھجوائیں' آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا جو میرے پاس یہ بھیجیں میں نے تو نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے تو وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذرؓ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں ایک روایت میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے پھر فرمایا تمہارے صدقات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جب کہ تم پورے محتاج ہو گے' اللہ تعالیٰ اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا اس پر کوئی چیز مخفی نہیں

دن رات خفیہ اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو ہر وقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے۔ بال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جب کہ آپ حضرت سعد بن ابی وقاص کی عیادت کو گئے تو یہ فرمایا ایک روایت میں ہے کہ حجتہ الوداع والے سال فرمایا تو جو کچھ اللہ کی خوشی کیلئے خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے اس کے بدلے بھی مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو وہ اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے حضرت جبیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ اللہ رات کو دیا ایک دن کو ایک پوشیدہ ایک ظاہر تو یہ آیت اتری یہ روایت ضعیف ہے دوسری سند سے بھی مروی ہے اطاعت اللہ میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس لیں گے۔ نڈر اور بے غم یہ لوگ ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

وقف لازم

سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوپار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیوپار حلال کیا اور سود حرام جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کے رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے اور جس نے پھر بھی کیا وہ جہنمی ہے ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔

سود خوروں کا عبرت ناک انجام: چونکہ پہلے ان لوگوں کا بیان ہوا جو نیک کار صدقہ خیرات کرنے والے زکاتیں دینے والے حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو دنیا تو ایک طرف اور چھین لینے والے ظلم کرنے والے ناحق اپنے پرایوں کا مال ہضم کر جانے والے ہیں تو فرمایا کہ یہ سود خوار لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو دیوانوں اور پاگلوں خبطیوں اور بے ہوشوں کی طرح اٹھیں گے مجنون اور دیوانے ہوں گے کھڑے ہی نہ ہو سکتے ہوں گے۔ ﴿ مِنَ الْمَسِّ ﴾ کے بعد ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ کا لفظ بھی ایک قرائت میں ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ لے اب ہتھیار تھام لے اور اپنے رب سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔

شب معراج میں حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ مثل بڑے بڑے گھڑوں کے تھے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتلایا گیا سود خوار بیاج لینے والے ہیں اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا کہ اس میں کچھ لوگ ہیں وہ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں لیکن کنارے پر ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر منہ میں اتار دیتا ہے وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ سود خواروں کا گروہ ہے یہ وبال ان پر اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے کہ تجارت بھی مثل سود خواری کے ہے یہ اعتراض ان کا شریعت پر اور احکام الٰہی پر تھا اور اس سے وہ سود کو مثل بیع کے حلال جانتے تھے یہ یاد رہے کہ یہ سود کا قیاس بیع پر نہیں اس لئے کہ مشرکین تو سرے سے بیع کی مشروعیت کے بھی قائل نہ تھے اور اس لئے بھی کہ اگر یہ قیاس ہوتا تو یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام بتلایا جائے پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حلت و حرمت اللہ کے حکم کی بناء پر ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو تو اس میں لطافت کے ساتھ ایک جواب بھی ہو گیا کہ باوجود اس بات کے علم کے کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے دوسرے کو حلال بتلایا ہے پھر اعتراض کیسا؟ علیم و حکیم اللہ کے احکام پر تعاقب کرنے والے تم کون؟ اس سے باز پرس کرنے کی کس کی ہستی ہے' تمام کاموں کی اصلیت کا عالم تو وہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بندوں کو حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان رساں چیزیں حرام کرتا ہے۔ کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے وہ روکتا ہے تو مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو مصلحت سے اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آ جائے اس کے اگلے کئے کرائے تمام گناہ معاف ہیں جیسے فرمایا ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ﴾ اور جیسے حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا جاہلیت کے تمام سود میرے ان دونوں قدموں تلے برباد ہیں سب سے پہلا سود جسے میں میٹتا ہوں وہ عباس کا سود ہے پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے ان کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا ایک روایت میں ہے کہ ام بحنہ جو حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد تھیں حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زید کے ہاتھوں آٹھ سو کا بیچا کہ جب ان کے پاس عطا آئے وہ رقم ادا کر دیں اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت ہوئی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے میں نے چھ سو کا خرید لیا۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بہت برا کیا' بالکل خلاف شرع کیا' جا زید سے کہہ دے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہوا جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا ہے میں نے کہا اگر دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کر لوں تاکہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں پھر آپ نے فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ' والی آیت پڑھ سنائی (ابن ابی حاتم) یہ اثر مشہور ہے اور دلیل ہے ان لوگوں کی جو عینہ کے مسئلے کو حرام بتلاتے ہیں اس بارے میں اور احادیث بھی ہیں جن کی جگہ کتاب الاحکام ہے' والحمد للہ۔

سود کی حرمت اور قسمیں: پھر فرمایا کہ اب جبکہ حرمت کا مسئلہ اس کے کانوں میں پڑ چکا پھر بھی سود لے تو وہ سزا کا سزاوار ہے

ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے وہ اللہ کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے (ابوداؤد) مخابرہ کہتے ہیں اسے کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور یہ ٹھہرائے کہ اس زمین کے اس ٹکڑے سے جتنا نکلے وہ میرا باقی تیرا' اور مزابنہ کہتے ہیں اسے کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں اور محاقلہ کہتے ہیں اسے کہ کھیت میں جو اناج بالوں میں ہے اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تاکہ سود کی جڑیں کٹ جائیں' اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی بعض نے کچھ' ایک جماعت نے اپنی علت پر قیاس کر کے ان تمام کاروبار سے روکا جس میں یہ علت پائی جاتی تھی دوسری جماعت نے دوسری علت کی بناء پر۔ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ ذرا مشکل یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ تین مسئلے افسوس کہ پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے۔ دادا کی میراث کا کلالہ کا اور سود کی صورتوں کا۔

جس چیز میں سود کا یا حرام کا شائبہ ہو اس سے بچنا: یعنی بعض ان صورتوں کا جن میں سود کا شبہ ہے پھر جو وسائل ان تک لے جانے والے ہیں جب یہ حرام تو وہ بھی حرام ہی ٹھیریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے ہیں ان شبہات سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور ان مشتبہ چیزوں میں پڑنے والا حرام میں پڑنے والا ہے جس طرح کوئی چرواہا جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی مار لے سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور اسے لے جو شک شبہ سے پاک ہو۔ اور دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے طبیعت میں تردد ہو اور اس پر لوگوں کا واقف ہو جانا برا لگتا ہو ایک اور روایت میں ہے کہ اپنے دل سے فتوے پوچھ لے اگرچہ لوگ کچھ بھی فتوی دیتے ہوں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری) حضرت عمر ؓ یہ فرما کر کہتے کہ اس کی پوری تفسیر بھی افسوس کہ مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا لوگو! سود کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شائبہ ہو (مسند احمد) حضرت عمر ؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا شاید میں تم کو بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے کہ میں تم کو کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں۔ سنو! قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ جو تم کو شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ)

سود کا گناہ اسباب سود اور سودی کاروبار سے متعلقہ افراد: ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے (۔ مستدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے صحابہ ؓ نے پوچھا کیا سب کے سب۔ فرمایا جو نہ کھائے گا اسے سیکھی غبار تو پہنچے گا۔ (مسند احمد) پس غبار سے بچنے کے لئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیئے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ بقرۃ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرت ﷺ نے مسجد میں آکر اس کی تلاوت کی اور شراب کے کاروبار اور شراب کی تجارت کو حرام قرار دے دیا بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس کی ہر طرح کی خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل جو اس تک پہنچانے والے ہوں سب حضور ﷺ نے حرام کئے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کی اس لئے کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے چربی کو پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی غرض دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کر کے حرام کو حلال بنانے کی کوشش بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے۔ اسی طرح پہلے وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقوں والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ اگلے خاوند کے لئے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر دونوں

پر اللہ کی پھٹکار اور اس کی لعنت ہے آیت ﴿ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ﴾ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سود کھانے والے پر کھلانے والے پر شہادت دینے والوں پر گواہ بننے والوں پر لکھنے والے پر سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے تو ظاہر ہے کہ کاتب وشاہد کو کیا ضرورت پڑی جو خواہ مخواہ لعنت اللہ اپنے اوپر لے مراد یہ ہے کہ بظاہر عقد شرعی کی صورت میں لا کر حیلہ کر کے اس سود کو لکھتے پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی ملعون ہیں حضرت علامہ امام ابن تیمیہ نے ان حیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ابطال التحلیل لکھی ہے جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ اداسی اور غم۔

سودی کاروبار خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا اس کی خیر و برکت مٹا دیتا ہے دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب' جیسے اور جگہ ہے ﴿ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ ﴾ 'یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تم کو ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے' اور جگہ ہے۔ ﴿وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْکُمَهٗ فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ﴾ خباثت والی چیزوں کو تہ وبالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا اور جگہ ہے۔ ﴿ وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا ﴾ یعنی تمہارے دیئے ہوئے سود سے جو مال تم بڑھانا چاہو وہ دراصل بڑھتا نہیں۔

اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت میں ہے کہ سود سے گو زیادتی ہو جائے لیکن انجام کار کمی ہی کمی ہے (مسند احمد)۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت: مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسجد سے نکلے تو اناج پھیلا ہوا دیکھا پوچھا یہ غلہ کہاں سے آ گیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے پہلے ہی سے جمع کر لیا تھا پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمانؓ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپ نے دونوں کو بلوایا! اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں لہذا جب چاہیں بیچیں، ہمیں اختیار ہے' آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے اللہ مفلس کر دے گا یا جذامی یہ سن کر حضرت فروخؒ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں اللہ سے پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے راوی حدیث حضرت ابو یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی بنا پھرتا تھا ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے ﴿ یُرْبِیْ ﴾ کی دوسری قرأت ﴿ یُرَبِّیْ ﴾ بھی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی پاک کمائی میں

ہے، ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ احد کے پہاڑ کے برابر ثواب ایک کھجور کا ملتا ہے اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا کہ کافروں اور نافرمان زبان زور اور بد فعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی وعدہ کی ہوئی زیادتی پر صبر و شکر نہ کر کے مال دنیا جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں اور لوگوں کے مال باطل اور ناحق کے ساتھ کھا جائیں یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ان ناشکروں اور گنہگاروں پر اللہ کا پیار نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں مخلوق کے ساتھ سلوک و احسان کریں نمازیں قائم کریں زکوتیں دیتے رہیں یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام و اکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایماندار ہو اور اگر نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ، ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اپنا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہیے اور معاف کر دینا تو بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم اصل مال لے لو اور سود چھوڑ دو: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو تقویٰ کا حکم دے رہا ہے اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے اس کی ناراضگی ہو اور رضامندی دور ہو جائے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہے خبردار اگر مسلمان ہو تو اسے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا یہ آیت نازل ہوئی ہے ثقیف کے قبیلے بنی عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلے بنو مغیرہ کے بارے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کے سودی کاروبار تھے اسلام کے بعد بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے آخر جھگڑا بڑھا حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جو مکہ کرمہ کے نائب تھے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ لکھا اس پر آیت یہ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں چڑھا ہوا سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔ اس آیت میں زبردست وعید ہے ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جمے رہیں۔

سودی خوری اللہ رسولؐ سے جنگ کرنا ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سود خوار سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا آپ فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سود خوار لوگ اگر سود نہ چھوڑیں تو ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے حسن اور ابن سیرینؒ کا فرمان بھی یہی ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی، انہیں ذلیل کئے جانے کے قابل ٹھہرایا۔ خبردار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو حلال چیزیں اور حلال خرید و فروخت بہت کچھ ہے فاقے گزرتے ہوں تاہم اللہ کی معصیت سے رکو۔ وہ روایت بھی یاد ہو گی جو پہلے گزر چکی کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا حضرت زید بن ارقمؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لئے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خواری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے لیکن اس کی اسناد کمزور ہیں۔

صرف اصل مال لے لو: پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کر لو تو اصل مال جو کسی پر قرض ہے بیشک لے لو نہ تو زیادہ لے کر اس پر تم ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ فرمایا جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں اصل رقم لے لو نہ سود لے کر کسی پر ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرو نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے عباس بن عبدالمطلب کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔

غریب مفلس قرضدار کو مہلت اور قرض معاف کرنے کا اجر و ثواب: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت بعد ادا کر دے یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گزر گئی اب اتنا اتنا سود لیں گے بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غرباء کو اپنا قرض معاف کر دو۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اس کو جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا یہ سن کر حضرت بریدہؓ نے کہا حضور! پہلے تو آپ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا آج دو مثل فرماتے ہیں فرمایا ہاں جب میعاد ختم نہیں ہوئی تو مثل کا ثواب، میعاد گزرنے کے بعد دو مثل کا۔ حضرت ابو قتادہؓ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہتے اور نہ ملتے ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا اس نے کہا ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں اب حضرت ابو قتادہؓ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو آؤ باہر آؤ جواب دو وہ بیچارے باہر نکلے آپ نے کہا کیوں چھپ رہے ہو کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا آپ نے کہا قسم کھاؤ اس نے قسم کھالی آپ رو دیئے اور فرمانے لگے میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے جو شخص نادار قرضدار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہو گا۔ (صحیح مسلم) ابو یعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتلا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا اے اللہ! ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں اللہ تعالیٰ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دیگا پھر پوچھے وہ پھر یہی جواب دے گا کہ پروردگار! ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا میں تجارت پیشہ شخص تھا لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا مالداروں پر سختی نہ کرتا زیادہ تنگی والا کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں

جا میں نے تجھے بخشا جنت میں داخل ہو جا مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرضدار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ کر دیا ہو کہا اتنی رقم دے دوں تو آزاد ہوں اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ مسند احمد میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اسے چاہیئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے۔ عباد بن ولید فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے احادیث پڑھیں سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر ؓ سے ہوئی ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام اور آقا کا ایک ہی لباس تھا میرے باپ نے کہا چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں فرمایا ہاں سنو فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا مدت ختم ہو چکی تھی میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں ہیں اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کی آواز سن کر چارپائی تلے جا چھپے ہیں میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہو گیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دو وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا محض اس لئے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت ہے نہیں آپ سے ملوں گا تو کوئی جھوٹا عذر حیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کروں گا اس لئے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا۔ آپ رسول ﷺ کے صحابی ہیں آپ سے جھوٹ کیا کہوں۔ میں نے کہا سچ کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں اس نے کہا ہاں سچ کہتا ہوں اللہ کی قسم کچھ نہیں تین مرتبہ میں نے قسم کھلائی اور میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کر لی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے اب اگر تم کو مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دیگا۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو شخص کسی نادار پر آسانی کرے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچالے گا۔ سنو جنت کے کام غم والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں نیک بخت وہ لوگ ہیں۔

جو فتنوں سے بچ جائیں وہ گھونٹ جو انسان غصے کا پی لے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اور گھونٹ پسندیدہ نہیں ایسا کرنیوالے کا دل اللہ تعالیٰ ایمان سے پر کر دیتا ہے طبرانی میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں پر اسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے اور انہیں دنیا کا زوال اور مال کی فنا اور آخرت کا آنا اور اللہ کی طرف لوٹنا اور اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان تمام اعمال پر جزاو سزا کا ملنا یاد دلاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت یہی ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نو راتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ اللھم صل وسلم علیہ۔ ابن عباس ؓ سے ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے ابن جریج فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ نو رات زندہ رہے ہفتہ کے دن سے ابتدا ہوئی اور پیر کے دن انتقال ہوا الغرض قرآن مجید میں سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ

الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ۪ وَلَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے کاتب کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔ گواہوں کو چاہیئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں خرید فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم نہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے اللہ سے ڈرو اللہ تم کو تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت داؤد کا دلچسپ واقعہ: یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیات سے بڑی ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے نئی آیت عرش کے ساتھ یہی آیت ﴿الدین﴾ ہے۔ یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدمؑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی تمام ان کی اولاد نکالی۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ! ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے لڑکے داؤد ہیں پوچھا اے اللہ! ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے کچھ دینا چاہو تو دے دوں کہا اے اللہ میری عمر میں سے

چالیس سال اسے دیئے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے حضرت آدم کی اصل عمر ایک ہزار سال کی تھی اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدم ؑ کی موت جب آئی تو کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے (حضرت) داؤد کو دیدیئے ہیں تو حضرت آدم نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم ؑ کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤد کی ایک سو سال کی (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی احادیث منکر ہوتی ہیں مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔

قرض اور تجارت کے احکام: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور میعاد خوب یاد رہے گواہ کو بھی غلطی نہ ہو اس سے ایک وقت مقرر کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت بخوبی ثابت ہوتی ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینہ والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیحد آسان اور بالکل سہل کر دیئے گئے ہیں قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتاً لوگوں پر سہل ہے لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں ان کی بابت بیشک لکھ لینے کا حکم ہوا اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوباً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کاج کا ہے بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ابن جریج ؒ فرماتے ہیں کہ جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے۔ ابو سلیمان مرعشی ؒ جنہوں نے حضرت کعب کی صحبت بہت اٹھائی تھی انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا ہے اس لئے کہ اس نے یہ کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے۔ حضرت ابو سعید شعبی ربیع، بن حسن ابن جریج، ابن زید وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک کو ایک پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہیئے کہ ادا کر دے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں اس پر انکار نہ ہو۔ اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع ؑ نے انکار نہیں کیا۔

قرض لینے اور ادائیگی کا عجیب واقعہ: مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے کہا ضمانت لاؤ جواب دیا کہ اللہ کی ضمانت کافی ہے کہا تو نے سچ کہا ادائیگی کی میعاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور بیچ میں سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ بند کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور اس پر وہ خوش ہو گیا گواہ مانگا تو میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا اب جب کہ وقت مقرر ختم ہونے کو آیا تو میں نے ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی اب میں اس رقم کو تجھے

سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے۔ پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آجانا چاہیئے تو وہ بھی دریا کے کنارے آکھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر خالی تو جا ہی رہا ہوں آؤ اس لکڑی کو لے چلوں پھاڑ کر سکھالوں گا جلانے کے کام آئے گی گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ لیجئے آپکی رقم معاف کیجئے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے اس نے کہا میں تو کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ آپنے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے ﴿توكل على الله﴾ دریا میں ڈال دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی پوری رقم وصول کر لی اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے۔

پڑھا لکھا شخص لکھنے سے انکار نہ کرے: پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں وہی لکھے۔ لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے حدیث میں ہے کہ یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دے کسی گرے پڑے کا کام کر دے اور حدیث میں ہے کہ جو علم کو جان کر پھر اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی حضرت مجاہد اور حضرت عطا فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے اگر یہ شخص بے سمجھ ہے اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یا بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو وہ لکھوائے۔ پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہیئے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اگر نہ مل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی۔ یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے۔

دو عورتوں کی گواہی ایک مرد برابر ہے: دو عورتوں کو قائم مقام ایک مرد کے کرنا بہ سبب عورت کی عقل کے نقصان کے ہے جیسے صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے عورتو! صدقہ اور بکثرت استغفار کرتی رہو میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی۔ ایک عورت نے پوچھا حضور! یہ کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو اس نے پھر پوچھا کہ حضور! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔

گواہی کے لئے عدالت شرط ہے: گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہیئے دو عورتیں مقرر

کرنے کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی۔ فتذکر کی دوسری قراءت فتذکر بھی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کیساتھ مل کر مثل شہادت مرد کے کر دے گی انھوں نے تکلف کیا ہے صحیح بات پہلی ہی ہے واللہ اعلم۔

گواہوں کو چاہیئے کہ جب وہ بلائے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ میں گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ نہ رکے چنانچہ حضرت ابو مجلز اور مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ رہنے کے لئے بلائے جاؤ تو تم کو اختیار ہے خواہ جاؤ خواہ نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکے پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے کہ اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں کہ جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی اور روایت میں ہے کہ انکی گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے تو یاد رہے کہ یہ مذمت جھوٹی گواہی دینے والوں کی ہے اور وہ تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے اور یہی تطبیق ہے ان مختلف احادیث میں حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ آیت دونوں حالتوں کو شامل ہے یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہیئے۔

پھر فرمایا چھوٹا معاملا ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں مدت وغیرہ لکھ لیا کرو ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب ثابت رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آجاتی ہے نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول ہو جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور اس میں شک وشبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک وشبہ فیصلہ ہو سکتا ہے پھر فرمایا جب کہ نقد خرید وفروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں پس کتابت تو ہٹا دی اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ فان امن الخ، فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

معاملہ لکھنے کا حکم استحباباً ہے نہ کہ وجوباً: یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خرید وفروخت کی اور گواہ شاہد نہ تھا چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا۔ حضور ﷺ تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آرہا تھا لوگوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے انھوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا حضرت! یا تو لے لیجئے یا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں حضور ﷺ یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا حضرت ﷺ نے فرمایا غلط کہتا ہے میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے اب لوگ ادھر ادھر سے بیچ میں بولنے لگے اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپکے ہاتھ بیچ دیا مسلمانوں نے ہر چند کہ بدبخت آپ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر ہیں آپکی زبان مبارک سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو۔ اتنے میں حضرت خزیمہ آگئے اور اعرابی کے قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے؟ حضرت خزیمہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ

کی تصدیق اور سچائی کی بنا پر چنانچہ آپ نے فرمادیا کہ آج سے خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے' پس اس حدیث سے خرید و فروخت پر گواہی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی ایک تو وہ کہ جس کے گھر بد اخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اسکی بلوغت سے پہلے اسے سونپ دے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے۔ امام حاکم اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح بتاتے ہیں بخاری و مسلم اس لئے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اشعری پر موقوف بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہیئے کہ لکھوانے کے خلاف نہ لکھے اور گواہ کو چاہیئے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے نہ گواہی کو چھپائے حسن، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن عباس یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہیں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے کہ اپنا حرج کرو اور چلو یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں اس کا کرنا جس کے کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کا لحاظ رکھو اس کی فرمانبرداری کرو اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو دلیل دے دیگا اور جگہ ہے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے رسول پر ایمان رکھو وہ تم کو دوہری رحمتیں دے گا اور تم کو وہ نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے پر امن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

کوئی چیز رہن رکھ کر قرض لینا: یعنی بحالت سفر اگر ادھار سدھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دے دو ﴿ مَقْبُوْضَةٌ ﴾ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آجائے لازم نہیں ہوتا' جیسے کہ امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے مگر دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے امام احمد اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے جیسے حضرت مجاہد وغیرہ' لیکن صحیح بخاری صحیح مسلم مسند و شافعی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ ﷺ کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی ابو شحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے

گھر والوں کے کھانے کے لئے لیئے تھے ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں ﴿ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ ﴾ اس کے بعد کے جملے ﴿ فَاِنْ اَمِنَ ﴾ الخ' سے حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کا حکم منسوخ ہو گیا شعبی ؒ فرماتے ہیں کہ جب نہ دینے کا خوف نہ ہو تو نہ لکھنے اور گواہ نہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جسے امانت دی جائے اسے خوف الٰہی رکھنا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہاتھ پر ہے جو اس نے لیا جب تک کہ ادا نہ کرے شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کا اظہار کرنے سے رکو۔

شہادت کو چھپانے والا گنہگار ہے: ابن عباس ؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے یہاں بھی فرمایا اس کا چھپانے والا خطاکار دل والا ہے۔

جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴾ یعنی ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً" ہم گنہگاروں میں سے ہیں اور جگہ فرمایا ایمان والو عدل و انصاف کے ساتھ ربانی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گو اس کی برائی خود تم کو پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبر دار ہے اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دل کے وسوسوں پر محاسبہ سے صحابہ کو ہونے والی پریشانی کا ازالہ: یعنی زمین و آسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چھوٹی موٹی چھپی کھلی کا وہ عالم ہے ہر چھپے کھلے کا وہ حساب لینے والا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ﴾ الخ' کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور جگہ فرمایا وہ پوشیدگی کو اور علانیہ کو خوب جانتا ہے اور بھی اس معنی کی بہت آیات ہیں' یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا جب یہ آیت اتری تو صحابہ ؓ پر بڑی بھاری پڑی کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہو گا اور اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضور ﷺ کے پاس آکر گھٹنیوں گر پڑے اور کہنے لگے حضرت نماز روزہ جہاد صدقہ وغیرہ کا تو ہمیں حکم ہوا جو ہماری طاقت میں تھا لیکن اب جو آیت اتری ہے اس کی برداشت کی طاقت تو ہم میں نہیں آپ نے فرمایا پھر کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا تم کو چاہیئے کہ یوں کہو ہم نے سنا اور مانا اے اللہ! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ چنانچہ صحابہ ؓ نے اسے تسلیم کر لیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ ﴾ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ ﴾ نازل ہوئی (مسند احمد)۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف اٹھا کر آیت ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ ﴾ اتاری اور جب مسلمانوں نے کہا کہ

اے اللہ ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پکڑ نہ کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نعم یعنی میں یہی کروں گا انھوں نے کہا ﴿ ربنا ولا تحمل علینا ﴾ الخ اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول پھر کہا ﴿ ربنا ولا تحملنا ﴾ اے اللہ! ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال اسے بھی قبول کیا گیا پھر دعا مانگی اے اللہ! ہمیں معاف فرما ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا یہ حدیث اور بھی بہت سے طریق سے مروی ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس آیت وان تبدو الخ کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے آپ نے فرمایا یہی حال صحابہؓ کا اس کے اترنے کے وقت ہوا تھا وہ سخت غمگین ہو گئے اور یہ بھی کہا کہ دلوں کے مالک ہم نہیں دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ سمعنا واطعنا ﴾ کہو چنانچہ صحابہؓ نے کہا اور پھر بعد والی آیات اتریں اور عمل پر تو پکڑ رہی لیکن دل کے خیالات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ اٹھ گئی۔ دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہوں خواہ اور اعضاء کے ہوں لیکن دلی وسواس معاف ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگزر فرما لیا پکڑ اسی پر ہے جو کہیں یا کریں۔

نیکی کا ارادہ کرنے سے ثواب جبکہ گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا: بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک کر نہ گزرے اگر کر گزرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ ہی سے نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو (مسلم) اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں اور روایت میں ہے جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رکے رہو جب تک کہ کر نہ لے اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھو اگر کرے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھا دی جاتی ہے ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ایک مرتبہ اصحابؓ نے آ کر کہا کہ حضرت! کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گزرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہونے لگا؟ انھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے (مسلم وغیرہ)۔

دل کے وسوسوں کے محاسبہ سے لازم نہیں آتا کہ اس پر عذاب بھی ہو: حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تم کو تمہارے دلوں کے بھید بتاتا ہوں جس پر میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں مومنوں کو تو خبر دے کر پھر معاف فرما دے گا ہاں منافق اور شک و شبہ والے لوگوں کو ان کی تکذیب کی پوشیدگی پر اطلاع دے کر پھر ان کی پکڑ ہو گی جیسے اور جگہ ہے ﴿ ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق پر حسن بصریؒ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے عذاب اور چیز ہے حساب لئے جانے کو عذاب کیا جانا لازم نہیں حساب کے بعد ممکن ہے کہ معاف ہو جائے اور ممکن ہے پکڑ ہو اور سزا دی جائے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے حضور ﷺ سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلا لے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا پھر اس سے کہے گا بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا فلاں دن فلاں

گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا سن! دنیا میں بھی میں نے تیرے ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن میں ان تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہوں اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکار دیا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

حضرت زید ؓ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہ ؓ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا آج تو نے پوچھا ہے سن! اس سے مراد بندے کو دنیوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچنا ہے یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی ہے اور خیال رہا کہ اس کی دوسری جیب میں ہے ہاتھ ڈالا وہاں نہ نکلی دل پر چوٹ سی پڑی پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں سے مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو (ترمذی وغیرہ) یہ حدیث غریب ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ٙ وَ اغْفِرْ لَنَا ٙ وَ ارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۸۶﴾

رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے انھوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جو نیکی کرے وہ اس کیلئے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت: ان دونوں آیات کی فضیلت کی احادیث سنئے صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیات کو رات کو پڑھ لے اسے یہ دونوں کافی ہیں مسند احمد میں ہے کہ میں سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی آیات عرش تلے کے خزانہ سے دیا گیا

ہوں مجھ سے پہلے کوئی نبی یہ نہیں دیا گیا صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہی تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک پہنچتی ہے اور یہاں سے لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے پھر یہاں سے لے لی جاتی ہے اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں وہاں حضور ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں پانچوں وقت کی نمازیں سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی آیات اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔ مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سورۃ بقرہ کی ان دونوں آخری آیات کو پڑھتے رہا کرو میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں میں سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیات عرش تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ مجھ سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی ﷺ عرش تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیات اتار کر سورۃ بقرہ ختم کی۔ جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جا سکتا امام ترمذی" اسے غریب بتلاتے ہیں لیکن حاکم اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ جب حضور ﷺ سورۃ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے کہ یہ دونوں رحمٰن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں اور جب آیت ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ اور آیت ﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴾ پڑھتے تو زبان سے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ ﴾ نکل جاتا اور سست ہو جاتے ابن مردویہ میں ہے کہ مجھے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے آخر کی آیات عرش کے نیچے سے دی گئیں ہیں اور مفصل کی سورتیں اور زیادہ ہیں اور حدیث میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حضرت جبرئیل بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکہ کی آواز آسمان سے آئی حضرت جبرئیل نے اوپر کو آنکھیں اٹھائیں اور فرمایا کہ آسمان کا یہ وہ دروازہ کھلا ہے جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اترا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ خوش ہو جایئے آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات ان میں سے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا (مسلم) پس یہ دس احادیث ان مبارک آیات کی فضیلت میں ہیں۔

آسمانی کتابوں کو سچی جانتے ہیں جو انبیاء کرام پر اتری ہیں: مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد ﷺ اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا اسے سن کر آپ نے فرمایا وہ ایمان لانے کا پورا مستحق تھا اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لائے ان سب نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے وہ وحدانیت والا ہے وہ تنہا ہے وہ بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالن ہار ہے یہ تمام انبیاء کو مانتے ہیں تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ نبیوں میں جدائی نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں ایک کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد و ہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے گو بعض احکام ہر نبی کے زمانہ میں ادل بدل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری خاتم انبیاء و مرسلین آپ تھے۔ قیامت تک آپکی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے کلام اللہ سنا اور احکام الٰہی ہمیں تسلیم ہیں انہوں نے کہا اے اللہ ہمیں مغفرت رحمت اور لطف عنایت فرما تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن حضرت جبرئیل نے فرمایا اے اللہ کے رسول آپکی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثنا و صفت بیان ہو رہی ہے آپ اس موقعہ پر دعا کیجئے قبول کی جائے گی مانگئے کہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔

پھر فرمایا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف اللہ تعالیٰ نہیں دیتا یہ اس کا لطف و کرم اور احسان و انعام ہے صحابہ کو جو کھٹکا ہوا تھا

اور ان پر جو یہ فرمان گراں گزرا تھا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب لیا جائے گا وہ حرج اس آیت سے اٹھ گیا مطلب یہ ہے کہ گو حساب ہو سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعتہً آ جانا روکے رک نہیں سکتا بلکہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ایسے وسوسوں کو برا جاننا دلیل ایمان ہے بلکہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے اعمال خبیثہ کرو گے سزا بھگتو گے۔

پھر دعا تعلیم کی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ اے اللہ بھولے چوکے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہو گئے ہوں وہ معاف فرما پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گزر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اسے قبول فرمالیا میں نے یہی کیا اور حدیث میں آ چکا کہ میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں وہ بھی معاف ہیں (ابن ماجہ)۔ اے اللہ! ہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت سخت احکام تھے جو آنحضرت ﷺ کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کئے گئے اور آپ کو ایک طرفہ سہل اور آسان دین دیا گیا یہ بھی پروردگار نے قبول فرمائی حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اے اللہ! وہ تکلیفیں بلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہیں حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا اور ہماری تقصیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش ہماری برائیوں اور بداعمالیوں کی پردہ پوشی کر ہم پر رحم و کرم کر تاکہ پھر ہم سے تیری مرضی کے خلاف کا کوئی کام نہ ہو اسی لئے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو اللہ کی معافی کی تاکہ عذاب سے نجات پائے دوسرے پردہ پوشی کی تاکہ رسوائی سے بچے تیسرے عصمت کی تاکہ وہ دوبارہ گناہ میں مبتلا نہ ہو اس پر بھی جناب باری تعالیٰ نے قبولیت کا اعلان کیا تو ہمارا والی و ناصر ہے تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں تو ہی ہمارا سہارا ہے تیری مدد کے سوا نہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں تو ہماری ان لوگوں پر مدد کر جو تیرے دین کے منکر ہیں تیری وحدانیت کو نہیں مانتے تیرے نبی ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں مشرک ہیں اے اللہ تو ہمیں ان پر غالب کر دنیا اور دین میں ہم ہی ان پر کار فرما رہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا ہاں میں نے یہ بھی کر دیا حضرت معاذؓ جب اس آیت کو ختم کرتے آمین کہتے (ابن جریر)۔

تفسیر سورۂ آل عمران

یہ سورۃ مدنی ہے اس کے شروع کی تراسی آیات نجران کے عیسائیوں کے جو ایلچی حضور ﷺ کی خدمت میں سنہ ۹ ہجری میں آئے تھے ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت ﴿ قُلْ تَعَالَوْ ﴾ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ اس کی فضیلت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ سورۃ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا

بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اپنے سے پہلے کی سچائی کرنے والا ہے اسی نے اس سے پہلے توراۃ وانجیل کو لوگوں کی ہدایت کرنے والی بنا کر اتارا تھا اور قرآن بھی اس نے اتارا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔

تین آیات میں اسم اعظم ہے۔ آیت الکرسی کی تفسیر کے بیان میں پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسم اعظم اس آیت اور آیت الکرسی میں ہے اور الٓمٓ کی تفسیر سورۃ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ﴿ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ﴾ کی تفسیر بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں * پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اے محمد ﷺ قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس میں کوئی شک نہیں بلکہ یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے جسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتے اس پر گواہ ہیں اور اللہ کی شہادت کافی وافی ہے۔

یہ قرآن اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ کتابیں اس قرآن کی سچائی پر دلیل ہیں اس لئے کہ ان میں جو اس نبی ﷺ کے آنے اور اس کتاب کے اترنے کی خبر تھی وہ سچی ثابت ہوئی۔

اسی نے حضرت موسیٰ بن عمران ؑ پر توراۃ اتاری اور حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ پر انجیل اتاری وہ دونوں بھی اس زمانے سے لوگوں کے لئے ہدایت دینے والی تھیں۔

اس نے فرقان اتارا جو حق باطل ہدایت وضلالت میں اور گمراہی اور راہ راست میں فرق کرنے والا ہے اس کی واضح اور روشن دلیلیں اور زبردست برہان ہر ایک کو کفایت کرنے والے ہیں۔ حضرت قتادہ اور حضرت ربیع ابن انس کا بیان ہے کہ فرقان سے مراد یہاں قرآن ہے گو یہ مصدر ہے لیکن چونکہ قرآن کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے اس لئے یہاں فرقان فرمایا ابو صالح سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے توراۃ ہے مگر یہ ضعیف ہے اس لئے کہ توراۃ کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے واللہ اعلم۔

قیامت کے دن منکروں اور باطل پرستوں کو سخت عذاب ہوں گے اللہ تعالیٰ غالب ہے بڑی شان والا ہے اعلیٰ سلطنت والا ہے انبیاء کرام اور رسولان با احترام کے مخالفوں سے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں سے جناب باری زبردست انتقام لے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

ماں کے پیٹ میں تصویریں بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان وزمین کے غیب کو وہ بخوبی جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ تم کو تمہاری ماں کے پیٹ میں صورتیں عنایت فرماتا ہے جس طرح کی چاہتا ہے اچھی بری نیک بد اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے جبکہ صرف اسی ایک نے تم کو بنایا اور پیدا کیا پھر عبادت دوسرے کی کیوں کرو؟ وہ لازوال عزتوں والا' غیر فانی حکمتوں والا' اٹل حکموں والا ہے' اس میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کی چوکھٹ پر جھکنے والے تھے جس طرح کل انسان ہیں انہی انسانوں میں سے ایک آپ بھی ہیں وہ بھی ماں کے رحم میں بنائے گئے اور میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے پھر اللہ کیسے بن گئے جیسے کہ اس لعنتی جماعت نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے حالانکہ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رگ وریشہ میں ادھر ادھر پھرتے پھراتے رہے جیسے اور جگہ ہے۔ ٭ یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ٭ وہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ایک پیدائش کے بعد دوسری طرح کی بناوٹ تین تین اندھیریوں میں ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾

وہ اللہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کے مراد کی جستجو کے لئے ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا بیان بہت واضح بالکل صاف اور سیدھا ہے ہر شخص ان کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عموماً ذہن رسائی نہیں کر سکتے اب جو لوگ دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف لوٹائیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں تو وہ راستی پر ہیں اور جو صاف صریح آیات کو چھوڑ کر ایسی آیات کو دلیل بنائیں جو انکے فہم سے بالاتر ہیں۔ اور ان میں الجھ جائیں یہ وہ ہیں جو منہ کے بل گر پڑے۔ ام الکتاب یعنی اصل اصول کتاب اللہ کی وہ صاف اور واضح آیات ہیں۔ شک وشبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کر و انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ

میں آئے اسے بھی ان سے سمجھو۔ بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے موافق ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا اور معانی بھی نکلیں گو وہ لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے ہوں نہ کہ واقعی طور پر تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔

محکمات اور متشابہات کی وضاحت: محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی سلف سے منقول ہیں حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں جن میں حلال، حرام، احکام، حکم، ممنوعات حدیں اور اعمال کا بیان ہو اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اس کے بعد کی حکموں والی آیتیں محکمات ہیں اور ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْ ﴾ اور اس کے بعد کی تین آیات۔ حضرت فاختہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے شروع ہیں یحییٰ بن یعمرؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال و حرام کی آیات ہیں سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں۔ متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے کی ہیں اور جو پیچھے کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئی ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں حضرت مجاہد کا قول ہے کہ یہ ایک دوسری کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ﴾ اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز کے ماتحت ہو اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے صفت جنت دوزخ کی اور حال نیکوں اور بدوں کا وغیرہ وغیرہ اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں ہے اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور یہی فرمان ہے حضرت محمد بن اسحٰق بن یسارؒ کا، فرماتے ہیں کہ یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا بچاؤ ہے جھگڑوں کا فیصلہ ہے باطل کا چکوتا ہے انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں نہ ان میں تصریف و تاویل کرنی چاہیئے ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیر دینا نہ چاہیے۔

اہل بدعت متشابہات سے ہی استدلال کرتے ہیں: پھر فرماتا ہے کہ جن دلوں میں کجی، ٹیڑھ پن، گمراہی اور حق سے باطل کی طرف جانا ہے وہ متشابہ آیات کو لیکر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیات ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان میں اپنے لئے کوئی دلیل پاتے ہیں اس لئے فرمان ہے کہ اس سے مقصد ان کا فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں اپنی بدعتوں کی دلیل قرآن سے لانا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن تو بدعتوں کی تردید کرتا ہے جیسے کہ عیسائیوں نے دلیل پکڑی ہے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا لڑکا ہونے پر قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ ﴾۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ﴾ الخ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جا وہ ہو گیا۔ اسی طرح کی اور بھی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل پکڑی حالانکہ آپ اللہ کی مخلوق ہیں اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں۔

غلط تاویل و تحریف کی مذمت: پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا لیں۔ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو یہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں یہ حدیث مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی

تفسیر میں مروی ہے ملاحظہ ہو کتاب القدر۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں (مسند احمد) پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے تاہم اس کا مضمون صحیح ہے اس لئے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی۔ یہ فرقہ محض دنیوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا۔ حضور ؐ نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا اس نے حضور ﷺ کے سامنے آکر صاف کہا کہ حضرت! عدل کیجئے آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو اللہ نے امین بنایا تھا اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو تو برباد ہوا اور نقصان میں پڑا جب وہ لوٹا تو حضرت عمرؓ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے تم جہاں انہیں پاؤ قتل کرو ان کے قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا ظہور ہو گیا اور آپ نے انہیں نہروان میں قتل کیا پھر ان میں پھوٹ پڑی اور ان کے مختلف الخیال فرقے ہو گئے اور نئی نئی بدعتیں دین میں جاری کر لیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور جا پڑے۔

ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا پھر معتزلہ نکلے جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہوں گے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے آپ نے فرمایا وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (مستدرک حاکم) ابویعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو۔ اس کے غلط مطالب بیان کرے گی * پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لفظ اللہ تعالیٰ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تفسیر چار قسم کی ہے ایک وہ جس کے سمجھنے میں کوئی معذور نہیں ایک وہ جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے حضرت عائشہؓ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس کی سر پھٹول شروع ہوگی دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کے پیچھے پڑ جائیں گے حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور گہرے علم والے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے الخ، تیسرے یہ کہ علم حاصل کر کے اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں یہ حدیث بالکل غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہو جس کا تم کو علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ) ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مالک بن انسؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ گہرے علم والے بھی اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پختہ علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں یہ تو تھی وہ جماعت جو ﴿ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملے کو اس سے الگ کرتی تھی اور لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے بلکہ ﴿ فِي الْعِلْمِ ﴾ پر وقف کرتے ہیں اور اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے ایسی بات کہنی ٹھیک نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں حضرت محمد بن جعفر بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے پھر متشابہات آیات کی تفسیر محکمات سے کرتے ہیں جن میں کسی کو مجال سخن نہیں رہتی مضامین قرآن ٹھیک ٹھاک ہو جاتے ہیں دلیل جاری ہوتی ہے عذر ظاہر ہو جاتا ہے باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے دعا کی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے بعض علماء نے یہاں تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں تاویل دو معنی میں قرآن کریم میں آئی ہے ایک معنی تو ایک چیز کی اصلی حقیقت اور صحیح اصلیت جیسے قرآن میں ہے۔ ﴿ یآ بت ھذا تاویلُ رُؤیای ﴾ میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے اور جگہ ہے۔ ﴿ ھل ینظُرُونَ الاَّ تاویلَهٗ یوم یاتی تاویلُهٗ ﴾ کافروں کو انتظار صرف اس کی حقیقت ظاہر ہونے کا ہے جس دن اس کا مصداق آجائے گا پس ان دونوں جگہ مراد تاویل سے حقیقت ہے اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو ﴿ الاَّ اللّٰہُ ﴾ پر وقف ضروری ہے اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو ﴿ راسخُونَ فی العلم ﴾ مبتداء ہوگا اور ﴿ یقُولُونَ اٰمنّابه ﴾ خبر ہوگی اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا۔

دوسرے معنی تاویل کے تفسیر اور بیان اور ایک شئے کی تعبیر دوسری شئے سے ہوتے ہیں جیسے قرآن میں ہے۔ ﴿ نبّئنا بتاویله ﴾ ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان۔ اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو ﴿ فی العلم ﴾ پر وقف کرنا چاہئے اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بناء پر امنابه حال ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معطوف ہو بغیر معطوف علیہ کے جیسے اور جگہ ہے ﴿ للفقرآءِ المُهاجرین ﴾ سے ﴿ یقُولُونَ ربنا اغفرلنا ﴾ تک اور جگہ ہے ﴿ وجآءَ ربُّكَ والملكُ صفًّاصفًّا ﴾ یعنی ﴿ وجآءَ المَلٰٓئكةُ صُفُوفًا صُفُوفًا ﴾ اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے اس کے معنی ہیں کہ متشابہ پر۔

پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق وصدق ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔ اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ افلا یتدبّرُونَ القُراٰنَ ولَوْ كانَ منْ عند غیر اللّٰه لوجدُوا فیه اختلافا كثیرًا ﴾ یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقلمند ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور و تدبر کریں جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہوں حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی قسم سچی ہو جس کی زبان راست گو ہو جس کا دل سلامت ہو جس کا پیٹ حرام سے بچا ہوا ہو اور جس کی شرمگاہ زناکاری سے محفوظ ہو وہ مضبوط علم والے ہیں (ابن ابی حاتم)۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں آپ نے فرمایا سنو! تم سے پہلے لوگ بھی اسی میں ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے تم ان میں اختلاف نکال کر ایک کو دوسری کے متضاد نہ بتاؤ جو جانو کہو اور جو نہ جانو اسے جاننے والوں کو سونپو (مسند احمد)۔ اور حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا، قرآن میں جھگڑنا کفر ہے، قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے، جو جانو اس پر عمل کرو، جو نہ جانو اسے جاننے والے کی طرف سونپو، جل جلالہ (ابویعلی) رافع بن یزید ؒ کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں رب کی رضا کے طالب ہوں اپنے سے بڑوں سے دبنے والے نہ ہوں اپنے سے چھوٹے کو حقیر بنانے والے نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو جب کہ تو نے ہدایت پر جما دیا ہے انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر خراب ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ اور ہم پر اپنی رحمت نازل کر ہمارے دلوں کو ثباتی دے ہمارے پراگندگی کو دور کر ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا تو بہت بڑا دینے والا ہے رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے۔ ﴿ یامُقلّبَ القُلُوبِ ثبّتْ قلبی علٰی دینك ﴾ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ پھر یہ

دعا ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ ﴾ پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے ﴿ اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ ﴾ حضرت اسماءؓ نے ایک دن پوچھا کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بڑی دین والا ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے کہ میں اپنے لئے وہ دعا مانگا کروں آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا مانگ ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاذْهِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ ﴾ اے اللہ! اے محمد نبی ﷺ کے رب! میرے گناہ معاف فرما میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر دے اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچالے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی آپ کی دعا ﴿ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ﴾ سن کر حضرت اسماءؓ کی طرح سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا پڑھ سنائی یہ حدیث غریب ہے لیکن آیت قرآنی کی تلاوت کے بغیر تو بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاتے تو یہ دعا پڑھتے ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّ لَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے اپنے گناہوں کا استغفار کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میرے علم میں زیادتی دے اور میرے دل کو جب تو نے ہدایت دے دی ہے پھر گمراہ نہ کر اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش تو بہت کچھ دینے والا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مغرب کی نماز پڑھائی پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۃ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ابو عبد اللہ صنابحیؒ فرماتے ہیں میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے لگ گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے حضرت ابو بکر الصدیقؓ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا (عبد الرزاق) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی آپ اس رکعت میں سورۃ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حدیث سننے کے بعد حضرت امیر المومنین نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے ان کے اختلافات کو مٹانے والا ہے اور ہر ایک کے بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں جیسا آل فرعون کا حال ہوا اور ان کا جو ان سے پہلے تھے ہماری آیات کو جھٹلایا پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے۔

کافروں کا مال واولاد کچھ کام نہیں آئے گا: فرماتا ہے کہ کافر جہنم کی چھٹیاں اور اس میں جلنے والی لکڑیاں ہیں ان ظالموں کو اس دن عذر معذرت کام نہ آئے گی ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے ان کے مال ان کی اولادیں بھی انہیں کچھ نفع نہیں پہنچائیں گی اللہ کے عذابوں سے نہیں بچا سکیں گی جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ ﴾ تو ان کے مال واولاد پر تعجب نہ کر اللہ کا ارادہ اس

کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی عذاب کرنے کا ہے ان کی جانیں کفر ہی میں نکل جائیں گی اسی طرح ارشاد ہے کافروں کا شہروں میں گھومنا گھامنا تجھے فریب میں نہ ڈالے یہ تو یونہی سا فائدہ ہے پھر ان کی جگہ جہنم ہی ہے جو بدترین بچھونا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کی باتوں کے جھٹلانے والے اس کے رسولوں کے منکر اس کی کتاب کے مخالف اس کی وحی کے نافرمان اپنی اولاد اور اپنے مال سے کوئی بھلائی کی توقع نہ رکھیں یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں جن سے جہنم سلگائی اور بھڑکائی جائے گی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضلؓ کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے اور با آواز بلند فرمانے لگے لوگو! کیا میں نے اللہ کی باتیں تم تک پہنچادیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ لوگو! کیا میں وحدانیت و رسالت پہنچا چکا؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے ہاں حضور! بیشک آپ نے اللہ کا دین ہمیں پہنچایا پھر جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم اسلام غالب ہوگا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھپے گا۔ مسلمان اسلام کو لے کر سمندروں کو چیرتے پھاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے (پھر تکبر بڑائی اور خود بینی کے طور پر) کہنے لگیں گے ہم قاری ہیں ہم عالم ہیں کون ہے جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو؟ کیا ان لوگوں میں کچھ بھی بھلائی ہوگی؟ لوگوں نے پوچھا حضور! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تم ہی مسلمانوں میں سے ہوں گے۔ لیکن خیال رہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا ہاں اللہ کی قسم آپ نے بڑے حرص و چاہت سے تبلیغ کی آپ نے پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کی آپ نے ہماری زبردست خیر خواہی کی اور بہتری چاہی۔

پھر فرماتا ہے جیسا حال فرعونیوں کا تھا اور جیسے کرتوت ان کے تھے لفظ دائب ہمزہ کے جزم سے بھی آتا ہے اور ہمزہ کے زبر سے بھی آتا ہے جیسے ﴿نَهْرٌ﴾ اور ﴿نَهَرٌ﴾ اس کے معنی شان عادت حال طریقے کے آتے ہیں امرؤالقیس کے شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے مطلب آیہ کریمہ کا یہ ہے کہ کفار کو مال و اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے گی جیسے فرعونیوں اور ان سے اگلے کفار کو کچھ کام نہ آئی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سخت ہے اس کا عذاب دردناک ہے کوئی کسی طاقت سے اس سے بچ نہیں سکتا نہ اسے ہٹا سکتا ہے وہ اللہ جو چاہے کرتا ہے ہر چیز اس کے سامنے پست ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ رب۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے 'اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے 'یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے جو آنکھوں کی نظر تھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے یقیناً" اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرو نصرت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں بھی پست اور مغلوب کئے جاؤ گے ہارو گے اور ماتحت بنو گے اور قیامت کے دن بھی ہانک کر جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے جو بدترین بچھونا ہے۔ سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضور ﷺ مظفر و منصور واپس لوٹے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے اسلام قبول کرلو کہ تم کو بھی وہ ذلت و پستی پہنچے جو قریش کو پہنچی تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنون جنگ سے نا آشنا تھے آپ نے ہرا لیا تو کیا دماغ میں کچھ غرور سما گیا؟ اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتلادیں گے کہ جنگ جو ایسے ہوتے ہیں آپ کو اب تک ہم سے واسطہ نہیں پڑا۔ اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا گیا کہ فتح بدر نے ظاہر کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں کو عزت و حرمت عطا فرمانے والا ہے وہ اپنے رسول ﷺ کا اور آپکی اطاعت گزار امت کا خود مددگار ہے وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔

دو جماعتیں لڑائی میں گتھ گئی تھیں ایک تو صحابہ کرامؓ کی دوسری مشرکین قریش کی یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنوں کی اس طرح کی مدد کی کہ باوجودیکہ مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکین کو اپنے سے دگنے نظر آتے تھے مشرکوں نے لڑائی چھڑنے سے پہلے جاسوسی کے لئے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آکر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں کچھ کم یا زائد ہوں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے ایک معنی تو یہ ہیں دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دو چند ہیں پھر بھی رب عزوجل نے انہی کو مدد دی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے لیکن تواریخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار بیان کی گئی ہے تو شاید حضرت عبداللہ کا الفاظ قرآن سے یہ استدلال ہو۔ بنو الحجاج قبیلہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا اس سے جب حضور ﷺ نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ بتا روزانہ کتنے اونٹ کٹتے ہیں؟ اس نے کہا ایک دن نو دوسرے دن دس آپ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنا تھے واللہ اعلم۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک ہزار تو ہیں لیکن مجھے ضرورت ایسے ہی دو چند کی ہے اور مراد ان کی تین ہزار کی ہوتی ہے تو کوئی مشکل باقی نہ رہی لیکن ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے۔ ﴿ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ یعنی جب آمنے سامنے آگئے تو اللہ نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا اور تم کو ان کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا تاکہ جس کے کرنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر چکا تھا وہ ہو جائے پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تعداد سے بھی کم جچے اور مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بلکہ دگنے جچے تو دونوں آیتوں میں تطبیق کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا وقت اور تھا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں جچے ہم نے غور سے دیکھا پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے زیادہ گنتی ان کی نہیں دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد ہمیں اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے اس نے کہا نہیں نہیں سو ہوں گے جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی اس نے کہا ایک ہزار ہیں اب جب کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہوگئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں یہ اس لئے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلیں اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دوگنی معلوم ہونے لگی تاکہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور

گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے پھر جب دونوں بھڑ گئے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تا کہ ہر ایک دل کھول کر حوصلے نکال لے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے ایمان کفر و طغیان پر غالب آ جائے مومنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ یعنی البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی بنائے۔ پھر فرماتا ہے اس میں عبرت و نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو آنکھوں والا ہو جس کا دماغ صحیح و سالم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں لگ جائیگا اور سمجھ لے گا کہ اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی اس جہان میں بھی مدد کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا بچاؤ کرے گا

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ

لوگوں کے لئے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے اور چاندی کے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے تو کہہ کیا میں تم کو اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں ؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔

دنیا کا مال و اسباب عارضی اور فانی ہے: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی لذتوں سے زینت دی گئی ہے' ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا اس لئے کہ ان کا فتنہ بڑا زبردست ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے زیادہ ضررناک اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہاں جب کسی شخص کی نیت نکاح کر کے زنا سے بچنے کی اولاد کی کثرت کی ہو تو بیشک یہ نیک کام ہے اس کی رغبت شریعت نے دلائی ہے اور اس کا حکم کیا ہے اور بہت سی احادیث نکاح کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں اور اس امت میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہو۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں دنیا ایک فائدہ ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے کہ خاوند اگر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے اور حکم دے تو بجا لائے اور کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں تھیں ہاں گھوڑے ان سے بھی زیادہ پسند تھے ایک اور روایت میں ہے کہ گھوڑوں سے زیادہ آپ کی چاہت کی چیز کوئی اور نہ تھی ہاں صرف عورتیں پس عورتوں کی محبت بھلی بھی ہے اور بری بھی اسی طرح لڑکوں کی کہ اگر ان کی کثرت اس لئے چاہتا ہے کہ فخر و غرور کرے تو وہ بری چیز ہے اور اگر اس لئے ان کی زیادتی چاہتا ہے کہ نسل بڑھے اور موحد مسلمانوں کی گنتی امت محمد ﷺ میں زیادہ ہو تو بیشک یہ بھلائی کی چیز ہے حدیث

مبارک کہ میں ہے کہ محبت رکھنے والیوں اور زیادہ اولاد جننے والی عورتوں سے نکاح کرو قیامت کے دن میں تمہاری زیادتی سے اور امتوں پر فخر کرنے والا ہوں_ ٹھیک اسی طرح مال بھی ہے کہ اگر اس کی محبت گرے پڑے لوگوں کو حقیر سمجھنے کے لئے اور مسکینوں غریبوں پر فخر کرنے کے لئے ہے تو بیحد بری چیز ہے اور اگر مال کی چاہت اپنوں اور غیروں سے سلوک کرنے نیکیاں کرنے بھلی راہوں میں خرچ کرنے کے لئے ہے تو ہر طرح شرعاً اچھی اور بہت اچھی چیز ہے۔

﴿ قِنْطَار ﴾ کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے_ ماحصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں جیسے حضرت ضحاک ؒ کا قول ہے اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں ایک ہزار دینار' بارہ سو دینار' بارہ ہزار' چالیس ہزار' ساٹھ ہزار' ستر ہزار' اسی ہزار' وغیرہ وغیرہ_ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین و آسمان سے (غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا واللہ علم)_ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ایسی ہی ایک موقوف روایت بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر ؓ سے بھی مروی ہے اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداؓ سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں_ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں بھی بارہ سو اوقیہ آئے ہیں لیکن وہ حدیث بھی منکر ہے ممکن ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب ؓ کا قول ہو جیسے اور صحابہ ؓ کا بھی یہی فرمان ہے ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سو آیتیں پڑھ لے غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے مستدرک حاکم میں ہے کہ اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا دو ہزار اوقیہ_ امام حاکم اسے صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں بخاری و مسلم اسے نہیں لائے طبرانی وغیرہ میں ہے ایک ہزار دینار حضرت حسن بصری ؒ سے موقوفاً یا مرسلاً مروی ہے کہ بارہ سو دینار حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں بعض بارہ ہزار کا۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں بیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوفاً ہے گھوڑوں کی محبت تین قسم کی ہے ایک تو وہ لوگ جو گھوڑوں کو پالتے ہیں اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرنے کے لئے ان کے لئے تو یہ گھوڑے اجر و ثواب کا سبب ہیں دوسرے وہ جو فخر و غرور کے طور پر پالتے ہیں یہ ان کے ذمہ وبال ہے تیسرے وہ جو سوال سے بچنے اور اس کی نسل کی حفاظت کے لئے پالتے ہیں اور اللہ کا حق نہیں بھولتے یہ نہ اجر نہ عذاب۔ اسی مضمون کی حدیث آیت ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ ﴾ کی تفسیر میں آئے گی اِنْشَاءَ اللّٰه.

مُسَوَّمَة کے معنی چرنے والا اور پنج کلیاں وغیرہ کے ہیں_ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے کہتا ہے کہ اے اللہ جس کے قبضہ میں تو نے مجھے دیا ہے۔ تو اس کے دل میں اس کی اہل اور مال سے زیادہ محبت میری دے_ اَنْعَام سے مراد' اونٹ' بکریاں' گائیں ہیں حَرْث سے مراد وہ زمین ہے جو کھیتی بونے یا باغ لگانے کے لئے تیار کی جائے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ انسان کا بہتر مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھلدار درخت کھجور ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ سب دنیاوی فائدہ کی چیزیں ہیں یہاں کی زینت یہاں کی فریفتگی کی یہ چیزیں ہیں جو فانی اور زوال پانے والی ہیں اچھی لوٹنے کی جگہ اور بہترین ثواب کی بازگشت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب ؓ نے فرمایا اے اللہ جب کہ تو نے اسے زینت دیدی تو اب؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو اس سے بہترین چیزیں بتلاتا ہوں یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تم کو بلا رہا ہوں وہ دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشگی والی ہیں سنو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں کہیں شہد کی کہیں دودھ کی کہیں پاک شراب کی کہیں نفیس پانی کی اور وہ وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان

نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گزرا ہوان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابدالآباد تک رہیں گے۔ نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں گھٹیں نہ فنا ہوں پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے خباثت اور برائی سے حیض اور نفاس سے گندگی اور پلیدی سے پاک صاف ہیں ہر طرح ستھری اور پاکیزہ ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضامندی انہیں حاصل ہو جائے گی اور ایسی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کھٹکا ہی نہیں اسی لئے سورۂ برائت کی آیت میں فرمایا﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾اللہ تعالیٰ کی تھوڑے سی رضامندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام کے تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔

سحری کے وقت استغفار کی فضیلت: اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے پروردگار! ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات پر اور تیری شریعت پر ہے تو ہماری تقصیروں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذابوں سے نجات دے یہ متقی لوگ اطاعت الٰہی بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں صبر و سہارے سے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں کل اعمال خیر بجالاتے ہیں خواہ وہ نفس پر بھاری پڑیں اطاعت اور خشوع خضوع والے ہیں اپنے مال اللہ تعالیٰ کی ہر راہ میں جہاں جہاں حکم ہے خرچ کرتے ہیں صلہ رحمی میں رشتہ داری کو باقی رکھنے میں برائیوں کے روکنے میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں، مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار فضیلت والا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب ؑ نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا کہ ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾ (میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا) اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوں سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات آخری تہائی رات باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی سائل ہے جسے میں دوں؟ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخشوں حافظ ابوالحسن دار قطنی ؒ نے تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں اس حدیث کی تمام سندوں کو اور اس کے کل الفاظ کو وارد کیا ہے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول رات اور درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھا ہے سب سے آخر وقت حضور ﷺ کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا حضرت عبداللہ بن عمر ؓ رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافع ؒ سے پوچھتے کیا سحر ہو گئی؟ جب وہ کہتے ہاں تو پھر آپ صبح صادق کے نکلنے تک دعا اور استغفار میں مشغول رہتے حضرت حاطب فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشہ میں کہہ رہا ہے اے اللہ! تو نے مجھے حکم کیا میں بجالایا یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود تھے ؓ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا

کہ ہم تہجد کی نماز پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کریں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَاۗجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں بیشک اللہ کے نزدیک دین حکم برداری ہی ہے اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی اختلاف کیا ہے اللہ کی آیات کے ساتھ جو بھی کفر کرے پس اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے پھر بھی اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہدے کہ میں نے اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے۔

صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے: اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے بس اس کی شہادت کافی ہے وہ سب سے زیادہ سچا شاہد ہے سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی غلام ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی محتاج ہے وہ سب سے بے نیاز ہے الوہیت میں اللہ ہونے میں وہ یکتا اور لاشریک ہے اس کے سوا کوئی پوجے جانے کے لائق نہیں، جیسے فرمان ہے ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ﴾ یعنی لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی اور علماء کی شہادت کو ملا رہا ہے۔ یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت ﴿ قَآئِمًا ﴾ کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں ایسا ہی ہے پھر تاکیداً دوبارہ ارشاد ہوتا ہے کہ معبود حقیقی صرف وہی ہے وہ غالب ہے عظمت اور کبریائی والی اس کی بارگاہ ہے وہ اپنے اقوال افعال شریعت قدرت اور تقدیر میں حکمتوں والا ہے مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت کی اور ﴿ اَلْحَكِيْمُ ﴾ تک پڑھ کر فرمایا ﴿ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ يَارَبِّ ﴾ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا ﴿ وَاَنَا اَشْهَدُ اَیْ رَبِّ ﴾ طبرانی میں ہے کہ حضرت غالب قطان فرماتے ہیں۔ میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمش کے قریب ٹھہرا رات کو حضرت اعمش تہجد کے لئے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ پڑھا تو فرمایا ﴿ وَاَنَا اَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ وَاَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِيَ لِیْ عِنْدَ اللّٰهِ وَدِيْعَةٌ ﴾ یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں یہ میری امانت اللہ

تعالیٰ کے پاس ہے پھر کئی دفعہ ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ پڑھا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی صبح ہی صبح میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ ابو محمد! کیا بات تھی جو آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے کہا کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا جب سال کامل گزر چکا تو میں نے کہا اے ابو محمد سال گزر چکا انہوں نے کہا اچھا سن مجھ سے ابو وائل نے حدیث بیان کی اس نے عبداللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ ہوں میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں آپ کی نبوت کے بعد سب راستے بند ہو گئے اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار صرف اسلام میں کر دیا ہے حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ ﴾ ہے اور ﴿ اَنَّ الْاِسْلَامَ ﴾ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خود اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں کی اور ذی علم انسانوں کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے جمہور کی قراءت میں ان زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے واللہ علم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی کتاب والوں نے اپنے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے آجانے اور ربانی کتابیں اترنے کے بعد اختلاف کیا اور اس کی وجہ صرف آپس کا بغض وعناد تھا کہ یہ جو کہتا ہے میں اس کے خلاف کہوں گو وہ حق ہی کہتا ہو۔ پھر ارشاد ہے کہ جب اللہ کی آیات اتر چکیں اب جو ان کا انکار کرے انہیں نہ مانے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لے گا اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت عذاب کرے گا اور اسے اس کی اس شرارت کا لطف چکھادے گا۔ پھر فرمایا اگر یہ لوگ تجھ سے توحید باری میں جھگڑیں تو تو کہدے کہ میں تو خالص اللہ ہی کی عبادت کروں گا جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی اور جو بھی میرے امتی ہیں میرے دین پر ہیں ان سب کا قول بھی یہی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ﴾ یعنی میری راہ یہی ہے میں خوب سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر تم کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں میں بھی اور میرے تابعدار بھی۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اے نبی! یہود ونصاریٰ سے جن کے ہاتھوں میں کتاب اللہ ہے اور مشرکین سے جو بے ان پڑھ ہیں کہدو کہ تم سب کی ہدایت اسلام میں ہی ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں آپ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اللہ تعالیٰ خود ان سے سمجھ لے گا ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے وہ جسے چاہے راہ راست دکھائے جسے چاہے گمراہ کر دے اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے اس کی حجت تو پوری ہو کر رہتی ہے اس کی اپنے بندوں پر نظر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور کون مستحق ضلالت ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

یہ اور ان جیسی آیات میں صاف صراحت ہے اس امر پر کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے نبی بن کر آئے ہیں اور خود آپ کے دین کے احکام اس پر دلالت کرتے ہیں اور کتاب وسنت میں بہت سی آیتیں اور احادیث اس مضمون کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ہے ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ﴾ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (سَلَامٌ عَلَیْهِ) اور آیت میں ہے ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴾ بابرکت ہے وہ اللہ جس نے

اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے تنبیہ کرنے والا بن جائے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ادھر ادھر کے تمام بادشاہوں کو اور دوسرے لوگوں کو خطوط بھجوائے جن میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں عجم ہوں اہل کتاب ہوں یا اور مذہب والے ہوں اور اس طرح آپ ﷺ نے فرض تبلیغ کو تمام و کمال تک پہنچادیا (ﷺ) مسند عبدالرزاق میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جس کسی کے کان میں میری نبوت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی اور اسی بے ایمانی کی حالت میں مر جائے تو قطعاً جہنمی ہوگا مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں ہر ایک سرخ و سیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور ایک حدیث میں ہے کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا مگر میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں مسند احمد میں حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لا کر رکھ دیتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آنحضرت ﷺ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے فلاں ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کہہ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی چپکا ہو گیا حضور ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا باپ نے کہا ابوالقاسم کی مان لے (ﷺ) پس اس بچے نے کہا ﴿ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچالیا ہے اسے صحیح بخاری میں حضرت امام بخاری ؒ لائے ہیں ان کے سوا اور بھی بہت سی صحیح احادیث اور قرآن کریم کی آیات ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل و نصاف کی کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں تو اے نبی ﷺ انہیں دردناک عذابوں کی خبر دیدے ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

کافروں اور انبیاء کو قتل کرنے والوں کے اعمال ضائع ہیں: یہاں اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ اور حرمت کے کام کرتے رہتے تھے اللہ کی اگلی پچھلی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں جھٹلاتے رہتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالا کرتے تھے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جو لوگ انہیں عدل و انصاف کی سنائیں انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ کبر و غرور یہی ہے کہ حق کو نہ ماننا اور حق والوں کو ذلیل جاننا۔ مسند ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا اسے جو کسی نبی کو مار ڈالے یا کسی ایسے شخص کو جو بھلائی کا بتانے والا اور برائی سے بچانے والا ہو۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اے ابو عبیدہ! بنو اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے اول حصہ میں ایک ساعت میں قتل کیا پھر ایک سو ستر بنو اسرائیل کے ایماندار جو انہیں اس سے روکنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور انہیں بھلائی کا حکم دے رہے تھے اور برائی سے روک رہے تھے ان سب کو اسی دن کے آخری حصہ میں مار ڈالا اس آیت میں اللہ

تعالیٰ انہی کا ذکر کر رہا ہے' ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو شروع دن میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالا بیچنے بیٹھ گئے پس ان لوگوں کی اس سرکشی تکبر اور خود پسندی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں پست و ذلیل کر دیا اور آخرت کے بھی رسوائی والے بدترین عذاب ان کے لئے تیار کئے۔ اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذابوں کی خبر پہنچا دو ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہو گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند دن ہی آگ لگے گی ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے پس کیا حال ہو گا جب کہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہود و نصاریٰ کے دعوے کا باطل ہیں: یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا توراۃ و انجیل پر ایمان ہے کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب انہیں اس نبی آخر الزمان کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ منہ پھیرے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں اس سے ان کی حد درجہ کی سرکشی تکبر اور عناد و مخالفت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس مخالفت حق اور اس بے جا سرکشی پر انہیں اس چیز نے دلیر کر دیا ہے کہ انہوں نے باوجود اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہونے کے اپنی طرف سے افترا کر کے یہ بیان بنا لیا ہے کہ ہم تو صرف چند روز ہی آگ میں رہیں گے۔ یعنی فقط سات روز دنیا کے حساب کے ہر ہزار سال کے پیچھے ایک دن اس کی پوری تفسیر سورۃ بقرۃ میں گزر چکی ہے۔ اسی واہی اور بے سروپا خیال نے اس باطل دین پر انہیں جما دیا ہے حالانکہ یہ خود ان کا خیال ہے اللہ نے نہ ایسی بات کہی نہ اس کی کوئی کتابی دلیل ان کے پاس ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں ڈانٹتا اور دھمکاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کا قیامت والے دن کیا حال ہو گا؟ کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا رسولوں کو جھٹلایا انبیا کو اور حق گو علماء کو قتل کیا ایک ایک بات کا اللہ کو جواب دینا پڑے گا اور ایک ایک گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی اس دن کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس دن ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کسی طرح کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

تو کہہ اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جس سے چاہے بادشاہی دے اور جسے تو چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھوں سب بھلائیاں ہیں، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے تو ہی ہے کہ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔

عزت وذلت رات دن کا بدلنا موسمی تغیرات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے رب کی تعظیم کے طور پر اور اس کا شکریہ بجالانے کے لئے اور اسے اپنے تمام کام سونپ دینے کیلئے اور اس کی ذات پاک پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں اس کی بڑائی بیان کیجئے جو اوپر بیان ہوئیں یعنی اے اللہ مالک الملک تو ہے تمام ملک تیری ملکیت میں ہے جسے تو چاہے دے اور جس سے چاہے دیا ہوا بھی لے لے تو ہی دینے لینے والا ہے تو جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی کہ نبوت بنی اسرائیل سے ہٹا کر نبی عربی قریشی امی مکی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو علی الاطلاق نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس وجن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا تمام اگلوں کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں اور وہ فضیلتیں آپ کو دی گئیں جن سے اور تمام انبیاء بھی محروم رہے خواہ وہ اللہ کے علم کی بابت ہوں یا اس رب کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا ہو چکی اور آنے والی خبروں کے متعلق ہوں آپ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھول دیئے آپ کی امت کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پر غالب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا درود وسلام آپ پر نازل ہو اب سے لے کر قیامت تک جب تک رات دن کی گردش باقی رہے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں دوام کے ساتھ نازل فرماتا رہے آمین۔

پس فرمایا کہ کہو اے اللہ! تو ہی اپنی خلق میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے جو چاہے کر گزرتا ہے جو لوگ کہتے تھے کہ ان دو بستیوں میں سے کسی بہت بڑے شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام کیوں نازل نہ کیا؟ اس کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ﴾ کیا تیرے رب کی رحمت کے بانٹنے والے یہ ہیں جب ان کی روزیوں تک کے مالک ہم ہیں جسے چاہیں کم دیں جسے چاہیں زیادہ دیں تو پھر ہم پر حکومت کرنے والے یہ کون؟ کہ فلاں کو نبی کیوں نہ بنایا نبوت بھی ہماری ملکیت کی چیز ہے ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دیئے جانے کے قابل کون ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اپنی رسالت نازل فرماتا ہے اسے وہی سب سے بہتر جانتا ہے اور جگہ فرمایا ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ان میں آپس میں ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تو ہی رات کی زیادتی کو دن کے نقصان میں بڑھا کر دن رات کو برابر کر دیتا ہے۔ پھر ادھر کا حصہ ادھر دے کر دونوں کو چھوٹا بڑا کر دیتا ہے پھر برابر کر دیتا ہے زمین وآسمان پر سورج چاند پر پورا پورا قبضہ اور تمام تر تصرف تیرا ہی ہے۔

اسی طرح جاڑے کو گرمی سے اور گرمی کو جاڑے سے بدلنا بھی تیری قدرت میں ہے۔ بہار خزاں پر قادر تو ہی ہے تو ہی ہے کہ زندے سے مردے کو اور مردے سے زندے کو نکالے۔ کھیتی دانے سے اور دانہ کھیتی سے درخت کھجور گٹھلی سے اور گٹھلی کھجور سے تو ہی پیدا کرتا ہے مومن کو کافر کے ہاں اور کافر کو مومن کے ہاں تو ہی پیدا کرتا ہے مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے اور اسی طرح کی تمام

تر چیزیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں تو جسے چاہے اتنا مال دے دے جو نہ گنا جائے نہ احاطہ کیا جائے اور جسے چاہے بھوک کے برابر روٹی بھی نہ دے ہم جانتے ہیں کہ یہ کام حکمت سے پر ہیں اور تیرے ارادے اور تیری چاہت سے ہوتے ہیں طبرانی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اس آیت ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ ﴾ الخ۔ میں ہے کہ جب اس نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ایمانداروں کو چاہیئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

کفار سے ترک موالات: یہاں اللہ ترک موالات کا حکم دیتا ہے کہ مسلمانوں کو لائق نہیں کہ کفار سے دوستیاں اور محبتیں کریں انہیں آپس میں ایمانداروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہیئے پھر حکم سناتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اس سے اللہ بالکل بیزار ہو جائے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ یعنی مسلمانو! میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کرو اور جگہ فرمایا مومنو! یہ یہود و نصاری آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو ان میں سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے۔ اور جگہ پروردگار عالم نے مہاجر انصار اور دوسرے مومنوں کے بھائی چارہ کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے محب و محبوب ہیں تم اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہو پڑے گا۔ پر ان لوگوں کو رخصت دی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی بدی اور ان کی برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے طور پر بظاہر کچھ میل ملاپ ظاہر کر دیں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت بھی ہرگز نہ دے یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے۔ ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کرے سوائے اس کے جن پر زبردستی کی جائے اور دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بخاری میں ہے کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذابوں سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستیاں رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے پھر فرمایا اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنی اود! میں اللہ تعالیٰ کے رسول کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں جان لو کہ اللہ ہی کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے پھر یا تو جنت ٹھکانا ہو گا یا جہنم۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

کہ دے کہ اگر تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤں یا ظاہر کرو اللہ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام چھپی کھلی باتوں کو جانتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ پوشیدگیوں کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر کی ہوئی باتوں کو بخوبی جانتا ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ گھیرے ہوئے ہے زمین کے گوشوں میں پہاڑوں میں سمندروں میں آسمانوں میں ہواؤں میں سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے سب اس کے علم میں ہے پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے جس طرح چاہے رکھے جو چاہے جزا سزا دے پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست قدرت والے سے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہیئے اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہیئے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہیے وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے۔

ممکن ہے کسی کو ڈھیل دیدے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت ایک دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت وافسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور ہوتا اور پرے ہی پرے رہتا قرآن نے اور جگہ فرمایا ہے۔ ﴿ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ ۭبِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ سب اگلی پچھلی کی کرائی باتیں اس دن پیش کر دی جائیں گی شیطان جو اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا۔ ﴿ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ﴾ کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق مغرب کا فاصلہ ہوتا وہ تو بڑا برا ساتھی ہے اللہ تمہیں اپنے سے یعنی اپنے عذابوں سے ڈرا دھمکا رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوشخبریاں دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف وکرم سے کبھی ناامید نہ ہوں وہ نہایت ہی مہربان بہت ہی رحم اور پیار رکھنے والا ہے امام حسن بصری فرماتے ہیں یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف ومحبت ہے کہ اس نے اپنے سے ہی اپنے بندوں کو ڈرایا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم ہے بندوں کو بھی چاہیئے کہ صراط مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں، دین پاک کو نہ چھوڑیں رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہدے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو: اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعوی کرے اور اس کے اعمال افعال عقائد مطابق فرمان نبوی ﷺ نہ ہوں طریقہ محمدیہ پر وہ کاربند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعوی میں جھوٹا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میری سنتوں پر عمل کرو اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مد نظر ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دین صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کیلئے دشمنی کا نام ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرمادے گا پھر ہر عام و خاص کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی مانتے رہیں جو اس سے لوٹ جائیں یعنی اللہ و رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا اس سے صاف واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے گو ان کا دعوی ہو لیکن جب تک اللہ کے سچے نبی امی خاتم الرسل رسول جن و بشر کی تابعداری پیروی اور اتباع سنت نہ کریں وہ اپنے اس دعوی میں جھوٹے ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر آج انبیاء اور رسول بلکہ بہترین اور اولوالعزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کی مانے بغیر اور آپ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ آیت ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ﴾ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو انتخاب فرمایا کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ ہے سنتا جانتا۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء کرام: یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگ حضرات کو تمام جہان پر برگزیدگی عنائت فرمائی حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنی روح ان میں پھونکی ہر چیز کے نام انہیں بتلائے جنت میں انہیں بسایا پھر اپنی حکمت کے اظہار کیلئے زمین پر اتار دیا حضرت نوح ' کو جب کہ زمین پر بت پرستی قائم ہو گئی تو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا حضرت نوح ' نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے کان نہ دھرے تو سوائے تابعداران نوح کے باقی سب کو اپنا پانی کا عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ نے برگزیدگی عنایت فرمائی اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔ عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کر لیا عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ ' کی والدہ ہیں ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحق یہ ہے عمران بن یاشم بن میشا بن حزقیا بن ابراہیم بن غرایا بن ناوش بن اجر ابن بہوا ابن نازم بن مقاسط بن ایشا بن ایاذ بن رحیعم بن سلیمان بن داؤد ' پس حضرت عیسیٰ ' بھی حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں اس کا مفصل بیان سورۃ انعام کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ

اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو تو میری طرف سے قبول فرما یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے جب بچی تولد ہوئی تو کہنے لگیں پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں میں نے اس کا نام مریم رکھا میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔

نذر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے: حضرت عمران کی ان بیوی صاحبہ کا نام جو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حنہ بنت فاقوذ تھا محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو بھرا رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے اب یہ تو معلوم نہ تھا کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی جب بچہ تولد ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہیئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری تعالیٰ میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ ﴾ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ قول بھی حضرت حنہ کا تھا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور ت کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور فرماتی ہیں کہ مرد عورت برابر نہیں میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔

بچے کی پیدائش پر نام رکھنا اور عقیقہ کرنا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہ یہاں بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا' اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ملاحظہ ہو بخاری و مسلم حضرت انس بن مالکؓ اپنے بھائی کو جب کہ وہ تولد ہوئے لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمٰن نام رکھو (بخاری) ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو اسیدؓ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ کی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں۔ آپ اور طرف متوجہ ہو گئے بچہ کا خیال نہ رہا حضرت ابو اسیدؓ نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا جب آپ فارغ ہوئے بچہ کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا اس کا نام منذر رکھو (یعنی ڈرا دینے والا) مسند احمد اور سنن میں ایک حدیث مروی ہے جسے امام ترمذیؒ صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقے میں گروی ہے ساتویں دن عقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے اور بچہ کا سر منڈوائے ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے واللہ اعلم۔

لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے لیکن تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی ہو واللہ اعلم حضرت مریمؑ کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بچی کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مائی صاحبہ کی اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔

چنانچہ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر بچے کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت ٹہوکا دیتا ہے اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے لیکن (حضرت) مریم اور حضرت عیسیٰؑ اس سے بچے رہے اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو ﴿ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَابِکَ ﴾ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے کسی میں ہے ایک یا دو چوکے مارتا ہے ایک حدیث میں صرف حضرت عیسیٰؑ کا بھی ذکر ہے شیطان نے انہیں بھی چوکا مارنا چاہا لیکن انہیں نہ لگا پردے میں لگ کر رہ گیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین طریق پر بڑھایا اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے پوچھا اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔

مریم صدیقہ کی کفالت اور یہ کہ خالہ قائم مقام والدہ کے ہے: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حنہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمالیا اور اسے بہترین طور سے نشو و نما بخشی ظاہری خوبی بھی عطاء فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں حضرت زکریا کو ان کا کفیل بنادیا ابن اسحٰق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم، یتیم ہو گئی تھیں لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لے لیا تھا ہو سکتا ہے کہ دونوں وجہیں مل گئیں ہوں واللہ اعلم ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا ان کے خالو تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں ابن اسحٰق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہدیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریم اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ کی بیوی صاحبہ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔

حضرت مریمؑ اور دیگر اولیاء کی کرامات: اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا، جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابو الشعثاء، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ضحاک، حضرت

قتادہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت عطیہ عوفی، حضرت سدی (رحمہم اللہ تعالیٰ) اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آئی ہیں حضرت زکریا ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم! تمہارے پاس یہ روزیاں کہاں سے آتی ہیں؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

مسند حافظ ابویعلی میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گزر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا حضرت فاطمہ ؓ کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھالوں؟ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور پر میرے ماں باپ صدقے ہوں کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ کے نبی ﴿ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ ﴾ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہ کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر لگن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے میرے خاوند اور بچوں کو بھی بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گزار دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ ﷺ کو ہی دوں گی پھر حضرت حسن ؓ کو یا حسین ؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں حضور ﷺ راستے ہی میں تھے لوٹ آئے کہنے لگی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ نے کچھ بھجوادیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے آپ نے فرمایا پیاری بچی لے آؤ اب جو کونڈا کھولا تو دیکھتی ہیں کہ روٹی سالن سے بچ مچاؤ ہے دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہوگئی ہے۔ اللہ کا شکر کیا نبی اللہ پر درود پڑھا اور آپ کے پاس لا کر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ ابا جان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے پھر حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو بلایا اور آپ نے اور حضرت علی نے اور حضرت فاطمہ ؓ نے اور حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ نے اور آپ ﷺ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ تھی خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا سننے والا ہے پس فرشتوں نے اسے آواز دی کہ جب کہ وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی سچائی کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے کہنے لگے پروردگار! میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کردے فرمایا نشان یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا صرف اشارے سے سمجھائے گا تو اپنے رب کا ذکر بکثرت کر اور صبح شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ۔

حضرت زکریا ؑ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم ؑ کو بے موسم میوہ دیتا ہے جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے آپ بھی بے موسم میوے یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے اور چونکہ یہ طلب بظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ نِدَاءً خَفِيًّا ﴾ یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھنا ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے یحییٰ نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیات ایمان کے ساتھ ہوگی وہ اللہ کے کلمہ کی یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ ہیں حضرت قتادہ کا قول ہے کہ حضرت یحییٰ ٹھیک حضرت عیسیٰ کی روش اور آپ کی طریق پر تھے حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں یہ تھی حضرت یحییٰ کی تصدیق دنیا میں آنے سے بھی بیشتر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی سچائی انہوں نے ہی جانی یہ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے سید کے معنی حلیم بردبار علم و عبادت میں بڑھا ہوا متقی پرہیزگار فقیہ عالم خلق و دین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کرسکے شریف اور کریم کے ہیں حضور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آسکے جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ لفظ تلاوت کرکے زمین سے کچھ اٹھا کر فرمایا اس کا عضو اس جیسا تھا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ ہی اللہ سے بے گناہ ملیں گے پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے کچھ اٹھایا اور فرمایا حضور! سنے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے اس کی سند سے اس موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک کپڑے کے پھندے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ایسا تھا اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مرجھوڑا تنکا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمایا۔

اس کے بعد حضرت زکریا کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ وہ تمہارا لڑکا نبی ہوگا یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی جب بشارت آچکی تب حضرت زکریا کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے اے اللہ! میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے میں بوڑھا پھوس میری بیوی بالکل بانجھ' فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا امر سب سے بڑا ہے اس کے پاس کوئی چیز ان ہونی نہیں نہ اسے کوئی کام بھاری پڑے وہ نہ کسی کام سے عاجز' اس کا ارادہ ہو چکا وہ اسی طرح کرے گا۔ اب حضرت زکریا اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے تو ذات باری سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ارشاد کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا رہے گا تندرست صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴾ یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت میں پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہئے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو

صبح شام اسی میں لگے رہو اس کا دوسرا حصہ اور پورا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ مریم کے شروع میں آئے گا ان شاء اللہ۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تجھے انتخاب کر لیا۔ اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کیا کر اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔

حضرت مریم، خدیجہ، عائشہ اور آسیہ زوجہ فرعون کی فضیلت: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی عبادت کی کثرت ان کی دنیا سے بے رغبتی ان کی شرافت اور شیطانی وسواس سے دوری کی وجہ سے اپنے قرب خاص کا درجہ عنایت فرما دیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں خاص فضیلت دے رکھی ہے صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جنتی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں ان میں سے بہتر عورتیں قریشی کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اپنے خاوند کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں حضرت مریم بنت عمران اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت (حضرت) خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے کہ ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد ﷺ آسیہ فرعون کی بیوی بس ہیں (رضی اللہ عنہن) اور حدیث میں ہے کہ یہ چاروں عورتیں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں اور حدیث میں ہے کہ مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی، اور خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ ؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر۔ یہ حدیث سوائے ابوداؤد کے باقی اور سب کتابوں میں ہے صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت خدیجہ کا ذکر نہیں میں نے اس حدیث کی تمام سندیں اور ہر سند کے الفاظ اپنی کتاب البدیۃ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں ﴿ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ﴾

حضرت مریم کی عبادت اور اطاعت گزاری: پھر فرشتے فرماتے ہیں کہ اے مریم! تو خشوع خضوع رکوع سجود میں رہا کر اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لئے تجھے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہیئے قنوت کے معنی اطاعت کے ہیں جو عاجزی اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو جیسے ارشاد ہے ﴿ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴾ یعنی اسی کی ماتحتی اور ملکیت میں زمین و آسمان کی ہر چیز ہے سب کے سب اس کے محکوم اور تابع فرمان ہیں ابن ابی حاتم کی ایک

مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد اطاعت گزاری ہے یہی حدیث ابن جریر میں بھی ہے لیکن سند میں نکارت ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریمؑ نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم چڑھ جاتا تھا قنوت سے مراد یہی نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ مراد یہ ہے اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع وسجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت اور باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَ اَرْضَاهَا ۔

قرعہ فال حضرت زکریا کے نام: یہ اہم خبریں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! ان باتوں کا علم تمہیں صرف میری وحی سے ہوا اور نہ تمہیں کیا خبر؟ تم کچھ اس وقت ان کے پاس تھوڑے ہی موجود تھے جو ان واقعات کی خبر لوگوں کو پہنچاتے؟ لیکن اپنی وحی سے ہم نے ان واقعات کو اس طرح آپ پر کھول دیا گویا آپ اس وقت خود موجود تھے جب کہ (حضرت) مریم کی پرورش کے بارے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا سب کی چاہت تھی کہ اس دولت سے میں مالا مال ہو جاؤں اور یہ اجر مجھے مل جائے۔ جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لے کر بیت المقدس کی مسجد سلیمانی میں تشریف لائیں اور وہاں کے خادموں سے جو حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی نسل میں سے تھے کہا کہ میں انہیں اپنی نذر کے مطابق نام اللہ پر آزاد کر چکی ہوں۔ تم اسے سنبھالو یہ ظاہر ہے کہ یہ لڑکی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حیض کی حالت میں عورتیں مسجد میں نہیں آسکتیں اب تم جانو تمہارا کام میں تو اسے گھر واپس نہیں لے جانے کی کیونکہ نام اللہ پر اسے نذر کر چکی ہوں حضرت عمران یہاں کے امام نماز تھے اور قربانیوں کے مہتمم تھے اور یہ ان کی صاحبزادی تھیں تو ہر ایک نے بڑے چاؤ سے ان کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ ادھر سے حضرت زکریا نے اپنا ایک حق اور جتایا کہ میں رشتہ میں بھی ان کا خالو ہوتا ہوں تو یہ لڑکی مجھی کو ملنی چاہئے لیکن اور لوگ راضی نہ ہوئے آخر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ میں ان سب نے اپنی وہ قلمیں ڈالیں جن سے توراۃ لکھتے تھے تو قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا اور یہی اس سعادت سے مشرف ہوئے دوسری مفصل روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نہر اردن پر جا کر یہ قلمیں ڈالی گئیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو قلم نکل جائے وہ نہیں اور جس کا قلم ٹھہر جائے وہ حضرت مریم کا کفیل بنے چنانچہ سب کی قلمیں تو پانی بہالے گیا۔ صرف حضرت زکریا کا قلم ٹھہر گیا بلکہ الٹا اوپر کو چڑھنے لگا تو ایک تو قرعے میں ان کا نام نکلا دوسرے قریب کی رشتہ داری تھی پھر یہ خود ان تمام کے سردار امام عالم بلکہ نبی تھے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ پس انہی کو حضرت مریم سونپ دی گئیں۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ایک بات کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور ہے بھی وہ میری نزدیکی والوں میں سے وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں سے باتیں کریگا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا کہنے لگیں اے اللہ! مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کبھی وہ کسی

کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہدیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ پیدائش: یہ خوشخبری حضرت مریم کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ انہیں ایک لڑکا ہوگا بڑی شان والا جو صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے کہنے سے ہوگا اور یہی تفسیر ہے اللہ کے فرمان ﴿ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ کی جیسے کہ جمہور نے ذکر کی جو بیان اس سے پہلے گزر چکا جس کا نام مسیح ہوگا عیسیٰ بیٹا مریم کا ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا اللہ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں ان پر دنیا میں نازل ہونگی اور آخرت میں بھی اور اولعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائے گی ﴿ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وسلامه عليهم اجمعين ﴾ وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپن ہی میں دعوت دیں گے جوان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرے گا۔ وہ اپنے قول و فعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰ نے کیا ہے اور جریج کے ساتھی نے اور حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے۔

حضرت مریمؑ اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں اے اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں' حاشاللہ۔ اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ جو چاہے پیدا کر دے اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریا کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ ﴿ يَفْعَلُ ﴾ تھا یہاں لفظ ﴿ يَخْلُقُ ﴾ ہے یعنی پیدا کرتا ہے اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کوئی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ کا اللہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا وہ جس کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ وہیں ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمَا اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ ۢبِالْبَصَرِ ﴾ یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

اللہ اسے لکھنا اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندبناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے پیٹ کے اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو۔ اور میں تورات کا سچانے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

حضرت عیسیٰ کے عظیم الشان معجزات: فرشتے حضرت مریم سے کہتے ہیں کہ تیرے اس لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ کو پروردگار عالم لکھنا سکھائے گا اور حکمت سکھائے گا لفظ حکمت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور اسے تورات سکھائے گا جو حضرت موسیٰ بن عمران پر اتری تھی اور انجیل سکھائے گا جو حضرت عیسیٰ پر اتری چنانچہ آپ کو یہ دونوں کتابیں حفظ یاد تھیں انہیں بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجے گا اس بات کے کہنے کیلئے کہ میرا یہ معجزہ دیکھو کہ مٹی لی اس کا پرند بنایا پھر پھونک مارتے ہی وہ سچ مچ کا جیتا جاگتا پرندہ بن کر سب کے سامنے اڑنے لگا یہ اللہ کے حکم سے اور اس کے فرمان سے تھا حضرت عیسیٰ کی اپنی قدرت سے نہیں یہ ایک معجزہ تھا جو آپ کی نبوت کا نشان تھا۔ اکمہ اس اندھے کو کہتے ہیں جسے دن کے وقت دکھائی نہ دے مگر رات کو دکھائی دے بعض نے کہا اکمہ اس نابینا کو کہتے ہیں جسے دن کو دکھائی دے مگر رات کو دکھائی نہ دے بعض کہتے ہیں بھینگا اور ترچھا اور کانا مراد ہے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے بالکل اندھا پیدا ہوا ہو یہاں یہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں معجزے کا کمال ہے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے یہ صورت اس کی اور صورتوں سے اعلیٰ ہے ﴿ ابْرَص ﴾ سفید داغ والے کوڑھی کو کہتے ہیں ایسے بیمار بھی اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ اچھے کر دیتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ کے حکم سے آپ جلا دیا کرتے تھے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ ہر ہر زمانے کے نبی کو اسی زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزات جناب باری تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بڑی قدر و تعظیم تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ معجزہ دیا کہ تمام جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر حیرت طاری ہو گئی اور انہیں کامل یقین ہو گیا کہ یہ تو اللہ واحد و قہار کی طرف سے عطیہ ہے جادو ہرگز نہیں چنانچہ ان کی گردنیں جھک گئیں اور یک لخت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بالآخر اللہ کے مقرب بندے بن گئے حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا دور دورہ تھا کامل اطبا اور ماہر حکیم علم طبیعات کے پورے عالم اور لاجواب کامل الفن استاد موجود تھے پس آپ کو وہ معجزے دیئے گئے جن سے وہ سب عاجز تھے بھلا مادرزاد اندھوں کو بالکل بینا کر دینا اور کوڑھیوں کو اس مہلک بیماری سے آرام کر دینا اتنا ہی نہیں بلکہ جمادات جو محض بے جان چیز ہے اس میں روح ڈال دینا اور قبروں میں سے مردوں کو زندہ کر دینا یہ کسی کے بس کی بات ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے بطور معجزہ یہ باتیں آپ سے ظاہر ہوئیں ٹھیک اسی طرح جب ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لائے اس وقت فصاحت بلاغت نکتہ رسی اور بلند خیالی بول چال میں نزاکت و لطافت کا زمانہ تھا اس فن میں بلند پایا شاعروں نے وہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ دنیا ان کے قدموں پر جھک پڑی تھی پس حضور ﷺ کو کتاب اللہ ایسی عطا فرمائی گئی کہ ان سب کی کوندتی ہوئی بجلیاں ماند پڑ گئیں اور کلام اللہ کے نور نے انہیں نیچا دکھایا اور یقین کامل ہو گیا کہ یہ انسانی کلام نہیں تمام دنیا سے کہدیا گیا اور جتا جتا کر بتا بتا کر سنا سنا کر منادی کر کے بار بار اعلان دے کر کہا گیا کہ ہے کوئی جو اس جیسا کلام کر سکے؟ اکیلے اکیلے نہیں سب مل جاؤ اور انسان ہی نہیں جنات کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو پھر سارے

قرآن کے برابر بھی نہیں صرف دس سورتوں کے برابر ہی سہی اور اچھا یہ بھی نہ سہی ایک ہی سورت اس کے مثل تو بنا کر لاؤ لیکن سب کی کمریں ٹوٹ گئیں ہمتیں پست ہو گئیں گلے خشک ہو گئے زبان گنگ ہو گئی اور آج تک ساری دنیا سے نہ بن پڑا اور نہ کبھی ہو سکے گا بھلا کہاں اللہ تعالیٰ کا کلام اور کہاں مخلوق کا؟

پس اس زمانہ کے اعتبار سے اس معجزے نے اپنا اثر کیا اور مخالفین کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی اور جوق در جوق اسلامی حلقے میں آ گئے پھر حضرت مسیح کا اور معجزہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے فرمایا بھی اور کر کے دکھایا بھی کہ جو کوئی تم میں سے آج اپنے گھر میں جو کچھ کھا کر آیا ہو میں اسے بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے سے بتا دوں گا اور کل کے لئے بھی اس نے جو تیاری کی ہو مجھے اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے معلوم رہتا ہے اس میں میری سچائی کی دلیل ہے کہ میں جو تعلیم تمہیں دے رہا ہوں وہ برحق ہے ہاں اگر تم میں ایمان ہی نہیں تو پھر کیا میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کو بھی ماننے والا اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ کئے ہیں گو اس کے خلاف بھی مفسرین کا خیال ہے لیکن درست بات یہی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ توراۃ کا کوئی حکم آپ نے منسوخ نہیں کیا البتہ بعض حلال چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا حضرت عیسیٰ نے ان کی حقیقت بیان فرما دی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کر دی جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا ہے۔ ﴿ وَ لِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ﴾ میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کر دوں گا واللہ اعلم پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی ربانی دلیلیں موجود ہیں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہار ہے سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَ مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ﴿۵۴﴾

پس جب (حضرت) عیسیٰ نے ان کا کفر معلوم کر لیا تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں اے ہمارے پالنے والے اللہ ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی مان لی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ کے انصار اور حضرت محمد ﷺ کے انصار: یعنی جب حضرت عیسیٰ نے ان کی ضد اور اڑ کو دیکھ لیا کہ اپنی گمراہی کج روی اور کفر و انکار سے یہ ہٹتے ہی نہیں تو فرمانے لگے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو میری تابعداری کرے اللہ کی طرف پہنچنے کیلئے؟ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا مددگار بنے لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف پکارنے میں میرا ہاتھ بٹانے والا کون ہے؟ جیسے کہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے سے پہلے موسم حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانے کے لئے جگہ دے؟ قریش تو

کلام اللہ کی تبلیغ سے مجھے روک رہے ہیں یہاں تک کہ مدینہ شریف کے باشندے انصار کرام ؓ اس خدمت کے لئے کمربستہ ہوئے آپ کو جگہ بھی دی آپ کی مدد بھی کی اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو پوری خیر خواہی اور بے نظیر ہمدردی کی ساری دنیا کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر دکر دیا اور حضور ﷺ کی حفاظت خیر خواہی اور آپ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے ؓ رضی اللہ عنہم وارضاہم ؓ

اسی طرح حضرت عیسیٰ کی اس آواز پر بھی چند بنی اسرائیل نے لبیک کہا آپ پر ایمان لائے آپ کی تائید کی تصدیق کی اور پوری مدد پہنچائی اور اس نور کی اطاعت میں لگ گئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اتارا تھا یعنی انجیل یہ لوگ دھوبی تھے اور حواری انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ شکاری تھے۔ صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیر ؓ تیار ہو گئے آپ نے دوبارہ یہی فرمایا پھر بھی حضرت زبیر نے ہی قدم اٹھایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ؓ ہے پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں شاہدوں میں لکھ لے اس سے مراد حضرت ابن عباس ؓ کے نزدیک امت محمدیہ میں لکھ لینا ہے اس تفسیر کی روایت سند اً بہت عمدہ ہے۔

پھر بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ کے جانی دشمن تھے انہیں مروا دینے اور سولی دینے کا قصد رکھتے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰ کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ملک میں بغاوت کر رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے باپ بیٹوں میں فساد برپا کر رہا ہے بلکہ اپنی خباثت خیانت کذب و دروغ میں یہاں تک بڑھ گئے کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا اور بڑے بڑے بہتان آپ پر باندھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا کہ اسے گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دیدو فوج یہاں سے جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے اسے چوطرف سے گھیر لیتی ہے ناکہ بندی کر کے پھر گھر میں گھستے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچالیتا ہے اور اس گھر کے روزن سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیتا ہے اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے جو اسی گھر میں تھا یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰ سمجھ لیتے ہیں گرفتار کر کے لے جاتے ہیں سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھا دیتے ہیں یہی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکر تھا کہ وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو نجات دیدی تھی اس بدبختی اور بدنیتی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت ہو گئے باطل پر اڑ گئے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ہی رہ پڑے اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں مکر آتے ہیں تو کیا ہم نہیں جانتے ہم تو ان سے بہتر مکر کرنے والے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِى الدُّنْيَا وَالْءَاخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہوں قیامت کے دن تک' پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلاف کا فیصلہ کردوں گا پس کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیات ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے۔

حضرت عیسیٰ کا آسمانوں پر اٹھایا جانا: قتادہؒ وغیرہ بعض مفسرین تو فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھاتے وقت شروع دن میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات ساعت تک فوت رکھا پھر زندہ کیا۔ وہب فرماتے ہیں کہ تین دن تک موت رہی پھر زندہ کر کے اٹھالیا مطروراق فرماتے ہیں یعنی میں تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں۔ یہاں وفات موت مراد نہیں اسی طرح ابن جریر فرماتے ہیں ﴿ تَوَفّی ﴾ سے یہاں مراد ان کا رفع ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں نیند ہے جیسے اور جگہ قرآن حکیم میں ہے۔ ﴿ هُوَالَّذِیْ يَتَوَ فّٰكُمْ بِالَّيْلِ ﴾ وہ اللہ جو تم کو رات کو فوت کر دیتا ہے یعنی سلا دیتا ہے اور جگہ ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو فوت کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مرتیں انہیں ان کی نیند کے وقت رسول اللہ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا ﴾ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دیا اور جگہ فرمان باری ﴿ وَبِكُفْرِهِمْ ﴾ سے ﴿ شَهِيْدًا ﴾ تک پڑھو' جہاں فرمایا گیا ہے ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم پر بہتان عظیم باندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ نہ قتل کیا ہے اور نہ صلیب دی ہے لیکن ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا۔ ﴿ مَوْتِهٖ ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ' ہیں یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ' پر ایمان لائیں گے جب کہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ پس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ نہ وہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے اور کوئی بات قبول کریں گے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن سے ﴿ اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ' مرے نہیں وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں۔

پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر چڑھالیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فرقے ہو گئے ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں بعض وہ تھے جنہوں نے غلو سے کام لیا اور بڑھ گئے اور آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اوروں نے خود اللہ آپ کو کہا دوسروں نے تین میں کا ایک آپ کو بتلایا اللہ تعالیٰ ان کے عقائد کا ذکر قرآن مجید میں فرماتا ہے پھر ان کی تردید بھی کر دی ہے تین سو سال تک تو یہ اسی طرح رہے پھر یونان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو بڑا فیلسوف تھا جس کا نام قسطنطین تھا کہا جاتا ہے کہ صرف اس دین کو بگاڑنے کے لئے منافقانہ بطور

حیلہ جوئی کے وہ اس دین میں داخل ہوا یا جہالت سے داخل ہوا بہر صورت اس نے دین مسیح کو بالکل بدل ڈالا اور بڑی تحریف اور تغیر کی اور کمی زیادتی بھی اس دین میں کر ڈالی بہت سے قانون ایجاد کئے اور امانت کبری بھی اسی کی ایجاد ہے جو دراصل کمینہ پن کی خیانت ہے اسی نے اپنے زمانہ میں سور کو حلال کیا اسی کے حکم سے عیسائی مشرق کی طرف نمازیں پڑھنے لگے اسی نے گرجاؤں اور کنیسوں میں عبادت خانوں اور خانقاہوں میں تصویریں بنوائیں اور اپنے ایک گناہ کے باعث دس روزے روزوں میں بڑھوا دیئے غرض اس کے زمانہ سے دین مسیح مسیحی دین نہ رہا بلکہ دین قسطنطین ہو گیا اس نے ظاہری رونق تو خوب دی بارہ ہزار سے زائد تو عبادت گاہیں بنوا دیں اور ایک شہر اپنے نام سے بسایا۔ ملکیہ گروہ نے اس کی تمام باتیں مان لیں۔ لیکن باوجود ان سب سیاہ کاریوں کے یہودی ان کے ہاتھ تلے رہے اور دراصل نسبتاً حق سے زیادہ قریب یہی تھے گو فی الواقع سارے کے سارے کفار تھے اللہ کی ان پر پھٹکار ہو۔

اب جب کہ ہمارے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان اللہ کی ذات پر بھی تھا اس کے فرشتوں پر بھی تھا اس کی کتابوں پر بھی تھا اور اس کے تمام رسولوں پر بھی تھا پس حقیقت میں نبیوں کے سچے تابع فرمان یہی لوگ تھے یعنی امت محمد ﷺ اس لئے کہ یہ نبی امی عربی خاتم الرسل سید اولاد آدم کے ماننے والے تھے اور حضور ﷺ کی تعلیم تمام حقانیت کو سچا ماننے کی تھی۔ پس دراصل ہر نبی کے سچے تابعدار صحیح معنی میں امتی کہلانے کے مستحق یہی تھے کیونکہ ان لوگوں نے جو اپنے تئیں عیسیٰ کی امت کہتے تھے دین عیسوی کو بالکل مسخ اور فسخ کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا ناسخ تھا پھر محفوظ رہنے والا تھا جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک بدلنے کا نہیں اس لئے اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اس امت کو غلبہ دیا اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک چھا گئے ملکوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور بڑے بڑے جابر اور کٹے کافروں کی گردنیں مروڑ دیں دولتیں ان کے پیروں میں آ گئیں فتح و غنیمت ان کی رکاب چومنے لگی مدتوں کی پرانی سلطنتوں کے تختے انہوں نے الٹ دیئے کسری کی پرشان سلطنت ان کے بھڑکتے ہوئے آتش کدے ان کے ہاتھوں ویران اور سرد ہوئے قیصر کا تاج و تخت ان اللہ والوں نے تاخت و تاراج کیا اور انہیں مسیح پرستی کا خوب مزہ چکھایا اور ان کے خزانوں کو اللہ واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبی ﷺ کے دین کی اشاعت میں دل کھول کر خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نوشتے اور نبی ﷺ کے وعدے چڑھتے ہوئے سورج کی اور چودھویں کے روشن چاند کی طرح سچے ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھ لئے مسیح کے نام کو بدنام کرنے والے مسیح کے نام شیطانوں کو پوجنے والے ان پاکباز اللہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کے لہلہاتے ہوئے باغات اور آباد شہروں کو ان کے حوالے کر کے بے پناہ بھاگتے ہوئے روم (ترکی) میں جا بسے پھر وہاں سے بھی یہ بے عزت کر کے نکالے گئے اور اپنے بادشاہ کے خاص شہر قسطنطنیہ میں پہنچے لیکن پھر وہاں سے بھی ذلیل و خوار کر کے نکال دیئے گئے اور انشاء اللہ العزیز اسلام اور اہل اسلام قیامت تک ان کے اوپر ہی رہیں گے۔ سب سچوں کے سردار جن کی سچائی پر مہر اللہ لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے نہ کاٹے کٹے نہ توڑے ٹوٹے نہ ٹالے ٹلے فرماتے ہیں کہ آپ کی امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضہ میں کرے گا اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان لڑائی ہو گی کہ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہو۔ (ہماری دعا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ اس امت کا حامی و ناصر رہے اور روئے زمین کے کفار پر انہیں غالب رکھے اور انہیں سمجھ دے کہ نہ یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں نہ محمد ﷺ کے سوا کسی کی اطاعت کریں یہی اصل ہے اسلام کی اور یہی گر ہے عروج دنیوی کا) میں نے اس سب کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

آگے کے قول اللہ پر نظر ڈالئے کہ مسیح عیسیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے یہود اور آپ کی شان میں بڑھی چڑھی باتیں بنا کر بہکنے والے نصرانیوں کو قتل و قید کی مار اور سلطنت کے تباہ ہو جانے کی سزا دی اور آخرت کا عذاب وہیں دیکھ لینا جہاں نہ کوئی بچا سکے نہ مدد

کر سکے اور ان کے بر خلاف ایمانداروں کو پورا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیگا دنیا میں بھی فتح اور نصرت عزت و حرمت عطا ہو گی اور عقبیٰ میں بھی خاص رحمتیں اور نعمتیں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند رکھتا ہے۔

پھر فرمایا اے نبی! یہ بھی حقیقت (حضرت) عیسیٰ کی اور ان کی ابتداء پیدائش کی اور ان کے امر کی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آپ کی طرف بذریعہ اپنی خاص وحی کے اتار دی جس میں کوئی شک و شبہ نہیں جیسے سورۃ مریم میں فرمایا عیسیٰ ابن مریم یہی ہیں یہی سچی حقیقت ہے جس میں تم شک و شبہ میں پڑے ہو اللہ کو تو لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو وہ اس سے بالکل پاک ہے وہ جو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا بس وہ ہو جاتا ہے اب یہاں بھی اس کے بعد بیان ہو رہا ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا پس جو شخص تیرے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی تجھ سے اس میں جھگڑے تو تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلالیں پھر ہم بہہ زاری التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ یقین صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے اور بیشک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے۔

عیسائیوں کو دعوت مباہلہ اور ان کا انکار کرنا: حضرت باری جل اسمہ وعلاقدرہ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کیا اچنبھا ہے؟ میں نے حضرت آدم کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی۔ مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا اسی وقت ہو گیا پھر مجھ پر صرف ماں سے پیدا کرنا کیا مشکل؟ جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے تو حضرت آدم بطریق اولی اس کا استحقاق رکھتے ہیں اور انہیں خود تم بھی نہیں مانتے پھر حضرت عیسیٰ کو اس درجہ سے بطور اولی ہٹانا چاہیئے کیونکہ ابنیت کے دعوی کا بطلان اور فساد یہاں اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی کامل قدرتوں کا ظہور ہے کہ آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا اور عیسیٰ کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد و عورت سے پیدا کیا اسی لئے سورۃ مریم میں فرمایا وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً

لِلنَّاس ہم نے عیسیٰ کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے کہ عیسیٰ کے بارے میں ربانی سچا فیصلہ یہی ہے اس کے سوا اور کچھ کمی زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے پس تجھے اے نبی! ہرگز ان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہئے۔

اللہ رب العالمین اس کے بعد اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اگر اس قدر واضح اور کامل بیان کے بعد بھی کوئی شخص تجھ سے امر عیسیٰ کے بارے میں جھگڑے تو انہیں مباہلہ کی دعوت دے کہ ہم فریقین مع اپنے بیٹوں اور بیویوں کے مباہلہ کے لئے نکلیں اور اللہ سے بہ عاجزی کہیں کہ اے اللہ! ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو اس پر تو اپنی لعنت نازل فرما۔ اس مباہلہ کے نازل ہونے کا اور ابتداء سورت سے یہاں تک کی ان تمام آیتوں کے نازل ہونے کا سبب نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا یہ لوگ یہاں آ کر حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے حصہ دار اور اللہ کے بیٹے ہیں پس ان کی تردید اور ان کے جواب میں یہ سب آیات نازل ہوئیں ابن اسحق اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں اور دوسرے مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد کے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا۔ (۲) سید جس کا نام ایہم تھا (۳) ابو حارثہ ابن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا اور (۴) اویس بن حارث اور (۵) زید اور قیس اور (۶) یزید اور اس کے (۸-۹) دونوں لڑکے اور (۱۰) خویلد اور (۱۱) عمرو اور (۱۲) خالد اور (۱۳) عبداللہ اور (۱۴) محسن یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور سید جو ان کا لاٹ پادری تھا اور ابو حارثہ جو مدرس اعلیٰ تھا یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر مدارات اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے یہ شخص حضور ﷺ کی صفت و شان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفتیں پڑھ چکا تھا دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے تھے خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا ان کی نماز کا وقت آ گیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی ﷺ میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی بعد نماز کے حضور ﷺ سے ان کی گفتگو ہوئی ادھر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے ابو حارثہ بن علقمہ عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی ایہم یہ گو شاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے حضرت مسیح کی نسبت تینوں خیال ان کے تھے یعنی وہ خود اللہ ہے اور اللہ کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند و بالا تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے مسیح کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ ساری باتیں اس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں اس لئے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی باتوں کے سچ ہونے پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں سے بولنے لگے تھے یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھیں (اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اسباب کا محکوم اور عادت کا محتاج نہ سمجھیں وغیرہ (مترجم) اور تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے ہم نے کیا ہمارا امر' ہماری مخلوق' ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اکیلا ہی

ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا میرا امر میری مخلوق میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں خود اللہ اور عیسیٰ اور مریم (جس کا جواب یہ ہے کہ ہم کا لفظ صرف بڑائی کے لئے اور عظمت کے لئے ہے (مترجم) اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک اور بلند ہے ان کے تمام عقائد کا بطلان قرآن کریم میں اترا۔

جب یہ تینوں پادری حضور ﷺ سے بات چیت کر چکے تو آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں ہی آپ نے فرمایا نہیں تم کو چاہیئے کہ اسلام قبول کر لو وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں فرمایا نہیں تمہارا یہ اسلام قبول نہیں اس لئے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو صلیب کی پوجا کرتے ہو خنزیر کھاتے ہو انہوں نے کہا اچھا پھر یہ تو فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ حضور ﷺ تو اس پر خاموش رہے اور سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اسی کے اوپر اوپر تک کی آیات ان کے جواب میں نازل ہوئیں۔ ابن اسحٰق ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں۔ اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو نکلو یہ سن کر وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم! ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں پھر تم کو اس کا جواب دیں گے اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاری تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ کی حقیقت وہی ہے جو محمد ﷺ کی زبانی تم سن چکے ہو اور تم کو بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا استیاناس ہو جائے گا پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح ماننا چاہتے ہی نہیں ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ لوگ یہ صلاح مشورہ کر کے پھر حاضر دربار نبوی ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم ﷺ ہم آپ سے ملاعنہ کرنے کے لئے تیار نہیں آپ اپنے دین پر رہیئے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجیئے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا دوپہر کو تم پھر آنا میں تمہارے ساتھ مضبوط امانت دار کو کر دوں گا حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں میں نے کسی دن سردار بننے کی خواہش نہیں کی سوائے اس دن کے صرف اس خیال سے کہ حضور ﷺ نے جو تعریف کی ہے اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں بن جاؤں اسی لئے میں اس روز سویرے سویرے ظہر کی نماز کے لئے چل پڑا حضور ﷺ تشریف لائے نماز ظہر پڑھائی پھر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے میں بار بار اپنی جگہ اونچا ہوا کرتا تھا تا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں آپ برابر بغور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ نگاہیں حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ پر پڑیں انہیں طلب فرمایا اور کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور انکے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ؓ ان کے ساتھ تشریف لے گئے ابن مردویہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے لیکن وہاں سرداروں کی گنتی بارہ کی ہے اور اس واقعہ میں بھی قدرے طول ہے اور کچھ زائد باتیں بھی ہیں صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت حذیفہ ؓ مروی ہے نجرانی سردار عاقب اور سید ملاعنہ کے ارادے سے حضور ﷺ کے پاس آئے لیکن ایک نے دوسرے سے کہا یہ نہ کر اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے ملاعنہ کیا تو ہم اپنی اولادوں سمیت تباہ ہو جائیں گے چنانچہ پھر دونوں نے متفق ہو کر کہا حضرت! آپ ہم سے جو طلب فرماتے ہیں ہم وہ سب ادا کر دیں گے (یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا) آپ ہمارے ساتھ کسی امین شخص کو کر دیجئے اور امین ہی کو بھیجنا بھی۔ آپ نے فرمایا بہتر میں تمہارے ساتھ پورے اور کامل امین کو کروں گا اصحاب رسول ادھر ادھر سے تکنے لگے کہ دیکھیں حضور

ﷺ سے انتخاب کرتے ہیں آپ نے فرمایا اے ابوعبیدہ بن جراحؓ تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہیں اس امت کے امین صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراحؓ ہے مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابو جہل ملعون نے کہا اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لونگا تو اس کی گردن کچل دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے۔ اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لئے موت مانگو اگر وہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر وہ حضور ﷺ کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے صحیح بخاری، ترمذیؒ اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی وفد نجران کے قصے کو مطول بیان کیا ہے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ طٰس سلیمان کے نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی ﴿ بِسْمِ اِلٰهِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اُسْقُفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْ اَنْتُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اَمَّابَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكُمْ اِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلٰى وَلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وَّلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَّالسَّلَامُ ﴾ یعنی اس خط کو میں شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، اور حضرت یعقوب، کے اللہ کے نام سے' یہ خط ہے محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں سردار نجران اور اہل نجران کی طرف اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے سامنے حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، اور حضرت یعقوب، کا معبود ہے پھر میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف آ جاؤ اور بندوں کے والی پنے کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آ جاؤ اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو اگر اس سے بھی انکار ہو تو تم کو لڑائی کا اعلان ہے والسلام۔

جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا یا تو بڑا سٹ پٹایا گھبرا گیا اور تھرتھرانے لگا جھٹ سے شرجیل بن وداعہ کو بلوایا جو قبیلہ ہمدان کا تھا سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا جب کبھی کوئی اہم کام آ پڑتا تو سب سے پہلے یعنی ایہم اور سید اور عاقب سے بھی پیشتر اس سے مشورہ ہوتا جب یہ آ گیا تو اسقف نے حضور ﷺ کا خط اسے دیا جب اس نے پڑھ لیا تو اسقف نے پوچھا بتاؤ کیا خیال ہے؟ شرجیل نے کہا بادشاہ کو خوب علم ہے کہ حضرت اسمٰعیل، کی اولاد میں سے اللہ کے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو۔ امر نبوت میں میں کیا رائے دے سکتا ہوں ہاں اگر امور سلطنت کی کوئی بات ہوتی تو بیشک میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر کوئی بات نکال لیتا۔ اسقف نے اسے الگ بٹھایا اور عبداللہ بن شرجیل کو بلایا یہ بھی مشیر سلطنت تھا اور حمیر کے قبیلے میں سے تھا اسے خط دیا پڑھایا رائے پوچھی تو اس نے بھی ٹھیک وہی بات کہی جو پہلا مشیر کہہ چکا تھا۔ اسے بھی بادشاہ نے دور بٹھا دیا۔ پھر جبار بن فیض کو بلایا جو بنو حارث میں سے تھا۔ اس نے بھی یہی کہا جو ان دونوں نے کہا تھا بادشاہ نے جب دیکھا کہ ان تینوں کی رائے متفق ہے تو حکم دیا گیا کہ ناقوس بجائے جائیں آگ جلادی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کئے جائیں۔ وہاں کا یہ دستور تھا کہ جب سلطنت کو کوئی اہم کام ہوتا اور رات کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو یہی کرتے اور اگر دن کا وقت ہوتا تو گرجوں میں آگ جلادی جاتی اور ناقوس زور زور سے بجائے جاتے اس حکم کے ہوتے ہی چوطرف آگ جلادی گئی اور ناقوس کی آواز نے ہر ایک کو ہوشیار کر دیا اور جھنڈے اونچے دیکھ دیکھ کر آس پاس کے اس وادی کے تمام لوگ جمع ہو گئے اس وادی کا طول اتنا تھا کہ تیز سوار صبح سے شام تک دوسرے کنارے پہنچتا تھا اس میں تہتر گاؤں آباد تھے جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے تو تمام عقلمندوں نے کہا

کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی عبداللہ بن شرجیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد کے بھیجا جائے یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں۔

اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرداری کے ماتحت روانہ ہوا مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے حلے پہن لئے اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈال لیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا بہت دیر تک انتظار کیا کہ حضور کچھ بات چیت کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام بھی نہ کیا اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کی تلاش میں نکلے ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلی ملاقات تھی مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضرات کو پالیا ان سے واقعہ بیان کیا کہ تمہارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خط لکھا ہم اس کا جواب دینے کے لئے خود حاضر ہوئے آپ کے پاس گئے سلام کیا لیکن جواب نہ دیا پھر بہت دیر تک انتظار میں بیٹھے رہے کہ آپ ﷺ سے کچھ باتیں ہو جائیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں ان دونوں نے حضرت علی ؓ بن ابو طالب سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجئے حضرت علی ؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اپنے یہ حلے اور اپنی یہ انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضور ﷺ کی خدمت میں دوبارہ جائیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اسی معمولی لباس میں گئے سلام کیا آپ نے جواب دیا پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تھے تو ان کے ساتھ ابلیس تھا۔

اب سوال و جواب بات چیت شروع ہوئی حضور ﷺ بھی پوچھتے اور جواب بھی دیتے تھے اسی طرح وہ بھی سائل بھی تھے اور مجیب بھی آخر میں انہوں نے پوچھا آپ حضرت عیسیٰ کی بابت کیا فرماتے ہیں تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر وہ کہیں ہمیں اس کی خوشی ہے اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا میرے پاس اس کا جواب آج تو نہیں تم ٹھہرو تو میرا رب مجھ سے اس کی بابت جو فرمائے گا وہ میں تم کو سنا دوں گا۔

دوسرے دن وہ پھر آئے تو آپ نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت ﴿ان مثل عیسیٰ﴾ کی ﴿کاذبین﴾ تک تلاوت کر سنائی انہوں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ ملاعنہ کے لئے حضرت حسن کو اور حضرت حسین کو اپنی چادر میں لئے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ ؓ آ رہی تھیں اس وقت آپ ﷺ کی کئی ایک بیویاں تھیں شرجیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو مانتی ہے اور میری رائے پر کاربند ہوتی ہے سنو اللہ کی قسم یہ معاملہ بڑا بھاری ہے اگر یہ شخص (ﷺ) مبعوث کیا گیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ٹھہریں گے یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دلوں سے نہیں جائے گی اور ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت و آفت آئے گی عرب بھر میں سب سے زیادہ قریب ان سے میں ہی ہوں اور سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا باقی نہ رہے گا اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا پھر اے ابو مریم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں جو کچھ یہ حکم دے ہم اسے منظور کر لیں یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا ان دونوں نے اس کی بات تسلیم کر لی اب شرجیل نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا وہ کیا؟ کہا آج کا دن آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں گے ہمیں منظور ہے رسول ﷺ نے فرمایا شاید اور لوگ تمہارے اس فیصلہ کو نہ مانیں شرجیل نے کہا اس کی بابت میرے ان دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمالیجئے آپ نے ان دونوں سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ ساری وادی کے لوگ انہی کی رائے پر چلتے ہیں وہاں ایک بھی ایسا نہیں جو ان کے فیصلے کو ٹال سکے پس حضور ﷺ نے یہ درخواست قبول فرمائی ملاعنہ نہ کیا اور واپس لوٹ گئے دوسرے دن صبح

ہی وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ایک تحریر انہیں لکھ کر دی جس میں بسم اللہ ' کے بعد یہ مضمون تھا کہ یہ تحریر اللہ کے نبی محمد رسول اللہ کی طرف سے نجرانیوں کے لئے ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے رسول کا حکم جاری تھا ہر پھل میں اور ہر زرد وسفید وسیاہ میں اور ہر غلام میں لیکن اللہ کے رسول یہ سب انہی کو دیتے ہیں یہ ہر سال صرف دو ہزار حلے دیدیا کریں ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں' وغیرہ وغیرہ۔

پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ وفد سہ ۹ ہجری میں آیا تھا اس لئے کہ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جزیہ انہی اہل نجران نے حضور ﷺ کو ادا کیا اور جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد اتری ہے جو یہ ہے ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ ﴾

اس آیت میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہوا ہے ابن مردویہ میں ہے کہ عاقب اور طیب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے آپ نے انہیں ملاعنہ کیلئے کہا اور صبح کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین کو لئے ہوئے آپ تشریف لائے اور انہیں کہلا بھیجا انہوں نے قبول نہ کیا اور خراج دینا منظور کر لیا آپ نے فرمایا اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر یہ دونوں 'نہیں' کہتے تو ان پر یہی وادی آگ برساتی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ﴿ نَدْعُ اَبْنَآئَنَا ﴾ والی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿ انفسنا ﴾ سے مراد خود رسول کریم ﷺ اور حضرت علیؓ ﴿ اَبْنَآئَنَا ﴾ سے مراد حسن اور حسین ﴿ نسآئنا ﴾ سے مراد حضرت فاطمہ الزہراؓ۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی اس معنی کی حدیث مروی ہے پھر جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ جو ہم نے شان عیسیٰ بیان فرمائی ہے حق اور سچ ہے اس میں بال برابر کمی زیادتی نہیں اللہ تعالیٰ قابل عبادت ہے کوئی اور نہیں اور وہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے اب بھی اگر یہ منہ پھیرلیں اور دوسری باتوں میں پڑیں تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے باطل پسندوں کو اور مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے انہیں بدترین سزا دے گا اس میں پوری قدرت ہے کوئی اس سے نہ بھاگ سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے وہ پاک ہے اور تعریفوں والا ہے ہم اس کے عذابوں سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

کہدو کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیرلیں تو تم کہدو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

عیسائیوں کو دعوت توحید: یہودیوں نصرانیوں اور انہی جیسے لوگوں سے یہاں خطاب ہو رہا ہے۔ کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر ﴿ سَوَآءٍ ﴾ کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا گیا ﴿ سَوَآءٍ ﴾ کے معنی عدل وانصاف والا جس میں ہم تم برابر ہیں پھر اس کی تفسیر کی کہ وہ بات یہ ہے کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ نہ کسی بت کو پوجیں نہ صلیب کو نہ تصویر کو نہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ آگ کو نہ کسی چیز کو بلکہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو یہی دعوت تمام انبیاء کرام کی تھی جیسے فرمان ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ یعنی تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے

بھیجا سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کیا کرو اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُو الطَّاغُوْتَ ﴾ یعنی ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ منادی کرادی کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سواسے بچو۔ پھر فرماتا ہے کہ آپس میں بھی ہم اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنالیں ابن جریج ؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں عکرمہ فرماتے ہیں کسی کو سوائے اللہ کے سجدہ نہ کریں پھر اگر یہ لوگ اس انصاف والی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں اپنی اطاعت گزاری پر گواہ بنالو ہم نے بخاری کی شرح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر کر دیا ہے جس میں ہے کہ ابوسفیان جب دربار قیصر میں بلوائے گئے اور شاہ قیصر روم نے حضور ﷺ کے نسب کا حال پوچھا تو انہیں باوجود کافر اور دشمن رسول ہونے کے آپ کی خاندانی شرافت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی طرح ہر ہر سوال کا صاف اور سچا جواب دیا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے اسی باعث قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہا کیا وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) بدعہدی کرتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا نہیں کرتے لیکن اب ایک معاہدہ ہمارا ان سے ہوا ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کریں؟ یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حضور ﷺ کا نامہ مبارک پیش کیا جاتا ہے جس میں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ الخ' کے بعد یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ خط محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) ہرقل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے اللہ کی طرف سے سلام ہو اسے جو ہدایت کا متبع ہے اس کے بعد اسلام قبول کر سلامت رہے گا اسلام قبول کر اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو تمام رئیسوں کا بوجھ تجھ پر رہے گا پھر یہی آیت لکھی تھی۔

امام محمد بن اسحٰق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سورت یعنی سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اسی (۸۰) سے کچھ اوپر اوپر تک آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں امام زہری ؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی لوگوں نے ادا کیا ہے اور اس میں مطلقاً خلاف نہیں ہے کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد اتری ہے پس یہ اعتراض پڑتا ہے کہ جب یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے پھر فتح سے پہلے حضور ﷺ نے اپنے خط میں ہرقل کو یہ آیت کیسے لکھی؟ اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ اتری ہو حدیبیہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وفد نجران کے بارے میں شروع سورۃ سے لے کر اس آیت تک اتری ہو اور یہ آیت اس سے پہلے اتر چکی ہو اس صورت میں ابن اسحٰق کا یہ فرمانا کہ اسی (۸۰) کے اوپر اوپر کچھ آیات اسی وفد کے بارے میں اتری ہیں یہ محفوظ نہ ہو کیونکہ ابوسفیان والا واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وفد نجران حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے جو کچھ دینا منظور کیا ہو یہ صرف مباہلہ سے بچنے کے لئے بطور مصالحت کے دیا ہو نہ کہ جزیہ دیا ہو اور یہ اتفاق کی بات ہو کہ آیت جزیہ اس واقعہ کے بعد اتری جس میں اس کی موافقت ہو گئی جیسے کہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ نے بدر سے پہلے کے غزوہ میں مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ باقی رکھ کر اور حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے پھر اس کے بعد مال غنیمت کی آیات بھی اسی کے مطابق اتریں اور یہی حکم ہوا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں جو ہرقل کو بھیجا اس میں یہ بات اسی طرح بطور خود لکھی ہو پھر آنحضرت ﷺ کے الفاظ ہی میں وحی بھی نازل ہوئی ہو جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے پردے کے حکم کے بارے میں اسی طرح آیت اتری اور بدری قیدیوں کے بارے میں انہی کی موافقت میں فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا اور منافقوں کا جنازہ نہ پڑھنے کی بابت بھی انہی کی بات قائم رکھی گئی اور مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کی بابت بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی ﴿ عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ ﴾ بھی انہی کی موافقت میں اتری پس یہ آیت بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی موافقت میں ہی اتری ہو یہ بہت ممکن ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ توراۃ وانجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں' کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ سنو تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تم کو علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو علم ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ خالص مسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے' مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہود و نصاریٰ کے بے علمی پر مبنی جھگڑے: یہودی حضرت ابراہیم کو اپنے میں سے اور نصرانی حضرت ابراہیم کو اپنے میں سے کہتے اور آپس میں اس پر بحث مباحثے کرتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعویٰ کی تردید کرتا ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور حضور ﷺ کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ ہم میں سے تھے اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو! تم خلیل اللہ کو اپنے میں سے کیسے بتاتے ہو؟ حالانکہ ان کے زمانہ میں نہ موسیٰ' تھے نہ توراۃ حضرت موسیٰ اور کتاب توراۃ شریف تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئے اسی طرح اے نصرانیو! تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی کیا تم اتنی موٹی بات سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کے اس بے علمی کے جھگڑے پر انہیں رب عالم ملامت کرتا ہے۔ کہ اگر تم بحث و مباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی تم تو اس میں گفتگو کرتے ہو جس میں دونوں کو مطلق علم نہیں۔

تم کو چاہیئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اسے اس علیم اللہ کے حوالے کرو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم محض بے خبر ہو۔ دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم ' نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے وہ شرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان والے تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے یہ آیت مثل اس آیت کے ہے جو سورۃ بقرہ میں گزر چکی ﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ﴾ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں یہودی نصرانی بننے میں ہدایت ہے الخ۔

پھر فرمایا کہ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم کی متابعت کے حقدار ان کے دین پر ان کے زمانے میں چلنے والے تھے اور اب یہ نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں اور آپ کے ساتھ کے ایمانداروں کی جماعت جو مہاجرین و انصار ہیں اور پھر جو بھی ان کی پیروی کرتے ہیں قیامت تک رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کے دلی دوست انبیاء میں سے ہوتے ہیں میرے دلی دوست انبیاء میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ترمذی وغیرہ۔) پھر فرمایا جو بھی اللہ کے رسول پر ایمان

رکھے ان کا ولی اللہ ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تم کو گمراہ کر دیں دراصل وہ خود اپنے تئیں گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں اے اہل کتاب! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کیوں کفر کر رہے ہو؟ اے اہل کتاب باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو تو کہہ کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جو تم دیئے گئے ہو یا تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے تو کہہ دے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے اسے دے اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں کی بد خصلتوں کا تذکرہ: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ان یہودیوں کے حسد کو دیکھو کہ مسلمانوں سے کیسے کچھ جل کڑھ رہے ہیں، انہیں بہکانے کی کیا کیا پوشیدہ ترکیبیں کرتے ہیں کیسے کیسے مکر و فریب کے جال بچھاتے ہیں، حالانکہ دراصل ان تمام چیزوں کا وبال خود ان کی جانوں پر ہے لیکن انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔ پھر انہیں ان کی یہ ذلیل حرکت یاد دلائی جا رہی ہے کہ سچائی جانتے ہوئے حق کو پہچانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے منکر ہو رہے ہیں۔ باوجود علم کے یہ بد خصلت بھی ان میں ہے کہ حق و باطل کو ملا دیتے ہیں اور ان کی کتابوں میں جو صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں انہیں چھپا لیتے ہیں۔

بہکانے کی جو صورتیں گھڑتے ہیں ان میں سے ایک کا بیان ہو رہا ہے کہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ صبح جا کر ایمان لے آؤ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تاکہ جاہل لوگوں کے دل میں بھی خیال گزرے کہ آخر یہ لوگ جو پلٹ گئے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس دین میں نقصان یا برائی ہی دیکھی ہو گی تو کیا عجب کہ ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے۔ یہ ایک حیلہ

جوئی تھی کہ شائد اس سے کمزور ایمان والا لوٹ جائے کہ یہ جاننے بوجھنے والے لوگ جب اس دین میں آئے نمازیں پڑھیں پھر جو اسے چھوڑ دیا تو ضرور یہاں کوئی خرابی اور نقصان دیکھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھروسہ اپنے والوں ہی پر کرو مسلمانوں پر نہ کرو نہ اپنے بھید ان پر ظاہر ہونے دو نہ اپنی کتاب کی باتیں ان پر کھولو جس سے یہ ان پر ایمان لائیں اور اللہ کے ہاں بھی ان کے لئے ہم پر حجت بن جائیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اے نبی! کہ دے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ مومنوں کے دلوں کو ہر اس چیز پر ایمان لانے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہوا نہیں ان دلائل پر کامل ایمان نصیب ہوتا ہے گو تم نبی امی علیہ السلام کی صفتیں چھپاتے پھرو پھر بھی خوش قسمت لوگ تو آپ علیہ السلام کی نبوت کے ظاہر نشان بہ یک نگاہ پہچان لیں گے۔

اسی طرح وہ کہتے تھے کہ تمہارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو کہ وہ اسے سیکھ کر تم جیسے ہو جائیں بلکہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ سے تم سے بڑھ جائیں یا اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی حجت و دلیل قائم ہو جائے یعنی خود تمہاری کتابوں سے وہ تم کو الزام نہ دینے لگیں اور تم ہی پر تمہاری ہی دلیلیں نہ قائم کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے سب کام اسی کے قبضے میں ہیں وہی دینے لینے والا ہے جسے چاہے ایمان عمل اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے راہ حق سے اندھا اور کلمہ اسلام سے بہرا اور صحیح سمجھ سے محروم کر دے اس کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں وہ وسعت و علم والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے وہ بڑے فضل والا ہے اے مسلمانو! بے حد و بے پایاں احسانات اس نے تم پر کئے ہیں تمہارے نبی علیہ السلام کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اور بہت ہی کامل اور ہر حیثیت سے پوری شریعت اس نے تم کو دی۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں ہاں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا اقرار پورا کرے اور پرہیز گاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اکثر یہودی خائن جبکہ بعض امانت دار ہیں: اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودیوں کی خیانت پر تنبیہ کرتا ہے کہ ان کے دھوکہ میں نہ آجائیں ان میں بعض تو امانت دار ہیں اور بعض بڑے خائن ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ خزانے کا خزانہ ان کی امانت میں ہو تو جوں کا توں حوالے کر دیں گے پھر چھوٹی موٹی چیز میں وہ بد دیانتی کیسے کریں گے؟ اور بعض ایسے بد دیانت ہیں کہ ایک دینا بھی واپس نہ دیں ہاں اگر ان کے سر ہو جاؤ تقاضا برابر جاری رکھو اور حق طلب کرتے رہو تو شاید امانت نکل بھی آئے ورنہ ہضم ہی کر جائیں جب ایک دینار پر یہ بد دیانتی ہے تو بڑی رقم کو کیوں چھوڑنے لگے۔ لفظ قنطار کی پوری تفسیر سورہ کے اول میں ہی بیان ہو چکی ہے اور دینار تو مشہور ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینار "کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین' ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ۔

اس موقعہ پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالتہ میں بہت پوری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینا قرض مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ' کہا اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے' اس نے کہا ضامن لاؤ۔ اس نے کہا میں ضمانت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دیتا ہوں۔ وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دیدی۔ وہ اپنے تری کے سفر میں نکل گیا۔ جب کام کاج سے فارغ ہو گیا تو دریا کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تا کہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا اے اللہ! تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینا قرض لئے تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دیدیئے 'اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دیدوں لیکن نہ ملی پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچادے۔ یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چل دیا۔ لکڑی پانی میں ڈوب گئی یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے۔ ادھر یہ قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شائد وہ کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو جب دیکھا کہ کشتی کوئی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کنارے پر پڑی ہوئی تھی یہ سمجھ کر لے لی کہ جلانے کے کام آئے گی۔ گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکل پڑا۔ پھر قرض لینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے ہر چند کوشش کی کہ سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گزرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں گا۔ لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی۔ اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنچادی ہے تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا۔

یہ حدیث بخاری شریف میں تعلیق کے ساتھ بھی ہے لیکن جزم کے صیغے کے ساتھ اور بعض جگہ سند وار بھی ہے' اور کتابوں میں بھی یہ روایت ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ امانت میں خیانت کرنے پر حقدار کے حق کو ادا نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز ان کا یہ غلط خیال ہے کہ ان بد دینوں ان پڑھوں کا مال کھا جانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں ہم پر یہ مال حلال ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے اور اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ انکی کتابوں میں بھی ناحق مال کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بیوقوف خود اپنی من مانی اور دل بھاتی باتیں گھڑ کر شریعت کے رنگ میں انہیں رنگ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس ؓ سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی کفار کی مرغی بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں' تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ امیوں کے مال کے لے لینے میں ہم پر کوئی حرج نہیں' سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں ہاں وہ اپنی خوشی سے دیدیں تو اور بات ہے۔ (عبدالرزاق)۔ سعید بن جبیر ؒ فرماتے ہیں کہ جب اہل کتاب سے حضور ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا دشمنان اللہ جھوٹے ہیں' جاہلیت کی تمام باتیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں مگر امانت کہ وہ ہر فاسق وفاجر کی بھی ادا کرنی پڑیگی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لیکن جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور ڈرتا رہے۔ اہل کتاب ہو کر پھر اپنی کتاب کی ہدایت کے مطابق آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے جو عہد تمام انبیاء سے بھی ہو چکا ہے اور جس عہد کی پابندی ان کی امتوں پر بھی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے اسکی شریعت کی اطاعت کرے رسولوں کے خاتم اور انبیاء کے سردار حضرت محمد ﷺ کی پوری تابعداری کرے وہ متقی ہے اور متقی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔

تین خوش نصیب اور تین بد بخت اشخاص: یعنی جو اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ ﷺ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ ﷺ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کرے گا نہ ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا نہ انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ جن میں سے تھوڑی سے یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن سے نہ تو اللہ تعالیٰ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر کہا یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! یہ تو بڑے گھاٹے اور نقصان میں پڑے۔ حضور اکرم ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا پھر جواب دیا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا' جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا' دے کر احسان جتانے والا مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے

(۲) مسند احمد میں ہے ابو احمسؓ فرماتے ہیں میں حضرت ابوذرؓ سے ملا اور ان سے ذکر کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں' تو فرمایا سنو میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جبکہ میں نے حضور ﷺ سے سن لیا ہو تم کہو وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن رکھتا ہے' تو فرمانے لگے ہاں یہ حدیث میں نے بیان بھی کی ہے اور میں نے حضور ﷺ سے سنی بھی ہے۔ میں نے پوچھا کس کس کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ کے مقابلہ میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینا چھدوا دے یا فتح کر کے لوٹے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ مسافری میں ہے بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے تو اترے' سب تو پڑ کر سو رہے مگر یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کی عادت ہو کہ جو اسے ایذا پہنچائے یہ اس پر صبر و سہار کرے یہاں تک کہ موت ان دونوں میں جدائی کرے یا سفر۔ میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے؟ فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر' اور تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

(۳) مسند احمد میں ہے کندہ قبیلے کے ایک شخص امرؤالقیس بن عامر کا جھگڑا ایک حضرموتی شخص سے زمین کے بارے میں تھا' جو حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرمی اپنا ثبوت پیش کرے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اب کندی قسم کھا لے۔ تو حضرمی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب کعبہ کی قسم یہ میری زمین لے

جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کرے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہو گا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو امر والقیس ؓ نے کہا یارسول اللہ! اگر کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت۔ تو کہنے لگے یارسول اللہ! گواہ رہئے کہ میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑ دی۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس سے کسی کا مال چھین لے تو اللہ تعالیٰ سے جب یہ ملے گا اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہو گا۔ حضرت اشعث ؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے۔ ایک یہودی کی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی اس نے میری زمین کا انکار کر دیا۔ میں اسے خدمت نبوی ﷺ میں لایا حضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا تیرے پاس کچھ ثبوت ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھالے۔ میں نے کہا حضور! یہ تو قسم کھا لے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

(۵) مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گا۔ وہیں حضرت اشعث بن قیس ؓ آگئے اور فرمانے لگے ابو عبدالرحمٰن تم سے کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟ ہم نے دوہرادی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔ میرا اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضہ میں تھا۔ حضور ﷺ کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی دلیل اور ثبوت لا کہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔ میں نے کہا یا حضرت! میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس کی قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو میرا کنواں لے جائے گا میرا مقابل تو فاجر شخص ہے۔ اس وقت حضور ﷺ نے یہ حدیث بھی بیان فرمائی اور اس آیت کی بھی تلاوت فرمائی۔

(۶) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ فرمایا اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والی اور ان سے بے رغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ اس سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کرلے۔ (۷) ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا سودا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ اس کو اتنا اتنا بھاؤ دیا جاتا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے پس یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔ (۸) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین شخصوں سے جناب باری تقدس و تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دکھ درد کے عذاب ہیں' ایک وہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہے۔ پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا ' دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے' تیسرا وہ جو بادشاہ مسلمان سے بیعت کرتا ہے پس اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے اور اگر نہ دے تو بیعت پوری نہیں کرتا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی ؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُۥنَ أَلْسِنَتَهُم بِٱلْكِتَٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تا کہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرنے لگو اور دراصل وہ کتاب میں نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں' وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

یہودیوں کی کلام اللہ تعالیٰ میں تحریف: یہاں بھی انہی ملعون یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے کہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتا ہے ربانی کتاب بدل دیتا ہے اصل مطلب اور صحیح معنی خبط کر دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی اسے کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتے ہیں اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور جھوٹ بکتے ہیں۔ زبان موڑنے سے مطلب یہاں تحریف کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف کرتے تھے اور ازالہ کر دیتے تھے۔ مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں کتاب اللہ کا لفظ بدل دے' ہاں یہ لوگ تحریف اور بیجا تاویل کرتے تھے۔

وہب بن منبہ ؒ فرماتے ہیں کہ توراۃ و انجیل اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتاریں ایک حرف بھی ان میں سے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف و تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لیں ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں ان سے بھی لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں (ابن ابی حاتم)۔ حضرت وہب ؒ کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو زبان عربی میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں تو بڑی خطا ہے اور بہت ہی زیادتی ہے اور کمی بھی اصل سے بہت ہے اور کھلے ہوئے وہم اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیبا ہی نہیں' وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھر ان سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں' اور اگر حضرت وہب ؒ کے فرمان کا یہ مطلب ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب جو درحقیقت ربانی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ و مصئون ہے اس میں کمی زیادتی ناممکن ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔ نہ (یہ ہو سکتا ہے) وہ تم کو فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے' کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی کوئی فرشتہ اپنی بندگی کی دعوت نہیں دے سکتا: رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہودیوں کے اور نجرانی نصرانیوں کے علماء جمع ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ چاہتے ہیں

کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے آئیس کہا جاتا تھا یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی چاہت ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ' نہ ہم خود اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ کسی انسان کو کتاب و حکمت اور نبوت و رسالت پالینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے۔ جب انبیاء کرام کا جو اتنی بڑی بزرگی فضیلت اور مرتبے والے ہیں یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے۔ امام حسن بصری ؒ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ مومن سے بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت دے۔ یہاں یہ اس لئے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ہی ایک دوسرے کو پوجتے تھے۔ قرآن شاہد ہے جو فرماتا ہے ﴿ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ مسند و ترمذی کی وہ حدیث بھی آ رہی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم ؓ نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے تھے اور یہ ان کی مانتے چلے جاتے تھے یہی ان کی عبادت تھی۔

پس جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کی اتباع کرنے والے علماء کرام اس سے یکسو ہیں اس لئے کہ وہ تو صرف فرمان ربانی اور کلام رسول ﷺ کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے انبیاء کرام روک گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات انبیاء تو خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں حق رسالت ادا کرتے ہیں اور امانت ربانی احتیاط کے ساتھ بندگان رب کو پہنچا دیتے ہیں۔ نہایت بیدار مغزی ہوشیاری کمال نگرانی اور پوری حفاظت کے ساتھ وہ پوری دنیا کے خیر خواہ ہوتے ہیں' وہ احکام الٰہی کے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ رسولوں کی ہدایت تو لوگوں کو ربانی بننے کی ہوتی ہے کہ وہ حکمتوں والے اور حلم والے بن جائیں سمجھدار اور عابد و زاہد متقی اور پارسا ہیں۔ حضرت ضحاک ؒ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنے والوں پر حق ہے کہ وہ باسمجھ ہوں۔ ﴿ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور ﴿ تَعَلَّمُوْنَ ﴾ دونوں قراءت ہیں پہلے کے معنی ہیں سمجھنے کے دوسرے کے معنے ہیں' تعلیم دینے کے۔ ﴿ تَدْرُسُوْنَ ﴾ کے معنے ہیں الفاظ یاد کرنے کے۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ یہ حکم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی ہو۔ بھیجا ہوا خواہ فرشتہ ہو قرب اللہ والا ' یہ تو وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کی دعوت دے' اور جو ایسا کرے اس نے کفر کیا اور کفر نبیوں کا کام نہیں' ان کا کام تو ایمان ہے اور ایمان نام ہے اللہ واحد کی عبادت اور پرستش کا' اور یہی نبیوں کی آواز ہے' جیسے خود قرآن فرماتا ہے ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں' تم سب میری عبادت کرتے رہو۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے بچو۔ اور جگہ ارشاد ہے تجھ سے پہلے تمام رسولوں سے پوچھ لے کہ کیا ہم نے اپنی ذات رحمٰن کے سوا ان کی عبادت کے لئے کسی کو مقرر کیا تھا؟ فرشتوں کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ ﴿ من یقل منهم ﴾ ان میں سے اگر کوئی کہدے کہ میں معبود ہوں۔ بجز۔ اللہ تعالیٰ کے تو اسے بھی جہنم کی سزا دیں اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

جب اللہ تعالٰی نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تم کو اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا ضروری ہے' فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے' فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں۔

ہر نبی کو اپنے بعد والے نبی اور رسول پر ایمان لانے کا حکم: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسٰیؑ تک کے تمام انبیاء کرامؑ سے اللہ تعالٰی نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو اللہ تبارک و تعالٰی کتاب و حکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد اسی کے زمانے میں رسول آ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و امداد کرنا اس کا فرض ہو گا۔ یہ نہیں کہ اپنے علم و نبوت پر نظر ڈال کر اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے۔ ان سے کہا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرا ابو جھل مضبوط عہد و میثاق لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہاں ہمارا اقرار ہے۔ تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد و میثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق' بے حکم اور بدکار ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ اپنے نبی حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کر دے کہ وہ بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تابعداری میں لگ جائے۔ طاؤسؒ' حسن بصریؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ نبیوں سے اللہ تعالٰی نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے اسی لئے حضرت طاؤسؒ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک دوست قریظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ توراۃ کی جامع باتیں مجھے لکھ دے تو اگر آپ فرمائیں میں انہیں پیش کروں۔ حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے میں اللہ تعالٰی کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد کے رسول ہونے پر خوش ہوں (ﷺ) اس وقت حضور ﷺ کا غصہ دور ہوا اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالٰی کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر (حضرت) موسٰیؑ تم میں آ جائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ۔ تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔

مسند ابو یعلٰی میں ہے کہ اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تم کو راہ راست کیسے دکھائیں گے؟ بلکہ ممکن ہے کہ تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو' اللہ تعالٰی کی قسم اگر موسٰی بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے اور کچھ حلال نہ تھا۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر موسٰیؑ اور عیسٰیؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام اعظم ہیں۔ جس زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی نبوت ہوتی آپ

ﷺ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیاء کی تابعداری پر جو اس وقت ہوں آپ ﷺ کی فرمانبرداری مقدم رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کے امام آپ ہی بنائے گئے۔ اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کو فیصلوں کے لئے لانے میں شفیع آپ ﷺ ہی ہوں گے' یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ﷺ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ تمام انبیاء اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ ﷺ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت کے دن تک' آمین۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کیا پس اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہوں تو سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ تو کہہ دے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ پر اور یعقوبؑ اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا سب پر ایمان لائے اور جو کچھ موسٰیؑ اور عیسٰیؑ اور دوسرے نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اس پر بھی' ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے: اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے سوا جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ہے یعنی صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنا کوئی شخص اور دین کی تلاش کرے اور اسے مانے اس کی تردید یہاں بیان ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں خواہ ناخوشی سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ الخ یعنی زمین و آسمان کی تمام تر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتی ہے اپنی خوشی سے یا جبراً اور جگہ ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتی ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمینوں کے کل جاندار اور سب فرشتے' کوئی بھی تکبر نہیں کرتا سب کے سب اپنے اوپر والے رب تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم دیئے جائیں بجا لاتے ہیں۔ پس مومنوں کا ظاہر باطن قلب و قالب دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور کافر بھی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں اور جبراً اللہ تعالیٰ کی جانب جھکا ہوا ہے اس کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح قدرت و مشیت اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہے کوئی چیز بھی اس کے غلبے اور قدرت سے باہر نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب حدیث یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمانوں والے تو فرشتے ہیں جو بخوشی اللہ تعالیٰ کے فرماں گزار ہیں اور زمین والے وہ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں یہ بھی بشوق تمام اللہ

تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں' اور ناخوشی سے ماتحت وہ ہیں جو لوگ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میں میدان جنگ میں قید ہوتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے لائے جاتے ہیں' یہ لوگ ہیں جو جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ تیرے رب تعالیٰ کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں زنجیروں اور رسیوں میں باندھ کر۔ اس حدیث کی اور سند بھی ہے لیکن اس آیت کے معنی تو یہی زیادہ قوی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ وقت ہے جب روز ازل میں ان سب سے میثاق اور عہد لیا تھا۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن اور ہر ایک کو وہ اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

پھر فرماتا ہے تو کہہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور قرآن پر اور ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ اور یعقوبؑ پر جو صحیفے اور وحی اتری ہم اس پر بھی ایمان لائے اور ان کی اولادوں پر جو اترا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے **اَسْبَاط** سے مراد بنی اسرائیل کے قبائل ہیں جو حضرت یعقوبؑ کی نسل میں سے تھے۔ یہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل اور بھی جتنے انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ لائے ہمارا ان سب پر ایمان ہے ہم ان میں کوئی تفریق اور جدائی نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان گزار ہیں۔ پس اس امت کے مومن تمام انبیاء اور کل الہامی کتابوں کو مانتے ہیں کسی کے ساتھ کفر نہیں کرتے ہر کتاب اور ہر نبی کو سچا جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دین اللہ تعالیٰ کے سوا جو شخص کسی اور راہ پر چلے اس سے قبولیت دور ہے اور آخرت میں وہ نقصان میں پڑا جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن اعمال آئیں گے' نماز آکر کہے گی کہ اے اللہ میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے۔ صدقہ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں صدقہ ہوں' جواب ملے گا تو بھی خیر پر ہے۔ روزہ آکر کہے گا میں روزہ ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو بھی بہتری پر ہے' پھر اسی طرح اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا۔ پھر اسلام آئے گا اور کہے گا اے اللہ! تو سلام ہے اور میں اسلام۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو خیر پر ہے آج تیرے ہی باعث میں پکڑوں گا اور تیری ہی وجہ سے میں انعام دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ ﴾۔ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کے راوی حسن کا حضرت ابوہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد کافر ہو

جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ ان پر تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انہیں مہلت دی جائے۔ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر مرتد سچی توبہ کر لے تو؟ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مرتد ہو کر مشرکین میں جاملا۔ پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کیا میری توبہ پھر بھی قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا (ابن جریر)۔ نسائی، حاکم اور ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام حاکم ؒ اسے صحیح الاسناد کہتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حارث بن سوید ؓ نے اسلام قبول کیا، پھر اپنی قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا اس کے بارے میں یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیات پڑھ سنائیں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تو سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے۔ پھر وہ حضور ﷺ کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔

بینات سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق پر حجتوں اور دلیلوں کا بالکل واضح ہو جانا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے رسول کی حقانیت مان چکے دلیلیں دیکھ چکے پھر شرک کے اندھیروں میں جا چھپے یہ لوگ مستحق ہدایت نہیں کیونکہ آنکھوں کے ہوتے اندھاپے کو انہوں نے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کی رہبری نہیں کرتا، انہیں اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی، جو لعنت دائمی ہے نہ تو کسی وقت ان کے عذابوں میں تخفیف ہو گی نہ موقوفی۔

پھر اپنا لطف و احسان رافت و رحم کا بیان فرماتا ہے کہ اس بدترین جرم کے بعد بھی جو میری طرف جھکے اور اپنے بداعمال کی اصلاح کر لے میں بھی اس سے درگزر کر لیتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

ع ۱۷ / ۹

بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں انکی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، یہی گمراہ لوگ ہیں۔ ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائیگا، یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔

نزع کی حالت میں توبہ قبول نہیں: ایمان کے بعد کفر کرنیوالوں کو پھر اسی کفر پر مرنیوالوں کو پروردگار عالم ڈرا رہا ہے کہ موت کے وقت کی تمہاری توبہ قبول نہ ہو گی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ ﴾ آخر دم تک یعنی موت کے وقت تک گناہوں میں مبتلا رہنے والے موت کو دیکھ کر جو توبہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اور یہی یہاں ہے کہ انکی توبہ ہرگز مقبول نہ ہو

گی اور یہی لوگ وہ ہیں جو راہ حق سے بھٹک کر باطل راہ پر لگ گئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر مرتد ہو گئے پھر اسلام لائے پھر مرتد ہو گئے پھر اپنی قوم کے پاس آدمی بھیج کر پچھوایا کہ کیا اب ہماری توبہ ہے؟ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا اس پر یہ آیت اتری (بزار)۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں گو اس نے زمین بھر کر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہو۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جدعان جو بڑا مہمان نواز غلام آزاد کرنے والا اور کھانا دینے والا شخص تھا کیا اسے اس کی یہ نیکی کام آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی ﴿ رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴾ نہیں کہا' یعنی اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش۔ جس طرح اس کی خیرات نامقبول ہے اسی طرح فدیہ اور معاوضہ بھی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ ان سے نہ بدلہ مقبول نہ انہیں سفارش کا نفع' اور فرمایا ﴿ لَا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴾ اس دن نہ خرید و فروخت ہے نہ مودت و محبت اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ ﴾ یعنی اگر کافروں کے پاس زمین میں جو کچھ ہے ہو اور اتنا ہی اور بھی ہو پھر وہ اس سب کو قیامت کے عذابوں کے بدلے فدیہ دیں تو بھی نامقبول ہے' ان تکلیف والے المناک عذابوں کو سہنا ہی پڑے گا۔ یہی مضمون یہاں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض نے ﴿ وَلَوِ افْتَدٰی ﴾ کو واؤ کو زائد کہا ہے لیکن واؤ کو عطف کی ماننا اور وہ تفسیر کرنا جو ہم نے کی بہت بہتر ہے' واللہ اعلم۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے کفار کو کوئی چیز نہیں چھڑا سکتی گو وہ بڑے نیک اور نہایت خرچیلے ہوں گو زمین بھر بھر کر سونا راہ اللہ لٹائیں یا پہاڑوں اور ٹیلوں مٹی اور ریت نرم زمین اور سخت زمین خشکی اور تری کے ہم وزن سونا عذابوں کے بدلے دینا چاہیں دیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس سب کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیے میں دے ڈالے گا' وہ کہے گا ہاں۔ تو جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدمؑ کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو بغیر شرک کئے نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک جنتی کو لایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہو تم نے کیسی جگہ پائی؟ وہ جواب دے گا اے اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اور جو کچھ مانگنا ہو مانگو دل میں جو تمنا ہو کہو' تو یہ کہے گا باری تعالیٰ مجھے صرف یہی تمنا ہے اور میرا ایک ہی سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر شہید کیا جاؤں' دس مرتبہ ایسا ہی ہو۔ کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہے۔ اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! تو نے اپنی جگہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا اے اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹنا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں باری تعالیٰ۔ اس وقت جناب باری تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا۔ چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ پس یہاں فرمایا کہ ان کے لئے تکلیف دہ عذاب ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے چھڑا سکے یا ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذابوں سے نجات دے)۔ آمین ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ تفسیر ابن کثیر اردو کا تیسرا پارہ ختم ہوا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۛ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔

اللہ کے راستہ (اپنی پسندیدہ) میں اچھی چیز صدقہ کی جائے: حضرت عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ "بر" (نیکی و بھلائی) سے یہاں جنت مراد ہے یعنی جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ تمام انصار میں حضرت ابو طلحہؓ سب سے زیادہ مالدار تھے۔ وہ اپنے تمام مال اور جائداد میں "بیر حاء" (نامی باغ) کو جو مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا' سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی اکثر اس باغ میں جایا کرتے تھے۔ اور اس کے کنویں کا عمدہ میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ متذکرہ بالا آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے اور میرا سب سے زیادہ عزیز مال یہی "بیر حا" (نامی باغ) ہے۔ لہذا میں اس کو اس امید میں کہ جو بھلائی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی میرے لئے جمع رہے' اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں' لہذا آپ ﷺ کو اختیار ہے جس طرح مناسب سمجھیں اس کو تقسیم کر دیں۔ آپ ﷺ خوش ہو کر فرمانے لگے کہ "واہ واہ یہ بہت ہی فائدے مند مال ہے اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہو گا پھر فرمایا میری رائے یہ ہے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔" حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ "بہت اچھا" اور پھر اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا (مسند احمد۔ بخاری و مسلم)۔

بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا سب سے زیادہ عزیز اور بہتر مال وہ ہے جو خیبر میں میری زمین کا ایک حصہ ہے (میں اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں) فرمایئے کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اصل (زمین) کو اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار پھل وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دو"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں تلاوت کے دوران اس مذکورہ بالا آیت پر پہنچا تو میں اپنے تمام مال و جائداد کو تصور میں لایا' لیکن مجھے اپنی رومی کنیز سے زیادہ کوئی چیز محبوب تر نظر نہ آئی لہذا میں نے اسی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا (میرے دل میں اسکی اتنی محبت ہے کہ) اگر میں اللہ کی راہ میں دی ہوئی کسی چیز کو واپس لے سکتا تو اس کنیز سے تو ضرور ہی نکاح کر لیتا (مسند بزار)۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

توراۃ کے نزول سے پہلے (حضرت) یعقوبؑ نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے کہو کہ اگر تم سچے ہو

تو توراۃ لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ' اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کی پیروی کرو۔ جو مشرک نہ تھے۔

امام احمدؒ اپنی مسند میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے چند ایسی باتیں پوچھتے ہیں جن کو سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ ان کا جواب دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھو لیکن اللہ کو حاضر ناظر جان کر مجھ سے وہ وعدہ کرو جو حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں (بنی اسرائیل) سے لیا تھا کہ اگر میں نے وہ باتیں تم کو ٹھیک ٹھیک بتادیں، تو تم اسلام لاکر میرے تابع اور فرمانبردار بن جاؤ گے۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ "ہمیں یہ بات منظور ہے۔ اگر آپ ﷺ نے صحیح صحیح جوابات دیدیئے تو ہم ضرور اسلام قبول کرلیں گے۔ اور آپ ﷺ کے فرمانبردار بن جائیں گے"۔ پھر کہنے لگے کہ ہمیں یہ چار باتیں بتلائیے' بتلایئے کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام یعقوب علیہ اسلام نے اپنے اوپر کونسا کھانا حرام کرلیا تھا؟ عورت کا پانی اور مرد کا پانی کیسا ہوتا ہے؟ (اور کیوں) کبھی لڑکا ہوتا ہے کبھی لڑکی؟ اور نبی امی ﷺ کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کونسا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے قسمیں لیں۔ اور پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت اسرائیلؑ سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ عالی شفا دے گا تو سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب شفا یاب ہوگئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ مرد کا پانی سفید رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل پتلا ہوتا ہے دونوں میں سے جو اوپر آجائے اس پر اولاد نر مادہ ہوتی ہے۔ اور شکل و شباہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی امی کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیاءؑ کے پاس آتا رہا۔ یعنی جبرئیلؑ۔ بس اس پر وہ چیخ گئے اور کہنے لگے اگر کوئی اور فرشتہ آپ ﷺ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ ﷺ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ ہر سوال کے جواب کے وقت آپ ﷺ انہیں قسم دیتے اور ان سے دریافت فرماتے اور وہ اقرار کرتے کہ ہاں جواب صحیح ہے۔ انہیں کے بارے میں آیت ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ ﴾ نازل ہوئی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت اسرائیلؑ کو عرق النساء کی بیماری تھی اور اس میں ان کا ایک پانچواں سوال یہ بھی ہے کہ یہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا ہے جس سے بادلوں کو جہاں اللہ کا حکم ہو لے جاتا ہے اور یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔ جبرئیلؑ کا نام سن کر یہ کہنے لگے وہ تو عذاب اور جنگ وجدال کا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے' اگر پیداوار اور بارش کے فرشتہ حضرت میکائیل علیہ اسلام آپ ﷺ کے رفیق ہوتے تو ہم مان لیتے۔ حضرت یعقوبؑ کے رویہ پر ان کی اولاد بھی رہی اور وہ بھی اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ اس آیت کو اگلی آیت سے مناسبت ایک تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسرائیلؑ نے اپنی چہیتی چیز اللہ تعالیٰ کی نذر کردی اسی طرح تم بھی کیا کرو۔ لیکن یعقوبؑ کی شریعت میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کو اللہ کے نام پر ترک کردیتے تھے اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ نہیں بلکہ ہمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی پسندیدہ چیز اللہ عزوجل کے نام پر خرچ کردیا کریں' جیسے فرمایا ﴿ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ اور فرمایا ﴿ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ باوجود محبت اور چاہت کے وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا دیتے ہیں۔ دوسری مناسبت یہ بھی ہے کہ اگلی آیتوں میں نصرانیوں کا رد تھا تو یہاں یہودیوں کا رد ہو رہا ہے۔ ان کے رد میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا صحیح واقعہ بتلا کر ان کے عقیدے کا رد کیا تھا' یہاں نسخ کا صاف بیان کر کے ان کے باطل عقیدے کے رد میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کی کتاب میں صاف موجود تھا کہ جب حضرت نوحؑ کشتی میں سے خشکی پر اترے تو ان پر تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا پھر حضرت یعقوبؑ نے اونٹ کا گوشت اور اونٹ کا دودھ اپنے اوپر حرام کرلیا اور ان کی اولاد بھی اسے حرام جانتی رہی۔ چنانچہ توراۃ میں بھی اس کی

حرمت نازل ہوئی۔ اسی طرح اور بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے؟

ہر نبی کی شریعت اپنی امت کیلئے ہے: حضرت آدم کی صلبی اولاد کا آپس میں بہن بھائی کا نکاح ابتداء ہوتا تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا۔ عورتوں پر لونڈیاں لانا شریعت ابراہیمی میں مباح تھا خود حضرت ابراہیم حضرت سارہؓ پر حضرت ہاجرہؓ کو لائے، لیکن پھر توراۃ میں اس سے روکا گیا۔ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حضرت یعقوبؑ کے زمانہ میں جائز تھا بلکہ خود حضرت یعقوبؑ کے گھر میں بیک وقت دو سگی بہنیں تھیں لیکن پھر توراۃ میں یہ حرام ہو گیا اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ اسے وہ دیکھ رہے ہیں اپنی کتاب میں پڑھ رہے ہیں لیکن پھر نسخ کا انکار کر کے انجیل کو اور حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے اور ان کے بعد ختم المرسلین ﷺ کے ساتھ بھی یہی کرتے ہیں، تو یہاں فرمایا کہ توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے تمام کھانے حلال تھے سوائے اس کے جسے اسرائیل نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا' توراۃ لاؤ اور پڑھو اس میں موجود ہے' پھر باوجود اس کے تمہاری یہ بہتان بازیاں اور افترا پردازیاں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہفتہ ہی کے دن کو ہمیشہ کے لئے عید کا دن مقرر کیا ہے' اور ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ہمیشہ توراۃ کے ہی عامل رہیں اور کسی اور نبی ﷺ کو نہ مانیں' یہ کس قدر ظلم و جور ہے تمام باتوں کے باوجود تمہاری یہ روش یقیناً ظالم و جابر ٹھیراتی ہے'

اللہ تعالیٰ نے سچی خبر دیدی ابراہیمی دین وہی ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے تم اس کتاب اور اس نبی ﷺ کی پیروی کرو' نہ ان سے اعلیٰ کوئی نبی نہ اس سے بہتر اور زیادہ واضح کوئی شریعت' جیسے اور جگہ ہے ﴿ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ الخ اے نبی! تم کہدو کہ مجھے میرے رب نے سیدھی راہ ابراہیم حنیف موحد کے مضبوط دین کی دکھادی ہے' اور جگہ ہے ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف موحد کے دین کی تابعداری کر۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے۔ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے' اس میں جو آ جائے امن والا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر: (مسجد حرام) یعنی لوگوں کی عبادت قربانی طواف نماز اعتکاف وغیرہ کیلئے اللہ کا گھر جسکے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں جنکی تابعداری کا دعوی یہود و نصاری مشرکین اور مسلمان سب کو ہے وہ ہے جو سب سے پہلے مکہ میں بنایا گیا ہے' یہی خلیل اللہ حج کے پہلے منادی ہیں' پھر تعجب اور افسوس ہے ان پر جو ملت حنیفی کا دعوی کریں اور اس گھر کا احترام نہ کریں حج کو یہاں نہ آئیں بلکہ اپنے قبلے اور کعبے الگ الگ کرتے پھریں۔ اس بیت اللہ کی بناوٹ میں ہی برکت ہدایت ہے اور وہ تمام جہان والوں کے لئے ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام' پوچھا پھر کونسی؟ فرمایا مسجد بیت المقدس' پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے؟ فرمایا چالیس سال' پوچھا پھر کونسی؟ آپ ﷺ نے فرمایا

جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے نماز پڑھ لیا کرو ساری زمین مسجد ہے (مسند احمد و بخاری و مسلم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ گھر تو پہلے بہت سے تھے لیکن خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر سب سے پہلا یہی ہے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا گھر یہی بنا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں' ہاں برکتوں اور مقام ابراہیم اور امن والا گھر پہلا یہی ہے۔ بیت اللہ شریف کے بنانے کی پوری کیفیت سورہ بقرہ کی آیت ﴿ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ ﴾ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرمالیجئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں سب سے پہلے روئے زمین پر یہی گھر بنا۔ لیکن صحیح قول حضرت علیؓ کا ہی ہے' اور وہ حدیث جو بیہقی میں ہے جس میں ہے کہ آدمؑ و حوّا نے بحکم اللہ بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں' ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو۔ مکہ شریف کا مشہور نام ہے' چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا' اس لئے اسے بکہ کہا گیا' اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے' اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مرد ان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں فج سے تنعیم تک تو مکہ ہے اور بیت اللہ سے بطحاء تک بکہ ہے۔ بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے' بیت اللہ اور اس کے آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں' مثلاً بیت العتیق' بیت الحرام' بلد الامین' بلد المامون' ام رحم' ام القریٰ' صلاح' عرش' قادس' مقدس' ناسہ' باسہ رائس' کوثاء' البلدہ' النبیہ' الکعبہ۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و شرافت پر دلیل ہیں اور جن سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ کی بناء یہی ہے۔ اس میں مقام ابراہیم بھی ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت اسماعیلؑ سے پتھر لے کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ کی دیوار اونچی کر رہے تھے۔ یہ پہلے تو بیت اللہ شریف کی دیوار سے لگا ہوا تھا' لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے ذرا ہٹا کر مشرق رخ کر دیا تھا کہ طواف پوری طرح ہو سکے اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان پر تشویش اور بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ اسی کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اس کے متعلق بھی پوری تفسیر ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ ﴾ الخ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے ﴿ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم ہے باقی اور ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہؑ کے نشان قدم جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیات بینات میں سے ہے۔ کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکان حج کو بھی مقام ابراہیم کی تفسیر میں مفسرین نے داخل کیا ہے۔

امن کی جگہ: اس میں آنے والا امن میں آ جاتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی مکہ امن والا رہا' باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا ﴾ الخ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا۔ اور جگہ ہے ﴿ وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾ ہم نے انہی خوف سے امن دیا' نہ صرف انسان کو امن ہے بلکہ شکار کرنا' بلکہ شکار کو بھگانا' اسے خوف زدہ کرنا' اسے اس کے ٹھکانے یا گھونسلے سے ہٹانا اور اڑانا بھی منع ہے۔ اس کے درخت کاٹنا' یہاں کی گھاس اکھیڑنا بھی ناجائز ہے۔ اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وغیرہ پورے بسط کے ساتھ آیت ﴿ وَعَهِدْنَآ ﴾ الخ کی تفسیر میں سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

مسند احمد' ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے جسے امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کو ساری زمین سے بہتر اور پیارا ہے اگر میں زبردستی تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ اور

اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جہنم سے بچ گیا۔ بیہقی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جو بیت اللہ میں داخل ہوا اور وہ نیکی میں آیا اور برائیوں سے دور ہوا اور گناہ بخشدیا گیا لیکن اس کے ایک راوی عبداللہ بن مومل قوی نہیں ہیں۔

حج کی فرضیت: آیت کا یہ آخری حصہ حج کی فرضیت کی دلیل ہے بعض کہتے ہیں ﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ والی آیت دلیل فرضیت ہے لیکن اول بات زیادہ ظاہر ہے۔ کئی ایک احادیث میں وارد ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اسکی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت والے مسلمان پر حج فرض ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تم حج کرو۔ ایک شخص نے پوچھا حضور! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا پھر بجا نہ لا سکتے جو نہ کہوں تم اس کی پوچھ پاچھ نہ کرو تم سے اگلے لوگ سوالوں کی بھرمار سے اور نبیوں پر اختلاف کرنے سے ہلاک ہو گئے۔ میرے حکموں کو طاقت بھر بجا لاؤ اور جس چیز سے میں منع کروں اس سے رک جاؤ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف کی اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی ہے کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابسؓ تھے اور حضور ﷺ نے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور پھر نفل۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسی سوال کے بارے میں آیت ﴿ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ﴾ یعنی زیادتی سوال سے بچو نازل ہوئی (مسند احمد)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر میں ہاں کہتا اور ہر سال حج واجب ہوتا تو نہ بجا لا سکتے اور پھر عذاب نازل ہوتا (ابن ماجہ)۔

ہاں حج میں تمتع کرنے کا جواز حضور ﷺ نے ایک سائل کے سوال پر ہمیشہ کے لئے جائز فرمایا تھا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجتہ الوداع میں امہات المومنینؓ یعنی اپنی بیویوں سے فرمایا تھا حج ہو چکا اب گھر سے نہ نکلنا۔ رہی استطاعت اور طاقت سو وہ کبھی تو خود انسان کو بغیر کسی ذریعہ کے ہوتی ہے کبھی کسی اور کے واسطے سے جیسے کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! حاجی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پراگندہ بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں والا۔ ایک اور نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا حج افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس میں قربانیاں کثرت سے کی جائیں اور لبیک زیادہ پکارا جائے۔ ایک اور شخص نے سوال کیا حضور! سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا توشہ بھتہ کھانے پینے کے لائق خرچ اور سواری۔ اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کے متابعت اور سندوں سے بھی ہے۔ بہت سے صحابیوںؓ سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ﴿ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ کی تفسیر میں زاد و راحلہ یعنی توشہ اور سواری بتلائی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کیا پیش آئے۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس کے پاس تین سو درہم ہوں وہ طاقت والا ہے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے۔

حج کا انکار کفر ہے: پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین تلاش کرے اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ تو یہودی کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے تم بھی حج کرو، تو وہ صاف انکار کر بیٹھے، جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھانے پینے اور سواری پر قدرت رکھتا ہو اتنا مال اس کے پاس ہو پھر حج نہ کرے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت پر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے جو اس کے راستہ کی طاقت رکھیں اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔ اس کے راوی پر بھی کلام

ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں طاقت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔ اس کی سند بالکل صحیح ہے (حافظ ابوبکر اسماعیلی)۔ مسند سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا میرا قصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ (۹۸) قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۹۹)

کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

یہودیوں کا دین اسلام کی حقانیت سے انکار: اہل کتاب کے کافروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے جو حق سے عناد کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا، اگلے انبیاءؑ اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں۔ نبی امی ہاشمی عربی مکی مدنی سید اولاد آدم خاتم الانبیاء رسول رب ارض و سما ﷺ کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود تھا پھر بھی اپنی بے ایمانی پر اڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم النبیین کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے مخلص بندوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو۔ میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا۔ اس دن پکڑوں گا جس دن کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ (۱۰۰) وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۰۱) ع

اے ایماندارو! اگر تم اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تم کو تمہاری ایمانداری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔ (گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ "تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں" جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لے وہی راہ راست دکھایا جائے گا۔

اہل کتاب کی باتیں ماننا گمراہی ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اہل کتاب کے اس بد باطن فرقہ کی اتباع کرنے سے روک رہا ہے کیونکہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور عرب کی رسالت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ ﴾ الخ یہ لوگ جل بھن رہے ہیں اور تم کو ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں تم ان کے بھرّوں میں نہ آ جانا' گو کفر تم سے بہت دور ہے لیکن تاہم میں

تم کو آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات دن رات تم میں پڑھی جارہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ﷺ تم میں موجود ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ مَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ﴾ الخ تم ایمان کیوں نہ لاؤ گے رسول ﷺ تم کو تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں اور تم سے عہد بھی ہو چکا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز اپنے اصحابؓ سے پوچھا تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو وحی الٰہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا پھر ہم۔ فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں۔ صحابہؓ نے کہا پھر حضور خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے (امام ابن کثیرؒ نے اس حدیث کی سندوں کا اور اس کے معنی مطلب کا پورا بیان شرح صحیح بخاری میں کر دیا ہے' (فالحمد للہ)۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے دین الٰہی کو تھام رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے اس سے گمراہی دور ہوتی ہے یہی رشد و رضا کا باعث ہے اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا' اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر اپنی مہربانی سے تم کو بھائی بھائی بنادیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے اس نے تم کو بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے: اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے اس کا شکر کیا جائے کفر نہ کیا جائے۔ بعض روایتوں میں یہ تفسیر مرفوع بھی مروی ہے لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے' واللہ اعلم۔ حضرت انسؓ کا فرمان ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق نہیں بجا لاسکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس دوسری آیت میں فرمادیا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہو اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو عدل پر جم جاؤ یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی

عدل و انصاف برتا کرو۔ پھر بتایا کہ اسلام ہی پر مرنا یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا تاکہ موت بھی اسی پر آئے۔ اس رب کریم کی عادت یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی جیسی رکھے ویسی ہی اسے موت آتی ہے اور جس موت مرے اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے خلاف سے اپنی پناہ میں رکھے' آمین۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباسؓ بھی وہاں تھے ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی' بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی روزیاں بگڑ جائیں وہ کوئی چیز کھا پی نہ سکیں پھر خیال کرو کہ ان دوزخیوں کا کیا حال ہوگا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہوگا۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود اپنے لئے چاہتا ہو (مسند احمد)۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا (مسلم)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس کے گمان کے پاس ہی ہوں اگر اس کا میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا (مسند احمد)۔ اس حدیث کا اگلا حصہ بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک بیمار انصاریؓ کی بیمار پرسی کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں؟ اس نے کہا الحمدللہ اچھا ہوں رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اس کے عذابوں سے ڈر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو ایسے وقت جس دل میں خوف و طمع دونوں ہوں اسے اللہ تعالیٰ اس کی امید کی چیز دیتا ہے اور ڈر خوف کی چیز سے بچاتا ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ میں کھڑے کھڑے ہی گروں۔ اس کا مطلب امام نسائی نے تو سنن نسائی میں باب باندھ کر بیان کیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہئے' اور یہ معنے بھی بیان کئے گئے ہیں کہ نہ مروں میں مگر مسلمان ہو کر' اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں میں پیٹھ دکھاتا ہوا نہ مارا جاؤں۔

فرقہ بندی کی ممانعت: پھر فرمایا اتفاق کرو اختلاف سے بچو۔ حبل اللہ سے مراد عہد رب تعالیٰ ہے' جیسے ﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ الخ میں بعض کہتے ہیں مراد قرآن ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ کتاب اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے' یہ ظاہر نور ہے' یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے' اس پر عمل کرنے والے کیلئے یہ بچاؤ ہے' اس کی تابعداری کرنے والے کے لئے یہ نجات ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں تم رب کے راستے پر آجاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے اختلاف نہ کرو پھوٹ نہ ڈالو جدائی نہ کرو' فرقت سے بچو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے وہ ناخوش ہوتا ہے' ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ "کسی کو شریک نہ کرو' دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو تفرقہ نہ ڈالو۔ تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیرخواہی کرو۔ فضول بکواس' زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں' بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہے کہ اتفاق کے وقت وہ خطا سے بچ جائیں گے۔ اور بہت سی احادیث میں نااتفاقی سے ڈرایا بھی ہے۔ لیکن باوجود اسکے امت میں اختلاف افتراق پڑا ان کے تہتر فرقے ہوگے۔ جن میں سے ایک نجات پا کر جنتی ہوگا اور جہنم کے عذابوں سے بچ رہیگا' اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر قائم ہوں جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ تھے۔

پھر اپنی نعمت یاد دلائی۔ جاہلیت کے زمانہ میں اوس وخزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل ایک ہو گئے سب حسد بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو گئے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ هُوَ الَّذِىْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ الخ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تیری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی الخ۔ اپنا دوسرا احسان ذکر کرتا ہے کہ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور تمہارا کفر تم کو اس میں دھکیل دیتا لیکن اسلام کی توفیق عطا فرما کر میں نے تم کو اس سے بھی الگ کر لیا۔ حنین کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضور ﷺ نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی ناملائم الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضور ﷺ نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا۔ اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعت انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو ہدایت دی؟ کیا تم متفرق نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ کیا تم فقیر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟ ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت اور اللہ کا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب اوس وخزرج جیسے صدیوں کے آپس کے دشمنوں کو یوں بھائی بھائی بنا ہوا دیکھا تو یہودیوں کی آنکھوں میں خار کھٹکنے لگا' انہوں نے آدمی مقرر کئے کہ وہ ان کی بیٹھک اور مجلس میں جایا کریں اور اگلی لڑائیاں اور پرانی عداوتیں انہیں یاد دلائیں تازہ کرائیں اس طرح انہیں بھڑکائیں۔

چنانچہ ان کا یہ داؤ ایک مرتبہ چل بھی گیا اور دونوں قبیلوں میں پرانی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں کھچ گئیں' ٹھیک دو جماعتیں ہو گئیں اور وہی جاہلیت کے نعرے لگنے لگے ہتھیار بجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اور یہ ٹھیر گیا کہ حرہ کے میدان میں جا کر دل کھول کر لڑیں اور داد مردانگی دیں اور پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کریں۔ لیکن حضور ﷺ کو پتہ چل گیا آپ ﷺ فوراً موقعہ پر تشریف لائے اور دونوں گروہوں کو ٹھنڈا کیا اور فرمانے لگے پھر جاہلیت کے نعرے تم لگانے لگے۔ میری موجودگی میں ہی تم نے پھر کھچ کھچاؤ شروع کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی' سب نادم ہوئے اور اپنی دو گھڑی پہلے کی حرکت پر افسوس کرنے لگے اور آپس میں نئے سرے سے معانقہ مصافحہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح وصفائی ہو گی۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقہؓ پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی اور آپؓ کی برات نازل ہوئی تھی' تب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تن گئے تھے' فاللہ اعلم۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۰۴ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۰۵ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۱۰۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ

وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور میرے کاموں سے روکتی رہے۔ یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا۔ انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔ سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوں گے۔ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے نبی! ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت تجھ پر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والی جماعت: حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اس جماعت سے مراد خاص صحابہؓ اور خاص راویان حدیث ہیں یعنی مجاہدین اور علماء۔ ابو جعفر باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا خیر سے مراد قرآن و حدیث کی اتباع ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہر ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کر دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے اسے متغیر کرے یہ ضعیف ایمان ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں (صحیح مسلم)۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا پھر تم دعائیں کرو لیکن قبول نہ ہوں گی۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کسی اور مقام پر ذکر کی جائیں گی' انشاء اللہ تعالیٰ۔

دین میں اختلاف کرنا جہنم کا سبب ہے: پھر فرماتا ہے کہ تم اگلے لوگوں کی طرح افترق و اختلاف نہ کرنا تم نیک باتوں کا حکم اور خلاف شرع باتوں سے روک تھام کو نہ چھوڑنا۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ حج کے لئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے یعنی خواہشات میں سب کے سب جہنمی ہیں مگر ایک اور وہ جماعت ہے اور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی رگ رگ میں اس طرح نفسانی خواہشات گھس جائیں گی جس طرح کتے کا کاٹا ہوا انسان جس کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں۔

قیامت کے دن جنتی اور جہنمی اپنی چہروں سے پہچانے جائیں گے: پھر فرمایا اس دن سفید چہرے ہوں گے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل سنت والجماعت کے منہ سفید نورانی ہوں گے اور اہل بدعت و فرقت کے کالے منہ ہوں گے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کالے منہ والے منافق ہوں گے جن سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیوں کیا اب اس

کا مزہ چکھو' اور سفید منہ والے رحمت ربانی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابوامامہؓ نے جب خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنم کے کتے ہیں ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں' پھر آیت ﴿ یَوْمَ تَبْیَضُّ ﴾ تلاوت فرمائی۔ ابوغالب نے کہا کیا جناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ' اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہیں۔ ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے لیکن سند غریب ہے۔ دنیا و آخرت کی یہ باتیں ہم تم پر اے نبی اکھول رہے ہیں اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو آپ خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے پھر نا ممکن ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے (کالے منہ جن کے ہوئے وہ اسی لائق تھے) زمین اور آسمان کی کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف سے ہے۔ متصرف اور بااختیار حاکم دنیا اور آخرت کا وہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا' ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔ یہ لوگ تم کو ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اگر لڑائی کا موقعہ آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے۔ پھر مدد نہ کئے جائیں گے۔ یہ ہر جگہ ہی ذلیل ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں یہ غضب رب تعالیٰ کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے۔ یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا۔

امت محمد یہ ﷺ تمام امتوں سے بہتر ہے: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمد یہ ﷺ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔ اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو۔ ابولہب کی بیٹی حضرت درہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا' آپ ﷺ اس وقت منبر پر تھے کہ حضور! کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو'

سب سے زیادہ پرہیزگار ہو' سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا' سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو (مسند احمد)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ وہ صحابہؓ ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں ساری امت شامل ہے' ہاں بیشک یہ حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ پھر اس کے بعد والا۔ ایک اور روایت میں ہے ﴿ و کَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ الخ ہم نے تم کو بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم نے اگلی امتوں کی تعداد کو ستر تک پہنچادیا ہے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو۔ یہ مشہور حدیث ہے امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبی ﷺ کی افضلیت ہے۔ آپ ﷺ تمام مخلوق کے سردار تمام رسولوں سے زیادہ اکرام و عزت والے ہیں' آپ ﷺ کی شرع اتنی کامل اور اتنی پوری ہے کہ ایسی شریعت کسی نبی کی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ ان فضائل کو سمیٹنے والی امت بھی امتوں میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے بہتر و افضل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اعجاز: حضرت علی بن ابو طالبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں وہ وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں' میرا نام احمد رکھا گیا ہے' میرے لئے مٹی پاک کی گئی ہے' میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے (مسند احمد)۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں میں نے ابوالقاسم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت کھڑی کرنے والا ہوں جو راحت پر حمد و شکر کریں گے اور مصیبت پر طلب ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں حلم و علم نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟ رب العالمین نے فرمایا میں انہیں اپنا حلم و علم عطا فرماؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر بعض وہ حدیثیں بھی بیان کر دوں جن کا یہاں ذکر مناسب ہے۔ سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے' سب یک دل ہوں گے۔ میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ اس تعداد میں اور اضافہ فرما۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی' حضرت صدیق اکبرؓ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آ جائیں گے (مسند احمد) حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے میرے رب نے ستر ہزار آدمیوں کو میری امت میں سے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا حضور! کچھ اور زیادتی طلب کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوشخبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ فاروقؓ نے کہا حضور! اور برکت کی دعا کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے پھر کی تو ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار کا وعدہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پھر گزارش کی کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اور کچھ بھی مانگتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مانگا تو مجھے اتنی زیادتی اور ملی' پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتلایا کہ اس طرح۔ راوی حدیث کہتے ہیں اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی (فسبحان اللہ وبحمدہ) (مسند احمد۔)

حضرت ثوبانؓ حمص میں بیمار ہو گئے عبداللہ بن قرط وہاں کے امیر تھے وہ عیادت کو نہ آسکے ایک کلاعی شخص جب آپکی بیمار پرسی کے لئے گیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ لکھنا جانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا لکھو یہ خط ہے امیر عبداللہ بن قرط کی طرف

ثوبان کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کے خادم ہیں' بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ اگر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ کا کوئی خادم یہاں ہوتا اور بیمار پڑتا تو تم عیادت کے لئے جاتے۔ پھر کہا یہ خط لے جاؤ اور امیر کو پہنچا دو۔ جب یہ خط امیر حمص کے پاس پہنچا تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے یہاں تشریف لائے کچھ دیر بیٹھ کر عیادت کر کے جب جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ثوبانؓ نے ان کی چادر پکڑ کر روکا اور فرمایا کہ ایک حدیث سنتے جاؤ۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے جنت میں جائیں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (مسند احمد)۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ایک رات ہم خدمت نبوی ﷺ میں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سنو آج رات انبیاء اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے بعض نبیؑ کے ساتھ صرف تین شخص تھے بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ بعض کے ساتھ ایک جماعت کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا جب موسیٰ علیہ سلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے مجھے یہ جماعت پسند آئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ سلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ جواب ملا اپنی داہنی طرف دیکھو۔ اب جو دیکھتا ہوں تو بے شمار مجمع ہے جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں' اب مجھ سے پوچھا گیا کہو خوش ہو۔ میں نے کہا میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اب نبی ﷺ نے فرمایا (آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضور! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابیؓ نے بھی اٹھ کر یہی گزارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم پر (حضرت) عکاشہ سبقت کر گئے۔

دم جھاڑ انہ کروانا اور صرف اللہ پر توکل کرنا: اب ہم آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑا نہیں کراتے' آگ کے داغ نہیں لگواتے' شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (مسند احمد)۔ ایک اور سند سے اتنی زیادتی اس میں اور بھی ہے کہ جب میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو مجھ سے کہا گیا اب اپنی بائیں جانب دیکھو۔ میں نے دیکھا تو بے شمار مجمع ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھی ڈھک لیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ موسم حج کا یہ واقعہ ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں مجھے اپنی امت کی یہ کثرت بہت پسند آئی تمام پہاڑیاں اور میدان ان سے پر تھے (مسند احمد)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہؓ کے بعد کھڑے ہونے والے ایک انصاری تھے' (طبرانی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے سب ایک ساتھ جنت میں جائیں گے چمکتے ہوئے چودھویں رات کے چاند جیسے ان کے چہرے ہوں گے (بخاری' مسلم' طبرانی)۔

حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں سعید بن جبیرؒ کے پاس تھا تو آپ نے دریافت کیا رات کو جو ستارہ ٹوٹا تھا تم میں سے کسی نے دیکھا تھا' میں نے کہا ہاں حضرت میں نے دیکھا تھا یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نماز میں تھا نہیں بلکہ مجھے بچھو نے کاٹ کھایا تھا۔ حضرت سعیدؒ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا دم کر دیا تھا کہا کیوں؟ میں نے کہا حضرت شعبیؒ نے بریدہ بن حصیبؓ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ نظر بد اور زہریلے جانوروں کا دم جھاڑا کرنا جائز ہے۔ کہنے لگے خیر جسے جو پہنچے اس پر عمل کرے ہمیں تو حضرت ابن عباسؓ نے سنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت تھی کسی کے ساتھ ایک شخص اور دو

شخص اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا اب جو دیکھا کہ ایک بڑی جماعت پر نظر پڑی میں سمجھا یہ تو میری امت ہو گی پھر معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ سلام کی امت ہے مجھے سے کہا گیا آسمان کے کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بیشمار لوگ تھے مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضور ﷺ تو مکان پر چلے گئے اور صحابہؓ آپس میں کہنے لگے شاید یہ حضور ﷺ کے صحابی ہوں گے۔ کسی نے کہا نہیں اسلام میں پیدا ہونے والے اور اسلام پر ہی مرنے والے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑا کریں نہ کرائیں نہ داغ لگوائیں نہ شگون لیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ حضرت عکاشہؓ نے دعا کی درخواست کی' آپ ﷺ نے دعا کی کہ یااللہ! تو اسے ان میں سے کر لے۔ پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ آگے بڑھ گئے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے لیکن اس میں دم جھاڑا کرنے کا لفظ نہیں' صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔

ایک اور مطول حدیث میں ہے کہ پہلی جماعت تو نجات پائیگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے ان سے حساب بھی نہ لیا جائے گا پھر ان کے بعد والے سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چمکدار چہرے والے ہوں گے (مسلم)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے داخل بہشت ہوں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے اور تین لپیں اور میرے رب عزوجل کی لپوں سے (کتاب السنن لحافظ ابی بکر بن عاصم)۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے ستر ہزار کی تعداد سن کر یزید بن اخنسؓ نے کہا حضور! یہ تو آپ ﷺ کی امت کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر ہزار کے ساتھ ہزار اور ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے تین لپیں بھر کر اور بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس کی اسناد بھی حسن ہیں (کتاب السنن)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جائیگا پھر ایک ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں بھر کر اور ڈالیگا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں بیٹیوں اور خاندان وقبیلہ میں ہو گی اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی لپوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائیگا۔ (طبرانی) اس حدیث کی سند میں بھی کوئی علت نہیں' واللہ اعلم۔ کدید میں حضور ﷺ نے ایک حدیث فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا یہ ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے میرا خیال ہے کہ ان کے آتے آتے تو تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں اور بیویوں کے لئے جنت میں جگہ مقرر کر چکے ہو گے (مسند احمد) اس کی سند بھی شرط مسلم پر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا حضور! کچھ اور زیادہ کیجئے۔ اسے سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ابو بکرؓ بس کرو۔ صدیقؓ نے جواب دیا کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں تو آپ کو کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا عمرؓ سچ کہتے ہیں (مسند عبدالرزاق)۔ اسی حدیث کا اور سند سے بھی بیان ہے اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے (اصبہانی)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہؓ نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر اللہ کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بدقسمتی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے (ابویعلی)۔ اوپر والی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان ہوئی ہے اس میں تعداد تین لاکھ کی ہے پھر حضرت عمرؓ کا قول اور حضور ﷺ کی تصدیق کا بیان ہے (طبرانی) ایک اور حدیث میں جنت میں جا

نے والوں کا ذکر کر کے حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کے سارے مہاجر تو اس میں آ ہی جائیں گے پھر باقی تعداد اعرابیوں سے پوری ہو گی (محمد بن سہل)۔ حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں حضور ﷺ کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی۔ ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جان محمد (ﷺ) کی اس کے ہاتھ میں ہے تم ایک اندھیری رات کی طرح بے شمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے زمین تم سے پر ہو جائے گی فرشتے پکار اٹھیں گے کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ جو جماعت آئی وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا صرف میری تابعدار امت اہل جنت کی چوتھائی ہو گی۔ صحابہؓ نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا پھر فرمایا کہ مجھے تو امید ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو جاؤ۔ ہم نے پھر تکبیر کہی پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم آدھوں آدھ ہو جاؤ۔ (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو۔ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی۔ پھر فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو۔ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو جاؤ گے (بخاری و مسلم) طبرانی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھا حصہ بننا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین اور چوتھائیوں میں تمام اور امتیں ہوں؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تہائی حصہ ہو تو۔ ہم نے کہا یہ بہت ہے۔ فرمایا کہو اگر آدھوں آدھ ہو تو۔ انہوں نے کہا حضور! پھر تو بہت ہی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! کل اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی صفیں صرف اس میری امت کی ہیں۔ مسند احمد میں بھی ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں ان میں اسی صفیں صرف اس امت کی ہیں۔ یہ حدیث طبرانی ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔

طبرانی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب آیت ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اہل جنت کی چوتھائی ہو، پھر فرمایا بلکہ ثلث ہو، پھر فرمایا بلکہ نصف ہو، پھر فرمایا دو تہائی ہو (اے وسیع رحمتوں والے اور بے روک نعمتوں والے اللہ تعالیٰ! ہم تیرا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ایسے معزز و محترم رسول ﷺ کی امت میں پیدا کیا تیرے سچے رسول ﷺ کی سچی زبان سے تیرے اس بڑھے چڑھے فضل و کرم کا حال سن کر ہم گنہگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اللہ تعالیٰ! ہماری آس نہ توڑ اور ہمیں بھی ان نیک ہستیوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما، باری تعالیٰ تیری رحمت کی ان گنت اور بے شمار بندوں سے اگر ایک قطرہ بھی ہم گنہگاروں پر برس جائے تو ہمارے گناہوں کو دھو ڈالنے اور ہمیں تیری رحمت و رضوان کے لائق بنانے کیلئے کافی ہے، اے اللہ اس پاک ذکر کے موقعہ پر ہم ہاتھ اٹھا کر دامن پھیلا کر آنسو بہا کر امیدوں بھرے دل سے تیری رحمت کا سہارا لے کر تیرے کرم کا دامن تھام کر تجھ سے بھیک مانگتے ہیں تو قبول فرما اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنی رضامندی کا گھر جنت الفردوس عطا فرما، آمین الہ الحق آمین)۔

جنت میں سب پہلے امت محمدیہ کا داخلہ ہوگا: صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں سب سے آخر آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اور ان کو کتاب اللہ پہلے ملی ہمیں بعد میں ملی جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی، جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے بھی پیچھے اتوار کے دن۔ دار قطنی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں انبیاء پر دخول جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو دوسری امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔ یہ تھیں وہ حدیثیں جنہیں ہم اس آیت کے تحت میں وارد کرنا چاہتے تھے فالحمد للہ۔ امت کو بھی چاہئے کہ یہاں اس آیت میں جتنی صفتیں ہیں ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر اور ایمان باللہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ اوصاف بھی اپنے میں پیدا کرو امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے' جن کی مذمت کلام اللہ نے کی' فرمایا ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ﴾ وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو روکتے نہ تھے۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمانداروں کی تعریف و توصیف بیان ہوئی تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے نبی آخر الزمان ہونے پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں لیکن ان میں کے اکثر تو کفر و فسق و عصیان پر جمے ہوئے ہیں ہاں کچھ لوگ باایمان بھی ہیں۔

ایمان والے غالب رہیں گے: پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا اللہ تم کو تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا۔ چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنو قینقاع' بنو نضیر' بنو قریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل و پست کیا۔ اسی طرح شام کے نصرانی' صحابہؓ کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے کلیتہً نکل گیا اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰؑ کے آنے تک حق پر قائم رہے گی۔ حضرت عیسیٰؑ آ کر ملت اسلام پر اور شریعت محمد ﷺ کے مطابق حکم کریں گے صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ قبول نہ کریں گے صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی کہیں بھی امن و امان اور عزت نہیں ہاں اللہ کی پناہ کے ساتھ یعنی جب جزیہ دینا اور مسلم بادشاہ کی اطاعت کرنا قبول کر لیں اور لوگوں کو پناہ یعنی عقد ذمہ مقرر ہو جائے یا کوئی مسلمان امن دیدے اگرچہ کوئی عورت ہو بلکہ اگرچہ کوئی غلام ہو علماء کا ایک قول یہ بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حبل سے مراد عہد ہے۔ غضب کے مستحق ہو گئے۔ مسکینی چپکا دی گئی یہ ان کا کفر' ان کا قتل انبیاءؑ ان کا تکبر' حسد' سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے۔ اسی باعث ان پر ذلت پستی اور مسکینی ہمیشہ کے لئے ڈال دی گئی۔ ان کی نافرمانیوں اور تجاوز حق کا یہ بدلہ ہے' العیاذ باللہ۔ ابو داؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

یہ سارے کے سارے برابر نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں یہ نیک بخت لوگ ہیں۔ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں رب کے ہاں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل نفع نہ دے گا: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اہل کتاب اور اصحاب محمد ﷺ برابر نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں ایک مرتبہ دیر لگا دی۔ پھر جب آئے تو جو اصحاب منتظر تھے ان سے فرمایا ''کسی دین والا اس وقت ذکر اللہ نہیں کر رہا صرف تم ہی ذکر اللہ میں ہو''۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اہل کتاب کے علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت اسد ابن عبید، حضرت ثعلبہ بن شعبہؓ وغیرہ کے بارے میں یہ آیت اتری کہ یہ لوگ ان اہل کتاب میں شامل نہیں جن کی مذمت پہلے گزری، بلکہ یہ باایمان جماعت امر اللہ پر قائم ہے شریعت محمدیہ کی تابع ہے، استقامت و یقین اس میں ہے۔

یہ پاک باز لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان ہی باتوں کا حکم کرتے ہیں، ان کے خلاف سے روکتے ہیں نیک کاموں میں پیش پیش رہا کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں خطاب عطا فرماتا ہے کہ یہ صالح لوگ ہیں۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا ﴿ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ الخ بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اس قرآن پر اور توراۃ و انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں الخ۔ یہاں بھی فرمایا کہ ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے بلکہ پورا بدلہ ملے گا۔

تمام پرہیزگار لوگ اللہ کی نظروں میں ہیں وہ کسی کے اچھے عمل کو برباد نہیں کرتا۔ ہاں ان بے دین لوگوں کو اللہ کے ہاں نہ مال نفع دے نہ اولاد یہ تو جہنمی ہیں۔ صر کے معنی سخت سردی کے ہیں جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے۔ غرض جس طرح کسی کی تیار کھیتی پر پالا پڑے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے، نفع چھوڑ اصل بھی غارت ہو جائے اور امیدوں پر پانی پھر جائے اسی طرح یہ کفار ہیں۔ جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں، اس کا نیک بدلہ تو کہاں بلکہ، اور عذاب ہو گا۔ یہ کچھ اللہ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ⑩

اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود انکی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو)۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟ یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے رہتے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے۔ تم کو اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تم کو نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔

کافر مسلمانوں کے دوست نہیں ہیں: اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہمرازی سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں میں بہل نہ جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنس نہ جانا ورنہ موقعہ پا کر یہ تم کو سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے تم انہیں اپنا رازدار ہرگز نہ سمجھنا راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا ﴿ بطانۃ ﴾ کہتے ہیں انسان کے رازدار دوست کو اور ﴿ مِنْ دُوْنِكُمْ ﴾ سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں۔ بخاری وغیرہ میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کیلئے دو بطانہ مقرر کئے ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دینے والا دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس پھر اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو میں غیر مومن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ نے منع کیا ہے۔ اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ انکی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انس ؓ سے حدیثیں سنتے تھے اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصری ؒ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت انس ؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ انہوں نے آ کر خواجہ صاحب سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو۔ دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دار اپنے سوا دوسروں کو ہمراز نہ بناؤ (ابویعلی) لیکن خواجہ صاحب کی یہ تشریح قابل غور ہے۔ حدیث کا ٹھیک مطلب غالباً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ۔ چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے یہ اس لئے تھا کہ حضور ﷺ کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی بستی کے پاس نہ رہو ان کے پڑوس سے دور رہو ان کے شہروں سے ہجرت کر جاؤ جیسے ابوداؤد میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بس وہ بھی انہی جیسا ہے۔

پھر فرمایا ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت ٹپک رہی ہے ان کے چہروں سے بھی قیافہ شناس ان کی باطنی خباثتوں کو معلوم کر سکتا ہے پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف صاف بیان کر دیا ہے عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔ پھر فرمایا دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تم کو نہ چاہیں' تمہارا ایمان کل

کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں' ان کی کتاب کو تم مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں' تو چاہیئے یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سامنا ہو جائے تو اپنی ایمان داری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہرداری پر خوش نہ ہونا چاہیئے۔ یہ گو جلتے جھلتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی ہی دیتا رہے گا' یہ دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں۔ اللہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دونی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت میں پائیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تم کو کوئی نفع پہنچا اور یہ کلیجہ مسوسنے لگے اور اگر اللہ نہ کرے تم کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل گئیں بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگے' اگر اللہ کی طرف سے مومنوں کی مدد ہوئی یہ کفار پر غالب آئے انہیں غنیمت کا مال ملا یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آ گئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔

اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو اللہ خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔ جو اس پر توکل کرے اسے وہ کافی ہے۔ اسی مناسبت سے اب جنگ احد کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے صبر و تحمل کا بیان ہے اور جس میں آزمائش اللہ کا پورا نقشہ ہے اور جس میں مومن و منافق کی ظاہر تمیز ہے۔ سنیئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے نبی تو اسوقت کو بھی یاد کر جب صبح ہی صبح تو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے موقعہ پر باقاعدہ بٹھا رہا تھا اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔ جب تمہاری دو جماعتیں سستی کا ارادہ کر چکی تھیں اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے۔ اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے عین اسوقت تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ فقط اللہ ہی سے ڈرتے رہا کرو (نہ کسی اور سے) تاکہ تم کو شکر گزاری کی توفیق ہو (اور یہ شکر گزاری باعث نصرت و امداد ہو)

جنگ احد کے واقعات: یہ احد کے واقعہ کا ذکر ہے گو بعض مفسرین نے اسے جنگ خندق کا قصہ بھی کہا ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ واقعہ جنگ احد کا ہے جو ۳ھ ۱۱ شوال بروز ہفتہ پیش آیا تھا۔ جنگ بدر میں مشرکین کو کامل شکست ہوئی تھی ان کے سردار موت کے گھاٹ اترے تھے اب اس کا بدلہ لینے کے لئے مشرکین نے بڑی بھاری تیاری کی۔ تمام وہ تجارتی مال جو بدر والی لڑائی کے موقعہ پر دوسرے راستے سے بچ کر آ گیا تھا وہ سب اس لڑائی کے لئے روک رکھا تھا اور چوطرف سے لوگوں کو جمع کر کے تین ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کیا اور

پورے سازو سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مالک بن عمرو ؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی جو قبیلہ بنی نجار میں سے تھے پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کی مدافعت کی کیا صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟ تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے اگر وہ آئے اور ٹھیرے تو گویا جیل خانہ میں آگئے رکے کھڑے رہیں اور اگر مدینہ میں گھسے تو ایک طرف سے ہمارے بہادروں کی تلواریں ہوں گی دوسری جانب سے تیر اندازوں کے بے پناہ تیر ہوں گے پھر اوپر سے عورتوں اور بچوں کی سنگ باری ہوگی۔ "اور اگر یونہی لوٹ گئے تو بربادی اور خسارے کے ساتھ لوٹیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف بعض ان صحابہ ؓ کی رائے تھی جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے یہ زور لگا رہے تھے کہ مدینہ کے باہر جا کر میدان میں خوب دل کھول کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر آئے۔ ان اصحابہ ؓ کو اب خیال ہوا کہ کہیں ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کے خلاف منشا تو میدان کی لڑائی پر زور نہیں دیا' اس لئے یہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ اگر یہیں ٹھیر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجئے ہماری جانب سے کوئی اصرار نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کے نبی کو لائق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے اب تو میں نہ لوٹوں گا جب تک کہ وہ نہ ہو جائے جو اللہ کو منظور ہو۔ چنانچہ ایک ہزار کا لشکر لیکر آپ مدینہ شریف سے نکل کھڑے ہوئے۔ شوط پر پہنچ کر اس منافق عبداللہ بن ابی نے دغابازی کی اور اپنی (۳۰۰) تین سو کی جماعت کو لے کر واپس مڑ گیا۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی تو ہونے کی نہیں خواہ مخواہ زحمت کیوں اٹھائیں؟ آنحضرت ﷺ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرام ؓ کو لیکر آپ نے احد پہاڑ کا رخ کیا۔ پہاڑ کو پیٹھ کی طرف کر کے دامن کوہ میں لشکر کو اتارا حکم دیدیا کہ جب تک میں نہ کہوں لڑائی شروع نہ کرنا پچاس تیرانداز صحابیوں کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کو بنایا اور ان سے فرمادیا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے نہ آجائے دیکھو ہم غالب آجائیں یا اللہ نہ کرے مغلوب ہو جائیں تم ہرگز ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ یہ انتظامات کر کے خود آپ بھی تیار ہو گئے دہری زرہ پہنی۔ حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو جھنڈا دیا۔ آج چند لڑکے بھی لشکر محمدی ﷺ میں نظر آتے تھے۔ یہ چھوٹے سپاہی بھی جانبازی کیلئے ہمہ تن مستعد تھے بعض اور بچوں کو حضور ﷺ نے ساتھ نہیں لیا تھا انہیں جنگ خندق میں لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ جنگ خندق اس کے دو سال بعد ہوئی تھی۔ قریش کا لشکر بڑے ٹھاٹھ سے مقابلہ پر آڈٹا یہ تین ہزار سپاہیوں کا گروہ تھا ان کے ساتھ دو سو کوتل گھوڑے تھے جنہیں موقعہ پر کام آنے کے لئے ساتھ رکھا تھا۔ ان کے داہنے حصہ پر خالد بن ولید تھا اور بائیں پر عکرمہ بن ابو جہل تھا (یہ دونوں سردار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے' ان کا جھنڈا بردار قبیلہ بنو عبدالدار تھا۔ پھر لڑائی شروع ہوئی جس کے واقعات انہی آیتوں کی موقعہ بہ موقعہ تفسیر کے ساتھ آتے رہیں گے' انشاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض اس آیت میں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ مدینہ شریف سے نکلے اور لوگوں کو لڑائی کے موقعہ کی جگہ پر مقرر کرنے لگے میمنہ میسرہ لشکر کا مقرر کیا اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب کے دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے۔ روایتوں میں یہاں تک آچکا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن مدینہ شریف سے لڑائی کے لئے نکلے' اور قرآن فرماتا ہے صبح ہی صبح تم لشکریوں کی جگہ مقرر کرتے تھے تو مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تو جا کر پڑاؤ ڈال دیا باقی کاروائی ہفتہ کی صبح شروع ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں' ہمارے بارے میں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تمہارے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا تھا۔ گو اس میں ہماری ایک کمزوری کا بیان ہے لیکن ہم اپنے حق میں اس آیت کو بہت بہتر جانتے ہیں کیوں کہ اس میں یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا ولی ہے۔

پھر فرمایا کہ دیکھو میں نے بدر والے دن بھی تم کو غالب کیا حالانکہ تم بہت ہی کم اور بے سرو سامان تھے۔ بدر کی لڑائی ۲ ہجری ۱۷ رمضان بروز جمعہ ہوئی تھی۔ اسی کا نام یوم الفرقان رکھا گیا' اس دن اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی شرک برباد ہوا۔ محل شرک اجڑا

حالانکہ اس دن مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے فقط ستر اونٹ تھے باقی سب پیدل تھے ہتھیار بھی اتنے کم تھے کہ گویا نہ تھے اور دشمن کی تعداد اس دن تین گنی تھی ایک ہزار میں کچھ ہی کم تھے ہر ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے ضرورت سے زیادہ وافر ہتھیار عمدہ عمدہ کافی سے زیادہ گھوڑے مالداری کا یہ حال تھا کہ سونے کے زیور پہنے ہوئے۔ اس موقعہ پر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت اور غلبہ دیا اپنی وحی ظاہر باہر کی اپنے نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سرخ رو کیا اور شیطان اور اس کے لشکریوں کو ذلیل وخوار کیا۔ اپنے مومن بندوں اور جنتی لشکریوں کو اس آیت میں یہ احسان یاد دلاتا ہے اور باوجود تمہاری تعداد کی کمی اور ظاہری اسباب کی غیر موجودگی کے تم کو غالب رکھا تاکہ تم معلوم کرو کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں۔ اسی لئے دوسری آیت میں صاف فرمادیا کہ جنگ حنین میں تم نے ظاہری اسباب پر نظر ڈالی اور اپنی زیادتی دیکھ کر خوش ہوئے لیکن اس زیادتی تعداد اور موجودگی اسباب نے تم کو کچھ فائدہ نہ دیا۔

حضرت عیاض اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک میں ہمارے پانچ سردار تھے حضرت ابو عبیدہؓ حضرت یزید بن ابو سفیانؓ حضرت ابن حسنہؓ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عیاضؓ اور خلیفۃ المومنین حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ لڑائی کے وقت حضرت ابو عبیدہؓ سرداری کریں۔ اس لڑائی میں ہمیں چوطرف سے شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ ہمیں موت نے گھیر رکھا ہے امداد بھیجئے۔ فاروقؓ کا مکتوب گرامی ہماری گزارش کے جواب میں آیا جس میں تحریر تھا کہ "تمہارا اطلب امداد کا خط پہنچا۔ میں تم کو ایک ایسی ذات بتلاتا ہوں جو سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ مضبوط لشکر والی ہے وہ ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے جس نے اپنے بندے اور رسول اللہ ﷺ کی مدد بدر والے دن کی تھی' بدری لشکر تو تم سے بہت ہی کم تھا۔ میرا یہ خط پڑھتے ہی جہاد شروع کردو' اور اب مجھے کچھ نہ لکھنا نہ کچھ پوچھنا"۔ اس خط سے ہماری جرائتیں بڑھ گئیں ہمتیں بلند ہو گئیں' پھر ہم نے جم کر لڑنا شروع کیا' الحمد للہ دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے۔ ہم نے بارہ میل تک ان کا تعاقب کیا' بہت سا مال غنیمت ہمیں ملا جو ہم نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر حضرت ابو عبیدہؓ کہنے لگے میرے ساتھ دوڑ کون کرے گا؟ ایک نوجوان نے کہا اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ دوڑنے میں وہ آگے نکل گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی دونوں زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں اور وہ اس نوجوان کے پیچھے گھوڑا اڑائے چلے جا رہے تھے۔ بدر بن نارین ایک شخص تھا اس کے نام سے ایک کنواں مشہور تھا اور اس میدان کا جس میں یہ کنواں تھا یہی نام ہو گیا تھا۔ بدر کی جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ شکر کی توفیق ملے اور اطاعت گزاری کر سکو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ یَكْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآىِٕبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾

جب تو مومنوں کو تسلی دے رہا تھا کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تم کو کافی نہ ہوگا۔ گو یہ لوگ اپنے اس جوش سے آئیں لیکن اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو گے تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشان دار ہوں گے۔ اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے ہے یاد رکھو مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔ اس امداد الٰہی سے کفار کی ایک جماعت کٹ جائے گی اور ذلیل ہوگی اور سارے کے سارے نامراد ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ اے پیغمبر تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

جنگ بدر اور جنگ احد میں فرشتوں سے مدد: آنحضرت ﷺ کا یہ تسلیاں دینا' بعض تو کہتے ہیں بدر والے دن تھا۔ حسن بصری عامر' شعبی' ربیع بن انس رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ عامر شعبی کا قول ہے کہ مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی امداد میں آئے گا اس پر اس امداد کا وعدہ ہوا تھا لیکن پھر نہ وہ آیا نہ یہ۔ ربیع ابن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے پھر تین ہزار ہو گئے' پھر پانچ ہزار۔ یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے۔ فرمایا ﴿ اِنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ ﴾ اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ ﴿ مُرْدِفِیْنَ ﴾ کا لفظ موجود ہے۔ پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے آخر پانچ ہزار ہو گئے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ جنگ بدر کے لئے تھا نہ کہ جنگ احد کے لئے۔ بعض کہتے ہیں جنگ احد کے موقعہ پر وعدہ ہوا تھا۔ مجاہد' عکرمہ' ضحاک' زہری' موسیٰ بن عقبہ' وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان میدان چھوڑ کے ہٹ گئے اس لئے یہ فرشتے نازل ہوئے کیونکہ ﴿ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾ ساتھ ہی فرمایا تھا۔ یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو۔ ﴿ فَوْرِ ﴾ کے معنی وجد اور غضب کے ہیں ﴿ مُسَوِّمِیْنَ ﴾ کے معنی علامت والے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ صوف کی تھی اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سرخ اون کی نشانی تھی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ گردن کے بالوں اور دم کا نشان تھا اور یہی نشان آپ کے لشکریوں کا تھا یعنی صوف کا۔ مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں فرشتوں کی نشانی اون کی پگڑیاں تھیں جو سیاہ رنگ کے عمامے تھے اور حنین والے دن سرخ عمامے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے علاوہ فرشتے کبھی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے اور سفید رنگ عماموں کی علامت تھی یہ صرف مدد کے لئے اور گنتی بڑھانے کے لئے تھے' نہ کہ لڑتے ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید رنگ صافہ تھا اور فرشتوں پر زرد رنگ۔

پھر فرمایا کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تم کو اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی' دل جوئی اور اطمینان کے لئے ہے ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ بغیر ان کو اتارے بلکہ بغیر تمہارے لڑے بھی تم کو غالب کر دے مدد اسی کی طرف سے ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَوْ شَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ﴾ الخ اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ ہر ایک کو آزما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل کئے جائیں ان کے اعمال اکارت نہیں ہوتے اللہ انہیں راہ دکھائے گا ان کے اعمال سنوار دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا جس کی تعریف وہ کر

چکا ہے' وہ عزت والا ہے اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے۔ یہ حکم جہاد بھی طرح طرح کی حکمتوں پر مبنی ہے اس سے کفار ہلاک ہوں گے یا ذلیل ہوں گے یا نامراد واپس ہو جائیں گے۔ اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کل امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اے نبی! تم کو کسی امر کا اختیار نہیں' جیسے فرمایا ﴿ اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ تم پر صرف تبلیغ ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ ﴾ الخ تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور ایک جگہ فرمایا ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ الخ تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے پس میرے بندوں میں تجھے کوئی اختیار نہیں جو حکم پہنچے اسے اوروں کو پہنچا دے تیرے ذمہ یہی ہے ممکن ہے اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور برائی کے بعد وہ بھلائی کرنے لگیں اور اللہ ان کی توبہ قبول فرما لے یا ممکن ہے انہیں ان کے کفر و گناہ کی بنا پر عذاب کرے تو یہ ظالم اس کے بھی مستحق ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور ﴿ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ﴾ کہہ لیتے تو کفار پر بددعا کرتے کہ اے اللہ فلاں پر لعنت کر' اس کے بارے میں یہ آیت ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ان کافروں کے نام بھی آئے ہیں' مثلاً حارث بن ہشام' سہل بن عمرو' صفوان ابن امیہ۔ اور اسی میں ہے کہ بالآخر ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ چار آدمیوں پر یہ بددعا دی تھی جس سے روک دیئے گئے۔ صحیح بخاری میں حضور ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا یا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد ﴿ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ الخ اور ﴿ رَبَّنَا ﴾ الخ پڑھ کر دعا مانگتے۔ کبھی کہتے اے اللہ ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش ابن ابو ربیعہ اور کمزور مومنوں کو کفار سے نجات دے' اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسی قحط سالی بھیج جیسی (حضرت) یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔ یہ دعا با آواز بلند ہوا کرتی تھی اور بعض مرتبہ صبح کی نماز کے قنوت میں یوں بھی کہتے کہ اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت بھیج' اور عرب کے بعض قبیلوں کے نام لیتے تھے۔

اور روایت میں ہے جنگ احد میں جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرہ زخمی ہوا خون بہنے لگا تو زبان سے نکل گیا کہ "وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا' حالانکہ نبی اللہ کی طرف انہیں بلاتا تھا"۔ اس وقت یہ آیت ﴿ لَيْسَ لَكَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ آپ اس غزوہ میں ایک گڑھے میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا۔ کچھ تو اس ضعف کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے اٹھ نہ سکے حضرت حذیفہؓ کے مولیٰ حضرت سالمؓ پہنچے اور چہرے پر سے خون پونچھا۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے یہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی' پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے سب اس کے غلام ہیں جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے متصرف وہی ہے جو چاہے حکم کرے کوئی اس سے پرسش نہیں کر سکتا وہ غفور اور رحیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم کو نجات ملے۔ اس آگ سے ڈرتے رہا کرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی اور سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنے لگتے ہیں' فی الواقعہ اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا ہے۔ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان نیک کاموں کے کرنیوالوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے۔

سود کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی لین دین سے اور سود خواری سے روک رہا ہے۔ اہل جاہلیت سودی قرضہ دیتے تھے مدت مقرر ہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہو تا تو مدت بڑھا کر سود پر سود بڑھا دیا کرتے تھے۔ اسی طرح سود در سود مل ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی۔ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو اس طرح ناحق لوگوں کے مال برباد کرنے سے روک رہا ہے اور تقویٰ کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے پھر آگ سے ڈراتا ہے اور اپنے عذابوں سے دھمکاتا ہے۔ پھر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر رحم و کرم کا وعدہ دیتا ہے پھر سعادت دارین کے حصول کے لئے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کو فرماتا ہے اور جنت کی تعریف کرتا ہے چوڑائی کو بیان کر کے لمبائی کا اندازہ سننے والوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے۔ جس طرح جنتی فرش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ﴾ یعنی اس کا استر نرم ریشم کا ہے تو مطلب یہ ہے جب استر ایسا ہے تو ابرے کا کیا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بیان ہو رہا ہے کہ جب عرض ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے تو طول کتنا بڑا ہو گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عرض و طول یعنی لمبائی و چوڑائی دونوں برابر ہیں کیونکہ جنت مثل قبہ کے عرش کے نیچے ہے اور جو چیز قبہ نما ہو یا مستدیر ہو اس کا عرض و طول یکساں ہوتا ہے ایک صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو فردوس کا سوال کرو وہ سب سے اونچی اور سب سے اچھی جنت ہے اسی جنت سے سب نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کی چھت اللہ رحمٰن ورحیم کا عرش ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ہرقل نے حضور ﷺ کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو یہ فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ جو قاصد ہرقل کا یہ خط لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا اس سے حضرت یعلٰی بن مرہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں اس وقت یہ بہت ہی بڈھا ہو گیا تھا کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضور ﷺ کو دیا تو آپ نے اپنی بائیں طرف کے ایک صحابی کو دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ (حضرت) معاویہؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ سے بھی یہی سوال ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ دن کے وقت رات اور رات کے وقت دن کہاں جاتا ہے؟ یہودی یہ جواب سنکر کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ توراۃ سے اخذ کیا ہو گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ جواب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے

جواب میں فرمایا جب ہر چیز پر رات آجاتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا جہاں اللہ چاہے۔ آپ نے فرمایا اسی طرح جہنم بھی جہاں اللہ چاہے (بزار)۔ اس جملہ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ رات کے وقت گو ہم دن کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ممکن نہیں، اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جہاں اللہ چاہے وہ بھی ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ جب دن ایک طرف سے چڑھنے لگا رات دوسری جانب ہوتی ہے اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں تو کوئی منافات نہ رہی، واللہ اعلم۔

مومن بندوں کی صفات: پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کا وصف بیان فرماتا ہے کہ وہ سختی میں اور آسانی میں خوشی میں اور غمی میں تندرستی میں اور بیماری میں غرض ہر حال میں راہ اللہ اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں، جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ یعنی وہ لوگ دن رات چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں کوئی امر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتا اس کی مخلوق پر اس کے حکم سے احسان کرتے رہتے ہیں۔ یہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی برائیوں سے درگزر کرنے والے ہیں ﴿ كَظْم ﴾ کے معنی چھپانے کے بھی ہیں یعنی اپنے غصے کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصہ کیوقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا (ابن ابی ہاتم)۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنے عذاب ہٹا لیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے (مسند ابویعلی)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں پہلوان وہ نہیں جو کسی کو بچھاڑ دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (احمد)۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور! کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو اس لئے کہ تمہارا مال تو درحقیقت وہ ہے جو تم راہ للہ میں خرچ کر دو اور جو چھوڑ کر جاؤ وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے تو تمہارا راہ للہ کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا، یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ پھر فرمایا تم پہلوان کسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا حضور! اسے جسے کوئی گرا نہ سکے۔ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ پھر فرمایا بے اولاد کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو۔ فرمایا نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو (مسلم)۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہ اللہ نہ دیا ہو۔ مسند (احمد) حضرت حارثہ بن قدامہ سعدیؓ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مجھ سے کوئی نفع کی بات کہئے اور مختصر ہو تا کہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ کئی کئی مرتبہ یہی کہا سنا (مسند احمد)۔ کسی شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے (مسند احمد)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے (مسند)۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ عروہ بن محمدؒ کو غصہ چڑھا' آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ کو بجھانے والی چیز پانی ہے۔ پس تم غصہ کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کر دے' اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ لوگو! سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں' نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے کسی گھونٹ کا پینا اللہ کو ایسا پسند نہیں جتنا غصہ کے گھونٹ کا پی جانا' ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے (مسند احمد)۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن و امان سے پر کر دیتا ہے جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کر کے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا (ابوداؤد)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے (مسند احمد)۔ اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں' پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے غصہ میں آپے سے باہر نہیں ہوتے لوگوں کو ان کی طرف سے برائی نہیں پہنچتی بلکہ اپنے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر ثواب کی امید پر معاملہ سپرد اللہ کرتے ہیں' لوگوں سے درگزر کرتے ہیں ظالموں کے ظلم کا بدلہ بھی نہیں لیتے۔ اسی کو احسان کہتے ہیں اور ان محسن بندوں سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں' ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال نہیں گھٹتا دوسرے یہ کہ عفو و درگزر کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے تیسرے یہ کہ تواضع' فروتنی اور عاجزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ کرتا ہے۔ مستدرک کی حدیث میں ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بنیاد بلند ہو اور اس کے درجے بڑھیں تو اسے ظالموں سے درگزر کرنا چاہئے اور نہ دینے والوں کو دینا چاہئے اور توڑنے والوں سے جوڑنا چاہئے۔ اور حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے لوگوں سے درگزر کرنے والو اپنے رب کے پاس آؤ اور اپنا اجر لو۔ مسلمانوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے جنتی لوگ ہیں۔ پھر فرمایا یہ لوگ گناہ کے بعد فوراً ذکر اللہ اور استغفار کرتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اللہ کے سامنے حاضر ہو کر کہتا ہے۔ اے پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا تو معاف فرما' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے سے گو گناہ ہو گیا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اس کا رب گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو معاف بھی فرما دیتا ہے' میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا۔ اس سے پھر گناہ ہوتا ہے پھر توبہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ پھر معاف فرماتا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ اس سے گناہ ہو جاتا ہے یہ پھر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر بخشتا ہے چوتھی مرتبہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف فرما کر کہتا ہے اب میرا بندہ جو چاہے کرے (مسند احمد)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی عورتوں بچوں میں پھنس جاتے ہیں گھربار کے دھندوں میں لگ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو جو کیفیت تمہارے دلوں کی میرے سامنے ہوتی ہے اگر یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھروں پر آتے۔ سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تم کو یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے پھر بخشش مانگے' اور اللہ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا حضور! یہ تو فرمائیے کہ جنت کی بنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی' اس کا گارہ مشک خالص ہے' اس کے کنکر لولو اور یاقوت ہیں۔ اس کی

مٹی زعفران ہے جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی، ان کی زندگی ہمیشگی والی ہو گی، ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے، ان کی جوانی فنا نہ ہو گی۔ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی، (۱) عادل بادشاہ (۲) روزے دار اور (۳) مظلوم۔ اس کی دعا بادلوں میں اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو (مسند احمد)۔

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عزوجل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (مسند احمد)۔ صحیح مسلم میں یہ روایت امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے ﴿ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ﴾ پڑھے اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں، جس سے چاہے اندر چلا جائے۔ امیر المومنین عثمان بن عفان سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے (بخاری و مسلم)۔ پس یہ حدیث تو حضرت عثمان سے اس سے اگلی روایت حضرت عمر سے اس سے اگلی روایت حضرت ابو بکر سے اور اس تیسری روایت کو حضرت ابو بکر سے حضرت علی روایت کرتے ہیں، تو الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے وسیع مغفرت اور اس کی انتہا مہربانی کی خبر سیدہ الاولین والاخرین کی زبانی آپ کے چاروں برحق خلفاء کی معرفت ہمیں پہنچی (آؤ اس موقعہ پر ہم گنہگار بھی ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مہربان رحیم و کریم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی طلب کریں۔ اے اللہ! اے ماں باپ سے زیادہ مہربان! اے عفو و درگزر کرنے والے اور کسی بھکاری کو اپنے در سے خالی نہ پھیرنے والے! تو ہم خطاکاروں کی سیاہ کاریوں سے بھی درگزر فرما اور ہمارے کل گناہ معاف فرما دے، آمین۔ مترجم) یہی وہ مبارک آیت ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا (مسند عبدالرزاق)۔

مسند ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار پر مداومت کرو ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی اپنی ہلاکت ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ سے ہے یہ حالت دیکھ کر ابلیس نے لوگوں کو خواہش پرستی میں ڈال دیا۔ پس وہ اپنے آپ کو راہ راست پر جانتے ہیں حالانکہ ہوتے ہیں ہلاکت میں۔ لیکن اس حدیث کے دو راوی ضعیف ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکاتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میرے جلال اور میری عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھ سے گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا توبہ کر لے۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا۔ فرمایا پھر توبہ کر لے۔ اس نے کہا مجھ سے پھر گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا پھر استغفار کر۔ اس نے کہا مجھ سے اور گناہ ہوا۔ فرمایا استغفار کئے جا، یہاں تک کہ شیطان تھک جائے۔ پھر فرمایا گناہ کو بخشنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا یا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں محمد (ﷺ) کی طرف توبہ نہیں کرتا (یعنی اے اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا اس نے حق حقدار کو پہنچایا۔ اصرار کرنے سے مراد یہ ہے کہ معصیت پر بغیر توبہ کئے اڑ نہیں جاتے اگر کئی مرتبہ گناہ ہو جائے تو کئی مرتبہ استغفار بھی کرتے ہیں۔ مسند ابو یعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اصرار کرنے والا اور اڑنے والا نہیں جو استغفار کرتا رہتا ہے اگرچہ (بالفرض) اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ ہو

جائے۔

پھر فرمایا کہ وہ جانتے ہوں یعنی اس بات کو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ﴾ جو شخص کوئی برا کام کرلے یا گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ عزوجل بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا لوگو! تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا' لوگو تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا باتیں بنانے والوں کو مصیبت ہے گناہ پر جم جانے والوں کو مصیبت ہے۔ پھر فرمایا ان کاموں کے بدلے ان کی جزا مغفرت ہے اور طرح طرح کی بہتی نہروں والی جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ بڑے اچھے عامل ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

ع ۱۴ / ۵

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن اظہار (حق) ہے اور پرہیزگاروں کیلئے ہدایت و نصیحت ہے۔ تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (شکست احد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کردے اور کافروں کو مٹا دے۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔

آزمائش کے وقت پر ایمان پر ثابت قدم رہنا: چونکہ احد والے دن ستر مسلمان شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی و تشفی دیتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ نقصان مال و جان اٹھاتے رہے لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا۔ تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن میں لوگوں کے لئے اگلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تم کو برائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے۔ مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بد دل نہ ہو جانا نہ مغموم بن کر بیٹھ رہنا فتح و نصرت غلبہ اور علو بالآخر اے مومنین تمہارے لئے ہی ہے۔ اگر تم کو زخم لگے اور تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں' یہ تو چڑھتی ڈھلتی چھاؤں ہے ہاں بھلاوہ ہے جو انجام کار غالب رہے اور یہ ہم نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے یہ بعض مرتبہ کی شکست' بالخصوص اس جنگ احد کی اس لئے تھی کہ ہم صابروں اور غیر صابروں کا امتحان کرلیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو کرتے تھے انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنی جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ معترضہ بیان کر کے فرمایا یہ اس لئے بھی کہ ایمان والوں کے گناہ اگر ہوں تو دور ہو جائیں ورنہ ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیوں کہ وہ غالب ہو کر پھولیں گے اور سرکشی اور تکبر میں اور بڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا اور پھر مٹ کھپ جائیں گے۔ ان سختیوں ان زلزلوں اور ان آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جاسکتا۔ جیسے سورہ بقرہ میں ذکر کیا ہے کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ الخ۔ یہ نہیں ہوگا۔ اور جگہ ہے ﴿ الٓمّٓ. اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟ یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا پر ظہور میں نہ آجائیں تب تک جنت نہیں مل سکتی۔ پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقعہ کی آرزو میں تھے کہ تم اپنا صبر اور اپنی سختی اور مضبوطی اور استقامت اللہ کو دکھاؤ راہ اللہ میں شہادت پاؤ۔ لو اب ہم نے تم کو موقعہ دیا تم بھی اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ، حدیث شریف میں ہے دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاٹ (مٹھ) کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تنے ہوئے ہیں تلواریں کھچ رہی ہیں بھالے اچھل رہے ہیں تیر برس رہے ہیں گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے اور ادھر ادھر لاشیں گر رہی ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا

لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

(حضرت) محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر انکا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہر گز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔ بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جان دار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے۔ دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دیدیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دیدیتے ہیں، احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے بہتؔ سے نبیوں کے ہمرکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں بھی راہ للہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست ہوئے نہ دبے۔ اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے۔ وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بیجا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرمایا اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

وفات النبی ﷺ کی دلیل: میدان احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان میں کے بعض قتل بھی کیے گئے۔ اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) بھی شہید ہو گئے اور ابن قمیہ کافر نے مشرکوں میں جا کر یہ اڑادی کہ میں حضور ﷺ کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بھی بے اصل تھی اور اس شخص کا یہ قول بھی غلط تھا۔ اس نے حضور ﷺ پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپ کا چہرہ قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل تھوڑے کر دیئے ان کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ اللہ کا دین جاتا نہیں رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گر پڑا ہے اور خاک و خون میں لوٹ رہا ہے، اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ قتل کر دیئے گئے اس نے کہا کہ اگر یہ صحیح ہے تو اپنا کام کر گئے اب آپ کے دین پر سے تم سب بھی قربان ہو جاؤ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت اتری پھر فرمایا کہ حضور ﷺ کا قتل (وفات) ایسی چیز نہیں کہ تم اللہ کے دین سے پچھلے پیروں پھر جاؤ۔ اور ایسا کرنے والے اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسول کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسول زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کی خبر سنکر حضرت ابو بکر صدیق ؓ گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ ؓ کے گھر پر آئے یہاں حضور ﷺ پر حبرہ کی چادر اوڑھا دی گئی تھی۔ آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیے اور روتے ہوئے فرمانے لگے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت نہ لائیگا جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی"۔ اس کے بعد آپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمر ؓ خطبہ سنا رہے ہیں۔ ان سے فرمایا کہ خاموش ہو

جاؤ۔ انہیں چپ کرا کر آپ نے لوگوں سے فرمایا جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ مر گئے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے حضرت صدیق اکبرؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمرؓ کے تو گویا قدم ٹوٹ گئے انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضور ﷺ اس جہان فانی کو چھوڑ کے چل بسے۔ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور ﷺ کی موت پر مرتد ہوں نہ آپ کی شہادت پر' اللہ کی قسم اگر حضور ﷺ قتل کئے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مر مٹیں جس پر آپ شہید ہوئے اللہ کی قسم میں تو آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کا چچازاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں مجھ سے زیادہ حق دار آپ ﷺ کا کون ہو گا؟۔

موت کا وقت مقرر ہے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے مقدر سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ ﴾ نہ کوئی عمر دیا جاتا ہے نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اور جگہ ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ﴾ الخ جس اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر پورا وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ کی راہ کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جوانمردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی' موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی خواہ شجاعت اور بہادری برتو خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ۔ حجر بن عدیؓ جب دشمنان دین کے مقابلہ میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا' آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو۔ یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے جانوروں کو پانی میں کدا دیتے ہیں۔ دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے' بھاگو بھاگو' چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

دنیا و آخرت سے جو طلب کرو وہی ملے گا: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس کا عمل صرف دنیا کیلئے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے مل جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور جس کا قصد آخرت طلبی ہو اسے آخرت تو ملتی ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اپنے مقدر کا پا لیتا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ ﴾ آخرت کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم گو دنیا دیدیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور جگہ ہے ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ﴾ جو شخص صرف دنیا طلب ہی ہو ہم ان میں سے جسے چاہیں جس قدر چاہیں دنیا دیدیتے ہیں پھر وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے اور جو آخرت کا خواہاں ہو اور کوشاں بھی ہو اور باایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ کے ہاں مشکور ہے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتا ہوا فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لیکر دشمنان دین سے لڑے بھڑے اور وہ تمہاری طرح راہ الٰہی میں تکلیفیں بھی پہنچائے گئے لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر و شاکر رہے سست و ضعیف نہ ہوئے اور اس صبر کے بدلے انہوں نے اللہ کی محبت مول لے لی۔ ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدین احد تم یہ سن کر کہ حضور ﷺ شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے؟ اور کفر کے مقابلہ میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء علیہ السلام کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے نہ جھکے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈگمگا سکی اور ان کے دل تھوڑے نہ کر سکی۔ پھر تم حضور ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر اتنے بودے کیوں ہو گئے ﴿ رِبِّیُّوْنَ ﴾ کے بہت سے معنی آتے ہیں مثلاً علماء ابرار'

متقی، عابد، زاہد، تابع فرمان وغیرہ وغیرہ۔ پس قرآن کریم ان کی اس مصیبت کے وقت کی دعا کو نقل کرتا ہے پھر فرماتا ہے کہ انہیں دنیا کا ثواب نصرت و مدد ظفر و اقبال ملا، اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی یہ محسن لوگ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۚ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥٢﴾ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹادیں گے (یعنی تم کو مرتد بنادیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدیں گے اور اسو جہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جسکی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ انکا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم کم ہمت ہو گئے اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تم کو دکھادی۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا۔ پھر تم کو ان سے پھیر دیا تا کہ تم کو آزمالے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمالیا۔ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ جب کہ تم چڑھے چلے جارہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تم کو تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے پس تم کو غم پر غم پہنچا تا کہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔

کافروں کی بات ماننے میں ذلت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے ماننے سے روک رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ اگر ان کی مانی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آئے گی۔ ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تم کو دین اسلام سے ہٹادیں۔ پھر فرماتا ہے کہ مجھ ہی کو مولا اور مددگار جانو مجھ ہی سے دوستیاں کرو مجھ پر ہی بھروسہ کرو مجھ ہی سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا کہ ان شریروں کے

دلوں میں بوجہ ان کے کفر کے میں ڈر خوف ڈال دوں گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر ابن عبداللہ ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ باتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) میری مدد رعب سے کی گئی ہے مہینہ بھر کی راہ تک (۲) میرے لئے زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنائی گئی۔ (۳) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے (۴) اور مجھے شفاعت دی گئی اور (۵) ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف خاصۃ" بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت میری نبوت تمام دنیا کے لئے عام ہوئی۔ مسند احمد میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر' اور بعض روایتوں میں ہے تمام امتوں پر مجھے چار فضیلتیں عطا فرمائیں ہیں۔ (۱) مجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا' (۲) میرے اور میری امت کے لئے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے' (۳) میرا دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہو وہیں سے اللہ اس کا دل رعب سے پر کر دیتا ہے وہ کانپنے لگتا ہے۔ (۴) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ میں مدد کیا گیا ہوں رعب سے ہر دشمن پر۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے۔ مجھے پانچ چیزیں دیں گئیں (۱) میں ہر سرخ و سفید کی طرف بھیجا گیا' (۲) میرے لئے تمام زمین وضو اور مسجد بنائی گئی۔ (۳) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے (۴) میری مدد رعب سے مہینہ بھر کی راہ تک کی گئی۔ (۵) مجھے شفاعت دی گئی' تمام انبیاء علیہم السلام نے شفاعت مانگ لی لیکن میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو چھپا رکھی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔

جنگ اُحد کے واقعات: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح مندی حاصل ہوئی۔ لیکن پھر تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا رک گیا۔ پس فرماتا ہے کہ تم انہیں اپنے ہاتھ سے کاٹتے تھے۔ شروع دن میں ہی اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بزدلی دکھائی اور نبی کی نافرمانی کی ان کی بتلائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ اللہ نے تم کو تمہاری رغبت کی چیز دکھادی تھی۔ یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آ گئے تھے مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا' کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا خیال نہ کر کے مال غنیمت کی طرف لپکے گو بعض نیک نیت آخرت طلب بھی تھے لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بنا پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہو گئی غالب ہو کر مغلوب ہو گئے' فتح کے بعد شکست ہو گئی۔ لیکن پھر بھی اللہ نے تمہارے اس جرم کو معاف فرما دیا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے۔ خطا کا معاف ہونا بھی ﴿ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ میں داخل ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ کچھ یونہی سی گوشمالی کر کے کچھ بزرگوں کی شہادت کے بعد اس نے اپنی آزمائش کو اٹھا لیا اور باقی والوں کو معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ باایمان لوگوں پر فضل و کرم' لطف و رحم ہی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی مدد جیسی احد میں ہوئی ہے کہیں نہیں ہوئی۔ اس کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا۔ بعض لوگوں نے دنیا طلبی کر کے رسول کی نافرمانی کی' یعنی بعض تیر اندازوں نے جنہیں حضور ﷺ نے پہاڑ کے درے پر کھڑا کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو وہ ہماری پیٹھ کی طرف سے نہ آ جائیں۔ اگر تم دیکھو ہم ہار بھی گئے تو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم دیکھو کہ ہم ہر طرح غالب آ گئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کیلئے بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ جب حضور ﷺ غالب آ گئے تو تیر اندازوں نے حکم عدولی کی وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آ ملے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا' صفوں کا کوئی خیال نہ رہا درے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ

حملہ کر دیا۔ چند مسلمان جو ابتک وہاں جمے کھڑے تھے وہ شہید ہو گئے اور اب ان لوگوں نے مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پیر نہ جم سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست میں بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس کا یقین کرا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کہ مسلمانوں کی نظریں چہرہ مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضور ﷺ کی طرف لپکے۔ آپ ادھر آ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کا سخت غضب نازل ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ کو خونا خون کر دیا انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب آ جائیں تھوڑی دیر میں ہم نے سنا کہ ابو سفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا ﴿ اُعْلُ هُبَلُ اُعْلُ هُبَلُ ﴾ ہبل بت کا بول بالا ہو' ہبل بت کا بول بالا ہو' ابو بکر کہاں ہے؟ عمر کہاں ہے؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا حضور! اسے جواب دوں؟ آپ نے اجازت دی تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ اَللّٰهُ وَاَعْلٰى وَ اَجَلُّ ﴾ اللہ بہت بلند ہے اور جلال وعزت والا ہے اللہ بہت بلند اور جلال وعزت والا ہے۔ وہ پوچھنے لگا بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ ابو بکرؓ کہاں ہیں؟ عمرؓ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ہیں رسول اللہ ﷺ اور یہ ہیں ابو بکر صدیقؓ اور یہ ہوں میں عمر فاروقؓ۔ ابو سفیان کہنے لگا یہ بدر کا بدلہ ہے یونہی دھوپ چھاؤں الٹتی پلٹتی رہتی ہے لڑائی کی مثال تو کنوئیں کے ڈول کی سی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا برابری ہرگز نہیں تمہارے مقتول جہنم میں گئے اور ہمارے شہداء جنت میں پہنچے۔ ابو سفیان کہنے لگا اگر یوں ہی ہے تو یقیناً ہم نقصان اور گھاٹے میں رہے' سنو تمہارے مقتولین میں بعض ناک کان کٹے لوگ بھی تم پاؤ گے گو یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں ہوا لیکن ہمیں برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہ قصہ بھی عجیب ہے یہ ابن عباسؓ کی مرسلات سے ہے۔ وہ یا ان کے والد جنگ احد میں موجود نہ تھے۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بھی یہ مروی ہے اور صحیح احادیث میں اس کے بعض حصوں کے شواہد بھی ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی ایک بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اسوقت اگر مجھے اس بات پر قسم کھلوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن میں یہ آیت اتری ﴿ مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا ﴾ یعنی تم میں بعض طالب دنیا بھی ہیں۔ جب صحابہؓ سے حضور ﷺ کا خلاف ہوا اور آپ ﷺ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے۔ جب مشرکین نے حضور ﷺ کو گھیر لیا تو آپ فرمانے لگے' اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انہیں ہٹائے تو ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تمام لشکر کے مقابل تن تنہا داد شجاعت دینے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر کفار نے حملہ کیا۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ پھر ایک انصاری تیار ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا لیکن بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ ساتوں صحابہ اللہ کے ہاں پہنچ گئے' اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو۔ حضور ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا افسوس ہم نے اپنے ساتھیوں سے منصفانہ معاملہ نہ کیا۔ اب ابو سفیان نے ہانک لگائی کہ "اعل ہبل" آپ نے فرمایا کہو ﴿ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ ﴾ ابو سفیان نے کہا ﴿ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ﴾ ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارے کوئی عزیٰ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو ﴿ اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَالْكَافِرُوْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ اللہ ہمارا مولا ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ ابو سفیان کہنے لگا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ کوئی دن ہمارا اور کوئی دن تمہارا' یہ تو ہاتھوں ہاتھ کا سودا ہے ایک کے بدلے ایک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہرگز برابری نہیں اور ہمارے شہداء زندہ ہیں اور روزیاں دیئے جاتے ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں عذاب کئے جا رہے ہیں۔ پھر ابو سفیان بولا تمہارے مقتولوں میں تم دیکھو گے کہ بعض کے کان ناک وغیرہ کاٹ لئے گئے ہیں لیکن میں نے نہ یہ کہا نہ اس سے روکا نہ اسے میں نے پسند کیا نہ ناپسند کیا نہ مجھے یہ بھلا معلوم ہوا نہ برا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت: اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا اور ہندہ نے ان کا کلیجہ چبایا تھا لیکن نگل نہ سکی تو اگل دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ناممکن تھا کہ اس کے پیٹ میں حمزہؓ کا ذرا سا گوشت بھی چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے کسی عضوبدن کو جہنم میں لیجانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی پھر ایک انصاریؓ کا جنازہ لایا گیا وہ حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ ﷺ نے پھر نماز جنازہ پڑھی' انصاریؓ کا جنازہ اٹھالیا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا۔ اسی طرح ستر شخص لائے گئے اور حضرت حمزہؓ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی (مسند)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ احد والے دن مشرکوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی حضور ﷺ نے تیر اندازوں کی ایک جماعت کو الگ بٹھادیا اور ان کی سرداری حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو سونپی اور فرمادیا کہ اگر تم ہمیں ان پر غالب آیا ہوا دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور وہ ہم پر غالب آجائیں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ کے فضل سے مشرکوں کے قدم پیچھے پڑنے لگے یہاں تک کہ عورتیں بھی تہمد اونچا کر کے پہاڑوں میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں۔ اب تیر انداز گروہ غنیمت کہتا ہوا نیچے اتر آیا۔ گو ان کے امیر نے ہر چند انہیں سمجھایا لیکن کسی نے ان کی نہ سنی۔ پس اب مشرکین مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف سے آن پڑے اور ستر بزرگ شہید ہوگئے۔ ابوسفیان ایک ٹیلہ پر چڑھ کر کہنے لگا کیا محمدؐ حیات ہیں؟ کیا ابوبکرؓ موجود ہیں؟ کیا عمرؓ زندہ ہیں؟ لیکن حضور ﷺ کے فرمان سے صحابہؓ خاموش رہے تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا یہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ اتر گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اب حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی۔ فرمانے لگے اے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے بحمد اللہ ہم سب موجود ہیں اور تیری تباہی اور بربادی کرنے والے اللہ نے باقی رکھے ہیں۔ پھر وہ باتیں ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جنگ احد میں مشرکوں کو ہزیمت ہوئی اور ابلیس نے آواز لگائی اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اپنے پیچھے کی خبر لو۔ اگلی جماعتیں پچھلی جماعتوں پر ٹوٹ پڑیں۔ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے والد حضرت یمان پر برس رہی ہیں۔ ہر چند کہتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ یمانؓ ہیں مگر کون سنتا تھا وہ تو یونہی شہید ہوگئے لیکن حضرت حذیفہؓ نے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا اللہ تم کو معاف کرے۔ لیکن حضرت حذیفہؓ کی یہ بھلائی انکے آخر دم تک ان میں رہی۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کے اول حملہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہندوغیرہ تہمد اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں۔ لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سمٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا اور ادھر کسی نے آواز لگائی کہ حضور ﷺ شہید ہوگئے پس پھر معاملہ برعکس ہوگیا' ورنہ ہم مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ حارثہ عورت نے اسے تھام لیا اور قریش کا مجمع پھر یہاں جمع ہوگیا۔ حضرت انسؓ بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضرؓ یہ رنگ دیکھ کر حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ حضور ﷺ تو شہید ہوگئے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا پھر تم جی کر کیا کرو گے؟ یہ کہا اور مشرکین میں گھسے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ سے جاملے۔ یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقعہ آیا تو میں دکھادوں گا' چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا اللہ میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور ہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں۔ پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے۔ راہ میں حضرت سعد بن معاذؓ ملے اور کہنے لگے کہاں جارہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں احد پہاڑ سے چلی آرہی ہیں چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی۔ اسی سے اوپر تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے' پوریاں دیکھ کر پہچانے گئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک حاجی نے بیت اللہ شریف میں ایک مجلس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا قریشی ہیں۔ پوچھا ان کے شیخ کون ہیں؟ جواب ملا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہیں۔ اب وہ آیا اور کہنے لگا میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا پوچھو۔ اس نے کہا آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان ابن عفانؓ احد والے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے جواب دیا "ہاں" کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر والے دن بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا "ہاں" کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب اس نے خوش ہو کر تکبیر کہی۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ادھر آ! اب میں تجھے پورے واقعات سناؤں۔ احد کے دن کا بھاگنا تو اللہ نے معاف فرمادیا۔ بدر کے دن کی غیر حاضری کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور وہ سخت بیمار تھیں تو خود حضور ﷺ ان سے فرمایا تھا کہ تم نہ آؤ مدینہ میں رہو، تم کو اللہ تعالیٰ اس جنگ میں حاضر ہونے کا اجر دے گا اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ ہے۔ بیعت رضوان کا واقعہ یہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا اس لئے کہ مکہ میں جو عزت انہیں حاصل تھی کسی اور نہ تھی۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد یہ بیعت لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا (گویا بیعت کی) پھر اس شخص سے کہا اب جا اور اسے بھی ساتھ لے جا۔

پھر فرمایا ﴿ اِذْ تُصْعِدُوْنَ ﴾ الخ یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور مارے خوف و دہشت کے دوسری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا وہ تم کو آواز دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ بھاگو نہیں لوٹ آؤ۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں مشرکین کے اس خفیہ اور پرزور اور اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اللہ کے نبی آوازیں دیتے رہے اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے۔ عبداللہ بن زبعری شاعر نے اس واقعہ کو نظم میں بھی ادا کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ مسند احمد کی طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے۔ دلائل النبوا میں ہے کہ جب ہزیمت ہوئی تب حضور ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ اشخاص رہ گئے تھے جن میں ایک حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ تھے۔ آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے لیکن مشرکین نے آگھیرا آپ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے۔ حضرت طلحہؓ نے اس آواز پر فوراً لبیک کہا اور تیار ہو گئے، لیکن آپ نے فرمایا تم ابھی ٹھہر جاؤ۔ اب ایک انصاری تیار ہوئے اور وہ ان سے لڑنے لگے، یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ اسی طرح سب کے سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے، اب صرف حضرت طلحہؓ رہ گئے۔ گو یہ بزرگ ہر مرتبہ تیار ہو جاتے تھے لیکن حضور ﷺ انہیں روک لیا کرتے تھے۔ آخر یہ مقابلہ پر آئے اور اس طرح جم کر لڑے کہ ان سب کی لڑائی ایک طرف اور ایک طرف صرف ان کی۔ اس لڑائی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو زبان سے حس نکل گیا، آپ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہہ دیتے یا اللہ کا نام لیتے تو تم کو فرشتے اٹھا لیتے اور آسمان کی بلندی کی طرف لے چڑھتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔ اب نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کے مجمع میں پہنچ چکے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت قیس بن ابی حازمؒ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ جسے انہوں نے سپر بنایا تھا، شل ہو گیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میرے پاس حضور ﷺ نے اپنے ترکش سے احد والے دن تمام تیر پھیلا دیئے اور فرمایا "تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، لے مشرکین کو مار"۔ اب آپ اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور میں تاک تاک کر مشرکین کو مارتا جاتا تھا اس دن میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ حضور ﷺ کے دائیں بائیں تھے اور سخت ترقتال کر رہے تھے۔ میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا نہ اس کے بعد۔ یہ دونوں حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو

بزرگ حضور ﷺ کے ساتھ بھاگڑ کے بعد تھے اور ایک ایک ہو کر شہید ہوئے تھے انہیں آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے کوئی ہے جو انہیں روکے اور جنت میں جائے۔ جنت میں میرا رفیق بنے

ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کروں گا۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ تو نہیں بلکہ میں انشاء اللہ اسے قتل کروں گا۔احد والے دن یہ خبیث سر تا پا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آتا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گا۔ ادھر سے حضرت مصعب بن عمیرؓ اس نانہجار کی طرف بڑھے لیکن آپ شہید ہو گئے۔ اب حضور ﷺ اسکی طرف بڑھے اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی۔ آپ نے نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیورا کر گھوڑے پر سے گرا۔ گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا۔ لوگوں نے اسے اٹھا لیا لشکر میں لے گئے اور تشفی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں لگا کیوں اسقدر نامردی کرتا ہے۔ آخر ان کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے میں ابی کو قتل کروں گا۔ سچ مانو اب میں کبھی نہیں بچ سکتا، تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کل اہل حجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے۔ پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا۔

مغازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضور ﷺ کے سامنے ہوا تو صحابہؓ نے اس کے مقابلے کی خواہش کی لیکن آپ نے انہیں روک دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا اسے آنے دو۔ جب وہ قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ ہم نے اسی وقت سمجھ لیا کہ اس کی خیر نہیں۔ آپ نے اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی۔ ایک مرتبہ میں پچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا یہ پیغمبر ﷺ کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف جنہیں مشرکین نے احد والے دن شہید کیا تھا، اشارہ کر کے فرما رہے تھے اللہ کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی اللہ کا غضب ہے جسے اللہ کا رسول ﷺ اللہ کی راہ میں قتل کرے۔ اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسول کا چہرہ زخمی کیا۔ عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھوں حضور ﷺ کو یہ زخم لگا تھا، سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے تھے رخساروں پر زخم آیا تھا اور ہونٹ پر بھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کرتے تھے مجھے جس قدر اس شخص کے قتل کی حرص تھی کسی اور کے قتل کی نہ تھی یہ شخص بڑا بد خلق تھا اور قوم بھر اس کی دشمن تھی اور اس کی برائی میں حضور ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے کہ نبی کو زخمی کرنے والے پر اللہ سخت غضب ناک ہے۔ عبدالرزاق میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے بد دعا کی کہ اے اللہ سال بھر میں یہ ہلاک ہو جائے اور کفر پر اس کی موت ہو۔ چنانچہ یہی ہوا اور یہ بد بخت کافر مرا اور جہنم واصل ہوا۔ ایک مہاجر کا بیان ہے کہ چو طرف سے احد والے دن حضور ﷺ پر تیر باری ہو رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت سے وہ سب پھیر دیئے جاتے تھے۔ ابی بن خلف نے اس دن قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمد ﷺ کو دکھا دو وہ آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا، اگر وہ نجات پا گیا تو میری نجات نہیں۔ اب وہ حضور ﷺ کی طرف لپکا اور بالکل آپ کے پاس آ گیا اور اسوقت حضور ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اسے حضور ﷺ نظر ہی نہیں آئے۔ جب وہ نامراد پلٹا تو صفوان نے اسے طعنہ زنی کی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں واللہ وہ اللہ کی طرف سے محفوظ ہیں

ہمارے ہاتھ نہیں لگنے کے۔ سنو ہم چار شخصوں نے ان کے قتل کا پختہ مشورہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمان کئے تھے ہم نے ہر چند چاہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ واقدی کہتے ہیں لیکن ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیشانی کو زخمی کرنے والا ابن قمیئہ اور ہونٹ اور دانتوں پر صدمہ پہنچانیوالا عتبہ بن ابی وقاص تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابو بکرؓ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ کے سر ہے' جب میں لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کی حمایت میں جان ٹکائے لڑ رہا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ کرے یہ طلحہ ہوؓ اب جو قریب آکر دیکھا تو طلحہؓ ہی تھے میں نے کہا ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہ﴾ میری قوم کا ایک شخص ہے میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے۔ غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے۔ اب جو میں نے بغور حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو ۲ کڑیاں کھپ گئی ہیں۔ میں آپ ﷺ کی طرف لپکا لیکن آپ نے فرمایا ابو طلحہؓ کی خبر لو۔ میں نے چاہا کہ حضور ﷺ کے چہرہ میں سے وہ دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں ان کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ میں نے اب پھر چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے پھر قسم دی تو میں رک گیا۔ انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی۔ اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہؓ کی طرف متوجہ ہو گئے ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں۔ انگلیاں کٹ گئی ہیں' ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی۔ حضور ﷺ کے زخم کا خون حضرت ابو سعید خدری نے چوسا تا کہ خون تھم جائے پھر ان سے کہا گیا کہ کلی کر ڈالو' لیکن انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں کلی نہ کروں گا' پھر میدان جنگ میں چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے' چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ زخمی ہوا سامنے کے دانت ٹوٹے' سر کا خود ٹوٹا۔ حضرت فاطمہؓ خون دھوتی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال میں پانی لا لا کر ڈالتے جاتے تھے جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہؓ نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا۔ پھر فرماتا ہے تم کو غم پر غم پہنچا۔ بغم کا "ب" معنی میں ﴿ علی ﴾ کے ہے جیسے ﴿ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ میں فی معنی میں ﴿ عَلٰی ﴾ کے ہے۔ ایک غم تو شکست کا جب کہ یہ مشہور ہو گیا کہ اللہ نہ کرے حضور ﷺ کی جان پر بن آئی۔

دوسرا غم مشرکوں کا پہاڑ کے اوپر غالب آکر چڑھ جانیکا جبکہ حضور ﷺ فرماتے تھے انہیں یہ بلندی لائق نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں ایک غم شکست کا دوسرا غم حضور ﷺ کے قتل کی خبر کا اور یہ غم اگلے غم سے بھی زیادہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک غم تو غنیمت کا ہاتھ میں آکر نکل جانے کا دوسرا ہزیمت ہونے کا۔ اسی طرح ایک غم اپنے بھائیوں کے قتل کا دوسرا غم حضور ﷺ کی نسبت ایسی منحوس خبر کا۔ پھر فرماتا ہے جو غنیمت اور فتح مندی تم سے فوت ہوئی اور جو زخم و شہادت ملی اس پر غم نہ کھاؤ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو بلندی اور جلال والا ہے وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ ؕ

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ تو کہہ دے کہ کام تو کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید تجھے نہیں بتاتے' کہتے ہیں کہ اگر ہم کو کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے' کہہ دے کہ گو تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کی باتوں کا آزمانا اور تمہارے دل کے ارادوں کا نکھارنا تھا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوگئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطانی اغوا میں آگئے۔ لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا۔

جنگ اُحد کے واقعات: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس غم ورنج کے وقت جو احسان فرمایا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے ان پر اونگھ ڈال دی ہتھیار ہاتھ میں ہیں دشمن سامنے ہے لیکن دل میں اتنی تسکین ہے کہ آنکھیں اونگھ سے جھکی جا رہی ہیں جو امن و امان کا نشان ہے جیسے سورہ انفال میں بدر کے واقعہ میں ہے ﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ﴾ یعنی اللہ کی طرف سے امن بصورت اونگھ نازل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں لڑائی کے وقت کی اونگھ اللہ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ کا بیان ہے کہ احد والے دن مجھے اس زور سے اونگھ آنے لگی کہ بار بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ گئی۔ آپ فرماتے ہیں جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا۔ ہاں البتہ ایک جماعت وہ بھی تھی جن کے دلوں میں نفاق تھا' یہ مارے خوف و دہشت کے ہلکان ہو رہے تھے اور ان کی بدگمانیاں اور برے خیال حد کو پہنچ گئے تھے۔ پس اہل ایمان اہل یقین اہل ثبات اہل توکل اور اہل صدق تو یقین کرتے تھے کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی ضرور مدد کریگا اور انکی منہ مانگی مراد پوری ہو کر رہے گی لیکن اہل نفاق اہل شک بے یقین ڈھل مل ایمان والوں کی عجب حالت تھی ان کی جان عذاب میں تھی وہ ہائے وائے کر رہے تھے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسواس اٹھ رہے تھے انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ اب مرے' وہ جان چکے تھے کہ رسول اور مومن نہیں رہے اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ فی الواقع منافقوں کا یہی حال ہے کہ جہاں ذرا نیچا پانسہ دیکھا اور ناامیدی کی گھنگھور گھٹاؤں نے

انہیں گھیر لیا۔ برخلاف ان کے ایماندار بد سے بدتر حالت میں بھی اللہ سے نیک گمان رہتا ہے۔

ان کے دلوں کے خیالات یہ تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی بس چلتا تو آج کی موت سے بچ رہتے اور چپکے چپکے یوں کہتے بھی تھے۔ حضرت زبیرؓ کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں میں نے اپنی اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے تو مقدرات اللہ میں مرنے کا وقت نہیں ٹلتا گو تم گھروں میں ہوتے لیکن پھر بھی جن پر یہاں کٹنا لکھا جا چکا تھا وہ گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور یہاں میدان میں آڈٹتے اور اللہ کا لکھا پورا اترتا۔ یہ وقت اس لئے تھا کہ اللہ تمہارے دلوں کے ارادوں اور تمہارے مخفی بھیدوں کو ظاہر کر دے اس آزمائش سے بھلے اور برے نیک اور بد میں تمیز ہو گئی اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف ہیں اس نے اس ذرا سے واقعہ سے منافقوں کو ظاہر کر دیا اور مسلمانوں کا بھی ظاہری امتحان ہو گیا۔ اب سچے مسلمانوں کی لغزش کا بیان ہو رہا ہے جو انسانی کمزوری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی۔ فرماتا ہے یہ لغزش ان سے شیطان نے کرادی اور دراصل یہ ان کے عمل کا نتیجہ تھا نہ یہ نافرمانی رسول اللہ ﷺ کرتے نہ ان کے قدم اکھڑتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ معذور جانتا ہے اور ان سے اس نے درگزر فرما لیا اور انکی اس خطا کو معاف کر دیا۔ اللہ کا کام ہی تجاوز کرنا بخشنا معاف فرمانا حلم اور بردباری برتنا تحمل اور غفو کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ وغیرہ کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ ولید بن عقبہؓ نے ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا آخر تم امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا ان سے کہدو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا بدر کے غزوہ میں غیر حاضر نہیں رہا اور نہ سنت عمر ترک کی۔ ولید نے جا کر حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کہہ رہا ہے ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ یعنی احد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا' پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا اس پر عار دلانا کیسا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی' اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں پس حکماً میری موجودگی ثابت ہوئی۔ رہی سنت عمرؓ تو اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمٰن میں۔ جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْاۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں کہا کہ اگر یہ ہمارے

پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارڈالے جاتے‘اس کیوجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنادے اللہ تعالیٰ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ قسم ہے اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کئے جاؤ یا اپنی موت مرو بیشک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔ بالیقین خواہ تم مر جاؤ خواہ مارڈالے جاؤ جمع تو اللہ کی طرف ہی کئے جاؤ گے۔

ایمان والوں کو فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرمارہا ہے۔ یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے اگر وہ سفر اور لڑائی نہ کرتے تو نہ مرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت وافسوس کا بڑھانیوالا ہے دراصل موت وحیات اللہ کے ہاتھ ہے مرتا ہے اس کی چاہت سے اور زندگی ملتی ہے تو اس کے ارادے سے تمام امور کا جاری کرنا اس کے قبضہ میں ہے اسکی قضاوقدر ٹلتی نہیں اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی باہر نہیں تمام مخلوق کے ہر ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ دوسری آیت بتلارہی ہے کہ راہ اللہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی معفرت ورحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً دنیاومافیہا سے بہتر ہے کیوں کہ یہ فانی ہے‘اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑ کریا قتل ہو کر‘لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے ‘برا ہو‘تو اور بھلا ہو تو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ يَتْلُوْا عَلَيْھِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْھِمْ وَيُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اللہ کی رحمت کے باعث تو ان پر نرم دل ہے۔ اور اگر تو بدزبان اور سخت دل ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے استغفار کر اور کام کا مشورہ ان سے کر لیا کر۔ پھر جب تیرا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد

کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے۔ ہر خیانت کرنیوالا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا' اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضگی لیکر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔ اللہ کے پاس یہ بڑے مرتبوں پر ہیں ان کے تمام اعمال اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔ بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

نبیؐ اپنی امت پر رحم دل ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر اور مسلمانوں پر احسان جتاتا ہے کہ نبی کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے اللہ نے نبی کے دل کو نرم کر دیا ہے اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ﴿مَا﴾ صلہ ہے جو معرفہ کے ساتھ عرب ملا دیا کرتے ہیں جیسے ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ ﴾ الخ میں اور نکرہ کے ساتھ بھی ملا دیتے ہیں جیسے ﴿عَمَّا قَلِيْلٍ ﴾ میں' اسی طرح یہاں ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم دل ہوا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ حضور ﷺ کے اخلاق ہیں جن پر آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ آیت ٹھیک اس آیت جیسی ہے ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ ﴾ یعنی تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے جو تم پر حرص والے ہیں جو مومنوں پر شفقت اور رحم والے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوامامہ باہلیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا' اے ابوامامہ! بعض مومن وہ ہیں جن کے لئے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ ﴿ فَظًّا ﴾ سے مراد یہاں سخت کلام ہے کیوں کہ اس کے بعد ﴿ غَلِيْظَ الْقَلْبِ ﴾ کا لفظ ہے یعنی سخت دل۔ فرمان ہے کہ اے نبی! اگر تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے اور تم کو چھوڑ دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کا والہ وشیدا بنا دیا ہے اور ان کے دل لگے ہیں' اس لئے آپ کو بھی ان کی طرف سے محبت اور نرمی عطا فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی صفتوں کو اگلی کتابوں میں بھی پاتا ہوں کہ آپ سخت کلام سخت دل بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے نہیں بلکہ درگزر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی آؤ بھگت خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔

مشورہ کرنا سنت ہے: اس آیت میں بھی فرمان ہے۔ تو ان سے درگزر کر' ان کے لئے استغفار کر اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر۔ اسی لئے حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے کہ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لئے مشورہ لیا اور صحابہؓ نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو بھی ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں' ہم وہ نہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں' بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح آپ نے اس بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمروؓ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو۔ اسی طرح احد کے موقعہ پر بھی آپ نے مشورہ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں؟ اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا۔ اور آپ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینے کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذؓ نے اس کا انکار کیا اور آپ نے بھی اس مشورہ کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی۔ اسی طرح آپ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں پر دھاوا بول دیں؟ تو حضرت

صدیقؓ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف عمرے کا ہے۔ چنانچہ اسے بھی آپ نے منظور فرمالیا۔ اسی طرح جب منافقین نے آپ کی بیوی صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے مسلمانوں مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں اللہ کی قسم میرے علم میں تو میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں واللہ میرے نزدیک تو وہ بھی بھلائی والا ہی ہے' اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی جدائی کیلئے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ لیا۔ غرض لڑائی کے کاموں میں بھی دیگر امور میں بھی حضور ﷺ صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشورہ کا حکم آپ کو بطور وجوب کے تھا یا اختیاری امر تھا تاکہ لوگوں کے دل خوش رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے (حاکم) یہ دونوں حضور ﷺ کے حواری اور آپ ﷺ کے وزیر تھے اور مسلمانوں کے باپ ہیں (کلبی)۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بزرگوں سے فرمایا اگر تمہاری دونوں کی کسی امر میں ایک رائے ہو جائے تو میں تمہارا اخلاف کبھی نہ کروں گا۔ حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عزم کے کیا معنی ہیں تو آپ نے فرمایا جب عقلمند لوگوں سے مشورہ ہو جائے پھر انکی مان لینا (ابن مردویہ)۔ ابن ماجہ میں آپ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے بھلی بات کا مشورہ دے (ابن ماجہ) پھر فرمایا جب تم کسی کام کا مشورہ کر چکو پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ پر بھروسہ کرو' اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

پھر دوسری آیت کا ارشاد بالکل اسی طرح کا ہے جو پہلے گزرا کہ ﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلاَّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ یعنی مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے اور حکمتوں والا ہے پھر حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو توکل اور بھروسہ ذات باری ہی پر ہونا چاہئے

نبیؐ صادق وامین ہیں: پھر فرماتا ہے نبی کو لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بدر کے دن ایک سرخ رنگ چادر نہیں ملتی تھی تو لوگوں نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو' اس پر یہ آیت اتری (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ منافقوں نے حضور ﷺ پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی جس پر آیت ﴿ وَمَا كَانَ ﴾ الخ اتری۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سردار ہر قسم کی خیانت سے' بیجا طرفداری سے مبرا اور منزہ ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی غلول نہیں کر سکتا کہ بعض لشکریوں کو دے اور بعض کو ان کا حصہ نہ پہنچائے۔ اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی اللہ کی نازل کردہ کسی چیز کو چھپا لے اور امت تک اسے نہ پہنچائے ﴿ يُغَلَّ ﴾ کو "یے" کے پیش سے بھی پڑھا گیا ہے' تو معنی یہ ہوں گے کہ نبی کی ذات ایسی نہیں کہ ان کے پاس والے ان کی خیانت کریں۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ اور حضرت ربیعؒ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آپ ﷺ کے اصحاب نے مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا تھا اس پر یہ آیت اتری (ابن جریر)۔

خائن کیلئے سخت عذاب ہے: پھر خائن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اور سخت عذابوں کی خبر دیجاتی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بابت بہت کچھ سخت وعید ہے چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والے وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت کی زمین یا اس کے گھر کی زمین دبالے' اگر ایک ہاتھ زمین بھی ناحق اپنی طرف کر لے گا' تو ساتوں زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائیگا۔ مسند کی اور حدیث میں ہے جسے ہم حاکم بنائیں گے اگر اس کا گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے بیوی نہ ہو تو کر سکتا ہے خادم نہ ہو تو رکھ سکتا ہے سواری نہ ہو تو

مہیا کر سکتا ہے اس کے سوا اگر کچھ اور لے گا تو خائن ہو گا۔ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی دیگر الفاظ سے منقول ہے۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئیگا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا۔ میں کہہ دونگا کہ میں اللہ کے پاس تیرے کچھ کام نہیں آ سکتا میں تو پہنچا چکا تھا' اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اٹھائے ہوئے آجائیگا۔ جو بول رہا ہو گا یہ بھی کہے گا کہ اے محمدؐ اے محمدؐ میں کہونگا میں تیرے لئے اللہ کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تو تبلیغ کر چکا تھا' اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئیگا جو ہنہنا رہا ہو گا وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دونگا کہ میں تو پہنچا چکا تھا آج کچھ کام نہیں آ سکتا' اور اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لئے ہوئے حاضر ہو گا اور کہہ رہا ہو گا یا محمد! محمدؐ یا محمد! محمدؐ میں کہونگا میں اللہ کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا میں تو تجھے بتا چکا تھا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجا جسے ابن اللتبیہ کہتے تھے۔ یہ جب زکوۃ وصول کر کے آئے تو کہنے لگے یہ تو تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے۔ نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ہم انہیں کسی کام پر بھیجتے ہیں تو آ کر کہتے ہیں یہ تمہارا اور یہ ہمارے۔ تحفے کا' یہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز بھی لے لیگا وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اونٹ ہے تو چلا رہا ہو گا گائے ہو تو بول رہی ہو گی بکری ہے تو چیخ رہی ہو گی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اس قدر بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ مسند احمد کی ایک ضعیف حدیث میں ہے ایسے تحصیلداروں اور حاکموں کو جو تحفے ملیں وہ خیانت ہیں۔ یہ روایت صرف مسند احمد میں ہے جو ضعیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اگلی مطول روایت کا ماحصل ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا جب میں چلدیا تو آپ نے مجھے بلوایا' جب میں واپس آیا تو فرمایا میں نے تجھے صرف ایک بات کہنے کے لئے بلوایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کوئی چیز لو گے وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا' بس یہی کہنا تھا جاؤ اپنے کام میں لگو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز کھڑے ہو کر خیانت کا ذکر کیا اور اس کے بڑے بڑے گناہ اور وبال بیان فرما کر ہمیں ڈرایا۔ پھر جانوروں کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے حضور ﷺ سے فریادرسی کی عرض کرنے اور آپ ﷺ کے انکار کر دینے کا ذکر کیا' جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس میں سونے چاندی کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اے لوگو جسے ہم عامل بنائیں اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی ہلکی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے جسے لے کر وہ قیامت کے دن حاضر ہو گا۔ یہ سن کر ایک سانولے رنگ کے انصاری حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ حضور ﷺ میں تو عامل بننے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ فرمایا کیوں؟ کہا آپ نے جو اس طرح فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اب بھی سنو جسے ہم کوئی کام سونپیں اسے چاہئے کہ تھوڑا بہت سب کچھ لائے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے رک جائے۔ یہ حدیث مسلم اور ابو داؤد میں بھی ہے۔

حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عموماً نماز عصر کے بعد بنو عبدالاشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے' وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے بقیع میں آ کر فرمانے لگے تف ہے تجھے' تف ہے تجھے میں سمجھا آپ مجھے فرما رہے ہیں چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے۔ میں نے کہا حضور ﷺ! آپ کے اس فرمان کی وجہ سے میں رک گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے اسے میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا اس نے ایک چادر لے لی' وہ چادر اب آگ بنکر اس کے

اوپر بھڑک رہی ہے (مسند احمد)۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیتے اور فرماتے میرا بھی اس میں وہی حق ہو جو تم میں سے کسی ایک کا' خیانت سے بچو خیانت کرنے والے کی رسوائی قیامت کے دن ہو گی' سوئی دھاگے تک پہنچا دو اور اس سے حقیر چیز بھی' اللہ کی راہ میں نزدیک والوں اور دور والوں سے جہاد کرو' وطن میں بھی اور سفر میں بھی۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے اور رنج و غم سے نجات دیتا ہے' اللہ کی حدیں نزدیک و دور والوں میں جاری کرو' اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے ولے کی ملامت تمہیں منہ روکے (مسند احمد)۔ اس حدیث کا بعض حصہ ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا "اے ابو مسعود! جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تم کو قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو۔ میں نے کہا حضور! پھر میں تو نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا اچھا میں تم کو زبردستی بھیجتا بھی نہیں (ابوداؤد)۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلا جائے لیکن تہہ تک نہیں پہنچتا۔ خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا پھر خیانت والے سے کہا جائیگا جا اسے لے آ۔ یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے ﴿ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ والے دن صحابہ کرام آنے لگے اور کہنے لگے فلاں شہید ہے فلاں شہید ہے۔ جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے غنیمت کے مال کی ایک چادر خیانت کر لی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا اے عمر بن خطاب! تم جاؤ اور لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے۔ چنانچہ میں چلا اور سب میں یہ ندا کر دی۔ یہ حدیث مسلم اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے صدقات کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ آپ نے صدقات میں خیانت کرنیوالے کی نسبت فرمایا اس میں سے جو شخص اونٹ یا بکری لے لے وہ اسے قیامت والے دن اٹھائے ہوئے ہوگا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا' ہاں یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ابن جریر میں سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ انہیں صدقات وصول کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے بھیجنا چاہا اور فرمایا اے سعد! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تو بلبلاتے اونٹ کو اٹھا کر لائے۔ تو حضرت سعدؓ کہنے لگے کہ نہ میں اس عہدہ کو لوں اور نہ ایسا ہونے کا احتمال رہے چنانچہ حضور ﷺ نے بھی اس کام سے انہیں معاف رکھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسلمہ بن عبدالملکؒ کے ساتھ روم کی جنگ میں حضرت سالم بن عبداللہؒ بھی تھے' ایک شخص کے اسباب میں کچھ خیانت کا مال بھی نکلا۔ سردار لشکر نے حضرت سالمؒ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ان سے ان کے باپ عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے "کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اسباب میں تم چوری کا مال پاؤ اسے جلا دو۔ راوی کہتا ہے میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا' اسے سزا دو۔ چنانچہ جب اس کا مال بازار میں نکالا تو اس میں ایک قرآن شریف بھی تھا۔ حضرت سالمؒ سے پھر اس کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اسے بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کر دو۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام علی بن مدینیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔ امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں' صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت سالمؒ کا اپنا فتویٰ ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کا اسباب جلا دیا جائے اور اسے مملوک کی حد سے کم مارا جائے اور اس کا حصہ نہ دیا جائے۔ ابوحنیفہؒ مالکؒ شافعیؒ اور جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے یہ کہتے ہیں اس کا اسباب نہ جلایا جائے بلکہ اس کے مثل اسے تعزیر یعنی سزا دی جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے کی نماز سے انکار کر دیا اور اس کا

اسباب نہیں جلایا' واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ قرآن شریفوں کے جب تغیر کا حکم کیا گیا تو حضرت ابن مسعودؓ فرمانے لگے تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اسے چھپا کر رکھ لے کیونکہ جو شخص جس چیز کو چھپا کر رکھ لے گا اسی کو لے کر قیامت کے روز آئیگا۔ پھر فرمانے لگے میں نے ستر دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی پڑھا ہے۔ پس کیا میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھائی ہوئی قرائت کو چھوڑ دوں؟ امام وکیعؒ بھی اپنی تفسیر میں اسے لائے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لیکر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس یہ رہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے حضرت بلال کی منادی سنی تھی؟ جو تین مرتبہ ہوئی تھی۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟ اس نے عذر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اب میں ہرگز نہ لوں گا' تو ہی اسے لیکر قیامت کے دن آنا۔

ایمان دار اور بے ایمان برابر نہیں:- اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شرع پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق ہونیوالے اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے اس کے عذابوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جو مر کر جہنم میں ٹھکانا پائیں گے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں اور جگہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو حق ماننے والا اور اس سے اندھا رہنے والا برابر نہیں' اسی طرح فرمان ہے کہ جن سے اللہ کا اچھا وعدہ ہو چکا ہے اور جو اسے پاک کرنے والا ہے وہ اور دنیا کا نفع حاصل کرنیوالا برابر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں' وہ جنت کے درجوں میں ہیں اور یہ جہنم کے طبقوں میں' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ پھر فرمایا اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا نہ نیکی ماری جائے گی اور نہ بدی بڑھائی جائے گی بلکہ عمل کے مطابق ہی جزا و سزا ہو گی

نبیؐ انسانی جنس سے ہی ہیں:- پھر فرماتا ہے کہ مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس سے ان میں اپنا پیغمبر بھیجا تا کہ اس سے بات چیت کر سکیں پوچھ گچھ کر سکیں ساتھ اٹھ بیٹھ سکیں اور پوری طرح نفع حاصل کر سکیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمِنْ اٰیَاتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ﴾

یہاں بھی مطلب ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے اس نے پیدا کئے اور جگہ ہے ﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ کہدے کہ میں تم جیسا ہی انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے اور فرمان ہے ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ﴾ یعنی تم سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اور جگہ ہے ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ﴾ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کو ہی وحی کی تھی جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔ اور ارشاد ہے ﴿ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ﴾ یعنی اے جنو اور انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ الغرض یہ پورا احسان ہے مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول بھیجے گئے تا کہ وہ پاس بیٹھ اٹھ کر بار بار سوال جواب کر کے پوری طرح دین سیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ اللہ کی آیتیں یعنی قرآن کریم انہیں پڑھاتا ہے اور اچھی باتوں کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر انکی جانوں کی پاکیزگی کرتا ہے اور شرک و جاہلیت کی ناپاکی کے اثرات ان سے زائل کرتا ہے اور انہیں کتاب اور سنت سکھاتا ہے اس رسول ﷺ کے آنے سے پہلے تو یہ صاف بھٹکے ہوئے تھے ظاہر برائی اور پوری

جہالت میں تھے۔

أَوَلَمَّآ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

کیا جب کبھی تم کو کوئی تکلیف پہنچے کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اور تم کو جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈ بھیڑ ہو گئی تھی وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے۔ جن سے کہا گیا کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ۔ تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے' اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں' اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو۔

جنگ احد کے بقیہ واقعات: یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے تھے اور اس سے دوگنی مصیبت مسلمانوں نے کافروں کو پہنچائی تھی یعنی بدر والے دن ستر کافر قتل کئے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آ گئی؟ اللہ فرماتا ہے یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لیکر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کئے گئے اور صحابہ میں بھاگڑ پڑ گئی حضور رسالت مآب (ﷺ) کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کے سر مبارک پر خود تھا وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا۔ اس کا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہو رہا ہے (ابن ابی حاتم و مسند امام احمد بن حنبل)۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا محمد ﷺ! آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ کو پسند نہ آیا اب انہیں دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر ان مسلمانوں میں سے اتنی ہی تعداد شہید ہو گی۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں۔ تو انہیں نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ ہمارے قبائل کے ہیں ہمارے رشتہ دار بھائی ہیں ہم کیوں ان سے فدیہ لیکر نہ چھوڑ دیں؟ اور اس مال سے ہم طاقت قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے؟ چنانچہ جرمانہ

وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد کے غزوہ احد میں شہید ہوئی (ترمذی۔ نسائی)۔ پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں تو وہ شہید ہوئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی اس باعث تم کو یہ نقصان پہنچا۔ تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے جو ارادہ ہو حکم دے کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔

دونوں جماعتوں کی مڈ بھیڑ کے دن جو نقصان تم کو پہنچا کہ تم دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تم میں سے بعض لوگ شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے یہ سب اللہ کی طرف قضاء و قدر سے تھا اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی' اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ثابت قدم غیر متزلزل ایمان والے صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی کہ راستے میں سے واپس لوٹ آئے۔ ایک مسلمان نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کم از کم ان چڑھ آنے والوں کو تو ہٹاؤ لیکن انہوں نے ٹال دیا کہ ہم تو فنون جنگ سے بے خبر ہیں اگر جانتے ہوتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ یہ بھی مدافعت میں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی یا دعائیں کرتے رہتے یا تیاریاں ہی کرتے۔ ان کے جواب کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم سچ مچ دشمنوں سے لڑو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ لڑائی ہونیکی ہی نہیں۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ احد کی جانب بڑھے آدھے راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی' اللہ کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدہ کو مد نظر رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو کیوں جانیں کھو رہے ہو۔ جس قدر نفاق اور شک و شبہ والے لوگ تھے اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام بنو سلمہ کے بھائی ہر چند انہیں سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم اپنے نبی کو اپنی قوم کو رسوا نہ کرو' انہیں دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر پیٹھ نہ پھیرو لیکن انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی ہونے کی ہی نہیں۔ جب یہ بیچارے عاجز آ گئے تو فرمانے لگے جاؤ تمہیں اللہ غارت کرے اللہ کے دشمنو! تمہاری کوئی حاجت نہیں اللہ اپنے نبی ﷺ کا مددگار ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ بھی انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت ہی نزدیک تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے احوال مختلف ہیں کبھی وہ کفر سے قریب ہو جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا یہ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں جیسے ان کا یہی قول کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ حالانکہ انہیں یقیناً معلوم ہے کہ مشرکین دور دراز سے چڑھائی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی ٹھان کر آ گئے ہیں وہ بڑے جلے کٹے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے سردار بدر والے دن میدان میں رہ گئے تھے اور ان کے اشراف قتل کر دیئے گئے تھے تو اب ان ضعیف مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور یقیناً جنگ عظیم برپا ہونے والی ہے۔ پس جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے انکے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے۔ اس کے جواب میں جناب باری جل و علا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات پر سچے ہو کر بیٹھ رہنے اور میدان جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل و موت سے بچ جاتا ہے تو چاہئے کہ تم تو مرو ہی نہیں اس لئے کہ تم تو گھروں میں ہی بیٹھے ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل پڑو گے گو تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ پس ہم تو تم کو تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ڔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْھُمْ سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہر گز مردہ نہ سمجھ، بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر برباد نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ۔ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے۔ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی۔ اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم ایمان دار ہو۔

شہادت کی فضیلت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شہید فی سبیل اللہ دنیا میں مار ڈالے جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور روزیاں پاتی ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس یا ستر صحابیوں کو بیر معونہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہ جماعت جب اس غار تک پہنچی جو اس کنویں کے اوپر تھی تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور آپس میں کہنے لگے کون ہے جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اللہ کے رسول ﷺ کا کلمہ ان تک پہنچائے۔ ایک صحابیؓ اس کے لئے تیار ہوئے اور ان لوگوں کے گھروں کے پاس آ کر بہ آواز بلند فرمایا اے بیر معونہ والو سنو میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں میری گواہی ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی ایک کافر اپنا تیر سنبھالے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس طرح تاک کر لگایا کہ ادھر کی پسلی سے ادھر کی پسلی میں وار پار نکل گیا۔ اس صحابی کی زبان سے بیساختہ نکلا ﴿ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ ﴾ کعبہ

کے رب کی قسم میں مراد کو پہنچ گیا۔ اب کفار نشانات ٹٹولتے ہوئے اس غار پر جا پہنچے اور عامر بن طفیل نے جو ان کا سردار تھا ان سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں انکے بارے میں قرآن اترا کہ ہماری جانب سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔ ہم ان آیات کو برابر پڑھتے رہے' پھر ایک مدت کے بعد یہ منسوخ ہو کر اٹھالی گئیں اور آیت ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ ﴾ الخ اتری (محمد بن جریر)۔ صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش کی قندیلیں ان کے لئے ہیں ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں چگیں اور قندیلوں میں آرام کریں۔ ان کی طرف ان کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا کچھ چاہتے ہو؟ کہنے لگے اے اللہ اور کیا مانگیں ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں کھائیں پئیں اختیار ہے' پھر کیا طلب کریں؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے پھر یہی پوچھا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کچھ مانگے چارہ ہی نہیں تو کہنے لگے اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دے' پھر ہم دنیا میں جا کر تیری راہ میں جہاد کریں اور مارے جائیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا کہ کیا چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو لوگ مر جائیں اور اللہ کے یہاں بہتری پائیں وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور دوبارہ راہ اللہ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے (مسند احمد)۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے فرمایا اے جابر تم کو معلوم بھی ہے کہ اللہ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہا اللہ دنیا میں پھر بھیج تا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں دوبارہ لوٹایا نہیں جائیگا۔ ان کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام انصاری تھا' اللہ ان سے رضامند ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور ابا کے منہ سے کپڑا ہٹا ہٹا کر بار بار ان کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا۔ صحابہؓ مجھے منع کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ خاموش تھے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا جابر رومت جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے رہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد والے دن شہید کئے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈالدیں جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آرام وراحت حاصل کریں۔ جب کھانے پینے رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی تا کہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور راہ اللہ کی لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم بے فکر رہو میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آئتیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہؓ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیتیں اتریں (مستدرک حاکم) یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ احد کے شہیدوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابو بکر ابن مردویہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے جابر کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سن! میں تجھے بتاؤں' جس کسی سے اللہ نے کلام کیا پردے کے پیچھے سے کلام کیا' لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی' فرمایا مجھ سے مانگ' جو مانگے گا دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ میں دوسری

مرتبہ شہید ہو جاؤں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا' یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا کہنے لگا پھر اللہ میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دیجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ ﴾ الخ نازل فرمائی۔ بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں تو اے اللہ تیری عبادت کا حق بھی ادا نہیں کر سکا۔ مسند احمد میں ہے شہید لوگ جنت میں دروازے پر نہر کے کنارے گنبد سبز میں ہیں' صبح و شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں۔ دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر یہ کھانے یہیں کھلائے جاتے ہوں' واللہ اعلم۔ یہاں پر وہ حدیث بھی وارد کرنا بالکل برمحل ہوگا جس میں ہر مومن کیلئے یہی بشارت ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔ اس حدیث کے راویوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جا رہے ہیں۔ ایک تو امام احمد بن حنبلؒ آپ نے اس حدیث کو روایت کیا امام محمد بن ادریس شافعیؒ سے' ان کے استاد ہیں حضرت امام مالک ابن انسؒ اصحی۔ پس امام احمدؒ' امام شافعیؒ' امام مالکؒ' تینوں زبردست پیشوا اس حدیث کے راوی ہیں۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایماندار کی روح جنتی پرند کی شکل میں جنت میں رہتی ہے اور شہیدوں کی روحیں جیسے کہ پہلے گزر چکا سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں۔ یہ روحیں مثل ستاروں کے ہیں جو عام مومنین کی روحوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں اپنے طور پر آپ ہی اڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو بہت بڑا مہربان اور زبردست احسانوں والا ہے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ایمان و اسلام پر موت دے' آمین۔

پھر فرمایا کہ یہ شہید جن جن نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں ان سے بیحد مسرور اور بہت ہی خوش ہیں اور انہیں یہ بھی خوشی اور راحت ہے کہ ان کے بھائی بند جو ان کے بعد راہ اللہ میں شہید ہوں گے اور ان کے پاس آئیں گے انہیں آئندہ کا کچھ خوف نہ ہوگا اور اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں پر انہیں حسرت بھی نہ ہوگی' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ وہ خوش ہیں کہ ان کے اور بھائی بند بھی جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی شہید ہو کر ان کی نعمتوں میں ان کے شریک حال ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے کہ فلاں دن تیرے پاس فلاں آئے گا پس جس طرح دنیا والے اپنے کسی غیر حاضر کے آنے کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں اسی طرح یہ شہداء ان شہیدوں کی آنے کی خبر سے مسرور ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب شہید جنت میں گئے اور وہاں اپنی منزلیں اور رحمتیں اور راحتیں دیکھیں تو کہنے لگے کاش کہ اس کا علم ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہو تا جو ابتک دنیا میں ہی ہیں تاکہ وہ جو ان مردی سے جان توڑ کر جہاد کرتے اور ان جگہوں میں جا گھستے جہاں سے زندہ واپس آنے کی امید نہ ہوتی' تو وہ بھی ہماری ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے۔ پس نبی ﷺ نے ان لوگوں کو ان کے اس حال کی خبر پہنچا دی اور اللہ نے ان سے کہدیا کہ میں نے تمہاری خبر تمہارے نبی کو دیدی ہے' اس سے وہ بہت ہی مسرور و محظوظ ہوئے۔ بخاری و مسلم میں بیر معونہ والوں کا قصہ بیان ہو چکا ہے جو ستر اشخاص انصاری صحابی تھے اور ایک ہی دن صبح کے وقت سب کو بے دردی سے کفار نے تہہ تیغ کیا تھا جن کے قاتلوں کے حق میں ایک ماہ تک نماز کے قنوت میں رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی تھی اور جن پر لعنت بھیجی تھی جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری تھی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچاؤ کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔ وہ اللہ کی نعمت و فضل کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہیں۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ آیت ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ تمام ایمانداروں کے حق میں ہے خواہ شہید ہوں خواہ غیر شہید۔ بہت کم ایسے موقعہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی فضیلت اور ان کے ثوابوں کا ذکر کرے اور اس کے بعد مومنوں کے ثوابوں کا ذکر نہ ہو۔

پھر ان سچے مومنین کا بیان تعریف سے ہو رہا ہے۔ جنہوں نے حمراء الاسد والے دن حکم رسول اللہ ﷺ پر باوجود زخموں سے چور ہونے کے جہاد پر کمر کس لی تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کو مصیبتیں پہنچائیں اور وہ اپنے گھروں کی طرف واپس چلدیئے لیکن پھر انہیں اس کا خیال آیا کہ موقعہ اچھا تھا مسلمان ہار چکے تھے زخمی ہوگئے تھے ان کے بہادر شہید ہو چکے تھے اگر ہم اور جم کر لڑتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا۔ نبی ﷺ ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے مسلمانوں کو تیار کرنے لگے کہ میرے ساتھ چلو ہم ان مشرکین کے پیچھے جائیں تاکہ ان پر رعب طاری ہو اور یہ جان لیں کہ مسلمان ابھی ناطاقت نہیں ہوئے۔ احد میں جو لوگ موجود تھے صرف انہی کو ساتھ چلنے کا حکم ملا' ہاں صرف حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کو ان کے علاوہ بھی ساتھ لیا۔ اس آواز پر بھی مسلمانوں نے لبیک کہی باوجود یہ کہ زخموں میں چور اور خون میں شرابور تھے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے کمر بستہ ہوگئے۔ حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو راستے میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا افسوس تم نے کچھ نہ کیا واپس لوٹو۔ جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا' یہ تیار ہوگئے اور مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حمراء الاسد تک یا بیر ابی عیینہ تک پہنچ گئے۔ مشرکین کے دل رعب و خوف سے بھر گئے اور یہ کہہ کر مکہ کی طرف چلدیئے کہ اچھا اگلے سال دیکھا جائیگا۔ حضور ﷺ بھی واپس مدینہ تشریف لائے یہ بھی بالاستقلال ایک الگ لڑائی گنی جاتی ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ احد کی لڑائی پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی تھی سولہویں تاریخ بروز اتوار منادی رسول ﷺ نے ندا دی کہ لوگو! دشمن کی طلب میں چلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں تھے۔ اس آواز پر حضرت جابرؓ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کل کی لڑائی میں میں نہ تھا اس لئے کہ میرے والد حضرت عبداللہ ؓ نے مجھ سے کہا کہ بیٹے تمہارے ساتھ یہ چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اسے تو نہ میں پسند کروں نہ تو کہ انہیں یہاں تنہا چھوڑ کر میں اور تم دونوں ہی چلدیں ایک جائیگا اور ایک یہاں رہے گا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تم جاؤ اور میں بیٹھا رہوں اس لئے میری خوشی ہے کہ تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جاتا ہوں' اس وجہ سے میں وہاں رہا اور میرے والد آپ ﷺ کے ساتھ آئے اب میری عین تمنا ہے کہ آج مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت دی۔

حضور ﷺ کا یہ سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن دہل جائے اور پیچھے آتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ ان میں بہت کچھ قوت ہے اور ہمارے مقابلہ سے یہ عاجز نہیں' قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ غزوہ احد میں ہم دونوں بھائی شامل تھے اور سخت زخمی ہو کر ہم واپس لوٹے تھے' جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے منادی نے دشمن کے پیچھے جانے کی ندا دی تو ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ افسوس نہ ہمارے پاس سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ جائیں نہ زخموں کے مارے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل ساتھ ہولیں افسوس کہ یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا ہمارے بیشمار گہرے زخم ہمیں آج کے جانے سے روک دیں گے لیکن پھر ہم نے ہمت باندھی۔ مجھے اپنے بھائی کی نسبت ذرا ہلکے زخم تھے جب میرے بھائی بالکل عاجز آجاتے قدم نہ اٹھتا تو میں انہیں جوں توں کر کے اٹھالیتا جب تھک جاتا اتار دیتا یوں ہی جوں توں کر کے ہم لشکر گاہ تک پہنچ ہی گئے" (سیرت ابن اسحاق)۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عروہؒ سے کہا اے بھانجے تیرے دونوں باپ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا ﴾ الخ آیت اتری ہے یعنی حضرت زبیر اور حضرت صدیق ؓ جبکہ نبی ﷺ کو احد کی جنگ میں نقصان پہنچا اور مشرکین آگے چلے تو آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ کہیں یہ پھر واپس نہ لوٹیں لہذا آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو ان کے پیچھے جائے۔ اس پر ستر شخص اس کام کیلئے مستعد ہوگئے جن میں ایک حضرت ابو بکر ؓ تھے دوسرے حضرت زبیر تھے ؓ۔ یہ روایت اور بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا کہ تیرے دونوں باپ ان لوگوں میں

سے ہیں لیکن یہ مرفوع بیان کرنا محض خطاہے اس لئے بھی کہ اس کی اسناد میں ثقہ راویوں کا خلاف ہے جو حضرت عائشہؓ کے باپ دادوں میں نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے لڑکے عروہؓ سے کہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور باوجودیکہ وہ احد کی لڑائی میں قدرے کامیاب ہو گیا تھا لیکن تاہم مکہ کی طرف چل دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان تم کو نقصان پہنچا کر لوٹ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مرعوب کر دیا ہے۔ احد کی لڑائی شوال میں ہوئی تھی اور تاجر لوگ ذیقعدہ میں مدینہ آتے تھے اور بدر صغری میں اپنے ڈیرے ہر سال اس ماہ میں ڈالا کرتے تھے۔ اب کے بھی اس واقعہ کے بعد لوگ آئے مسلمان اپنے زخموں میں چور تھے حضور ﷺ سے اپنی تکالیف بیان کرتے تھے اور سخت صدمہ میں تھے۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور پھر یہ قدرت انہیں اگلے سال تک نہ ہو گی لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو دھمکایا اور بہکانا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ لوگوں نے تمہارے استیصال کیلئے لشکر تیار کر لئے ہیں جس بناء پر لوگ ڈھیلے پڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو خواہ تم میں سے ایک بھی نہ چلے میں تن تنہا جاؤں گا۔ پھر آپ ﷺ کے رغبت دلانے پر حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت زبیر حضرت سعد حضرت طلحہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت حذیفہ بن یمان حضرت ابوعبیدہ بن جراح (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ ستر صحابہ آپ ﷺ کے زیر رکاب چلنے پر آمادہ ہوئے۔ یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی جستجو میں بدر صغری تک پہنچ گیا، انہی کی اس فضیلت اور جانبازی کا ذکر اس مبارک آیت میں ہے۔ حضور ﷺ اس سفر میں مدینہ سے آٹھ میل حمراء اسد تک پہنچ گئے مدینہ میں اپنا نائب آپ ﷺ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بنایا تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے پیر منگل بدھ تک قیام کیا پھر مدینہ لوٹ آئے۔ اثناء قیام میں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی یہاں سے نکلا تھا یہ خود مشرک تھا لیکن اس پورے قبیلے سے حضور ﷺ کی صلح و صفائی تھی اس قبیلہ کے مشرک و مومن سب آپ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے کہا کہ حضور ﷺ کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی اس پر ہمیں سخت رنج ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو انکی خوشی نصیب فرمائے۔ حمراء اسد پر آپ ﷺ پہنچے اس سے پہلے ابوسفیان چلدیا تھا، اس نے اور اسکے ساتھیوں نے واپس آنیکا ارادہ کیا تھا کہ جب ہم ان پر غالب آ گئے انہیں قتل کیا مارا پیٹا زخمی کیا پھر ادھورا کام کیوں چھوڑیں واپس جا کر سب کو تہ تیغ کر دیں۔ یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ کہو کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا کہ آنحضرت ﷺ مع صحابہؓ کے تم لوگوں کے تعاقب میں آرہے ہیں وہ لوگ سخت غصے میں ہیں جو پہلے لڑائی میں شریک نہ تھے وہ بھی آ گئے ہیں سب کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور بڑی پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوئے ہیں میں نے تو ایسا لشکر کبھی دیکھا نہیں، یہ سن کر ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا اچھا ہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہم تو خود ان کی طرف جانے کے لئے تیار تھے۔ معبد نے کہا ہرگز یہ ارادہ نہ کرو اور میری بات کا کیا ہے غالباً تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ہی لشکر اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لو گے میں ان کے لشکر ان کے غصے ان کی تیاری اور اولوالعزمی کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے صاف کہتا ہوں کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں اسلامیوں کے غیظ و غضب اور تہور و شجاعت اور سختی اور پختگی کا بیان کر سکوں، پس مختصر یہ ہے کہ جان کی خیر مناتے ہو تو فوراً یہاں سے کوچ کرو۔ ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہیں نے یہاں سے مکہ کی راہ لی۔ قبیلہ عبدالقیس کے آدمی جو کاروبار کی غرض سے مدینہ جا رہے تھے ان سے ابوسفیان نے کہا کہ تم حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے انہیں تہ تیغ کر دینے کے لئے لشکر جمع کر لئے ہیں اور ہم واپس لوٹنے کے ارادے میں ہیں۔ اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا تو ہم تم کو سوق عکاظ میں کشمش بہت ساری دیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حمراء اسد میں آ کر بطور ڈراوے کے نمک مرچ لگا کر یہ وحشت اثر خبر سنائی لیکن صحابہؓ نے نہایت استقلال اور پامردی سے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ جناب رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا میں نے ان کے لئے ایک پتھر کا نشان مقرر کر رکھا ہے اگر یہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر اس طرح مٹ جائیں گے جیسے گذشتہ کل کا دن۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر یہی ہے کہ حمراءاسد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اعداء اللہ تعالٰی نے ان کو پژمردہ کرنے کے لئے دشمنوں کے ساز و سامان اور ان کی کثرت و بہتات سے ڈرایا لیکن وہ صبر کے پہاڑ ثابت ہوئے ان کے غیر متزلزل یقین میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ وہ توکل میں اور بڑھ گئے اور اللہ کی طرف نظریں کر کے اس سے امداد طلب کی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ الخ حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں پڑتے وقت پڑھا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت جب کہ کافروں کے ٹڈی دل لشکر سے لوگوں نے آپ ﷺ کو خوفزدہ کرنا چاہا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام حاکمؒ نے اس روایت کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ یہ بخاری و مسلم میں نہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آخری کلمہ تھا جو خلیل اللہ علیہ السلام کی زبان سے آگ میں پڑتے وقت نکلا تھا۔ حضرت انسؓ والی روایت میں ہے کہ احد کے موقعہ پر جب حضور ﷺ کو کفار کے لشکروں کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے یہ کلمہ فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کی سرداری کے ماتحت جب حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا اور راہ میں خزاعہ کے ایک اعرابی نے یہ خبر سنائی تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں' جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آپڑے تو تم ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ آخر تک پڑھو۔ مسند احمد میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان حضور ﷺ نے فیصلہ کیا تو جسکے خلاف فیصلہ صادر ہوا تھا اس نے یہی کلمہ پڑھا۔ آپ ﷺ نے اسے واپس بلوا کر فرمایا عاجزی اور کاہلی پر اللہ کی ملامت ہوئی ہے دانائی دوراندیشی اور عقلمندی کیا کرو' پھر کسی امر میں پھنس جاؤ تو یہ پڑھ لو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کس طرح بےفکر اور فارغ ہو کر با آرام رہوں حالانکہ صاحب صور نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے حکم اللہ کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ صحابہؓ نے کہا حضور! کیا کیا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ پڑھو۔

اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فخر سے فرمایا میرا نکاح تو خود اللہ تعالٰی نے کر دیا ہے اور تمہارے نکاح تمہارے ولی وارثوں نے کئے ہیں۔ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا میری برآت اور پاکیزگی کی آیتیں اللہ تعالٰی نے آسمان سے اپنے پاک کلام میں نازل فرمائی ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا اسے مان گئیں اور پوچھا یہ تو بتاؤ۔ تم نے (حضرت) صفوانؓ بن معطل کی سواری پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا ﴿ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ یہ سن کر مائی صاحبہ حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا تم نے ایمان والوں کا کلمہ کہا تھا۔

چنانچہ اس آیت میں بھی رب رحیم کا ارشاد ہے کہ ان توکل کرنے والوں کی کفایت اللہ تعالٰی نے کی اور ان کے ساتھ جو لوگ برائی کا ارادہ رکھتے تھے انہیں ذلت اور بربادی کے ساتھ پسپا کیا' یہ لوگ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے اپنے شہروں کی طرف بغیر کسی نقصان اور برائی کے لوٹے' دشمن اپنی مکاری میں ناکام رہا' ان سے اللہ تعالٰی خوش ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کی خوشی کا کام انجام دیا تھا اللہ تعالٰی بڑے فضل و کرم والا ہے۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ نعمت تو یہ تھی کہ وہ سلامت رہے اور فضل یہ تھا کہ حضور ﷺ نے تاجروں کے ایک قافلہ سے مال خرید لیا جس میں بہت ہی نفع ہوا اور اس کل منافع کو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم فرما دیا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضور ﷺ سے کہا اب وعدہ کی جگہ بدر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ممکن ہے چنانچہ آپ ﷺ وہاں پہنچے یہ ڈرپوک آیا نہیں وہاں بازار کا دن تھا مال خرید لیا جو نفع سے بکا۔ اس کا نام غزوہ بدر صغریٰ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تم کو دھمکار ہا تھا اور گیدڑ بھبکیاں دے رہے تھا' تم کو چاہئے کہ ان سے نہ ڈرو صرف میرا ہی خوف دل میں رکھو کیونکہ ایمانداری کی یہ شرط ہے کہ جب کوئی ڈرائے دھمکائے اور دینی امور سے تم کو باز رکھنا چاہے تو مسلمان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اسکی طرف سمٹ جائے اور یقین مانے کہ کافی اور ناصر وہی ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟ یہ لوگ تجھے اس کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں (یہاں تک فرمایا) تو کہہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اور جگہ فرمایا اولیاء شیطان سے لڑو' شیطان کا مکر بڑا بودا ہے اور جگہ ارشاد ہے یہ شیطانی لشکر ہے یاد رکھو شیطانی لشکر ہی گھاٹے اور خسارے میں ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ غلبہ یقیناً مجھے اور میرے رسولوں کو ہی ہو گا اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ﴾ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ اس کی امداد فرمائے گا۔ اور فرمان ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد کرے گا الخ۔ اور آیت میں ہے ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ﴾ بالیقین ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جس دن ظالموں کو عذر معذرت نفع نہ دے گی' ان کے لئے لعنت ہے اور ان کیلئے برا گھر ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۗ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں' یقین مان کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت

کا کوئی حصہ نہ کرے' اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اور ان ہی کے لئے المناک عذاب ہے۔ کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ یہ مہلت تو صرف اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں' ان ہی کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں۔ جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو چھوڑ نہ دے گا جب تک پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے' اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو غیب سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان رکھو' اگر تم ایمان لاؤ اور تقوے کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں۔ بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے۔ عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے' آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔

اللہ کے ساتھ کفر کرنا نبیؐ پہ گراں گزرتا ہے: چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں پر بیحد مشفق و مہربان تھے اس لئے کفار کی بے راہ روی آپ ﷺ پر گراں گزرتی تھی وہ جوں جوں کفر کی جانب بڑھتے رہتے تھے حضور ﷺ غمگین خاطر ہوتے جاتے تھے اس لئے جناب باری آپ ﷺ کو اس سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ حکمت الٰہی اسی کی متقضی ہے' ان کا کفر آپ ﷺ کو یا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیگا یہ لوگ اپنا اخروی حصہ برباد کر رہے ہیں اور اپنے لئے بہت بڑے عذابوں کو تیار کر رہے ہیں ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو محفوظ رکھے گا آپ ﷺ ان پر غم نہ کریں۔ پھر فرمایا میرے ہاں کا یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو کفر سے بدل ڈالیں وہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے لئے المناک عذاب مہیا کر رہے ہیں۔ پھر کافروں کا اللہ تعالیٰ کی مہلت پر اترانا بیان فرماتا ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ ﴾ الخ یعنی کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ان کے مال و اولاد کی بڑھوتری ہماری طرف سے ان کی خیریت کا نشان ہے؟ نہیں بلکہ وہ بے شعور ہیں۔ اور فرمایا ﴿ فَذَرْنِيْ وَ مَنْ يُّكَذِّبُ ﴾ الخ یعنی مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے ہم انہیں اسطرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور ارشاد ہے ﴿ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ﴾ الخ۔ یعنی ان کے مال اور اولاد سے کہیں تو دھوکے میں نہ پڑ جانا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے باعث دنیا میں بھی عذاب کرنا چاہتا ہے اور کفر پر ہی ان کی جان جائے گی۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بعض احکام اور بعض امتحانات سے اللہ تعالیٰ جانچ لیگا اور ظاہر کر دے گا کہ اس کا ولی کون ہے؟ اور اس کا دشمن کون ہے؟ مومن صابر اور منافق فاجر بالکل یکسو ہو جائیں گے اور صاف کھل پڑیں گے۔ اس سے مراد احد کی جنگ کا دن ہے جس میں ایمانداروں کا صبر واستقامت پختگی اور توکل فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اور منافقین کی بے صبری اور مخالفت تکذیب اور ناموافقت انکار اور خیانت صاف ظاہر ہو گئی' غرض جہاد کا حکم ہجرت کا حکم یہ گویا ایک آزمائش تھی جس نے بھلے برے میں تمیز کر دی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ذرا بتلائیں تو کہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر آیت ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ ﴾ الخ نازل ہوئی (ابن جریر)۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیب کو تم نہیں جان سکتے ہاں وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مومن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پسندیدہ کر لیتا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴾ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان فرشتوں کو چلاتا رہتا ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ پر اسکے پیغمبروں پر ایمان لاؤ یعنی اطاعت کرو شریعت کے پابند رہو یاد رکھو ایمان اور تقویٰ میں تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

بخل سے ممانعت: پھر ارشاد ہے کہ بخیل شخص اپنے مال کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھے وہ تو اس کے لئے سخت ضررناک چیز ہے' دین میں تو ہے ہی لیکن بسا اوقات دنیوی طور پر بھی اس کا انجام اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بخیلی کے مال کا اسے قیامت کے دن طوق ڈالا جائیگا۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرے اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے طوق کی طرح اسکے گلے میں لپٹ جائیگا اور اس کی باچھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائیگا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ﴾ الخ کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ بھاگتا پھریگا اور وہ سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر طوق کی طرح لپٹ جائیگا اور کاٹتا رہے گا۔ مسند ابو یعلی میں ہے جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دونوں آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اس کے پیچھے دوڑے گا یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے جو شخص اپنے آقا کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ باوجود بچت ہونے کے نہ دے اس کیلئے قیامت کے دن زہریلا اژدہا پھن پھناتا ہوا بلایا جائیگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو رشتہ دار محتاج اپنے مالدار رشتہ دار سے سوال کرے اور یہ نہ دے اس کی یہ سزا ہوگی اور وہ سانپ اسکے گلے کا ہار بن جائیگا (ابن جریر)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اہل کتاب جو اپنی کتابی باتوں کے پہچانے میں بخل کرتے تھے ان کی سزا کا بیان اس آیت میں ہو رہا ہے' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے گو یہ قول بھی آیت کے عموم میں داخل ہے بلکہ یہ بطور اولی داخل ہے' واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے جو تم کو دے رکھا ہے اس میں سے اس کے نام خرچ کرو تمام کاموں کا مرجع اسی کی طرف ہے' سخاوت کرو تا کہ اس دن کام آئے اور خیال رکھو کہ تمہاری نیتوں اور دلی ارادوں اور کل اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

وقف لازم

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والے عذاب چکھو۔ یہ ہے بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے بھیجا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں بیشک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی

لائے جسے آگ کھا جائے۔ تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے۔

یہود کا اللہ کی شان میں گستاخی کرنا: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے اور وہ اسے چند در چند کر کے دے تو یہود کہنے لگے کہ اے نبی! تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت ﴿ لَقَدْ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ یہودیوں کے مدرسے میں گئے یہاں کا بڑا معلم فنحاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا لوگوں کا مجمع تھا اور ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے۔ آپؓ نے فرمایا فنحاص! اللہ سے ڈر و اور مسلمان ہو جا' اللہ تعالیٰ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لیکر آئے ہیں ان کی صفتیں توراۃ وانجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فنحاص نے جواب میں کہا ابو بکرؓ! سن اللہ کی قسم اللہ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں اس کی طرف اس طرح نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں ہم غنی اور تونگر ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبر کہہ رہا ہے ہمیں تو سود سے روکے اور خود سود دے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔ اس پر حضرت صدیقؓ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے تھپڑ مارے اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا میں تیرا اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا' جاؤ بد نصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو۔ فنحاص نے جا کر اس کی شکایت سرکار محمدی ﷺ میں کی۔ آپ ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ اسے کیوں مارا؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے واقعہ بیان کیا لیکن فنحاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔ اس بارے میں یہ آیت اتری۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی خبر دیتا ہے کہ انکا یہ قول اور ساتھ ہی اسی جیسا ان کا بڑا گناہ یعنی قتل انبیاء علیہ السلام ہم نے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے۔ ایک طرف جناب باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرنا دوسری جانب نبیوں کو مار ڈالنا ان کاموں پر انہیں سخت تر سزا ہو گی۔ ان کو ہم کہیں گے کہ جلنے والے عذابوں کا ذائقہ چکھو۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہاری پہلی کرتوت کا بدلہ ہے۔ یہ کہہ کر انہیں ذلیل ورسوا کر کے عذاب پر عذاب ہوں گے' یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ان کو ان کے اس خیال میں جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے یہ کہتے تھے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اسکی امت میں سے جو شخص قربانی کرے اس کی قربانی کو کھا جانے کے لئے آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے۔ ان کے اس قول کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس معجزے والے پیغمبروں کو جو اپنے ساتھ دلائل اور براہین لیکر آئے تھے تم نے کیوں مار ڈالا؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دے رکھا تھا کہ ہر ایک قبول شدہ قربانی آسمانی آگ کھا جاتی تھی لیکن تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا ان کی بھی مخالفت اور دشمنی کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم کو تمہاری اپنی بات کا بھی پاس ولحاظ نہیں نہ تم حق کے ساتھی ہو نہ کسی نبی کے ماننے والے ہو تم یقیناً جھوٹے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے جھٹلانے سے آپ ﷺ تنگدل اور غمناک نہ ہوں اگلے اولوالعزم پیغمبروں کے واقعات کو اپنے لئے باعث تسلی بنائیں کہ وہ بھی باوجود دلیلیں ظاہر کر دینے کے اور باوجود اپنی حقانیت کو بخوبی واضح کر دینے کے پھر بھی جھٹلائے گئے ﴿ زُبُر ﴾ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو ان صحیفوں کی طرح آسمان سے آئیں جو رسولوں پر اتارے گئے تھے اور ﴿ الْمُنِيْر ﴾ سے مراد واضح جلی اور روشن اور چمکیلی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے' پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا' اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے۔ یقیناً" تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی۔اور یہ بھی یقینی ہے کہ تم کو ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی' اور تم صبر کر لو اور پرہیز گاری اختیار کر و تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔

ہر جاندار چیز کو موت ہے: تمام مخلوق کو عام اطلاع ہے کہ ہر جاندار مرنے والا ہے جیسے فرمایا ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴾ یعنی اس زمین پر جتنے ہیں سب فانی ہیں' صرف تیرے رب کا چہرہ باقی ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے' پس صرف وہی رب واحد ہمیشگی کی زندگی والا ہے جو کبھی فنا نہ ہو گا۔ جن اور انسان کل کے کل مرنے والے ہیں اسی طرح فرشتے اور حاملان عرش بھی مر جائیں گے اور صرف اللہ واحد لاشریک دوام اور بقا والا باقی رہ جائے گا پہلے بھی وہی تھا اور آخر بھی وہی رہے گا۔ جب سب مر جائیں گے مدت ختم ہو جائیگی صلب آدم سے جتنی اولاد ہونے والی تھی ہو چکی اور پھر سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ مخلوقات کا خاتمہ ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور مخلوق کو ان کے کل اعمال کی چھوٹے بڑے چھپے کھلے صغیرہ کبیرہ سب کی جزا سزا ملے گی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ یہی اسکے بعد کے جملہ میں فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے آ کر کہا اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت' ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائیگا ہر مصیبت کی تلافی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ہر مرنیوالے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا حاصل کر لینا ہے' اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اسی سے بھلی امیدیں رکھو' سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن ابی حاتم)۔ حضرت علیؓ کا خیال ہے کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔

جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات ہی کامیابی ہے: حقیقت یہ ہے کہ پورا کامیاب وہ انسان ہے جو جہنم سے نجات پا لے اور جنت میں چلا جائے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اگر تم چاہو تو پڑھو ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ اس پچھلی زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے اور زیادتی سمیت ابن ابی حاتم میں ہے اور ابن مردویہ میں بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کی خواہش آگ سے بچ جانے اور جنت میں داخل ہو جانیکی ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ سلوک کرے جسے خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ یہ حدیث پہلے آیت ﴿ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند احمد میں بھی وکیع بن جراح کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے۔

زاں بعد دنیا کی حقارت اور ذلت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نہایت ذلیل فانی اور زوال پذیر چیز ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾ یعنی تم تو حیات دنیا پر رتجھے جاتے ہو حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخرت ہے۔ دوسری آیت میں ہے تم کو جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو حیات دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی زینت بہترین اور باقی رہنے والی ابقٰی تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حدیث شریف میں ہے اللہ کی قسم دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو لے اس انگلی کے پانی کو سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے' وہ ہی دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں۔ حضرت قتادہؒ کا ارشاد ہے دنیا کیا ہے ایک یونہی سی دھوکے کی ٹٹی ہے جسے چھوڑ چھاڑ کر تمہیں چل دینا ہے اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ یہ تو عنقریب تم سے جدا ہونے والی اور برباد ہو جانے والی چیز ہے پس چاہئے کہ ہوشمندی برتو اور یہاں طاعت الٰہی کر لو اور طاقت بھر نیکیاں کمالو' اللہ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔ پھر انسانی آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ ﴾ الخ مطلب یہ ہے کہ مومن کا امتحان ضرور ہوتا ہے کبھی جانی کبھی مالی کبھی اہل وعیال میں کبھی اور کسی طرح یہ آزمائش دینداری کے انداز کے مطابق ہوتی ہے' سخت دیندار کی ابتلا بھی سخت اور کمزور دین والے کا امتحان بھی کمزور۔

صبر کی تلقین: پھر پروردگار جل شانہ' صحابہ کرامؓ کو خبر دیتا ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ میں تم کو کتابیوں اور مشرکوں سے ایذا دہندہ باتیں اور سرزنش سننی پڑیگی' پھر تسلی دیتا ہوا طریقہ سکھلاتا ہے کہ تم صبر وسہار کر لیا کرو اور پرہیزگاری پر تو یہ بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگزر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو سہہ لیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے' راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے یہودی بھی تھے مشرکین بھی تھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا' یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھا۔ مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی تھے۔ حضور ﷺ کی سواری سے گرد وغبار جو اڑا تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار نہ اڑاؤ! حضور ﷺ پاس پہنچ ہی چکے تھے' سواری سے اتر آئے سلام کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔ تو عبداللہ بول' پڑا سنئے صاحب آپ ﷺ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں آپ ﷺ کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ کہ آپ ﷺ ہماری مجلسوں میں آکر ہمیں ایذا دیں اپنے گھر جائیے جو آپ ﷺ کے پاس آئے اسے سنایئے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا حضور بےشک آپ ﷺ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے' اب ان سب میں آپس میں خوب تکرار ہوئی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں' لیکن حضور ﷺ کے سمجھانے سے آخرش امن وامان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعدؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ابو حباب! عبداللہ بن ابی نے تو آج یوں یوں کیا۔ حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ جانے دیجئے' معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ قسم اللہ کی جس نے آپ ﷺ پر قرآن اتارا سنئے اسے تو آپ ﷺ سے بےحد دشمنی ہے اور ہونی چاہئے اس لئے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اور اسے چودھراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا مشورہ طے ہو چکا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو نبی مانا' اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے اسی باعث یہ اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے۔ جو کہدیا کہدیا آپ ﷺ اسے اہمیت نہ دیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے درگزر کر لیا اور یہی آپ ﷺ کی عادت تھی اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کی بھی' یہودیوں سے مشرکوں سے درگزر فرماتے سنی

ان سنی کر ڈالا کرتے اور اس فرمان پر عمل کرتے۔ یہی حکم آیت ﴿ وَ دَّ كَثِيْرٌ ﴾ میں ہے جو حکم عفو و درگزر کا اس آیت ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ﴾ میں ہے'

پھر بعد آپ ﷺ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور پہلا غزوہ بدر کا ہوا جس میں سرداران لشکر کفار قتل و غارت ہوئے۔ یہ حالت اور یہ شوکت اسلام دیکھ کر اب عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی گھبرائے بجز اس کے کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آیا کہ بیعت کر لیں اور بظاہر مسلمان ہو جائیں۔ پس یہ کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر حق والے پر جو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتا ہے اور جو برائی اور خلاف شرع کام سے روکتا ہے ضرور مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اسے چاہئے کہ ان تمام تکلیفوں کو جھیلے اور راہ اللہ میں صبر و سہار سے کام لے' اسی کی پاک ذات پر بھروسہ رکھے اسی سے مدد طلب کرتا رہے اور اپنی کامل رغبت اور پورا رجوع اسی کی طرف رکھے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ع ۱۹ / ۱۰

اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے بیان کرتے رہا کرو اور اسے چھپاؤ نہیں پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا' ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں تو انہیں عذاب سے چھٹکارہ میں نہ سمجھ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ یہاں اہل کتاب کو ڈانٹ رہا ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے جو عہد ان کا جناب باری تعالیٰ سے ہوا تھا کہ حضور پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر یہ ایمان لائیں گے اور آپ کے ذکر کو اور آپ ﷺ کی بشارت کی پیش گوئی کو لوگوں میں پھیلائیں گے اور انہیں آپ کی تابعداری پر آمادہ کریں گے اور پھر جس وقت آپ آجائیں تو یہ بدل آپ کے تابعدار ہو جائیں گے' لیکن انہوں نے اس عہد کو چھپالیا اور اس کے ظاہر کرنے پر جن دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ان کے بدلے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں الجھ کر رہ گئے ان کی یہ خرید و فروخت بد سے بدتر ہے۔ اس میں علماء کو تنبیہ ہے کہ وہ ان کی طرح نہ کریں ورنہ ان پر بھی وہی سرزنش ہو گی جو ان پر ہوئی اور انہیں بھی اللہ کی وہ ناراضگی اٹھانی پڑے گی جو انہوں نے اٹھائی۔ علماء کرام کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع دینے والا دینی علم ہو جس سے لوگ نیک عمل جم کر کر سکتے ہوں اسے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں۔ حدیث شریف میں ہے جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔

دوسری آیت میں ریاکاری کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادتی چاہے اسے اللہ تعالیٰ اور کم کر دے گا۔ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث ہے جو نہ دیا گیا ہو اس کے ساتھ آسودگی جتانے والا مثل دو جھوٹے

کپڑے پہننے والے کے ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کئے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے کے باعث اللہ کا عذاب ہو گا تو ہم میں سے کوئی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم کو اس آیت سے کیا تعلق؟ یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ پھر آپؓ نے ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ ﴾ سے اس آیت کے ختم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ ان سے نبی ﷺ نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا کچھ اور ہی غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ ﷺ کے سوال کا جواب دیدیا اور ساتھ ہی ان کی یہ بھی چاہت تھی کہ آپ ﷺ کے پاس ہماری تعریف ہو گی اور اصلی سوال کے جواب کے چھپا لینے پر اور یہ فقرہ چل جانے پر بھی وہ خوش تھے' اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے اور صحیح بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے ساتھ نہ جاتے پھر خوشیاں مناتے کہ ہم لڑائی سے بچ گئے اب جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ واپس لوٹتے تو یہ باتیں بناتے جھوٹے سچے عذر کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے معذور ہونے کا آپ ﷺ کو یقین دلاتے اور چاہتے کہ نہ کئے ہوئے کام پر بھی ہماری تعریفیں ہوں جس پر یہ آیت اتری۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابو سعیدؓ سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح اوپر گزرا کہ حضرت ابن عباسؓ سے پچھوایا تو حضرت ابو سعیدؓ نے اس کا مصداق اور اس کا شان نزول ان منافقوں کو قرار دیا جو غزوہ کے وقت بیٹھ جاتے اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح اور نصرت کی خوشی کا اظہار کرتے۔ اس پر مروان نے کہا کہاں یہ واقعہ کہاں یہ آیت؟ تو حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا کہ یہ زید بن ثابت بھی اس سے واقف ہیں مروان نے حضرت زیدؓ سے پوچھا آپ نے بھی اس کی تصدیق کی پھر حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا اس کا علم (حضرت) رافع بن خدیجؓ کو بھی ہے' جو مجلس میں موجود تھے لیکن انہیں ڈر ہے کہ اگر یہ خبر کر دیں گے تو آپ انکی اونٹنیاں جو صدقہ کی ہیں چھین لیں گے۔ باہر نکل کر حضرت زیدؓ نے کہا میری شہادت پر تم میری تعریف نہیں کرتے؟ حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا تم نے سچی شہادت ادا کر دی تو حضرت زیدؓ نے فرمایا پھر بھی سچی شہادت پر میں مستحق تعریف تو ہوں۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ پر امیر تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مروان کا یہ سوال رافع بن خدیجؓ سے ہی پہلے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کی روایت میں یہ گزر چکا ہے کہ مروان نے اس آیت کی بابت حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے پچھوایا تھا' تو یاد رہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت عام ہے اسے بھی شامل ہے اور اسے بھی' مروان والی روایت میں بھی ممکن ہے پہلے ان دونوں صاحبوں نے جواب دیئے ہوں پھر مزید تشفی کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروان نے بذریعہ اپنے آدمی کے سوال کیا ہو' واللہ اعلم۔

حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا یہ حال ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں' دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں' تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے۔ یہ خوش ہو کر کہنے لگے کیوں نہیں یارسول اللہ! یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے' چنانچہ یہی ہوا کہ آپؓ کی زندگی حمید ہوئی اور موت شہید ہوئی۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جو جنگ ہوئی اس میں آپؓ نے شہادت پائی ﴿ تَحْسَبَنَّهُمْ ﴾ کو ﴿ يَحْسَبَنَّهُمْ ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ تو انہی عذاب سے نجات پانیوالے خیال نہ کر انہیں عذاب ضرور ہو گا اور وہ بھی دردناک۔ پھر ارشاد ہے کہ

ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ ہے اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کی مخالفت نہ کرو اس کے غضب سے بچنے کی کوشش کرو اس کے عذابوں سے اپنا بچاؤ کرلو' نہ تو کوئی اس سے بڑا نہ اس سے زیادہ قدرت والا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا' تو پاک ہے پس ہمیں عذاب آگ سے بچالے' اے ہمارے پالنے والے تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا' اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں' اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا با آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے۔ اے اللہ! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔ اے ہمارے پرورش کرنے والے اللہ! ہمیں وہ دے جسکا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر' یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تفکر فی الخلق: طبرانی میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے؟ انہوں نے کہا اژدھا بن جانیوالی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ پھر نصرانیوں کے پاس گئے ان سے کہا تمہارے پاس (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کیا نشانیاں لائے تھے؟ جواب ملا کہ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب قریش آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنادے۔ آپ ﷺ نے دعا کی جس پر آیت ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ الخ اتری یعنی نشان قدرت دیکھنے والوں کیلئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں یہ اسی میں غور فکر کرینگے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔ لیکن اس روایت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ سوال مکہ شریف میں نازل ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے' واللہ اعلم۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت والی مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت لمبی چوڑی مخلوق پھر آسمان میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرے رہنے والے ستارے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ اور جنگل اور درخت اور گھاس اور کھیتیاں اور پھل اور مختلف قسم کے جاندار اور کانیں اور الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے اور مختلف خواص

والے میوے وغیرہ' کیا یہ سب آیات قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتیں؟ جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے۔ پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا پھر برابر ہو جانا یہ سب اس عزیز و علیم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں۔ اسی لئے آخر میں فرمایا کہ اس میں عقلمندوں کے لئے کافی نشانیاں ہیں جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظریں ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں۔ جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے' ان میں کے اکثر باوجود اللہ کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا نام لیا کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمران بن حصین ؓ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی۔ یعنی کسی حالت میں ذکر اللہ تعالیٰ سے غافل مت رہو' دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے ذکر اللہ کرتے رہا کرو۔ یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت علم و حکمت اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت شیخ سلیمان دارانی ؒ فرماتے ہیں کہ گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لئے وہ باعث عبرت ہے۔ حضرت حسن بصری ؒ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔ حضرت فضیل ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن ؒ کا قول ہے کہ غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا۔ حضرت سفیان بن عیینہ ؒ فرماتے ہیں غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے۔

﴿ اذاالمرا كَانَتْ لَهُ فِكْرَةٌ فَفِىْ كُلِّ شَىْ ءٍ لَهُ عِبْرَةٌ ﴾

یعنی جس انسان کو باریک بینی کی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں' خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہوا اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو۔ لقمان حکیم ؒ کا یہ حکمت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اسی قدر غور و فکر اور انجام بینی زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر وہ راستے انسان پر کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں۔ حضرت وہب بن منبہ ؒ فرماتے ہیں جس قدر مراقبہ زیادہ ہو گا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہو گی اور جتنی سمجھ زیادہ ہو گی اتنا علم نصیب ہو گا اور جس قدر علم زیادہ ہو گا نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے۔ حضرت مغیث اسود ؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ لوگو! قبرستان ہر روز جایا کرو تاکہ تم کو انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو پھر ایک جماعت کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے' اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کرو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو۔ جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اسکے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ' اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک ؒ فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور ایک کوڑا ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا' اے راہب! تیرے پاس اس وقت دو خزانے ہیں ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان' ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ آواز نکالتے اور فرماتے اے اجڑے ہوئے گھرو! تمہارے رہنے والے کہاں ہیں؟ پھر خود فرماتے سب زیر زمین چلے

گئے' سب فنا کا جام پی چکے' صرف ذات اللہ کو ہمیشگی والی بقا ہے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا ارشاد ہے' دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گزار دی لیکن دلچسپی نہ تھی۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے تیسرے حصہ میں کھا' تیسرے حصے میں پانی پی' اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لئے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور و فکر کر سکے۔ بعض حکیموں کا قول ہے جو شخص دنیا کی چیزوں پر بغیر عبرت حاصل کئے نظر ڈالتا ہے اس غفلت کے اندازے سے اس کی دل کی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ حضرت بشیر ابن حارث حافیؒ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں۔ حضرت عامر بن عبدالقیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ ؓ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی اور جوت غور فکر اور مراقبہ ہے۔ مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابن آدم' اے ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ' اپنا گھر مسجدوں کو بنا لے' اپنی آنکھوں کو رونا سکھا' اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا' اپنے دل کو غور و فکر کرنے والا بنا' کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور و فکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری امنگیں ختم ہو گئیں حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کیلئے اس میں عبرت و نصیحت ہے اور وعظ و پند ہے۔ حسین بن عبدالرحمٰنؒ نے بھی اپنے اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی مدح و ثنا بیان کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت لیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں' مومنوں کی مدح میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں' زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اس خلق کو عبث اور بے کار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو برائی کا بدلہ اور نیکوں کو نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو مہمل بنائے' اے خالق خلق' اے عدل و انصاف سے کائنات کو رچانے والے' اے نقصانوں اور عیبوں سے پاک ذات ہمیں اپنی قوت و طاقت سے ان اعمال کی توفیق رفیق فرما جن سے ہم تیرے عذابوں سے نجات پالیں اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ جسے تو جہنم میں لے جائے اسے تو نے برباد کر دیا' ذلیل و خوار کر دیا اور مجمع حشر کے سامنے انہیں رسوا کیا' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں انہیں نہ کوئی چھڑا سکے نہ بچا سکے نہ تیرے ارادے کے آگے آ سکے' اے رب! ہم نے پکارنے والے کی پکار کو سن لیا جو ایمان اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ ہیں جو فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ ہم ایمان لا چکے اور تابعداری بجا لائے پس ہمارے ایمان دار اتباع کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما ان کی پردہ پوشی کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے' تو نے ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی زبانی کئے ہیں انہیں پورے کر۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو وعدہ تو نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا لیا تھا۔ لیکن پہلا معنی ظاہر ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے عسقلان دو عروس میں سے ایک ہے یہیں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار شخصوں کو کھڑا کرے گا جن پر حساب و کتاب ہی نہیں' یہیں سے پچاس ہزار شہید اٹھیں گے جو وفد بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے' یہیں شہیدوں کی صفیں ہوں گی جن کے سر کٹے ہوئے ان کے ہاتھوں میں ہونگے ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہوگا یہ کہتے ہوں گے اے اللہ! ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تو نے کئے ہیں انہیں پورے کر ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر تو وعدے خلافی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے یہ بندے سچے ہیں انہیں نہر بیضہ میں غسل دلواؤ۔ یہ اس میں غسل کر کے پاک صاف گورے چٹے

رنگ کے ہو کر نکلیں گے اور ساری جنت ان کے لئے مباح ہو گی' جہاں چاہیں جائیں آئیں جو چاہیں کھائیں پئیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور بعض تو کہتے ہیں موضوع ہے' واللہ اعلم۔ ہمیں قیامت کے دن تمام لوگوں کے مجمع میں رسوانہ کر' تیرے وعدے سچے ہی ہیں' تو نے جو کچھ خبریں اپنے رسولوں کی زبانی پہنچائی ہیں سب اٹل ہیں روز قیامت ضرور آنا ہے پس تو ہمیں اس دن کی رسوائی سے نجات دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندے پر رسوائی ڈانٹ ڈپٹ عار اور شرمندگی اس قدر ڈالی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے اسے قائل معقول کیا جائے گا کہ وہ چاہے گا کہ کاش مجھے جہنم میں ہی ڈال دیا جاتا (ابو یعلیٰ)۔ اس حدیث کی سند بھی غریب ہے۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لئے جب اٹھتے تب سورہ آل عمران کی ان دس آخری آیات کی تلاوت فرماتے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رات گزاری' یہ مائی صاحبہ حضور ﷺ کی زوجہ تھیں' حضور ﷺ جب آئے تو تھوڑی دیر تک تو آپ ﷺ حضرت میمونہؓ سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ سے آخر سورہ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں پھر کھڑے ہوئے مسواک کر کے وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی' حضرت بلالؓ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ صحیح بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی زوجہ صاحبہ ام المومنین حضرت میمونہؓ لیٹیں آدھی رات کے قریب قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضور ﷺ جاگے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے ان دس آیات کی تلاوت کی پھر ایک لٹکی ہوئی مشک میں سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا اور نماز کو کھڑے ہو گئے میں نے بھی کھڑے ہو کر اسی طرح سب کچھ کیا اور آپ ﷺ کی بائیں جانب آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا' حضور ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعتیں کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن نے آ کر نماز کی اطلاع کی' آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی۔

ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضور ﷺ کی آل میں گزارو اور آپ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو۔ رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے میں بیٹھا رہا۔ جب حضور ﷺ جانے لگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا کون عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیوں رکے ہوئے ہو؟ میں نے کہا والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ ﷺ کے گھر گزاروں۔ تو فرمایا بہت اچھا آؤ۔ گھر آ کر فرمایا بستر بچھاؤ۔ ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضور ﷺ اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی پھر آپ ﷺ جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ ﴿ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ﴾ پڑھا پھر سورہ آل عمران کے خاتمہ کی آیتیں پڑھیں۔ اور روایت میں ہے کہ آیات کی تلاوت کے بعد حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی ﴿ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ نُوْرًا وَّ مِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ﴾ (ابن مردویہ)۔ یہ دعا بعض صحیح طریق سے بھی مروی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالہ سے جو حدیث گزری ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے لیکن مشہور اس کے خلاف ہے یعنی یہ کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش ہو سکتی ہے جو ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت عطاءؒ حضرت ابن عمرؓ حضرت عبید بن عمیرؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے' آپ کے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ حضرت

صدیقہؓ نے پوچھا عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبیدؒ نے جواب دیا اماں جان صرف اس لئے کہ کسی شاعر کا قول ہے ﴿ زرغبا تزددحبا ﴾ یعنی کم کم آؤ تاکہ محبت بڑھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا اب ان باتوں کو چھوڑو' مائی صاحبہ' ہم یہ پوچھنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو تم نے آنحضرت ﷺ کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتاؤ۔ حضرت عائشہؓ رو دیں اور فرمانے لگیں حضور ﷺ کے تمام کام عجیب تر تھے۔ اچھا ایک واقعہ سنو' ایک رات میری باری میں حضور ﷺ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ سوئے پھر مجھ سے فرمانے لگے عائشہ! میں اپنے اللہ تعالیٰ کی کچھ عبادت کرنی چاہتا ہوں مجھے جانے دے۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میں آپ ﷺ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی عبادت بھی کریں۔ اب آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر آپ ﷺ نے ہلکا سا وضو کیا اور نماز کیلئے کھڑے ہو گئے پھر جو رونا شروع کیا تو اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گی پھر کروٹ کے بل لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ (حضرت) بلالؓ نے آکر نماز کے لئے بلایا اور آپ ﷺ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے سچے رسول ﷺ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلال! میں کیوں نہ روؤں؟ مجھ پر آج کی رات یہ آیت اتری ہے ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ ویل ہے اس شخص کے لئے جو اسے پڑھے اور پھر اس میں غور و تدبر نہ کرے۔

عبد بن حمید کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہم حضرت عائشہؓ کے پاس گئے ہم نے سلام کیا تو آپؓ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے اپنے نام بتائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے رخسار تلے ہاتھ رکھا اور روتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور حضرت بلالؓ کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور آیات کے نازل ہونے کے بارے میں ﴿ عَذَابَ النَّارِ ﴾ تک آپ ﷺ نے تلاوت کی۔ ابن مردویہ کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورہ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں ہر رات کو پڑھتے۔ اس روایت میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ان کے رب نے انکی دعا قبول فرمالی تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا' تم آپس میں ایک ہی ہو' پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھر سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے میں ضرور ضرور اس کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے' اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

دعائیں اللہ قبول کرنے والا ہے: یہاں ﴿ اسْتَجَابَ ﴾ معنی میں ﴿ اجاب ﴾ کے ہے اور یہ عربی میں برابر مروج ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ایک روز حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا بات ہے عورتوں کی ہجرت کا کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ ذکر ہی نہیں کرتا اس پر یہ آیت اتری۔ انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں، مائی صاحبہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں اتری ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلے کی آیتوں میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی منہ مانگی مرادانہیں عطا فرمائی۔ اسی لئے اس آیت کو "ف" سے شروع کیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ ﴾ الخ یعنی میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو تو کہدے کہ میں تو بہت ہی نزدیک ہوں، جب کبھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کو قبول فرمالیتا ہوں، پس انہیں بھی چاہئے کہ میری مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں کیا عجب کہ یہ رشد و ہدایت پالیں۔ پھر قبولیت دعا کی تفسیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ میں کسی عامل کے عمل کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ مرد ہو خواہ عورت، ہر ایک میرے پاس ثواب میں اور اعمال کے بدلے میں یکساں ہے، پس جو لوگ شرک کی جگہ کو چھوڑیں اور ایمان کی جگہ آ جائیں، دار الکفر سے ہجرت کریں، بھائیوں، دوستوں، پڑوسیوں اور اپنوں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ترک کر دیں، مشرکوں کی ایذائیں سہہ سہہ کر تھک کر عاجز آکر ایمان کو نہ چھوڑیں بلکہ اپنے پیارے وطن سے منہ موڑ لیں۔ لوگوں کا انہوں نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں انہیں ستایا جاتا بلکہ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ میری راہ کے پیچھے لگنے والے تھے صرف میری توحید کی وجہ سے دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی، میری راہ پر چلنے کے باعث طرح طرح سے ستائے جاتے تھے، جیسے اور جگہ ہے ﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ﴾ یہ لوگ رسول ﷺ کو اور تم کو صرف اس بناء پر دیس نکالا دیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے۔ اور ارشاد ہے ﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾ ان سے دشمنی اسی وجہ سے ہے کہ یہ اللہ عزیز و حمید پر ایمان لائے ہیں۔

پھر فرماتا ہے انہوں نے جہاد بھی کئے اور یہ شہید بھی ہوئے یہ اعلیٰ درجہ ہے اور بلند مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے سواری کٹ جاتی ہے منہ خاک و خون میں مل جاتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر کے ساتھ نیک نیتی سے اور دلیری سے پیچھے نہ ہٹ کر راہ اللہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں، تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دیگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" پھر دوبارہ آپ نے اس سے سوال کیا کہ ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا اس نے پھر دوبارہ اپنا سوال دہرا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مگر قرض معاف نہ ہوگا۔ یہ بات جبرئیل علیہ السلام مجھ سے ابھی ابھی کہہ گئے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ میں ان کی بدیاں معاف فرما دوں گا اور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جس میں چوطرف نہریں بہہ رہی ہیں جن میں سے کسی میں دودھ ہے کسی میں شہد کسی میں شراب کسی میں صاف پانی اور وہ وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی آنکھ نے "دیکھیں نہ کسی انسانی دل پر کبھی خیال گزرا یہ ہے بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ظاہر ہے کہ جو ثواب اس شہنشاہ عالی کی طرف سے ہو وہ کس قدر زبردست اور بے انتہا ہو گا؟ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ اگر وہ عذاب کرے تو وہ بھی مہلک اور برباد کر دینے والا اور اگر انعام دے تو وہ بھی بے حساب، قیاس سے بڑھ کر کیونکہ اسکی ذات بے پرواہ ہے۔ نیک اعمال لوگوں کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین اور بے صبرے نہ ہو جایا کرو۔ سنو مومن پر ظلم و جور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر و سہار کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے۔ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے۔ اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے' اور وہ بری جگہ ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہیں انکے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے مہمانی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے' اور نیک کاروں کیلئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔

ایمان کے بغیر دنیاوی آسائش آخرت میں کام نہ آئے گی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کافروں کی بدمستی ان کے ناز و نعم انکی راحت و آرام ان کی خوش حالی اور فارغ البالی کی طرف اے نبی آپ نظریں نہ ڈالئے یہ سب عنقریب زائل ہو جائیگا اور صرف انکی بداعمالیاں عذاب کی صورت میں ان پر باقی رہ جائیں گی کی یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔ اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں مثلاً ﴿ مَايُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں کافر ہی جھگڑتے ہیں۔ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ﴾ الخ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا میں چاہے یونہی سا فائدہ اٹھالیں لیکن آخری بازگشت تو ہماری طرف ہی ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت تر سزائیں دیں گے۔ اور جگہ ہے انہیں ہم تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر پھر گاڑھے عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کو کچھ ڈھیل دیدے۔ اور جگہ ہے کیا وہ شخص جو ہمارے عمدگی کے وعدے کو پالینے والا ہے اور وہ جو دنیا میں آرام سے گزار رہا ہے اور قیامت کے دن عذابوں میں حاضری دینے والا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟ چونکہ کافروں کا دنیوی اور آخروی حال بیان ہوا اس لئے ساتھ ہی مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ متقی گروہ قیامت کے دن نہروں والی بہشتوں میں ہو گا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک والے تھے۔ جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے۔ یہی روایت ابن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور موقوف ہونا ہی زیادہ ٹھیک نظر آتا ہے' واللہ اعلم۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذا نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہر شخص کیلئے خواہ نیک ہو خواہ بد موت اچھی چیز ہے اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کے لئے اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے پاپ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے اب بڑھوتری ختم ہوئی پہلے کی دلیل ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ ہے اور دوسرے کی دلیل ﴿ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ﴾ الخ یعنی کافر ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں یہ ڈھیل انہیں گناہوں میں بڑھا رہی ہے اور ان کیلئے رسوا کن عذاب ہیں۔ حضرت ابو الدرداءؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ع ۲۰ | ۱۱

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اترا اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے والے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر بیچتے بھی نہیں' ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو' اور جہاد کے لئے تیار رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔

اہل کتاب جو ایمان لے آئیں وہ کامیاب ہیں: اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے اس فرقے کی تعریفیں کرتا ہے جو پورا ایمان والا ہے قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنے نبی علیہ السلام کی کتاب پر بھی ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھ کر رب تعالیٰ کے فرمانوں کی بجا آوری میں نہایت تندہی کے ساتھ مشغول ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کرتا رہتا ہے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پاک اوصاف اور صاف نشانیاں ان کی کتابوں میں ہیں اسے وہ پاکر چھپاتا نہیں بلکہ ہر ایک کو دکھاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مان لینے کی رغبت دلاتا ہے ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے پاس اجر پائیگی خواہ یہودیوں کی ہو خواہ نصرانیوں کی۔ سورہ قصص میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ الخ جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دے رکھی ہے وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب یہ کتاب ان پر پڑھی جاتی ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ برحق کتاب ہمارے رب تعالیٰ کی ہے ہم تو پہلے ہی سے اسے مانتے تھے۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔ اور جگہ ہے جن کو ہم نے کتاب دی اور جو اسے صحیح طور پر پڑھتے ہیں وہ تو اس قرآن پر بھی فوراً ایمان لاتے ہیں الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ کی قوم میں سے بھی ایک جماعت حق کی ہدایت کرنے والی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی ہے۔ اور مقام پر بیان ہے ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً﴾ الخ یعنی اہل کتاب سب یکساں نہیں ان میں ایک جماعت راتوں کے وقت بھی کتاب اللہ پڑھنے والی ہے اور سجدے کرنے والی۔

اور جگہ ہے اے نبی تم کہو کہ لوگو! تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ پہلے سے جنہیں علم دیا گیا ہے جب ان پر ان کلام مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اپنے چہروں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے اور ہو کر رہنے والا ہے' یہ لوگ روتے ہوئے منہ کے بل گرتے ہیں اور خشوع و خضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ صفتیں یہودیوں میں پائی گئیں گو بہت کم لوگ ایسے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ ہی جیسے اور باایمان یہودی علماء لیکن ان کی گنتی دس تک بھی نہیں پہنچتی ہاں نصرانی اکثر ہدایت پر آ گئے اور حق کے فرمانبردار ہو گئے' جیسے اور جگہ ہے ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ سے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ آخر آیت تک' مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں سے عداوت اور دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے یہود ہیں اور مشرک اور ایمان والوں سے محبت رکھنے والوں میں پیش پیش نصرانی ہیں الخ۔ اب فرماتا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم کے مستحق ہیں' حدیث میں یہ بھی آچکا ہے کہ حضرت جعفر بن ابو طالب نے جب سورہ مریم کی تلاوت شاہ نجاشی کے دربار میں بادشاہ اور اراکین سلطنت اور علماء نصاریٰ کے سامنے کی اور اس میں آپ پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ کے رو دیئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی حبش میں انتقال کر گیا ہے اس کے جنازے کی نماز ادا کرو' اور میدان میں جا کر صحابہ کی صفیں مرتب کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب نجاشی فوت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے

بھائی کیلئے استغفار کرو تو بعض لوگوں نے کہا دیکھئے حضور ﷺ ہمیں اس نصرانی کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے' اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔ گویا اس کے مسلمان ہونے کی شہادت قرآن کریم نے دی۔ ابن جریر میں ہے کہ ان کی موت کی خبر حضور ﷺ نے دی کہ تمہارا بھائی اصحمہ انتقال کر گیا ہے۔ پھر حضور ﷺ باہر نکلے اور جس طرح جنازے کی نماز پڑھاتے تھے اسی طرح چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اسپر منافقوں نے وہ اعتراض کیا اور یہ آیت اتری۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ نجاشی کا ایک دشمن اسی کی سلطنت میں سے نجاشی پر چڑھائی لایا تو مہاجرین نے کہا کہ آپ اس سے مقابلہ کرنے کے لئے چلئے ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں آپ ہماری بہادری کے جوہر دیکھ لیں گے اور جو حسن سلوک آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ بھی اتر جائے گا۔ لیکن نجاشی ؓ نے فرمایا کہ لوگوں کی امداد کے ساتھ بچاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی امداد کا بچاؤ بہتر ہے' اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اہل کتاب کے مسلمان لوگ ہیں۔ حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو حضور ﷺ سے پہلے تھے اسلام کو پہچانتے تھے اور حضور ﷺ کی تابعداری کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا تو انہیں اجر بھی دوہرا ملا' ایک تو حضور ﷺ سے پہلے کے ایمان کا دوسرا آپ ﷺ پر ایمان لانے کا۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبیؑ پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا اور باقی دو کو بھی ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے یعنی اپنے پاس کی علمی باتوں کو نہیں چھپاتے جیسے کہ ان میں سے ایک رذیل جماعت کا شیوہ تھا بلکہ یہ لوگ تو اسے پھیلاتے اور خوب ظاہر کرتے ہیں' ان کا بدلہ ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی جلد سمیٹنے اور گھیرنے اور شمار کرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلام جیسے میرے پسندیدہ دین پر جمے رہو شدت اور نرمی کے وقت مصیبت اور راحت کے وقت غرض کسی حال میں اسے نہ چھوڑو یہاں تک کہ دم بھی نکلے تو اسی پر نکلے اور اپنے ان دشمنوں سے بھی صبر و سہار کرو جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں۔ امام حسن بصری ؒ وغیرہ علماء سلف نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ ﴿ مرابطہ ﴾ کہتے ہیں عبادت کی جگہ میں ہمیشگی کرنے کو اور ثابت قدمی سے جم جانے کو' اور کہا گیا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو۔ یہی قول ہے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ ' سہل بن حنیف ؓ اور محمد بن کعب قرظی ؒ کا صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے " تکلیف ہوتے ہوئے کامل وضو کرنا دور سے چل کر مسجدوں میں آنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے یہی مرابطہ ہے یہی اللہ تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ ابو سلمہ ؒ سے ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا سنو! اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں مرابطہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب فلاح ہیں۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں کامل وضو کرنا ناپسندیدگی کے وقت اور انتظار کرنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہئے۔ اور حدیث میں زیادہ قدم چل کر مسجد میں آنا بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں' اور یہی اس آیت کا مطلب ہے لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہاں ﴿ وَرَابِطُوْا ﴾ سے مطلب انتظار نماز ہے۔ لیکن اوپر بیان ہو

چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ابوہریرہؓ کا ہے' واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ رَابِطُوْا ﴾ سے دشمن سے جہاد کرنا اور اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا ہے۔ اس کی ترغیب میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں اور اس پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

جہاد کی تیاری اور ترغیب دینا: صحیح بخاری میں ہے ایک دن کی (جہاد کی) تیاری ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے افضل ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے ایک دن رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے اور اسی تیاری کی حالت میں موت آ جائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے

اور فتنوں سے امن پاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حال میں مر جائے تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اسے امن ملے گا۔ مسند کی اور حدیث میں ہے اسے صبح شام جنت سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور قیامت تک اس کے مرابطہ کا اجر ملتا رہتا ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص مسلمانوں کی سرحد کے کسی کنارے پر تین دن تیاری میں گزارے اسے سال بھر تک کی اور جگہ کی اس تیاری کا اجر ملتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا میں تم کو رسول اللہ ﷺ سے اپنی سنی ہوئی بات سناتا ہوں' میں نے اب تک ایک خاص خیال سے اسے نہیں سنایا' آپ ﷺ کا فرمان راہ اللہ میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں۔ اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی وجہ خلیفہ رسول ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چلدو اب میں سنا دیتا ہوں ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے اس کا پابند ہو جائے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے پھر فرمایا کیا میں نے پہنچا دی؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اے جناب باری تعالیٰ تو گواہ رہ۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شرجیل بن سمطؓ محافظت سرحد میں تھے اور زمانہ زیادہ گزر جانے کے بعد کچھ تنگ دل ہو رہے تھے کہ حضرت سلمان فارسیؓ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا آمین تجھے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی ایک حدیث سناؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "ایک دن کی سرحد کی حفاظت ایک مہینہ کے صیام و قیام سے افضل ہے اور جو اسی حالت میں مر جائے وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے اعمال قیامت تک جاری رہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ایک رات راہ اللہ میں پہرہ دینا تاکہ مسلمان امن سے رہیں ہاں نیت نیک ہو گو وہ رات رمضان کی نہ ہو ایک سو سال کی عبادت سے افضل ہے جس کے دن روزے میں اور جس کی راتیں تہجد میں گزری ہوں اور ایک دن کی اللہ کی راہ کی تیاری تاکہ مسلمان باحفاظت رہیں طلب ثواب کی نیت سے بغیر ماہ رمضان کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار سال کے روزوں اور تہجد سے افضل ہے اب اگر یہ غازی سلامتی اور زندگی کے ساتھ اپنے والوں میں آ گیا تو ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھی جائیں گی اور نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس مرابطہ کا اجر قیامت تک اسے ملتا رہیگا۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے اس کے ایک راوی عمرو ابن صبیح متہم ہیں۔

ابن ماجہ کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ ایک رات کی مسلم لشکر کی چوکیداری ایک ہزار سال کی راتوں کے قیام اور دنوں کے صیام سے افضل ہے ہر سال کے تین سو ساٹھ دن اور ہر دن مثل ایک ہزار سال کے۔ اس کے راوی سعید بن خالد کو ابو زرعہؒ وغیرہ آئمہ نے ضعیف کہا ہے' بلکہ امام حاکمؒ فرماتے ہیں اس کی روایت سے موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ ایک منقطع حدیث میں ہے لشکر اسلام

کے چوکیدار پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو (ابن ماجہ)

حضرت "سہل بن خظلیہؓ فرماتے ہیں کہ حنین کے دن ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ چلے شام کی نماز میں نے حضور ﷺ کے ساتھ ادا کی جو ایک گھوڑے سوار آیا اور کہا یا رسول اللہ! میں آگے نکل گیا تھا اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ میدان میں آ گئے ہیں یہاں تک کہ ان کی اونٹنیاں بکریاں عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا انشاء اللہ یہ سب کل مسلمانوں کی غنیمت میں ہوگا پھر فرمایا بتاؤں آج کی رات پہرہ کون دے گا؟ حضرت انس بن ابو مرثدؓ نے کہا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ سواری لیکر آؤ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس گھاٹی میں چلے جاؤ اور اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ خبر دار تمہاری طرف سے ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ صبح تک نہ ہو۔ صبح جس وقت نماز کے لئے حضور ﷺ نماز کی جگہ آئے دو سنتیں ادا کیں اور لوگوں سے پوچھا کہو تمہارا پہرہ دار سوار کی تو کوئی آہٹ سنائی نہیں دی؟ لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ اب تکبیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز شروع کی خیال آپ ﷺ کا اسی گھاٹی کی طرف تھا' نماز سے سلام پھیرتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ تمہارے گھوڑے سوار آ رہا ہے۔ ہم نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا تو تھوڑی دیر میں ہمیں بھی دکھائی دے گیا۔ آ کر حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس وادی کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا تھا اور ارشاد کے مطابق وہیں رات گزاری' صبح میں نے دوسری گھاٹی بھی دیکھ ڈالی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا رات کو وہاں سے تم نیچے بھی اترتے تھے۔ جواب دیا نہیں صرف نماز کے لے اور قضاء حاجت کے لئے تو نیچے اترا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے لئے جنت واجب کر لی اب تم اسکے بعد کوئی عمل نہ کرو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں (ابو داؤد و نسائی)۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک غزوہ کے موقعہ پر ایک رات کو ہم بلند جگہ پر تھے اور سخت سردی تھی یہاں تک کہ لوگ زمین میں گڑھے کھود کھود کر اپنے اوپر ڈھالیں لے لیکر پڑے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے اس وقت آواز دی کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری چوکیداری کرے اور مجھ سے بہترین دعا لے تو ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا حضور! میں تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے پاس بلا کر نام دریافت کر کے اس کے لئے بہت دعا کی۔ ابو ریحانہؓ یہ دعائیں سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں بھی پہرہ دوں گا۔ آپ ﷺ نے مجھے بھی پاس بلا لیا اور نام پوچھ کر میرے لئے بھی دعائیں کیں لیکن اس انصاری صحابیؓ سے یہ دعا کم تھی' پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس آنکھ پر جہنم کی آنچ حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ اللہ میں شب بیداری کرے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کے پیچھے سے ان کا پہرہ دے اپنی خوشی سے بغیر سلطان کی اجرت و تنخواہ کے وہ اپنی آنکھوں سے بھی آگ جہنم کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری ہونے کے لئے جو اس آیت میں ہے ﴿ وَ اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَ ارِدُھَا ﴾ یعنی تم سب اس پر وارد ہو گے۔

صحیح بخاری میں ہے برباد ہوا دنیا کا بندہ اور کپڑوں کا بندہ اگر مال دیا جائے تو خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہے یہ برباد ہوا اور خراب ہو گیا اسے اگر کانٹا چبھ جائے تو نکالنے کی کوشش بھی نہ کی جائے' خوش نصیب ہوا اور خوب پھولا پھلا وہ شخص جو راہ اللہ تعالیٰ کے جہاد کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے بکھرے ہوئے بال ہیں اور گرد آلود قدم ہیں اگر چوکیداری پر مقرر کر دیا گیا ہے تو چوکیداری کر رہا ہے اور اگر لشکر کے اگلے حصہ میں مقرر کر دیا گیا ہے تو وہیں خوش ہے' لوگوں کی نظروں میں اتنا گرا پڑا ہے کہ اگر کہیں جانا چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو۔ الحمد للہ اس آیت کے متعلق خاصی حدیثیں بیان ہو گئیں اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر گزاری سے رہتی دنیا تک فارغ نہیں ہو سکتے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطابؓ کو میدان جنگ سے ایک خط لکھا اور اس میں رومیوں کی فوج کی کثرت ان کے آلات حرب کی حالت اور ان کی تیاریوں کی کیفیت بیان کی اور لکھا کہ سخت خطرہ کا موقعہ ہے۔ یہاں سے فاروق اعظمؓ کا

جواب گیا، جس میں حمد و ثنا کے بعد تحریر تھا کہ کبھی کبھی مومن بندوں پر سختیاں بھی آ جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بعد آسانیاں بھیج دیتا ہے۔ سنو ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ سنو پروردگار عالم کا فرمان ہے ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا ﴾ الخ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے ۱۷۰ھ یا ۱۷۷ھ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم ابن ابی سکینہ کو جب کہ وہ ان کے وداع کے لئے آئے تھے اور یہ جہاد کو جا رہے تھے یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض کو بھجوائے۔

یَاعَابِدَ الْحَرَمَیْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا	لَعَلِمْتَ اَنَّکَ فِیْ الْعِبَادَۃِ تَلْعَبُ
مَنْ کَانَ یَخْضِبُ خَدَّہٗ بِدُمُوْعِہٖ	فَنُحُوْرُنَا بِدِمَآئِنَا تَتَخَضَّبُ
اَوْ کَانَ یَتْعَبُ خَیْلُہٗ فِیْ بَاطِلٍ	فَخُیُوْلُنَا یَوْمَ الصَّبِیْحَۃِ تَتْعَبُ
رِیْحُ الْعَبِیْرِ لَکُمْ وَ نَحْنُ عَبِیْرُنَا	رَھْجُ السَّنَابِکِ وَ الْغُبَارُ الْاَطْیَبُ
وَلَقَدْ اَتَانَا مِنْ مَقَالِ نَبِیِّنَا	قَوْلٌ صَحِیْحٌ صَادِقٌ لَا یَکْذِبُ
لَا یَسْتَوِیْ غُبَارُ خَیْلِ اللّٰہِ فِیْ	اَنْفِ امْرِئٍ وَ دُخَانُ نَارٍ تَلْھَبُ
ھٰذَا کِتَابُ اللّٰہِ یَنْطِقُ بَیْنَنَا	لَیْسَ الشَّھِیْدُ بِمَیِّتٍ لَا یَکْذِبُ

"اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن راہ اللہ میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی تھکتے ہیں۔ اگر کی خوشبوئیں تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار ہے یقین مانو ہمیں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سراسر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے کہ جس کسی کے ناک میں اس ربانی لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا۔ اور لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں۔" محمد بن ابراہیم فرماتے ہیں جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاض کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار و قطار روئے اور فرمایا ابو عبدالرحمن نے اللہ کی رحمتیں ان پر ہوں صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بیحد خیر خواہی کی۔ پھر مجھ سے فرمایا کیا تم حدیث لکھتے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ کہا اچھا تم جو یہ نصیحت نامہ پاس لائے ہو اس کے بدلے میں میں تم کو ایک حدیث لکھواتا ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جس سے میں مجاہد کا ثواب پالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ نماز ہی پڑھتا رہے اور تھکے نہیں اور روزے رکھتا چلا جائے اور کبھی بے روزہ نہ رہے۔ اسنے کہا حضور! اس کی طاقت کہاں؟ میں اس سے بہت ضعیف ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اگر تجھ میں اتنی طاقت ہوتی اور تو ایسا کر بھی سکتا تو بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا' تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھر ادھر چڑھ جائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں ہر وقت ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔

جناب رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا اے معاذ! جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تاکہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔ پھر فرماتا ہے کہ ان چار کاموں کے کر لینے سے تم کامیاب مقصد اور بامراد ہو جاؤ گے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پالو گے۔ حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم میرا لحاظ رکھو میرے خوف سے کانپتے رہو مجھ سے ڈرتے رہو' میرے

اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے تو نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے' انتہی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سورہ آل عمران کی تفسیر ختم ہوئی' ﴿ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃ وَ نَسْاَلُہُ الْمَوْتَ عَلَی الْکِتَابِ وَ السُّنَّۃ اٰمِیْن یَااِلٰہَ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

تفسیر سورۂ نساء

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مدینہ شریف میں اتری ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب روک رکھنا نہیں ہے۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سورۃ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا مجھے مل جائے تب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطور انعام اجر عظیم دے وہ جداگانہ ہے' اور آیت ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ ﴾ الخ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دیں اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے' اور آیت ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشتا باقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے' اور آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ ﴾ الخ یعنی یہ لوگ اگر گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کیلئے استغفار طلب کرتے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پاتے۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں یوں تو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمن کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے۔ عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّھُمْ ﴾ الخ کے بدلے ﴿ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِاللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ الخ یعنی جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنے لگ جائے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائیگا۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح پر ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں تو رہ گیا یہ اور اس کا بیان دوسری میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث کی اور پانچویں آیت اس حدیث کی وَمَنْ یَّعْمَلْ الخ مل کر پانچ ہو گئیں یا یہ ہے کہ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ﴾ ہی پر آیت پوری ہے' اور و ان تک حسنۃ کو الگ آیت شمار کیا ہے تو دونوں حدیثوں میں پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں' واللہ اعلم (مترجم)۔

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورۃ میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لئے ہر اس چیز سے بہترین ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ پہلی آیت ﴿ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان کر دے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی راہ راست دکھا دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے۔ دوسری آیت ﴿ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ تیسری آیت ﴿ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴾ یعنی انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر تخفیف کرنی چاہتا ہے' باقی کل آیتیں وہی ہیں جو اوپر گزریں۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورہ نساء کی بابت سنا پس میں نے قرآن پڑھا درانحالیکہ میں چھوٹا بچہ تھا (حاکم)۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسَبْعُوْنَ وَسِتٌّ آيَاتٍ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

تخلیق انسان: اللہ تعالیٰ نے اپنے تقویٰ کا حکم دیا ہے کہ جسم سے اسی ایک کی ہی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے' آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا کو پیدا کیا ان کی بیوی یعنی حضرت حوا کو بھی انہی سے پیدا کیا' آدم (علیہ السلام) نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے۔ پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائیگا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہیے گا تو بیشک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم و حوا سے بہت سے انسان مرد و عورت چوطرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں صفتیں رنگ روپ بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ جس طرح یہ سب پہلے اللہ کے قبضہ میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا' ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضہ میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس کی اطاعت عبادت بجالاتے رہو' اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو' مثلاً یہ کہنا میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں۔ اسی کے نام کی قسمیں کھاتے ہو اور عہد و پیمان مضبوط کرتے ہو'

قطع تعلق کی ممانعت: اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو انہیں توڑو نہیں' بلکہ جوڑو' صلہ رحمی نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔ ﴿ارحام﴾ بھی ایک قراءت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال پر مطلع ہے خوب دیکھ بھال رہا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر نگراں ہے۔

یہاں فرمایا گیا کہ لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ کے ہو ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو' کمزور اور ناتوانوں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ سلوک کرو۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے

کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی پھر آیت ﴿یآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لْتَنْظُرْ﴾ الخ کی تلاوت کی پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی' چنانچہ جس سے جو ہو سکا ان لوگوں کے لئے دیا' درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی الخ۔ مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے کہ پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۠ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ۭ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۭ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ ھَنِیْۗـــــًٔا مَّرِیْۗــــــًٔا ④

یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو۔ اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھا نہ جاؤ' بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی ہی' ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔ عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔

یتیم کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا گناہ ہے: اللہ یتیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں انہیں سونپ دو' پورے پورے بغیر کمی اور خیانت ان کے حوالے کرو۔ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈمڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو۔ حلال رزق جب اللہ تعالیٰ تمہیں دے رہا ہے پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی' اپنے مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں نہ لو' دبلا پتلا جانور دیکر موٹا تازہ نہ لو' بوٹی دیکر بکرے کی فکر نہ کرو' ردی دے کر اچھے کی' کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو۔ پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی' کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے۔ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے؟ ان کے مال تلف نہ کرو' یہ بڑا گناہ ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جملے کے مروی ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ایک دعا میں بھی حوب کا لفظ گناہ کے معنے میں آیا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے جب اپنی بیوی صاحبہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ اس طلاق میں گناہ ہے' چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابو طلحہؓ اور ام سلیم کا مروی ہے۔

یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت: پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو' اس سے باز رہو اور عورتیں بہت

ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کو پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری' میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؒ نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا بھانجے! یہ ذکر اس یتیمہ لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے چاہتا ہے کہ یہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع ہو رہا ہے کہ پھر یہ اس کی نیت چھوڑ دے اور دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے۔ پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ الخ نازل ہوئی۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں' ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں' ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اپنا نکاح کر لیں'

ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت: اگر چاہیں دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار' جیسے اور جگہ بھی یہ الفاظ انہی معنی میں ہیں۔ فرماتا ہے ﴿جَاعِلُ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے' بعض چار پروں والے' فرشتوں میں اس سے زیادہ پروں والے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے' لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرما دیا جاتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کیلئے چار سے زیادہ بیویوں کا بہ یک وقت جمع کرنا جائز نہیں' اسی پر علمائے کرام کا اجماع ہے البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنا جائز ہے' بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کوئی تعداد مقرر ہی نہیں۔ ان کا استدلال ایک تو رسول کریم ﷺ کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے کہ آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں' اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا تیرہ کی رخصتی ہوئی ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپ ﷺ کے پاس تھیں انتقال کے وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہمارے علماء کرامؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی' امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس انکی دس بیویاں ہوتی ہیں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو باقی کو چھوڑ دو (چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا)۔ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دیدی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؓ نے فرمایا شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں یہ خیال جما دیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا' میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب قریب الختم ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ

ابو غال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں (مسند احمد' شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' دار قطنی' بیہقی وغیرہ)۔ مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمرؓ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے' اگرچہ امام بخاریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی نظر ہے' واللہ اعلم۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنی خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں' ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ ان سے یہ نہ فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں۔ یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں موجود تھیں اس پر بھی آپ ﷺ نے چھ علیحدہ کرا دیں پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟ واللہ اعلم بالصواب''۔

دوسری حدیث ''ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے حضرت عمیرہ اسدیؓ فرماتے ہیں میں نے جس وقت اسلام قبول کیا میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے جنہیں چاہو چار کو رکھ لو۔ اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں' راویوں کے ناموں کا ہیر پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان دہ نہیں ہوتا

''تیسری حدیث'' مسند شافعی میں ہے حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو۔ میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھیں انہیں طلاق دیدی۔ پس یہ حدیثیں حضرت غیلانؓ والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل وانصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو یا لونڈیوں ہی پر' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل وانصاف کو قائم رکھ سکو پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو۔ ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔ اس کے بعد کے جملے کا مطلب بعضوں نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ہے اس کے کہ تمہاری عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو۔ عربی شاعر کہتا ہے۔

فَمَا يَدْرِي الْفَقِيْرُ مَتٰى غِنَاهُ   فَمَا يَدْرِي الْفَقِيْرُ مَتٰى غِنَاهُ

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائیگا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائیگا۔ جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں ﴿عَالَ الرَّجُلُ﴾ یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا۔ غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے' پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ۔ عرب میں کہا جاتا ہے کہ ﴿عَالَ فِي الْحُكْمِ﴾ جبکہ ظلم وجور کیا ہو' ابو طالب کے مشہور قصیدے میں ہے۔

بِمِيْزَانِ قِسْطٍ لَّا يَخِسُّ شَعِيْرَةً   لَهٗ شَاهِدٌ مِّنْ نَّفْسِهٖ غَيْرُ عَائِلٍ

یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتی اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمانؓ پر ایک خط میں کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسول نے لکھا کہ ﴿اِنِّيْ لَسْتُ بِمِيْزَانٍ اَعُوْلُ﴾ میں ظلم کی ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں

مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو۔ ابو حاتم فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے ہاں یہ حضرت عائشہ کا قول ہے۔ اسی طرح ﴿لا تعولوا﴾ کے بھی معنی یعنی تم ظلم نہ کرو حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عائشہ حضرت مجاہد حضرت عکرمہ حضرت حسن حضرت ابو مالک حضرت ابو رزین حضرت نخعی حضرت شعبی حضرت ضحاک اور حضرت عطاء خراسانی حضرت قتادہ حضرت سدی حضرت مقاتل بن حیان وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عکرمہ نے بھی ابو طالب کا وہی شعر پیش کیا ہے امام ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بیشک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال طیب ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ کا نام ہی نام ہو۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علیؓ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم و پیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گیں ﴿هَنِيْئًا مَّرِيْئًا﴾ تو مال عورت اور شفاء شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)۔ اس حکم کو سن کر لوگوں نے رسول مقبول ﷺ سے پوچھا کہ ان میں آپس میں مہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس چیز پر بھی ان کے گھر والے رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم)۔ حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ رانڈوں کا نکاح کر دیا کرو۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان میں آپس کا مہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں۔ اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں' پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دو جس مال کو اللہ تعالی نے تمہاری گزر ہران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اڑھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہا کرو' پھر اگر ان میں تم ہوشیاری ور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو۔ اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو' مال داروں کو چاہئے کہ (اس کے مال سے) بچتے رہیں۔ ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے۔ پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ کر لیا کرو۔ دراصل حساب لینے والا اللہ تعالی ہی کافی ہے۔

مال کے تصرف کیلئے عاقل ہونا ضروری ہے: اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیوقوفوں کو مال کے تصرف سے روکیں۔ مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے۔ مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل بے وقوف ہو اور بے دین ہو بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو۔ اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضہ سے لے لیگا اور اسے بید خل کر دیگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں سُفَهَآءَ سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ حکم بن عیینہ حسن اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یتیم مراد ہیں۔ مجاہدؒ عکرمہؒ اور قتادہؒ کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک عورتیں بیوقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے اسے اپنی بیوی یا بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنے مال اپنے قبضہ میں رکھ اس کی اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا۔

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا' ایک وہ شخص جس کی بیوی بد خلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے' دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بیوقوف کو دیدے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو' تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلح رحمی کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے' اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

یتیم کے مال کی حفاظت بلوغت تک کرنا: پھر فرمایا کہ یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں۔ یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ چپ رہنا ہے سارے دن رات تک۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے' بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو' سوتے سے جب تک جاگ نہ جائے' مجنون سے جب تک ہوش نہ آجائے۔ پس ایک تو علامت بلوغ یہ ہے دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے' اسکی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضور ﷺ نے اپنے ساتھ نہ لیا اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے قبول فرما لیا' اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپؒ نے فرمایا نابالغ بالغ کی حد یہی ہے۔ تیسری علامت بلوغت کی زیر ناف کے بالوں کا نکلنا ہے۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ علامت بلوغ ہے دوسرے یہ کہ نہیں تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے' اسلئے کہ ممکن ہے کسی دوا سے یہ بال جلد نکل آتے ہوں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو اسے کیوں استعمال کرنے لگا؟ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاً تو جبلی امر ہے علاج معالجہ کا احتمال بہت دور کا احتمال ہے ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں۔ دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے جس میں حضرت عطیہ قرظیؓ کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک شخص دیکھے جس کے یہ بال نکل آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے

اور جس کے نہ نکلے ہوں اسے چھوڑ دیا جائے' چنانچہ میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ حضرت سعدؓ کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا پھر حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیئے جائیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں۔ غرائب ابی عبید میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی' حضرت عمرؓ نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا دیکھ لو اگر اس کے زیر ناف کے بال اگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں۔ دیکھا تو اگے نہیں تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی۔

پھر فرماتا ہے جب دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہیں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دیدیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں' ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو خواہ امیر ہو کھاتا پیتا ہو تو اسے چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے' مثل مردار اور بہے ہوئے خون کے یہ مال اس پر حرام محض ہے' ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بیشک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے' اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے۔ پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لیا ہے۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے' اس لئے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے۔ اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے میں سے کھا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا نہ جمع کرنہ یہ ہو کہ اپنا مال کو تو بچا رکھے اور اس مال کو کھپائے چلا جائے۔ ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے۔ ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کیلئے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے' اپنے مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر نہ اس کے مال سے دولتمند بننے کی کوشش کر۔ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس کتنے اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں ان کے بھی اونٹ ہیں میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفتہً دیدیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپ نے فرمایا اگر ان یتیموں کی اونٹنیوں کی گم شدہ کو تو ڈھونڈ لاتا ہے ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بیشک دودھ سے بھی نفع اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے (موطا مالکؒ)۔ حضرت عطا بن ابو رباح حضرت عکرمہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت عطیہ عوفی حضرت حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدلہ دینا پڑے گا جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض کے لوں گا جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا)۔ یہ حدیث سعید ابن منصور میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن عباسؓ سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کے کھائے اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے۔ اور روایت میں آپ

سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے۔ حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے تو بیشک کھالے لیکن پھر ادا کرنا ہوگا۔ یحییٰ بن سعد انصاریؒ اور ربیعہؒ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اسے ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا۔ عبارت میں یہ ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ وہ غنی ہو تو رک جائے' یعنی جو ولی غنی ہو' تو یہاں بھی یہی مطلب ہوگا کہ جو ولی فقیر ہو نہ کہ جو یتیم فقیر ہو' دوسری آیت میں ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے' پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیئو۔ پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے اور تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو' تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے' یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا' تباہ و برباد کیا' جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دلی اور نیک نیتی سے نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا' ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا بینا نگراں و نگہبان کو ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا اے ابوذر! میں تمہیں ناتوان پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں' خبردار ہرگز ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِھِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْھِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی' جو مال ماں باپ اور خویش اقارب چھوڑ مریں خواہ وہ اور خویش اقارب چھوڑ دیں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ' حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتوان بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں۔ جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔ اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے۔

ترکہ میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر ہے: مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اسکا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں' اسلام نے یہ حکم نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ

قرابت حقیقی ہو خواہ بوجہ عقد زوجیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادگی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم و بیش ہو۔ ام کجہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور! میری دو لڑکیاں ہیں ان کے والد فوت ہو گئے اور ان کے پاس کچھ نہیں' پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب انشاءاللہ تعالیٰ آئیگی' واللہ اعلم۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بٹنے لگا اور وہاں اس کا کوئی دور کا رشتہ دار بھی آ جائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم و مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دیدو۔ ابتداء اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں مستحب تھا' اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں' حضرت ابن عباسؓ تو اسے باقی بتاتے ہیں۔ حضرت مجاہد حضرت ابن مسعود حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر حضرت ابوالعالیہ حضرت شعبی حضرت حسن حضرت ابن سیرین حضرت سعید بن جبیر حضرت مکحول حضرت ابراہیم نخعی حضرت عطاء بن ابو رباح حضرت زہری حضرت یحییٰ بن معمر رحمتہ اللہ علیہما اجمعین بھی باقی بتلاتے ہیں' بلکہ یہ حضرات سوائے ابن عباسؓ کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت عبیدہؓ ایک وصیت کے ولی تھے انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور ان تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا۔ حضرت عروہؓ نے حضرت مصعبؓ کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا۔ حضرت زہریؒ کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ موقوف ہے وصیت پر۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مائی عائشہؓ کی موجودگی کا ہے پس گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی' حضرت ابن عباسؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا اس نے ٹھیک نہیں کیا' اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت بالکل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ الخ ہے۔ حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو۔ حضرت سعید بن مسیبؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لئے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جمہور کا اور چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آ جائیں تو انہیں دیدو اور یتیم مسکین جو آ گئے ہوں ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آؤ' لیکن اس میں نظر ہے' واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے' پس یہ قول امام ابن جریرؒ کے خلاف ہے۔ ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آ جائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے جاتے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو' ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم کو اچھا نہیں لگتا' بطور صدقہ کے راہ للہ ان سے بھی کچھ سلوک کر دو تاکہ یہ خوش ہو کر جائیں' جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دو اور فاقہ زدہ اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی ہے جیسے کہ سورہ ن میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کیلئے چلتے ہیں وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے' دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے اس کا مال اس کے باعث غارت ہو جاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں الخ۔ یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے اور

اس کے وارثوں کے لئے ایسی بھلائی چاہے جیسے اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے' جب کہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس ان کی بیماری کے زمانہ میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا آدھے کی تو اجازت دیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خیر لیکن ہے یہ بھی زیادہ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے' یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں اگر میت کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو مستحب ہے کہ اس سے کم کی وصیت کرے۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم چاہتے ہو کہ تمہاری چھوٹی اولاد کا تمہارے مرنے کے بعد اور لوگ خیال رکھیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں' اسی طرح تم دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ۔ یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے اسی لئے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگار بھرنے والے اور جہنم واصل ہونے والے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سات گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں۔ پوچھا گیا کیا کیا؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک' جادو' بےوجہ قتل' سود خواری' مال یتیم کا کھا جانا' جہاد سے منہ موڑنا' بھولی بھالی ناواقف مسلمان عورت پر تہمت لگانا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہؓ نے جب حضور ﷺ سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بے طرح چیخ چلا رہے ہیں ہائے وائے مچا رہے ہیں۔ میں نے (حضرت) جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے' ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو عورتوں کا اور یتیم کا' ان کے مال سے بچو۔ سورہ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم تھے انہوں نے ان کے اناج پانی بھی الگ کر دیا' اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی اگر ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو وہ کھائے یا سڑ کر پھک جائے گھر والوں میں سے کوئی بھی اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری' حضور ﷺ کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا' اس پر آیت ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ الخ اتری' جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں یتیموں کی بہتری سمجھو کرو۔ چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿11﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کی دو تہائی ملے گی' اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو' اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے' ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد۔ تمہارے باپ ہیں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بیشک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔

وراثت کی تقسیم: یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں' یہ پورا علم ان آیتوں اور میراث کی احادیث سے استنباط کیا گیا ہے' جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں۔ یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔ باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر' اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ علم فرائض کے سیکھنے کی رغبت میں بہت سی احادیث آئی ہیں' ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے یہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے علم دراصل تین ہیں اور اس کے ماسوا فضول بھرتی ہے' آیات قرانیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں' سنت قائمہ یعنی احادیث جو ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مسائل میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ یہ نصف علم ہے اور یہ بھول جاتے ہیں اور یہی پہلی وہ چیز ہے جو میری امت سے چھن جائے گی حضرت ابن عیینہؒ فرماتے ہیں اسے آدھا علم اس لئے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے بنو سلمہ کے محلہ میں پیادہ پا تشریف لائے میں اس وقت بے ہوش تھا آپ ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا' تو میں نے کہا حضور! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ صحیح مسلم شریف و نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی صاحبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ دونوں (حضرت) سعدؓ کی لڑکیاں ہیں' ان کے والد آپ ﷺ کیساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کرے گا۔ چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں

کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے سوال پر اس سورۃ کی آخری آیت اتری ہو گی جیسے عنقریب آ رہا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ اس لئے کہ ان کی وارث صرف انکی بہنیں ہی تھیں لڑکیاں تھیں ہی نہیں وہ تو کلالہ تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعد بن ربیعؓ کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابرؓ ہیں۔ ہاں حضرت امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی' واللہ اعلم۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے۔ اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیدیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا' ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا۔ اس لئے کہ مردوں کے ذمے جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمے نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں' تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عورتوں سے دوگنا دلوایا۔ بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے کہ پس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اللہ اپنی مخلوق پر ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا وہ باولوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جس بچہ کو پالیتی اپنے سینہ سے لگا کر اسے دودھ پلاتی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحابؓ سے فرمایا بھلا بتاؤ تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دیگی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار اور حقدار مال کا صرف لڑکا تھا' ماں باپ کو بطور وصیت کے مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دگنا دلوا دیا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی' اور بیوی کو آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور چوتھا۔ فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چھٹا اور آٹھواں حصہ دلوایا جا رہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھ دلوایا جا رہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لا سکتا ہے' اچھا تم جو اس آیت سے خاموشی برتو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے یا ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ﷺ ان احکام کو بدل دیں۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ دشمن سے لڑنے کے قابل' آپ ﷺ بچہ کو ورثہ دلا رہے ہیں بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے بھڑنے کے قابل ہو' سب سے بڑے لڑکے کو وارث کرتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو) فرمادیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے۔ (اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے؟ (مترجم) لفظ ﴿ فَوْقَ ﴾ کو بعض لوگ زائد بتلاتے ہیں' جیسے ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ میں لفظ ﴿ فَوْقَ ﴾ زائد ہے' لیکن ہم یہ نہیں مانتے نہ اس آیت میں نہ اس آیت میں' کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو' اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے۔ پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد فَلَهُنَّ نہ آتا بلکہ فَلَهُمَا آتا۔ ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں' یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ثلث ملے گا۔ کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دلوایا گیا ہے اور جب کہ دو بہنیں دو ثلث پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ثلث کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لئے دو تہائی بطور اولیٰ ہونا چاہئے' اور حدیث میں آ چکا ہے کہ دو لڑکیوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوایا جیسا کہ اس آیت کے شان نزول کے بیان میں

حضرت سعدؓ کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا پس کتاب و سنت سے یہ ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکا نہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلوایا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھا ہی دینے کا حکم کرنا مقصود ہوتا تو یہیں بیان ہو جاتا' جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائد کا ہے' واللہ اعلم۔

والدین کا حصہ: ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے' ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا' یعنی چھٹا حصہ ماں کو اور چھٹا حصہ باپ کو' اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہو تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لیگی اور چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا جو باقی رہا وہ بھی بطور عصبہ باپ کو مل جائے گا پس اس حالت میں باپ فرض اور تعصب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطور عصبہ بچت کا مال۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل مال باپ کو بطور عصبہ کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دوگنا باپ کو مل جائیگا۔ اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے یا مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں ماں باپ ہیں اور خاوند ہے یا بیوی تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔ پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں' ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند کو چھوڑ کر مری خواہ مرد عورت کو چھوڑ کر مرا ہو اس لئے باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور دو تیسرے حصے جو باقی رہے وہ باپ لے لیگا۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور باعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علیؓ کا یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا بھی یہی قول ہے' ساتوں فقہاء اور چاروں امامؒ اور جمہور علماء کرام کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا اس لئے کہ آیت عام ہے خاوند بیوی ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو' عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو دلوایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے' حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے' حضرت شریحؒ اور حضرت داؤدؒ ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابوالحسن بن لبان بصری بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جب کہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو اور جب کہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصہ کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بے شک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں سے ثلث ملے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں تو اسے کل مال کا تہائی ملے گا کیونکہ اس عورت کو کل مال کا چوتھائی ملے گا' اگر کل مال کے بارہ حصے کئے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملے باقی بچے پانچ حصے وہ باپ لے لیگا۔ لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلوایا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے' مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کئے تین تو خاوند لے گیا دو ماں لے گی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے' اس لئے اس صورت میں چھ میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے' ایک ماں کو اور دو باپ کو۔ حضرت امام ابن سیرینؒ کا یہی قول ہے یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب ہے۔ ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے' واللہ اعلم۔ ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے' تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں سے کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے۔ اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ ہی لے لیگا۔ دو بھائی بھی حکم میں بہت سے بھائیوں کے ہیں' جمہور کا یہی قول ہے' ہاں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ

ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے' قرآن میں ﴿ اِخْوَةٌ ﴾ جمع کا لفظ ہے' دو بھائی اگر مراد ہوتے ﴿ اخوان ﴾ کہا جاتا۔ خلیفہ ثالث نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چو طرف یہ مسئلہ اس طرح پہنچا ہوا ہے' تمام لوگ اس کے عامل ہیں' میں اسے نہیں بدل سکتا۔ اولا تو یہ اثر ثابت ہی نہیں اس کے راوی حضرت شعبہؒ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباسؓ کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کے خاص اصحاب اور اعلیٰ شاگرد بھی اس کے خلاف ہیں' حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ دو کو بھی ﴿ اخوة ﴾ کہا جاتا ہے۔ ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ﴾ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالہ میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا۔ علماء کرام کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے اس لئے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے۔ یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بسند صحیح مروی ہے یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا ہے انہیں دیا جائے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں حضرت عبداللہؓ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ **کلالہ** اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہو گی: تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض پہلے ادا کرایا ہے پھر وصیت جاری کی ہے۔ ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے' آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہو گا نہ اس کا جس کی ماں دوسری ہو۔ یہ حدیث صرف حضرت حارثؒ سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے' لیکن حافظ فرائض تھے' اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بھی بڑے ماہر تھے' واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم ہٹا دی۔ بلکہ اسلام میں بھی پہلے جو یہ حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جایا کرتا تھا' ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباسؓ سے پہلے بیان ہو چکا یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی' امید دونوں سے نفع کی ہے' یقین کسی پر بھی'' دوسرے سے زیادہ نہیں ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مقررہ حصے اور میراث کے یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں اس میں کسی کمی بیشی کی کسی امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں نہ کسی کو محروم کر دینا لائق نہ کسی کو زیادہ دلوا دینا' اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے جو جس کا مستحق ہے اسے اتنا دلواتا ہے' ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں تمہیں چاہئے کہ اسکے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے' اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو' اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور بعد ادائیگی قرض کے۔ جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ دانا ہے بردبار

خاوند اور بیوی کی میراث کی تقسیم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری عورتیں جو چھوڑ مریں اگر ان کی اولاد ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی صورت میں ملے گا وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے پہلے قرض ادا کیا جائے پھر وصیت پوری کی جائے پھر ورثہ تقسیم ہو۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔ پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں کے ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کا حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ' چوتھائی تو اس حالت میں کہ فوت ہونے والے خاوند کی اولاد ہو' اور آٹھویں حصہ اس صورت میں کہ اولاد ہو اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں' چار ہوں تو یہ حصہ ''ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا' تین یا دو ہوں تب بھی' اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

کلالہ کی تقسیم میراث: ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ ﴾ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گذر چکی ہے ﴿ كَلٰلَةً ﴾ مشتق ہے ﴿ اكليل ﴾ سے ﴿ اِكْلِيْل ﴾ کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے' یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث ارد گرد کے حاشیہ کے لوگ ہیں' اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ﴿ كَلٰلَة ﴾ کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپؓ فرماتے ہیں میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے' اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے' اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں' ﴿ كَلٰلَة ﴾ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ۔ حضرت عمر فاروقؓ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا کہ مجھے ابو بکرؓ کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے (ابن جریر وغیرہ)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سب سے آخری زمانہ حضرت عمرؓ کا پانے والا میں ہوں' میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے بات وہی ہے جو میں نے کہی ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو نہ ولد۔ حضرت علیؓ' ابن مسعود' ابن عباس' زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین' شعبی' نخعی' حسن' قتادہ' جابر بن زید' حکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ' اہل کوفہ' اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے' ساتوں فقہاء' چاروں امام اور جمہور سلف و خلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں' بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے' اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا

ہے۔ ابن لبان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ لیکن صحیح پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ بعض سلف کی قرات ہے' حضرت ابو بکر صدیقؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے' تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں' ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثہ کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں' مثلاً ماں' دوسرے یہ کہ ان کے مرد و عورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں' تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جب کہ میت کلالہ ہو' پس باپ دادا کی' بیٹے کی' بیٹے کے بیٹے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے' چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا گو یہ کتنے ہی ہوں' مرد ہوں یا عورت۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دوہرا اور عورت کے لئے اکہرا۔

حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہو۔ آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا' تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمانؓ سے بھی اسی طرح شریک کر دینا اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہی ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب' قاضی شریح' مسروق' طاؤس' محمد بن سیرین' ابراہیم نخعی' عمر بن عبدالعزیز' ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے' امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں ہاں حضرت علی بن ابو طالبؓ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جو ذوی الفروض سے بچ جائے بلکہ وکیع بن جراح کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا قول بھی یہی ہے' ابن عباسؓ سے بھی مشہور یہی ہے' شعبیؒ' ابن ابی لیلیٰؒ' ابو حنیفہؒ' ابو یوسفؒ' محمد بن حسنؒ' حسن بن زیادؒ' زفر بن ہذیلؒ' امام احمدؒ' یحییٰ بن آدمؒ' نعیم بن حمادؒ' ابو ثورؒ' داؤد بن علی ظاہریؒ بھی اسی طرف گئے ہیں - ابو الحسین ابن لبان فرضیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

شرعی وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے: پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے۔ وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر ظلم و جبر کیا گیا ہو کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو۔ اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے (ابن ابی حاتم)۔ نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت ابن عباسؓ سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس ٹکڑے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ امام ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں موقوف قول ہے۔ آئمہ کرامؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لئے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض تو کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے۔ حدیث شریف میں بہ سند صحیح آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے اب وارث کے لئے کوئی وصیت

نہیں' مالکؒ احمد بن حنبلؒ' ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے' شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاؤس' عطاؒ' حسنؒ' عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول بھی یہی ہے۔ امام بخاریؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رافع بن خدیجؓ نے وصیت کی کہ فزاریہ نے جس چیز پر اپنے دروازے بند کر رکھے ہوں وہ نہ کھولے جائیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا یہ اقرار جائز نہیں یہ سب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے' لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بدگمانی سے بچو بدگمانی تو سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ اسے پہنچا دو۔ اس میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر صرف حیلہ سازی ہو اور بعض وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لئے ایک بہانہ بنایا ہو تو بالاجماع اسے پورا کرنا حرام ہے۔ اور اس آیت کے صاف الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں (اقرار کے فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ دوسری جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ کا مذہب ہے' مترجم)۔ پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جو اللہ علم و حلم والا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾

یہ حدیں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں' اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائیگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی مطلب یابی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دیگا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' ایسوں ہی کیلئے اہانت کرنے والا عذاب ہے۔

وصیت میں اللہ کی حدود کو قائم کرنے اور توڑنے پر جزا و سزا: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں ہمیشہ رہے گا' ایسوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا حصہ جسے دلوایا ہے یہ سب اللہ کی حدود ہیں تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو' جو شخص ان اللہ کے احکام کو مان لے' کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو کم و بیش دلوانے کی کوشش نہ کرے اللہ کا حکم اور اللہ کا فریضہ جوں کا توں بجالائے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشگی والی جاری پانی والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا' یہ کامیاب نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو بدل دے کسی وارث کے ورثے کو کم و بیش کر دے اللہ کی رضا کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے گویا اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہمیشگی والے رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے پھر وصیت کے وقت ظلم و ستم کرتا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھو ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ سے ﴿عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ تک۔ سنن ابی داؤد کے "باب الاضرار فی الوصیۃ" میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہتے ہیں ھر موت کے وقت وصیت میں ضرر و نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ سے آخر آیت تک پڑھی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے' امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ حدیث تمام و کمال کے ساتھ موجود ہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھ لو' اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے' تم میں سے جو مرد ایسا کام کر لیں انہیں ایذا دو۔ اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جنم قید ہو یعنی موت سے پہلے اسے نہ چھوڑا جائے۔ اس کا بیان فرما کر پھر فرماتا ہے کہ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ بتادے۔ پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ ناسخ ٹھہری اور یہ حکم ہٹ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تک سورہ نور کی آیت نہ اتری زناکار عورت کا یہی حکم رہا۔ پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا۔ حضرت عکرمہؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت حسنؒ' حضرت عطاء خراسانیؒ' حضرت ابوصالحؒ' حضرت قتادہؒ' حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تو آپ ﷺ پر اس کا بڑا اثر پڑتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا' پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی ﷺ پر وحی نازل فرمائی جب وہ ہٹ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میری بات لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا ہے اگر شادی شدہ عورت اور شادی شدہ مرد ہو تو ایک سو کوڑے پھر پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے' امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں' اسی طرح ابوداؤد میں بھی۔ ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے اس حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بڈھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے' لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ طبرانی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سورہ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا حکم نہیں رہا۔ امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعزؓ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے' اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپ ﷺ نے رجم کا حکم دیا

اور رجم سے پہلے انہیں بھی کوڑے نہیں لگوائے۔ پس جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے ضروری نہیں' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم و غیرت دلا کر جوتیاں لگا کر۔ یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا۔ حضرت عکرمہ' عطاء' حسن' عبداللہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں۔

سدیؒ فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں لواطت کے بارے میں یہ آیت ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے تم لواطت کرتے دیکھو اسے اور اس دوسرے کو دونوں کو قتل کر ڈالو' اگر یہ دونوں باز آ جائیں اپنی بدکاری سے توبہ کریں اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ۔ اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور بردباری کرنے والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی انکی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔ ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی' نہ ان کی توبہ ہے جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

بھولے سے جو گناہ ہو اس کی توبہ ہے: مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھیں' پھر توبہ کر لیں گو یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد غرغرے سے پہلے ہو' حضرت مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آ جائے' ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ حضرت قتادہؒ بھی صحابہؓ کے ایک مجمع سے اسی طرح کی روایت کرتے ہیں عطاء اور حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ جلدی توبہ کر لینے کی تفسیر میں مروی ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کو قریب کہا گیا ہے' اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہئے۔ غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کل کی کل قریب ہی ہے۔ اس کے متعلق حدیثیں سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ شروع نہ ہو (ترمذی)۔ جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے بھی بلکہ ایک ساعت پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی

طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ پہلے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس توبہ قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوایوبؓ نے یہ آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضور ﷺ سے اسے سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں' تو دوسرے نے کہا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں' میں نے خود سنا ہے۔ کہا میں نے سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا میں نے تو حضور ﷺ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے نرخرے میں روح نہ آ جائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔ ابن مردویہ میں مروی ہے کہ جب تک غرغرہ شروع نہ ہو تب تک توبہ قبول ہے۔ کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون ہے۔

حضرت ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہا اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے ڈھیل طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی میں اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم جب تک اس میں روح رہے گی اس کی توبہ قبول کروں گا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب مروی ہے۔

پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی حیات کی امید ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے' ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے' فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے سینے میں گھٹنے لگے حلق میں اٹکے غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی' جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ (دو آیتوں تک) مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا نفع نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ﴾ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف سے چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے اسے نہ اس کا عمل نفع دے نہ اس کا ایمان۔

مشرک کی بخشش نہیں: پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ فائدہ نہ دے گی نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دینا چاہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے کہا گیا کہ پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا' ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک المناک ہمیشگی والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ

كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾

ع ٨ / ١٤

ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو۔ انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں۔ ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بود و باش رکھو' گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کردے۔ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟ تم اسے کیسے لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے۔ مگر جو گزر چکا۔ یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے۔ اور بڑی بری راہ ہے۔

عورت کو ورثہ میں لینے کی ممانعت: صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دیدیتے اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے عورت والوں سے زیادہ حقدار اس عورت کے یہی گنے جاتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دست بردار ہو جائے یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے کوئی آ کر اس عورت کا خاوند مرتے ہی اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ کپڑا ڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اگر یہ بد صورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مر جائے پھر اس کے مال کا یہ وارث بنتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گاڑھا دوست کپڑا ڈال دیتا پھر اگر وہ عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ورنہ یونہی مر جاتی۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کا یہ دستور تھا وارث اس عورت کا بھی وارث بن جاتا تھا یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں وہاں تیرا نکاح ہو۔ اس طرح کی قید و بند سے آزادگی کی پھر یہ صورت ہوتی تھی کہ وہ عورت کچھ دے دلائے' پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابو قیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نے انکی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں دستور تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچہ کی سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا اگر چاہتا خود اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دیدیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے کے یا جس کے چاہے

حضرت عکرمہؓ کی روایت میں ہے کہ ابو قیس کی اس بیوی کا نام کبیشہ تھا' رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس نے اس صورت کی خبر حضور

ﷺ کو دی کہ نہ مجھے یہ لوگ وارثوں میں گنکر میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کرلوں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آجائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی اسے یہ روکے رکھتے' اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی تو ہم اس سے نکاح کرلیں گے یا اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کرادیں گے۔ ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی ممانعت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی' واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ عورتوں کی بود وباش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے کر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجبی حق وغیرہ سے دست برداری پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جا رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے دل نہیں ملا چھوڑنا چاہتا ہے لیکن اس صورت میں مہر وغیرہ تمام حقوق دینے پڑیں گے اس سے بچنے کے لئے اسے ستاتا ہے' طرح طرح سے تنگ کرتا ہے تاکہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر بھی چلے جانے پر آمادہ ہو جائے تو اس صورت سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روکدیا۔

ابن سلمانی فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو مٹانے کے لئے اور دوسری امر اسلام کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی۔ ابن مبارکؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے' اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحابہ و تابعین وغیرہ' زناکاری ہے یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہئے اور اسے تنگ کرے تاکہ خلع پر رضامند ہو' جیسے سورہ بقرہ کی آیت میں ہے ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ ﴾ الخ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہی دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لو مگر اس حالت میں کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو الخ۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے ﴿فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ سے مراد خاوند کا خلاف کرنا' اس کی نافرمانی کرنا' بدزبانی کج خلقی کرنا حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے الفاظ عام ہیں زنا کو اور اس کو دونوں کو شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تاکہ وہ اپنا کل حق یا تھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے۔ امام صاحبؒ کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے' واللہ اعلم۔ یہ روایت بھی پہلے گذر چکی ہے کہ یہاں تک اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے جس اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان امر جاہلیت اسلام سے ہٹا دینے کے لئے ہوا ہے۔

ابن زیدؒ فرماتے ہیں مکہ کے قریش میں یہ بات جاری تھی کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا اور موافقت نہ ہوتی تو یہ اسے طلاق دیدیتا تھا' لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی' اس بات پر گواہ شاہد مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا۔ اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا کہ مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دونگا۔ اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے روکے رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔ اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی۔ بقول مجاہدؒ یہ حکم اور سورہ بقرہ کی آیت کا حکم دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی سے رہو سہو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو' نرم بات کہو نیک سلوک کرو اپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہو' میں اپنی بیویوں سے بہت اچھی گھر داری برتتا ہوں"۔

نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف و خوشی سے بہت نرم اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے' ان کو خوش رکھتے تھے' ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے' ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے' انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے' کشادہ دلی

کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے' ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں۔ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آپ ﷺ نے دوڑ کی' جس دوڑ میں صدیقہؓ آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد پھر دوڑ ہوئی اب کے حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ادلا بدلا ہو گیا'' اس سے بھی آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہ خوش رہیں ان کا دل بہلے۔ جس بیوی صاحبہؓ کے ہاں آپ ﷺ کو رات گزارنی ہوتی وہیں آپ ﷺ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں دو گھڑی بیٹھتیں' بات چیت ہوتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضور ﷺ رات کا کھانا تناول فرماتے پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپ ﷺ وہیں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی۔ اپنی بیوی صاحبہؓ کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے کرتا نکال ڈالتے صرف تہبند بندھا ہوا ہوتا۔ عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہو' الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ ﷺ رکھتے تھے۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی محبت پیار سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہاری اچھائی میرے نبی کی پیروی میں ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں' والحمد للہ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بود و باش رکھنے میں بسا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی عطا فرمائے' ممکن ہے نیک اولاد ہو جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بہت سی خیر نصیب کرے۔ صحیح حدیث میں ہے مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہو گا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہو گی۔ پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے گو ایک خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قنطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سارا مال دینا بھی جائز ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرما دیا تھا پھر اپنے قول سے رجوع کیا جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دینوی طور پر کوئی بھلی چیز ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ عمل کرتے۔ حضور ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا یا کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سوا سو روپیہ)۔ انسان لمبا مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے تو میرے کندھوں پر مشک لٹکوا دی' یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ایک میں ہے کہ آپ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگو! تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے اگر یہ زیادتی تقویٰ اور کرامت کا سبب ہوتی تو تم اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے' خبردار آج سے میں یہ نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا ہے۔ یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشیہ عورت سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین! کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا؟ کہا وہ کیا۔ کہا سنئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ الخ تم نے انہیں خزانہ دیا ہوا ہے الخ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ مجھے معاف فرما' عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر آپ واپس چلے گئے اور اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا' اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے' اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے' میں نہیں روکتا۔ ایک ''روایت میں اس عورت کا اس آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے ﴿وَ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا مِّنْ ذَهَبٍ﴾ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرات میں بھی اسی طرح ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمرؓ پر غالب آ گئی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی القصہ یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی ہو پھر

بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے کیا تو وہ زیادتی کی رقم میں بیت المال میں لے لوں گا۔ اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا کہ حضرت! آپ نے حکم نہیں دے سکتے۔ الخ۔

مہر واپس نہیں لیا جا سکتا: پھر فرماتا ہے کہ تم اپنی بیوی کے دیئے ہوئے مہر کیسے واپس لوٹا سکتے ہو؟ حالانکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا یا حاجت روائی کی وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ جس میں ایک شخص کا اپنی بیوی کی نسبت زناکاری کرنے کا الزام حضور ﷺ کے سامنے عائد کرنا پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ بخوبی علم والا ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟ تین دفعہ یہ فرمایا تو اس نے مرد نے کہا میں نے جو اپنا مال اس کے مہر میں دیا ہے اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسی کے بدلے تو یہ تیرے لئے حلال ہوئی تھی اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی ہے تو اور بھی دور کی بات ہو گئی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نصرؓ نے ایک کنواری سے نکاح کیا جب اس سے ملے تو دیکھا کہ اسے زنا کا حمل ہے، حضور ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے الگ کرا دیا اور مہر دلوا دیا اور اس عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا جو بچہ ہو گا وہ تیرا غلام ہے اور مہر تو سبب تھا اس کی حلت کا (ابو داؤد)۔ غرض آیت میں بھی مطلب یہی ہے کہ دونوں میاں بیوی میں خلوت و صحبت ہو چکی ہے پھر مہر واپس لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ عقد نکاح جو مضبوط عہد و پیمان ہے اس میں تم جکڑے جا چکے ہو، اللہ کا یہ فرمان تم سن چکے ہو کہ بساؤ تو اچھی طرح اور الگ کرو تو عمدہ طریقہ سے چنانچہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سے لیتے ہو اور ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے حلال کرتے ہو یعنی خطبہ نکاح کے تشہد سے۔ رسول اللہ ﷺ کو معراج والی رات جو بہترین انعامات عطا ہوئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا تیری امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک وہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے (ابن ابی حاتم)۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے تم نے عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سے لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمے سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔

جس سے باپ نے نکاح کیا وہ بیٹے کیلئے حرام ہے: پھر اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی جو طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ حضرت ابو قیسؓ جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے اس کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے مانگا ڈالا جو ان کی سوتیلی ماں تھیں اس پر اس بیوی صاحبہؓ نے فرمایا بیشک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں، خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں۔ یہاں آئیں اور حضور ﷺ سے ساری کیفیت بیان کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے۔ ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادہ سے باز رکھا گیا، ایک تو یہی ابو قیس والا واقعہ، ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبید اللہ ضمرہ تھا۔ دوسرا واقعہ خلف کا تھا انکے گھر میں ابو طلحہؓ کی صاحبزادی تھیں ان کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا، سہیلی کہتے ہیں جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا اور اسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا، اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا، جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کہا گیا۔ کنانہ بن خزیمہ نے بھی یہی کیا تھا کہ اپنے باپ کی بیوی سے اپنا نکاح کیا تھا نضر اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے، تو معلوم ہوا کہ یہ بات ان میں برابر جاری تھی اور جائز تھی اور وہ اسے نکاح شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن جن رشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان سب کو جاہلیت والے بھی حرام ہی جانتے تھے

سوائے اپنی سوتیلی ماں کے اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام ٹھہرا دیا۔ حضرت عطاءؒ اور حضرت قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ سہیلی نے کنانہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ غور طلب اور قابل نظر ہے۔ بالکل صحیح نہیں' واللہ اعلم۔ بہر صورت یہ رشتہ اس امت والوں پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا یہ نہایت فحش اور برا کام ہے اور بغض کا سبب اور برا راستہ ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ الخ یعنی کسی برائی بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ اور فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ الخ۔ زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام ہے اور بری راہ ہے۔ یہاں اس سے بھی زیادہ فرمایا کہ یہ کام ساتھ ہی ساتھ بڑے بغض کا ہے یعنی فی نفس بھی بڑا برا امر ہے۔ اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے اور عموماً پایا جاتا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں امہات المومنین قرار دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں' کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویاں ہیں آپ مثل باپ کے ہیں۔ بلکہ اجماع سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے حق باپ دادوں کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں' بلکہ آپ ﷺ کی محبت خود اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے' لو اتاالله وسلامه عليه۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے بغض کا موجب ہے اور برا راستہ ہے اب جو ایسا کام کرے وہ دین سے مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فے کے داخل کر لیا جائے۔ سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کا مال لے لو۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیرؓ اپنے ہاتھ میں نبی ﷺ کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گزرے' میں نے پوچھا کہ چچا! حضور ﷺ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)۔ مسئلہ: اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے خواہ ملکیت میں لا کے خواہ شبہ سے' وہ عورت بیٹے پر حرام ہے' ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضاء دیکھے ہوں جن کا دیکھنا اجنبیہ ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتلاتے ہیں۔ حافظ ابن عساکرؒ کے اس واقعہ سے بھی اس مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصیؒ نے جو حضرت معاویہؓ کے مولیٰ تھے حضرت معاویہؓ کیلئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوب صورت تھی اور بغیر کپڑوں کے اسے انکے پاس بھیج دیا۔ انکے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے اچھا نفع ہوتا اگر اس کیلئے اسباب ہوتا' پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ' پھر کہا نہیں ٹھہر و ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ یہ بڑے فقیہ تھے' جب آئے تو حضرت معاویہؓ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضاء دیکھے یہ کپڑے پہنے ہوئے نہ تھی اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ حضرت ربیعہؒ نے فرمایا امیر المومنین ایسا نہ کیجئے یہ اس کے قابل نہیں رہی۔ فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو' اچھا جاؤ عبداللہ ابن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ۔ وہ آئے' وہ گندمی رنگ کے تھے ان سے حضرت معاویہؓ نے فرمایا اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو۔ یہ عبداللہ بن مسعدہؓ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دیا تھا' آپ نے انہیں پالا پرورش کیا پھر اللہ کے نام پر آزاد کر دیا پھر یہ حضرت معاویہؓ کے پاس چلے آئے تھے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَ

أُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي

حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَاۤئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۙ﴿۲۳﴾

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو' ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں' اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وہ عورتیں جو مردوں پر حرام ہیں: نسبی رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سات عورتیں بوجہ نسب کے حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ بہن کی لڑکیوں تک تو نسبی رشتے ہیں۔ جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہی مذہب ابو حنیفہؒ مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ سے کچھ اس کی اباحت میں بھی حکایت کیا گیا ہے اس لئے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں' پس جیسے کہ ورثے کے بارے میں یہ بیٹی کے حکم میں شامل نہ ہو کر ورثہ نہیں پاتی اسی طرح اس آیت کی حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے' واللہ اعلم۔ (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم) پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے حرام ہے۔ بعض فقہاءؒ نے اس میں سے چار صورتیں اور بعضوں نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کے فروع کی کتابوں میں ہیں' لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں اس لئے کہ اسی کی مثل بعض صورتیں نسب میں بھی پائی جاتی ہیں اور ان صورتوں میں کی بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں پس حدیث پر کچھ اعتراض نہیں پڑتا' والحمدللہ۔ آئمہؒ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو گئی۔ امام مالکؒ یہی فرماتے ہیں۔ ابن عمرؓ سعید بن مسیبؒ' عروہ بن زبیرؒ' اور زہریؒ کا قول بھی یہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے۔ بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پئے تو حرمت ثابت ہو گئی جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام احمدؒ' اسحاق بن راہویہؒ' ابو عبیدہؒ' ابو ثورؒ بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت ام فضل' حضرت ابن زبیرؓ سلیمان ابن یسارؒ' سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم میں نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کے دودھ پلانے پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ رہ گیا حضور ﷺ کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔ دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت میں ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابو حذیفہؓ کے مولیٰ تھے پانچ مرتبہ دودھ پلائیں۔ حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے مطابق جو عورت کسی کا آنا جانا پسند کرتی اسے یہی حکم دیتیں۔ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی فرمان ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا

معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے' واللہ اعلم) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو' اس کا مفصل بیان آیت ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ کی تفسیر میں سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور آئمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا' اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا۔ اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر۔ (صحیح قول جمہور کا ہے' واللہ اعلم۔ مترجم)۔

پھر فرماتا ہے ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہو بوجہ نکاح ہونے کے اس کی ماں اس پر حرام ہو گئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے۔ ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہو گئی اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دیدی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں' اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی۔ بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور ان پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں' صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوئی نہ عورت کی بیٹی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دیدی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی منقول ہے ایک اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دیدی ہے تو اگر چاہے کر سکتا ہے۔ حضرت بکر ابن کنانہؒ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا اس کی بیوی یعنی میری ساس بے خاوند رہ گئی اور تھیں وہ بہت مالدار تو میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کی لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس سے نکاح کر لوں' میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے یہ جائز ہے' پھر میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں' میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہیں نے حضرت معاویہؓ کو لکھا اور ان دونوں بزرگوں کے فتوے بھی لکھے۔ اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام' تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں اس کے سوا بھی عورتیں بہت ہیں۔ غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا۔ چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا اور میرا نکاح پھر اس سے نہ کرایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں۔ لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے حضرت مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے' ابن جبیرؒ اور حضرت ابن عباسؓ بھی اسی طرف گئے ہیں' حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف فرمایا ہے' شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنوکمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس کی رانڈ ماں کے حسن کی طرف طبیعت جھکی تو حضرت ابن مسعودؓ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا اس سے اولاد بھی ہوئی پھر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ طیبہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں۔ چنانچہ آپ واپس کوفہ گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا۔ جمہور علماء اس طرف ہیں کہ لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح

ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں چونکہ یہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعودؓ' عمران بن حصینؓ' مسروقؒ' طاؤسؒ' عکرمہؒ' عطارؒ' حسنؒ' مکحولؒ' ابن سیرینؒ' قتادہؒ اور زہریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے چاروں اماموںؒ' ساتوں فقہاءؒ اور جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے' والحمدللہ۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو اس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے' پھر اس پر اجماع ہے' جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز ہی نہیں جب کہ اس پر اتفاق ہو۔ اور ایک غریب حدیث میں یہ بھی مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اسے اس کی ماں سے نکاح کرنا حلال نہیں اس لڑکی سے مل لیا ہو تو اور نہ ملا ہو تو بھی' ہاں جس عورت سے نکاح کیا ہے پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دیدی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اس کی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد دوسری گواہی کی ضرورت نہیں (ٹھیک مسئلہ یہی ہے' واللہ اعلم مترجم)۔

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں یہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے اپنی ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں یا نہ پلی ہوں حرام ہیں' چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ کوئی قید نہیں' جیسے اس آیت میں ہے ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو۔ یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو۔ اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں گو نہ ہوں پھر بھی حرام ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ میری بہن ابو سفیان کی لڑکی غزوہ سے نکاح کر لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتی ہو؟ مائی صاحبہؓ نے کہا ہاں میں آپ ﷺ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو مجھے وہ حلال نہیں۔ ام المومنینؓ نے کہا ہم تو سنتی ہیں آپ ﷺ ابو سلمہؓ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہؓ سے ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا سنو اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے' دوسرے یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں' مجھے اور اس کے باپ ابو سلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے خبردار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اگر میرا نکاح ام سلمہؓ سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں۔ پس حرمت کی اصل صرف نکاح کو آپ ﷺ نے قرار دیا' یہی مذہب چاروں اماموںؒ' ساتوں فقیہوںؒ اور جمہور سلف و خلف کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثانؒ فرماتے ہیں کہ میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں مجھے ان سے بہت محبت تھی اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا' حضرت علیؓ سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے اگلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے میں نے کہا ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے فرمایا پھر اس سے نکاح کر لو۔ میں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے

تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ تو بقول تیرے طائف میں ہے تیرے پاس ہے ہی نہیں۔ گو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن یہ قول بالکل غریب ہے۔ داؤد بن علی ظاہریؒ اور اس کے اصحاب بھی اسی طرف گئے ہیں' رافعیؒ نے حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی قول بتلایا ہے' ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ہمارے شیخ حافظ ابو عبداللہ ذہبیؒ نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا' واللہ اعلم ﴿حجور﴾ سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابو عبیدہؒ سے مروی ہے یہاں جو لونڈی ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہو گی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا' اس کی سند منقطع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے دوسری آیت سے حرام اس لئے میں تو اسے ہرگز نہ کروں۔ شیخ ابو عمر بن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی خلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے بوجہ اس کی ملکیت ہونے کے وطی کرے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بنا پر وطی کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دیا ہے یہ آیت ملاحظہ ہو اور علماء کے نزدیک احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے کی جاتی ہے۔ لیکن آئمہ فتویٰ اور ان کے متبعین میں سے کوئی بھی اس پر نہیں۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اسی طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے سب حرام ہیں۔ حضرت ابو العالیہؒ سے بھی اسی طرح بہ روایت قتادہؒ مروی ہے ﴿دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ سے مراد حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں ان سے نکاح کرنا ہے' حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دی جائے کپڑا ہٹا دیا جائے چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے۔ ابن جریجؒ نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو۔ فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دیدی ہے تو تمام کے اجماع سے بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہو گی تاوقتیکہ جماع نہ ہوا ہو۔ پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اپنی اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں' ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے خسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ﴾ الخ یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دیدیا تاکہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی' اس پر یہ آیت اور آیت ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾ اور آیت ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ نازل ہوئیں' یعنی بیشک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے تمہارے لے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں' آنحضرت ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں حسن بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں تمہاری ساسیں' حضرت طاؤسؒ' ابراہیمؒ' زہریؒ' اور مکحولؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ میں کہتا ہوں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں کو شامل ہیں صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے' خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو' اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت کیسے ثابت ہو گی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا رضاعت سے وہ حرام ہے جو نسب سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ دو بہنوں کا

نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے۔ اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے‘ مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا اس سے ہم درگذر کرتے ہیں‘ پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں‘ جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی﴾ یعنی وہاں موت نہ پائیں گے ہاں پہلی موت جو آئی تھی وہ آچکی۔ تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہؓ تابعینؒ آئمہؒ اور سلف و خلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے‘ اور جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دیدے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا۔ حضرت فیروزؓ فرماتے ہیں میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں پس آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دیدوں (مسند احمد)۔ ابن ماجہ‘ ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے‘ ترمذی میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دیدو۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابو خراش سے ایسا واقعہ بھی مذکور ہے ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابو خراش ہو اور یہ واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔

حضرت دیلمیؓ نے رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں‘ آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو طلاق دیدو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد فیروز ہیں۔ یہ یمن کے ان سرداروں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبی ملعون کو قتل کیا۔ دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کر کے ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے‘ اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں کو شامل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتلایا۔ سائل نے کہا قرآن میں جو ہے ﴿اِلَّا مَامَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ﴾ یعنی مگر وہ جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں‘ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہورؒ کا قول بھی یہی مشہور ہے اور آئمہ اربعہؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں‘ گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے دوسری حرام‘ میں تو اس سے منع نہیں کرتا۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابیؓ سے ملاقات ہوئی‘ اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا‘ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً حضرت علیؓ تھے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ استذکار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب نے حضرت علیؓ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا۔ حضرت ایاس بن عامرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں دونوں آپس میں بہنیں ہیں ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمائیں شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرا دوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دیدے یا انتقال کر جائے تو وہ لوٹ کر تمہاری طرف آجائے گی اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے‘ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت و حرمت کے لحاظ سے یکساں ہی ہیں ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں‘ اور دودھ پلائی کے رشتے سے بھی وہ تمام عورتیں اس رشتہ کی حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کی بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہو گی کہ

یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لئے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لئے سود مند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی' واللہ اعلم۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ثابت ہوتا ہے اور دوسری سے حلال۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن ان کے خود آپس میں جو قرابت ہو اس سے مجھ پر حرام نہیں کرتیں' جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو یعنی جو ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنے کو وہ حرام نہیں جانتے تھے لیکن اسلام نے آکر ان دونوں کو بھی حرام کیا' اسی وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا دیا کہ جو نکاح ہو چکے وہ ہو چکے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں عدد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زائد جمع نہیں کر سکتے لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں۔ حضرت شعبیؒ بھی یہی فرماتے ہیں' ابو عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہ سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہیں حضرات سے بہت کچھ اختلاف پڑا ہوا ہے' دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علماء کرامؒ نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا۔ حجاز' عراق' شام بلکہ مشرق و مغرب کے تمام فقہاءؒ اس کے خلاف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر اور سوچ سمجھ اور غور و خوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کا خلاف کیا ہے۔ کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیاں بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بہ وجہ ملکیت کے ایک ساتھ مل جل نہیں سکتے۔ اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی میل جول حرام ہے غرض نکاح کی اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں' نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال۔ اسی طرح ٹھیک یہی حکم دو بہنوں کے جمع کرنے کا اور ساس اور دوسرے خاوند سے عورت کی جو لڑکی ہو اس کا ہے' خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی وہ دلیل ہے جو ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے۔ الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کے رکھ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰہ' تفسیر ابن کثیر کا چوتھا پارہ تمام ہوا ﴾

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لئے۔ پس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

کفار کی قیدی عورتوں کے بارے احکام: یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں' ہاں کفار کی جو عورتیں میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قیدی عورتیں آئیں جو خاوندوالیاں تھیں' تو ہم نے نبی اکرم ﷺ سے ان کے بارے میں سوال کیا جس کی بابت یہ آیت اتری اور ان سے ملنا حلال کیا گیا۔ ترمذی' ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کا مل جانا ہے۔ ابراہیمؒ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہؓ کا یہی فتویٰ بیان کیا' اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جب کوئی خاوندوالی عورت بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں بیچنا بھی طلاق ہے' آزاد کرنا بھی' ہبہ کرنا بھی' برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی۔ (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں۔ چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں۔ مترجم)۔

حضرت ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے' لیکن لونڈیاں کہ ان کی طلاق ان کا بک جانا ہے۔ حضرت معمر اور حسنؒ بھی یہی فرماتے ہیں جو ان بزرگوں کا قول ہے۔ لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں ہے اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال رہا ہے اور اسے اس سے سلب کر کے بیچ رہا ہے۔ ان کی دلیل حضرت بریرہؓ والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح حضرت مغیثؓ سے فسخ نہیں ہو گیا' بلکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہؓ نے فسخ کرنے کو پسند کیا۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت ﷺ حضرت بریرہؓ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دیتے۔ اختیار دینا دلیل ہے نکاح باقی رہنے کی۔ تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں' واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابو العالیہؒ اور طاؤسؒ یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمرؒ اور عبیدہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں لونڈیوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے یعنی چار کا۔ پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا' ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں۔ لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطا کا قول ہے۔ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہی آیت دلیل ہے ان لوگوں کی جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں۔ اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو' چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بہ طریق شرع۔ اسی لئے فرمایا زناکاری سے بچنے کے لئے اور شہوت رانی مقصود نہ کر کے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ کا مہر دے دیا کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو۔ اور فرمایا﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو۔ اور جگہ فرمایا﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا ﴾ تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے۔

مہر کی ادائیگی اور نکاح متعہ کی حرمت: اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے۔ بے شک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا۔ امام شافعیؒ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہؓ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے۔ ابن عباسؓ' ابی بن کعبؓ' سعید بن جبیرؒ اور سدیؒ سے ﴿ مِنْهُنَّ ﴾ کے بعد ﴿ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ کی قرات مروی ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علیؓ والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا۔ اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مفسر ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت سبرہ بن معبد جہنیؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی' یاد رکھو بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو اسے چاہیئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔ صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا ﷺ تھا یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے جن کی تفصیل کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔

پھر فرمایا تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کر لو تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقررہ مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر کہہ دے کہ میں اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں۔ پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے زیادتی ٹھہرالی تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی

دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور ایک حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کرے گی۔ ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث ہو گی نہ یہ مرد اس عورت کا۔ اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی بابت کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ مہر کی ادائیگی کی تاکید بیان ہو رہی ہے۔ جیسے فرمایا مہر با سانی اور بخوشی دے دیا کرو' ہاں اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنا پورے حق کو یا تھوڑے حق کو چھوڑ دے معاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت حضرمیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں' پھر ممکن ہے تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنے حق چھوڑ دے تو جائز ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ علیم و حکیم ہے ان احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں جو حکمتیں ہیں اور مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی تو ہو۔ تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو دو وہ پاک دامن ہوں نہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں' جب یہ لونڈیاں نکاح میں آ گئیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ کنیزوں کے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان کے لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو لونڈی سے نکاح کر لو: ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت و قدرت نہ ہو۔ ربیعہؒ فرماتے ہیں ﴿طول﴾ سے مراد قصد و خواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش۔ امام ابن جریرؒ نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے توڑ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا حال جب ہو تو مسلمانوں کی ملکیت میں جو مسلمان لونڈیاں ہیں ان سے وہ نکاح کر لے۔ تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر آشکارا ہے۔ تم تو صرف ظاہر بین ہو۔ تم سب آزاد غلام ایمانی رشتہ میں ایک ہو۔ لونڈیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کیا کرو۔ معلوم ہوا کہ لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا' اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے

جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے وہ زانی ہے۔ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کرا سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے' وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوش نفسی سے دے دیا کرو گھٹا کر کم کر کے تکلیف پہنچا کر' لونڈی سمجھ کر کمی کر کے نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں' نہ ایسی ہوں کہ اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں' نہ تو علانیہ زناکار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چپاتے دوست آشنا بناتی جائیں۔ جو ایسی بد اطوار ہوں ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے ﴿ اُحْصِنَّ ﴾ کی دوسری قرات ﴿ اَحْصَنَّ ﴾ بھی ہے کہا گیا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے۔ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے' لیکن یہ حدیث منکر ہے اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں' ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی۔ دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' طاؤسؒ' ابن جبیرؒ' حسنؒ' قتادہؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔امام شافعیؒ سے ابو علی طبریؒ نے اپنی کتاب ایضاح میں یہی نقل کیا ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں۔لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ وہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے' اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کر لے۔

ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ شعبیؒ اور نخعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قراتوں کے اعتبار سے معنی کبھی بدل جاتے ہیں۔ ﴿ اُحْصِنَّ ﴾ سے مراد تو نکاح ہے اور ﴿ اَحْصَنَّ ﴾ سے مراد اسلام ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہی ہے' واللہ اعلم۔ اس لئے کہ سیاق آیت کی دلالت اسی پر ہے۔ ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے۔ بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں ابھی اشکال باقی ہے۔ اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو' شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ باوجودیکہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو' پس اس کے مختلف جوابات ہوئے ہیں۔ جمہور کا قول ہے کہ بے شک منطوق مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ "لوگو! اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو وہ محصنہ ہوں یا نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا۔ چونکہ وہ نفاس میں تھی اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں واقعہ بیان کیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا"۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں' میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا فرماتے تھے۔ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے' پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے' پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی کے بدلے ہی ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے۔ عبداللہ بن عیاش بن ابو ربیعہ مخزومیؒ فرماتے ہیں کہ "ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروقؓ نے امارت کی لونڈیوں میں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا۔ ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے"۔ دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے۔ ابن عباسؓ

اسی طرف گئے ہیں۔ طاؤس ؒ سعید ؒ ابو عبید ؒ داؤد ؒ ظاہری کا مذہب بھی یہی ہے کہ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے۔ اور ابوہریرہ ؓ اور زید بن خالد ؓ کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور محصنہ نہ ہو یعنی نکاحتٔانہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ' پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ' پھر بیچ ڈالو گو ایک بالوں کی رسی کے عوض ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ راوی حدیث ابن شہاب ؒ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرمادیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے۔ پس آیت و حدیث میں اس طرح تطبیق دینی واجب ہو گئی' واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباس ؓ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے۔ یعنی جب تک کہ وہ نکاح والی نہ ہو جائے۔ پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے۔ یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اسے مرفوع کرنا خطا ہے یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے۔ بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ اور حضرت عمر ؓ والی احادیث ؓ ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں۔ اور ابوہریرہ ؓ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں' ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے' اور وہ دو والی مقدم ہے ایک والی پر۔ اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد ؓ ابن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ' پھر جب زنا کرے' تو کوڑے مارو' پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ' پھر جب زناکاری کرے تو بیچ دو اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد پر لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو' یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد ؒ وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور بیاہے ہوئے کو یا لوطی کو رجم' واللہ اعلم۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیر ؒ کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا اسے زنا پر مارا نہ جائے۔ اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں' ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ' تو یہ قول بالکل غریب ہے۔ ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو یہ اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا دی جائے پس یہ حضرت ابن عباس ؓ وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا واللہ اعلم۔ تیسرا جواب یہ ہے آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے لیکن محصنہ ہونے سے پہلے کتاب و سنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ یعنی زناکار عورت اور زناکار مرد ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔ اور جیسے حدیث

میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میری بات لے لو میری بات سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اسی طرح کی اور احادیث بھی ہیں۔ حضرت داؤد بن علی ظاہری کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں اس سے بھی زیادہ سزا کی سزاوار وہ کیسے ہو سکتی ہیں حالانکہ قاعدۂ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ ﷺ کے صحابہ غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ ﷺ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ۔ پس اگر اس کا وہی حکم ہوتا جو داؤد سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضور اکرم ﷺ پر واجب تھا اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے سو کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضور اکرم ﷺ نے جواب دے کر معلوم کرا دیا۔

جیسے بخاری و مسلم میں ہے کہ جب صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے آپ ﷺ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ نازل ہوا اور صلوٰۃ و سلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہؓ نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں صلوٰۃ کی کیفیت بیان فرمائیے۔ پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے۔ مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابو ثور کا ہے جو داؤد کے جواب سے زیادہ بودا ہے وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زناکاری کی حد ان پر آدھی ہے اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زناکاری کی حد ہے تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔ پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے بلکہ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں اس لئے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان پر محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ﴿ اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ ﴾ میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں ہیں۔ اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زناکاری کی جو سزا تھی اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں وہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابو ثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے۔ اس میں ہے کہ صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زناکاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا دعویٰ زانی نے کیا۔ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اس کا تصفیہ سونپا۔ اللہ کے شیر نے فرمایا میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔ بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے اعلیٰ کے

ساتھ ادنیٰ پر' یعنی جب کہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد از نکاح دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے۔ صاحب الایضاح یہی فرماتے ہیں' اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں۔ امام بیہقیؒ اپنی کتاب "سنن و آثار" میں بھی اسے لائے ہیں' لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے' اس طرح کہ آدھی حد ہونے کی دلیل صرف آیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے سوا میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا۔ امام احمدؒ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد آدھی ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں اور اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا' جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ لوگو! اپنے ماتحتوں پر حد جاری کرو' شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ اور وہ عام احادیث جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوند والی اور بے خاوند والی کی کوئی تفصیل نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (ملخصاً)۔

الغرض لونڈی کی زناکاری کی حد میں کئی قول ہیں' ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہونے کے بعد بھی یہی حد رہے گی۔ اور اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں' ایک یہ کہ جلاوطنی ہو گی دوسرے یہ کہ نہ ہو گی' تیسرے یہ کہ جلاوطنی میں ادھواڑ کو ملحوظ رکھا جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا نہ کہ پورے سال کا۔ پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے۔

یہ تینوں قول امام شافعیؒ کے مذہب میں ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے وہ حد میں سے نہیں ہے امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلاوطنی دے یا نہ دے۔ مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ ہاں امام مالکؒ کے مذہب میں ہے کہ جلاوطنی صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں پر نہیں' اس لئے کہ جلاوطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا گیا تو حفاظت میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری)۔ اس سے معنوی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے' اور عورت کو وطن سے نکالے جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی' واللہ اعلم۔

دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زناکاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی۔ لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا' جیسے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ مراد نہ لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ تاویلی مذہب ہو گا' ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے۔ اور قول یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے' اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شروط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے

لئے ہے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد ان پر بہت شاق گزر رہا ہو' اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہوں تو بے شک انہیں پاک دامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہو گی وہ اس کے مالک کی لونڈی غلام ہو گی۔

ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق نہ ہو گی۔ پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ اس وقت میں ہے جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ رکے رہنے کی طاقت ہو بلکہ زنا واقع ہونے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے دوسرے ایک طرح کی سبکی ہے کہ آزاد عورتوں سے ہٹ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔

ہاں جمہور کے مخالف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی ہیں وہ کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو' گو اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور گو اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو۔ اس کی بڑی دلیل یہ آیت ہے ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں آیت عام ہے آزاد غیر آزاد سب کو شامل ہے اور محصنات سے مراد پاک دامن باعصمت عورتیں ہیں۔ لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لوٹادے' اللہ تعالیٰ پورے علم و حکمت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے۔ اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بالکل تخفیف کر دے کیوں کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام میں سختی نہیں کیونکہ انسان کمزور ہے: فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال و حرام تم پر کھول کھول کر بیان فرما دے (جیسے کہ اس سورت میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا) وہ چاہتا ہے کہ اگلے لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تاکہ تم اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور اس کی رضامندی کی ہے وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمالے جس گناہ سے جس حرام کاری سے تم توبہ کرو وہ فوراً قبول فرمالیتا ہے۔ وہ علم و حکمت والا ہے اپنی شریعت اپنے اندازے اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے۔ خواہش نفسانی کے پیرو کار یعنی شیطانوں کے غلام یہود و نصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم و احکام

میں روکنے ہٹانے میں شریعت اور اندازے مقرر کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور' یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور' یہاں آ کر بالکل بے وقوف بن جانے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے لوٹے اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا ہر دن رات میں پچاس نمازیں۔ تو کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا واپس جایئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف طلب کیجئے آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں وہ اس سے بہت کم میں گھبرا گئے تھے اور آپ کی امت تو کانوں آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

چنانچہ آپ واپس گئے دس معاف کرا لائے پھر بھی یہی باتیں ہوئیں پھر گئے پھر دس کم ہوئیں یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ ہی رہ گئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾

اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ ہو خرید و فروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے' اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔ اور جو شخص کرے گا یہ سرکشی اور ظلم سے تو عنقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں' اور وہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔

خلاف شرع تجارت اور بیع خیار: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خواری' قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی گو اسے شرعی صورت جواز کی دی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کر دی یعنی اسے باطل مال کھانے میں شامل کیا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہو سکتی ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے کھانا چھوڑ دیا جس پر آیت ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى ﴾ اتری۔ ﴿ تِجَارَةٌ کو تِجَارَةً ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت

والے اسباب سے مال نہ ہو' ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی رضامندی سے ہو۔ جیسے اور جگہ ہے کسی بے گناہ جان کو نہ مارو ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔ اور جیسے دوسری آیت میں ہے' وہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔ حضرت امام شافعیؒ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں' خرید و فروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی' اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے۔ صرف لین دین کر لینا کبھی بھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا۔ اور جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ تینوں اور اماموں کا قول ہے کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کم قیمت معمولی چیزوں میں تو صرف لینا دینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ ہو صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں خرید و فروخت ہو یا بخشش ہو سب کو یہ حکم شامل ہے۔ ابن جریرؒ کی مرفوع حدیث میں ہے تجارت رضامندی ہے اور بیوپار کے بعد اختیار ہے' کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو دھوکہ دے۔ یہ حدیث مرسل ہے پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری اختیار والے ہیں جب تک جدا نہ ہوں۔ بخاری شریف میں ہے جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو ہر ایک کو اختیار ہے جب تک الگ الگ نہ ہوں۔ اسی حدیث کے مطابق امام احمدؒ' امام شافعیؒ اور ان کے سب ساتھیوں کا فتویٰ ہے اور جمہور سلف و خلف کا بھی' اور اسی پوری رضامندی میں داخل ہے خرید و فروخت کے تین دن بعد میں اختیار دینا بھی' گو وہ اختیار سال بھر تک کا ہو جیسے گاؤں والوں میں وغیرہ۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ گو ان کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب میں بھی ایک قول یہ ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کے مال بیجا طور پر مار کر' کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے اور ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمم کر کے اپنی جماعت کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ جب وہاں سے واپس ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی۔ میں نے کہا حضور ﷺ! جاڑا سخت تھا اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے تئیں ہلاک نہ کر ڈالو اللہ رحیم ہے میں نے تیمم کر کے نماز صبح پڑھا دی تو آپ ﷺ ہنس دیئے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا اور پھر آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ عذر پیش کیا۔ بخاری و مسلم میں ہے جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مر جانے کی نیت سے زہر کھا لے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا۔ اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک کے زخم لگے' اس نے چھری سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالا' خون نہ تھما اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا' میرے بندے نے اپنے تئیں فنا کرنے کی جلدی کی' میں نے اس پر جنت کو حرام کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے جو شخص اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ کرے یعنی حرام جانتے ہوئے اس کا مرتکب ہو اور دلیرانہ طور سے حرام پر کاربند ہو وہ جہنمی ہے۔ پس ہر عاقل کو اس سخت ڈراوے سے ڈرنا چاہئے۔ دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام

کاریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

کون کون سے گناہ کبیرہ ہیں: پھر فرماتا ہے اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے اور تمہیں جنتی بنا دیں گے۔ حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہم نے نہیں دیکھا مثل اس کے جو ہمیں ہمارے رب کی طرف سے پہنچی ہے۔ پھر ہم اس کے لئے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے سوائے کبیرہ گناہوں کے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی احادیث بھی ہیں۔ تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟" میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کی پیدائش کو جمع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اب جو میں جانتا ہوں وہ سنو! جو شخص اس دن اچھی طرح پاکیزگی حاصل کر کے نماز جمعہ کے لئے آئے اور نماز ختم ہو جانے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے' جب تک کہ وہ قتل سے بچا ہوا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا' اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تین مرتبہ یہی فرمایا پھر سر نیچا کر لیا اور ہم نے بھی سر نیچا کر لیا اور لوگ رونے لگے اور جی دہل گیا کہ اللہ تعالیٰ جانے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کس چیز پر قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے تھوڑی دیر میں آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور آپ ﷺ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو اس قدر خوش نہ ہوتے۔ اب آپ ﷺ فرمانے لگے جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔

جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے ان کی تفصیل بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح پر آئی ہے کہ آپ نے فرمایا ان سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور اسے قتل کرنا جس کا قتل حرام ہو ہاں اگر کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے اور جادو کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے سے بھاگ کھڑا ہونا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو تہمت لگانا۔ ایک روایت میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس مین قیام کر لینا۔ یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہ ہیں' جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت بودا قول اور غلط اصول ہے' بالخصوص اس وقت جب کہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے' اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجتہ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! سن رکھو اللہ تعالیٰ کے ولی صرف نمازی ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجا لاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں فرض جان کر اور ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھ کر' اسی طرح ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا شرک' قتل' میدان جنگ سے بھاگنا' مال یتیم کھانا' سود خواری' پاک دامنوں کو تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے وہ نبی اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں سونے کے محلوں میں ہو گا۔

حضرت طیلسہ بن میاسؒ فرماتے ہیں مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا۔ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ

سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا وہ کبیرہ گناہ نو ہیں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا' میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا' پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا' سود کھانا' یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا' مسجد حرام میں الحاد پھیلانا اور جادو جائز جاننا اور ماں باپ کو بوجہ نافرمانی کے رلانا۔ حضرت طیلسہ بن میاس ؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا کہ میرا ڈر خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا۔ کیا تجھے جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا بہت کچھ۔ فرمایا سنو' کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا صرف والدہ حیات ہیں۔ فرمایا بس تو تم ان سے نرم کلامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو' تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیلسہ حضرت ابن عمرؓ سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے' اس وقت حضرت عبداللہؓ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہا رہے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ ؓ نے تہمت دھرنے کا ذکر کیا تو میں نے کہا کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں۔ اور اس میں گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کبائر سات ہیں۔ میں نے پوچھا' کیا کیا تو فرمایا شرک اور تہمت۔ میں نے کہا کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے۔ فرمایا ہاں ہاں' اور کسی مومن کو بے سبب مار ڈالنا اور لڑائی سے بھاگنا اور جادو اور سود خواری اور مال یتیم کھانا اور نافرمانی والدین اور بیت اللہ میں الحاد جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے نماز قائم رکھے زکوٰۃ ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے' وہ جنتی ہے۔ ایک شخص نے پوچھا کبائر کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' مسلمان نفس کو قتل کرنا' لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض تھے سنن تھیں' دیت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی تھی۔ اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایمان دار شخص کا قتل بغیر حق کے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے نامردی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ناکردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا۔ ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے اور حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے' لیکن جب یہ بیان فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات' اس وقت آپ تکیے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کو بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش اب تو آپ نہ دہرائیں۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا حضور ﷺ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے باوجودیکہ تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا' اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔ میں نے پوچھا پھر کونسا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ' اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ تک پڑھی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاصؓ مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر

جھوٹ بول سکتا ہے؟ شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے یہ کام تمام خباثتوں کی ماں ہے' شرابی تارک نماز ہوتا ہے' وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر نکلا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو کسی کے پاس انتہائی جواب نہ تھا' اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کر آؤ' میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے واپس آکر اس مجلس میں جواب سنادیا۔ اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا' پھر اس سے کہا' یا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی ایک کو کر۔ یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کر یا زنا کر یا سور کا گوشت کھا۔ اس نے غور و تامل کے بعد جان کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا۔ جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں وہ ان تمام کاموں کو کر گزرا جن سے وہ پہلے رکا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ گوش گزار فرما کر ہم سے فرمایا جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی عادت میں ہی مر جائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیتا ہے۔ اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے (بخاری وغیرہ) ابن ابی حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر زیادتی کرے' اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے۔ جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی' اس نے اس کے باپ کو' اس نے اس کی ماں کو برا کہا' اس نے اس کی ماں کو۔ بخاری شریف میں ہے سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے' اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے اکبر الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے' اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو نمازوں کو عذر بغیر جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں گھسا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی اس میں بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ الغرض ظہر عصر یا مغرب عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے اس کے گناہ کا تو کیا ٹھیک ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔ اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی' اس کے اعمال غارت ہو گئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی' گویا اس کا مال اور اس کے اہل و عیال ہلاک ہو گئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے مکر سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ اسی کی مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ پہلے وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آ کر بسنے کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے۔ سات کبیرہ گناہوں میں سے ایک اسے گنا لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور اسے مرفوع کہنا غلط ہے۔ ٹھیک بات وہ ہے جو تفسیر ابن جریر میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ کوفے کی مسجد میں ایک مرتبہ کھڑے ہو کر منبر پر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے۔ جس میں فرمایا لوگو! کبیرہ گناہ سات ہیں۔ اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے اسی کو پھر دہرایا پھر دہرایا' پھر فرمایا تم مجھ سے اس کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المومنین فرمائیے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' جس جان کو اللہ تعالیٰ نے مار ڈالنا حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا' پاک دامن عورتوں پر تہمت چڑھانا' یتیم کا مال کھا جانا' سود خواری کرنا' لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا' ہجرت کے بعد پھر دارالکفر میں آ بسنا۔ راوی حدیث حضرت محمد بن سہلؒ نے اپنے والد حضرت سہل بن خیثمہؒ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہو گا کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے' مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے' مجاہدین میں اس کا نام درج کر دیا جائے پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دارالکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا خبردار ہو جاؤ وہ چار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ خون ناحق سے بچو' ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے' زناکاری نہ کرو' چوری نہ کرو۔ وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا یتیم کا مال کھانا' لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا' پاک دامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' جھوٹ بولنا' دھوکہ دینا' خیانت کرنا' جادو کرنا' سود کھانا' یہ سب کبیرہ گناہ ہیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس گناہ کو کہاں رکھتے ہو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں' آخر آیت تک آپ نے تلاوت کی۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے۔

کبیرہ گناہوں کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال: اب اس بارے میں سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے جو اقوال ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ ابن جریر میں ہے چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لئے ہم امیر المومنین حضرت عمرؓ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابن عمروؓ انہیں لے کر مدینہ آئے' حضرت عمرؓ سے ملے۔ آپ نے پوچھا کب آئے؟ جواب دیا کہ اتنے دن ہوئے۔ پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا جواب دیا پھر ان لوگوں کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا انہیں جمع کرو۔ پھر ان کے پاس آئے اور ان میں سے ایک سے پوچھا تجھے اللہ تعالیٰ اور حق اسلام کی قسم ہے تو نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو نے اپنے جی میں اسے محفوظ بھی کر لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں اور اگر ہاں کہہ دیتا تو حضرت عمرؓ اسے دلائل سے عاجز کر دیتے۔ پھر فرمایا اپنی نگاہ میں اپنی زبان پر اپنی چال میں اسے گھیر لیا ہے۔ پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا۔ پھر فرمایا تم عمر کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ ہمارے رب کو پہلے ہی سے ہماری خطاؤں کا علم تھا۔ پھر آپ نے آیت ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا ﴾ کی

تلاوت کی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آنے کا یہ سبب معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر انہیں بھی اس کا علم ہو تا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کہنا پڑتا۔ اس کی اسناد حسن ہے اور متن بھی حسن ہے گو یہ روایت حسنؒ کی حضرت عمرؓ سے ہے جس میں انقطاع ہے۔ لیکن اتنے سے نقصان کو اس کی پوری شہرت کافی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کبیرہ گناہ یہ ہیں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا' کسی کو مار ڈالنا' یتیم کا مال کھانا' پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا' لڑائی سے بھاگ جانا' ہجرت کے بعد دار الکفر میں قیام کر لینا' جادو کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' سود کھانا' جماعت سے جدا ہونا' خرید و فروخت توڑ دینا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کشادگی سے مایوس ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کے مکر سے بے خوف ہونا ہے۔ ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کے شروع سے لے کر تمیں آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا ﴾ کی تلاوت کی۔

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں۔ کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کو ناخوش کرنا' آسودگی کے بعد بچے ہوئے پانی کو حاجت مندوں سے روک رکھنا' اپنے پاس کے نر جانور کو کسی مادہ کے لئے بغیر کچھ لئے نہ دینا ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے بچا ہوا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے۔ اور روایت میں ہے تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں' ایک شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روک رکھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت ﴿ عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا ﴾ میں۔ حضرت انس بن مالکؓ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں۔ یعنی آیت ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا ﴾ کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے لوگوں نے کہا۔ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے فرمایا' کئی کئی مرتبہ سات ہیں۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا' سات ہلکا درجہ ہے ورنہ ستر ہیں ایک اور شخص کے اس کہنے پر آپ نے فرمایا' وہ سات سو تک ہیں اور سات تو بہت ہی قریب ہیں' ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار اور ہمیشگی اور دوام کرنے سے صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس گناہ پر جہنم کی وعید ہے یا غضب الٰہی کی یا لعنت کی یا عذاب کی وہ کبیرہ ہے۔ اور روایت میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرما دے وہ کبیرہ ہے جس کام میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہؒ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک' قتل نفس بغیر حق' میدان جہاد میں پیٹھ دکھانا' یتیم کا مال اڑا دینا' سود خواری' بہتان طرازی' ہجرت کے بعد وطن دوستی۔ راوی حدیث ابن عون نے اپنے استاد محمدؒ سے پوچھا' کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آ گیا۔ یہ لفظ بہت سی برائیوں کو شامل ہے۔ حضرت عبیدہ بن عمیرؒ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں شرک پر ﴿ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا۔ پس اسے پرندے لپک لیجائیں گے' یا ہوا کسی دور دراز نا معلوم اور بدترین جگہ اسے پھینک دے گی۔ یتیم کے مال پر ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا ﴾ یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال مار کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔ سود خواری پر ﴿ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا ﴾ یعنی جو لوگ سود خواری کرتے ہیں وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔ بہتان پر ﴿ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتُ ﴾ جو لوگ پاک دامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔ میدان جنگ سے بھاگنے پر ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

زَحْفًا﴾ الخ۔

ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مٹ بھیڑ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ۔ ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ ﴾ الخ۔ یعنی جو لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں۔ قتل مؤمن پر ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ﴾ الخ۔ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔ حضرت عطاءؒ سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے۔ حضرت مغیرہؒ فرماتے ہیں یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں علماء کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا کہے۔

حضرت امام مالک بن انسؒ سے یہ مروی ہے۔ امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے دشمنی رکھے (ترمذی)۔ حضرت زید بن اسلمؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کبائر یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا، جادو کرنا، اولاد کو مار ڈالنا، اللہ تعالیٰ کی اولاد اور بیوی مقرر کرنا۔ اور اسی جیسے وہ اعمال اور اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ ہاں جو ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جا سکتا ہے ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عز وجل معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں، اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کبیرہ گناہوں سے بچو ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔ مسند عبدالرزاق میں بسند صحیح رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔

امام ترمذیؒ بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں ان میں بھی صحیح روایات ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مومنوں کے لئے ہی ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطاکاروں اور گناہوں میں آلودہ لوگوں کے لئے ہی ہے۔

اب علماء کرام کے قول سنئے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ وہ ہے جس پر حد شرعی ہو بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دینداری کم ہوتی ہو اور دیانتداری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابو سعید ہرویؒ فرماتے ہیں جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس نافرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی رویانیؒ فرماتے ہیں کبائر سات ہیں بے وجہ کسی کو مار ڈالنا، زنا، لواطت، شراب نوشی، چوری، غصب، تہمت۔

اور ایک آٹھویں چیز بھی دوسری روایت میں مروی ہے یعنی جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کئے گئے ہیں سود خواری، رمضان کے روزے کا بلا عذر ترک کر دینا، جھوٹی قسم، قطع رحمی، ماں باپ کی نافرمانی، جہاد سے بھاگنا، مال یتیم کھا جانا، ماپ تول میں خیانت کرنا، نماز وقت سے پہلے یا وقت گزار کر بے عذر ادا کرنا، مسلمان کو بے وجہ مارنا، رسول اللہ ﷺ پر جان کر جھوٹ باندھنا، آپ ﷺ کے صحابیوں کو گالی دینا، بے سبب گواہی چھپانا، رشوت لینا، مردوں عورتوں میں ناچاقی کرا دینا، بادشاہ کے پاس چغل خوری کرنا، زکوٰۃ روک لینا، باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا، بری باتوں سے نہ روکنا، قرآن سیکھ کر بھول جانا، جاندار چیز کو آگ سے جلانا، عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جانا، اللہ تعالیٰ کے مکر سے بے خوف ہو جانا، اہل علم اور حاملان قرآن کی برائیاں کرنا، ظہار کرنا، سور کا گوشت کھانا، مردار کھانا، ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطرار کے کھایا ہو تو

اور بات ہے۔ امام رافعیؒ فرماتے ہیں ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے۔ کبائر کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ حافظ ابو عبداللہ ذہبیؒ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہے' اس قسم کے گناہ ہی اگر گنے جائیں تو بہت نکلیں گے' اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے واللہ اعلم۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْــَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ﴿٣٢﴾

اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے۔ اور عورتوں کے لئے ہے حصہ ان کا جو انہوں نے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں۔ اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی)۔ اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت ﴿ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ﴾ اتری۔ اور روایت میں ہے عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے پھر عمل میں اس طرح ہیں کہ ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ مردوں نے تو کہا تھا کہ جب دوہرے حصہ کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے۔ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں اور ہم نہیں کرتے تو شہادت کا ثواب ہمیں کیوں نہ ملے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال کا اولاد میرا ہوتا۔ اس پر اس حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہو سکتا جس میں ہے کہ حسد کے قابل صرف دو ہیں' ایک مالدار جو راہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا۔ پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں یہاں اس جیسی چیز اس جیسے نیک کام کے کرنے کی غرض سے حاصل ہونے کی تمنا ہے جو محمود ہے اور وہاں اس کی اپنی چیز خود کے قبضے میں کرنے کی نیت ہے جو ہر طرح مذموم ہے۔ پس دینی اور دنیوی فضیلت کی تمنا اس طرح منع ہے۔ پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے۔ ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں کریم ہوں وہاب ہوں' دوں گا اور بہت کچھ دوں گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اللہ تعالیٰ سے مانگنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت

کشادگی اور وسعت ورحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہے اور روایت میں ہے ایسی امید رکھنے والے اللہ تعالیٰ کو بہت بھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے۔ اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسان کر دیتا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾

ماں باپ اور قرابتدار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی انہیں ان کا حصہ دو' حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔

قریبی رشتہ داروں کی بجائے منہ بولے بیٹے بھائی کو وراثت سے حصہ دینا: بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ بعض کہتے ہیں عصبہ مراد ہیں۔ چچا کی اولاد کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل ابن عباس ؓ کے شعر میں ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے عصبہ بنا دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابتدار چھوڑ مریں' اور جو تمہارے منہ بولے بھائی ہیں قسمیں کھا کر جن کے تم بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیان ہو چکا تھا۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیان ہوئے ہیں وہ نبھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں لیکن میراث انہیں نہیں پہنچ سکتی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ اور بعد کے جملے سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ میں آئے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا اس کے ذو رحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے پس اس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو انہیں فائدہ پہنچاؤ ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں پہنچتی ہاں وصیت کر جاؤ۔

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث' اسی طرح قبائل عرب عہد بندیاں کر لیتے تھے پس حضور علیہ السلام نے فرمایا جاہلیت کی قسمیں اور عہد و پیان کو اسلام اور مضبوط کرتا ہے لیکن اب اسلام میں قسمیں اور اس قسم کے عہد نہیں اسے اس آیت نے منسوخ قرار دیا اور فرمایا ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ اولیٰ ہیں بہ نسبت معاہدہ والوں کے ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید کی کہ فرمایا اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دار الندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا۔ ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں اپنے بچپنے میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں تھا' مجھ کو سرخ اونٹ ملیں لیکن اس قسم کو توڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ پس یاد رہے کہ قریش و انصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کیلئے تھا' لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ۔ اب اسلام میں کوئی حلف نہیں۔ فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اس بات کا اعلان کیا تھا۔

داؤد بن حصینؒ کہتے ہیں میں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھ رہے تھے۔ جو حضرت ابو بکرؓ کی گود میں یتیمی کے ایام گزار رہے تھے۔ میں نے اس آیت میں ﴿عَاقَدَہ﴾ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا ﴿عَقَدَتْ﴾ پڑھو۔ سنو یہ آیت حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ پہلے اسلام کے منکر تھے حضرت صدیقؓ نے قسم کھالی کہ اسے وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کی بے پناہ تلواروں سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیقؓ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول رد ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی بناء پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اس قسم کی ہے۔

لیکن صحیح مذہب جمہور کا ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا اور مشہور قول کی بناء پر امام احمدؒ کا بھی۔ پس آیت میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں حصہ دار وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے تو عصبہ کو ملے اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض کی دو آیتوں میں ہے۔ اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسما قسمی کی ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو وہ تاثیر والی نہ سمجھی جائے گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے بعد ہوں سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلیفوں کو میراث نہ ملے گی۔ اور بقول حضرت ابن عباسؓ ان کا حصہ نصرت، امداد، خیر خواہی اور وصیت ہے میراث نہیں، آپ فرماتے ہیں کہ لوگ عہد و پیمان کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا بعد والا دوسرا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت ﴿ وَاُوْلُوا الْاَرْحَامِ ﴾ نازل فرما کر حکم دے دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولیٰ ہے ہاں اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرو۔ یعنی اگر ان کے لئے ثلث مال میں وصیت کر جاؤ تو جائز ہے، معروف و مشہور امر بھی یہی ہے۔ اور بھی بہت سے سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿ اُوْلُوا الْاَرْحَامِ ﴾ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک صاحب کو اپنا مولیٰ بنایا تھا تو انہیں وارث کیا۔

ابن المسیبؒ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں سے دینے کو فرمایا اور میراث کو موالی یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں کی اور عصبہ کی طرف لوٹا دیا اور اس سے منع فرمایا اور اسے ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعووں اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ دیا جائے ہاں ان کے لئے وصیت میں سے دینے کو فرمایا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت نصیحت اور معونت کا، یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے ہیں انہیں وفا کرو پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ لیکن امام صاحبؒ کے اس قول میں ذرا نظر ہے اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان ورثے کے ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباسؓ کی تفسیر بھی گزری جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصاری کا وارث ہوتا تھا۔ اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے، نہ ذی

رحم رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہو گیا۔ پھر امام صاحب ؒ کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو' بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔

نافرمان بیوی کو سمجھانے کے ترتیب وار تین طریقے: جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم رئیس اور سردار ہے اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے' اس لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں (بخاری)۔ اسی طرح منصب قضاء وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر میں نان نفقہ میں اور دیگر ضروریات کے پورا کرنے میں۔ پس مرد فی نفسہ افضل اور باعتبار نفع کے اور حاجت برآری کے بھی اس کا درجہ بڑا۔ پس اس کو عورت پر سردار بنایا گیا' جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی اس کے بال بچوں کی نگہداشت اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے' پس آپ ﷺ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اس عورت نے حضور اکرم ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے حق نہ تھا' وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اور چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ شعبیؒ فرماتے ہیں مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے۔ دیکھو اگر مرد عورت پر زناکاری کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے۔ پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوں اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے بجا لائے اور جب کہیں باہر جائے تو اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند

کے مال کی محافظت کرے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے جنت میں چلی جا۔

پھر فرمایا جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہو نافرمانی کرتی ہو بے پرواہی برتتی ہو دشمنی رکھتی ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو ہر طرح سمجھاؤ بجھاؤ اتار چڑھاؤ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ' حقوق زوجیت یاد دلاؤ' اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کو کوئی عورت بطور روٹھنے کے اپنے خاوند کے بستر ے کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں۔ تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ بجھاؤ پھر بستروں سے الگ کرو۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے کروٹ موڑ لے اور مجامعت نہ کرے۔ بات چیت اور کلام بھی ترک کر سکتا ہے اور یہ عورت کی بری بھاری سزا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ جب تو کھا تو اسے بھی کھلا جب تو پہن تو اسے بھی پہنا اس کے منہ پر نہ مار' گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال۔ پھر فرمایا اس سے بھی اگر ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے بھی راہ راست پر لاؤ۔

صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کے حجتہ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو وہ تمہاری خدمت گزار اور ماتحت ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہو اسے نہ آنے دیں' اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو نہیں مار سکتے۔ تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے پلاتے اور پہناتے اڑھاتے رہو۔ پس ایسی مار نہ مارنی چاہئے جس کا نشان باقی رہے جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لے لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! عورتیں آپ ﷺ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زد و کوب کرتے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔

حضرت اشعث ؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظم ؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمر ؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا' پھر مجھ سے فرمانے لگے اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی (نسائی) پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیٹو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ تعالیٰ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔ یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد

ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یاد رکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے پر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یقیناً وہ بہت زور آور اور زبردست ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾

اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔

میاں بیوی کے جھگڑے میں حکمین کا تقرر: اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ نافرمانی اور کجی عورتوں کی جانب سے ہو' اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے۔ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھ دار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم و زیادتی کس طرف سے ہے پس ظالم کو ظلم سے روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور یہ دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرا دیں خواہ میل ملاپ کرا دیں۔

لیکن شارع علیہ السلام نے تو اسی امر کی طرف شوق دلایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی ثابت ہو تو یہ اس کی عورت کو اس سے روک لیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے۔ اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں اگر دونوں پنچ اس پر متفق ہو گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کو ایک نے منظور کر لیا اور دوسرا نہیں کرتا اور اسی حالت میں ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کا وارث بنے گا جو ناراض تھا۔ لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا جو راضی تھا (ابن جریر)۔

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حاکم مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی۔ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں۔ یہ فرماتے تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ یہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو ان کا پنچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے کہ ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے۔ لیکن حضرت معاویہؓ فرماتے تھے بنو عبد مناف میں یہ تفریق میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیلؓ کے گھر آئے آ کر دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ

کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے۔ حضرت علیؓ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور اسے حکم مقرر کیا پھر دونوں پنچوں سے کہا جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اجتماع کرادو اگر چاہو تفریق کرادو۔ یہ سن کر عورت نے تو کہا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں۔ مرد کہنے لگا مجھے جدائی نامنظور ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں۔ حضرت قتادہؒ اور زیدؒ بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمدؒ اور ابو ثورؒ اور داؤدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل ﴿ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا ﴾ والا جملہ ہے کہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہو گا اور اس میں تو کسی کا خلاف منقول بھی نہیں۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے گو ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کے بنائے ہوئے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش' بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہو گا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔

امام شافعیؒ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول جن کا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علیؓ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ جب تک عورت نے دونوں صورتوں کا اقرار کیا ہے تو بھی نہ کرے تب تک تو جھوٹا ہے' واللہ اعلم۔

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں' اس میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًـا ‌ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ سے سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

حسن سلوک کے مستحق افراد: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ خالق رازق نعمتیں دینے والا تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش

برسانے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذؓ سے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر فرمایا جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو وہی سبب بنے ہیں تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک واحسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ اور ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾۔ یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک واحسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے مسکین کو صدقہ صرف صدقہ ہی ہے لیکن قریبی رشتہ داروں کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو' اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے لاڈ چاؤ اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں خالی ہاتھ ہیں' محتاج ہیں' ان کی ضرورتیں تم پوری کرو' ان کی احتیاج تم رفع کرو' ان کے کام تم کر دیا کرو۔ فقیر و مسکین کا پورا بیان سورۂ براۃ کی تفسیر میں آئے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔

پڑوسیوں کے حقوق احادیث کی روشنی میں: اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ان کے ساتھ بھی بھلا برتاؤ اور نیک سلوک رکھو' خواہ وہ قرابتدار ہوں یا نہ ہوں خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود و نصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی سے مراد بیوی ہے اور ﴿ جَارِ الْجُنُبِ ﴾ سے مراد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے (حضرت) جبرئیل علیہ السلام پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے۔ فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوک میں زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک زیادہ ہو۔ فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے سوال کیا زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام کیا ہے' اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو' دس عورتوں سے زنا کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔ پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! دس گھروں سے چوری کرنے والا کے گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضرت ابن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زناکاری کرے۔ ایک انصاری صحابیؓ فرماتے ہیں میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضور اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپ ﷺ سے کچھ کام ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں۔ بڑی دیر ہو گئی یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا۔ بہت دیر کے بعد آپ ﷺ لوٹے اور میرے پاس آئے۔ میں نے کہا حضور (ﷺ)! اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا' میں تو پریشان ہو گیا

آپ ﷺ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تم نے انہیں دیکھا؟ میں نے کہا ہاں خوب اچھی طرح دیکھا۔ فرمایا جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے' یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہو کہ غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرادیں گے (مسند امام احمد)۔ مسند عبد بن حمید میں ہے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی' جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا حضور ﷺ کے ساتھ یہ دوسرا کون شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی۔ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنادیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ' دو حق والے' اور تین حق والے یعنی اعلیٰ۔ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو۔ دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو ایک حق اسلام دوسرا حق پڑوسی۔ تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو' پڑوسی بھی ہو' اور رشتے ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام حق ہمسائیگی حق صلہ رحمی تین حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا دروازہ قریب ہو۔ دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا' لوگوں نے آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا' آپ ﷺ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جسے یہ خوش لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہو اُرہ گیا ہے جس کا صحیح تعلق اس مسئلہ سے ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے پڑوسی کے ساتھ سلوک واحسان کرے۔ مترجم)۔ گیارھویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔

اپنی بیوی' مہمان' مسافر' خادم وغیرہ سے حسن سلوک: پھر حکم ہوتا ہے ﴿ صَاحِبِ بِالْجَنْبِ ﴾ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں مراد سفر کا ساتھی ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے' عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں۔ ابن السبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو راہ گزرتے ہوئے ٹھہر گیا ہو۔ پس اگر مہمان سے بھی یہی مراد لی جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے۔ اس کا پورا بیان بھی سورۂ براۃ کی تفسیر میں آرہا ہے' انشاءاللہ تعالیٰ۔ پھر غلاموں کے بارے میں فرمان ہو رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو اس لئے کہ وہ غریب تو تمہارے ہاتھوں اسیر ہیں اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو۔ رسول کریم ﷺ تو اپنے آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں لوگو! نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ بار بار اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔ مسند کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ تم خود جو کھائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے بچوں کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے خادم کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا اب تک نہیں دی۔ فرمایا جاؤ دے کر آؤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے ان سے روک رکھے۔ مسلم میں

ہے کہ مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہیئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو‘ خیال کرو کہ اس کے پکانے کی گرمی اور تکلیف اسی نے اٹھائی ہے‘ اور روایت میں ہے چاہیئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمہ ہی دے دیا کرو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے‘ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ لے کہ وہ عاجز ہو جائے‘ اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آپڑے تو خود بھی اس کا ساتھ دے (بخاری و مسلم)۔

پھر فرمایا کہ خود بین‘ معجب‘ متکبر‘ خود پسند‘ لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا‘ اپنے آپ کو تولنے والا‘ اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں‘ وہ گو اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے'' بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو اگر کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے۔ لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں شکر نہ بجالائے‘ لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میرے پاس یہ ہے اور وہ ہے۔ حضرت ابورجاء ہرویؒ فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بد نصیب ہوتا ہے۔

پھر آپ نے آیت ﴿ وَبَرًّا ۢبِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴾ پڑھی۔ حضرت عوام بن حوشبؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوذرؓ کی ایک روایت پہنچی تھی اور میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود حضرت ابوذرؓ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہو گئی تو میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل ﷺ پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا پھر وہ تین کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اسے تو تم کتاب اللہ میں بھی پاتے ہو۔ بنو ہجیم کا ایک شخص رسول مقبول ﷺ سے کہتا ہے مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کپڑا ٹخنے سے نیچا نہ لٹکاؤ کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند رکھتا ہے۔

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں۔ ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان

نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو پس وہ بدترین ساتھی ہے۔ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انہیں دے رکھا ہے اس کے نام پر دیتے' اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔

بخیلی اور ریاکاری کی مذمت: ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کے موقعہ پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا' قرابتداروں سے سلوک کرنا' یتیم مسکین پڑوسی رشتہ دار اور غیر رشتہ دار پڑوسی ساتھی مسافر غلام اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت للہ فی اللہ دینا اور اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل کا اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کونسی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے اور حدیث میں ہے لوگو! بخیلی سے بچو' اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت و تاراج کیا' اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق وفجور جیسے بدکام نمایاں ہوئے۔ پھر فرمایا یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پہننے اوڑھنے میں اور نہ دینے لینے میں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَـكَنُوْدٌ. وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴾ یعنی انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور اس خصلت پر گواہ ہے۔ پھر ﴿ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴾ وہ مال کی محبت میں مست ہے۔ پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے۔ پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپالینا پس بخیل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چھپانے والا ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا ہے۔ پس وہ ان نعمتوں کا کافر ہوا۔ حدیث مبارکہ میں ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر اپنی نعمت انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ دعاء نبوی میں ہے۔ ﴿ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا. ﴾ اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر گزار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا ثناخواں بنا ان کا قبول کرنے والا بنا اور ان نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو اپنی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے۔ اسی لئے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا حمل ان پر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولیٰ داخل ہے۔ خیال کیجئے کہ بیان آیت اقرباء ضعفاء کو مال دینے کے بارے میں ہے۔ اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریاکاری کے طور پر للہ مال دینے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ یہاں بیان ہوا ان ممسک اور بخیلوں کا جو کوڑی کوڑی کو دانتوں سے تھام رکھتے ہیں۔

پھر بیان ہوا ان کا جو دیتے تو ہیں لیکن بدنیتی سے دنیا میں اپنی واہ واہ ہونے کی خاطر۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی وہ یہی ریاکار ہوں گے۔ ریاکار عالم' ریاکار غازی' ریاکار سخی۔ یہ سخی کہے گا کہ باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں میں نے اپنا مال خرچ کیا' تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا۔ یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی وہ میں تجھے دنیا میں ہی دے چکا' پس تیری مراد حاصل ہو چکی۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتمؓ سے فرمایا کہ تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا تھا وہ اسے مل گیا۔ حضور اکرم ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مساکین وفقراء کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور اللہ کے نام بہت سے غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں' اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا۔ اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر نہیں ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلا نہ سمجھ بیٹھتے۔ یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

﴿ عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ ﴾

﴿ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِىْ ﴾

"انسان کے بارے میں نہ پوچھ اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کر لے ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے"۔

پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریاکاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص ویقین پر قائم ہو جانے سے کونسی چیز مانع ہے۔ ان کا اس میں کیا نقصان ہے بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی یہ کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگ دلی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں۔ وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما کر اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے' ﴿ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ - ﴾

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾

وقف النبی ﷺ ٦ ع ٩

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔ پس کیا حال ہو گا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

نیکی کا اجر کئی گنا ملے گا ذرہ برابر ایمان والا بھی جنتی ہو گا: باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ﴾ ہم عدل کی ترازو رکھیں گے۔ اور فرمایا کہ (حضرت) لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا ﴿ يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ ﴾ اے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ تعالیٰ اسے لا حاضر کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ ﴾ اس دن لوگ مختلف احوال پر لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں' پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ بخاری و مسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہو گی۔ حضرت ابو سعیدؓ یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے اگر تم چاہو تو آیت قرآنی کے اس جملے کو پڑھ لو ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ ﴾ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ تعالیٰ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا تمام اہل محشر کو سنا کر با آواز بلند کہے گا' یہ فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے اس کا فلاں نام ہے جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے۔ اس وقت یہ حالت ہو گی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی پر یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے۔ رشتے ناطے کٹ جائیں گے کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے معاف فرما دے گا' لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا۔ جب حقدار آ جائیں گے تو اسے کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر۔ یہ کہے گا دنیا تو ختم ہو چکی آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں۔ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اور اگر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں ہے بلکہ بدبخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہو گا کہ فرشتہ کہے گا باری تعالیٰ اسکی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے۔ حکم ہو گا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لاد دو پھر اسے جہنم میں داخل کرو' اعاذنا اللہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمرؓ کا فرمان ہے کہ آیت ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ اعراب کے بارے میں اتری ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے بہت ہی اچھی آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ ﴾

مشرک و کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے ہاں جہنم سے نکلے گا تو نہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ کی پشت پناہ بنے ہوئے تھے' آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے' آپ ﷺ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے' تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہوتا۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ صرف ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں۔ اس لئے کہ مسند طیالسی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا' دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں جزا اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے۔ قیامت میں اسکے پاس کوئی نیکی نہ ہو گی۔ اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے' آمین۔ مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں مجھے خبر لگی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں تم سب سے زیادہ میں رہا ہوں میں نے تو کبھی آپؓ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہؓ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں۔ چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ وہ تو حج کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت کر کے وہاں پہنچا ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا اے ابو ہریرہ! میں نے سنا آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے' تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اللہ تعالیٰ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے' اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دو لاکھ ملیں گی۔ یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی کا بیان فرما رہا ہے کہ اس دن انبیاء (علیہم السلام) کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ "زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی گی نامۂ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا"۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ "ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے"۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عبداللہ ؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا آپ ﷺ پر تو قرآن اترا ہے۔ فرمایا ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ پس میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت ﴿ فَكَیْفَ ﴾ کی تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور اس صخرہ پر بیٹھ گئے۔ جو اب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ایک قاری سے فرمایا قرآن پڑھو وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت ﴿ فكيف ﴾ تک پہنچے تو آپ ﷺ اس قدر روئے کہ دونوں رخسارے اور داڑھی تر ہو گئی، اور عرض کرنے لگے کہ یا رب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہو گی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں ان کی بابت کیسے؟ (ابن ابی حاتم)۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ میں ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تب تو تو ہی ان پر نگہبان ہے۔ ابو عبداللہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے۔ اس میں حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی اکرم ﷺ پر آپ ﷺ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے پس آپ ﷺ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے، پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ لیکن اولاً تو یہ حضرت سعیدؒ کا خود کا قول ہے، دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام ہی نہیں، تیسرے یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے۔

ہاں امام قرطبیؒ اسے قبول کرتے ہیں وہ اسکے لانے کے بعد فرماتے ہیں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں پس وہ انبیاء علیہم السلام پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے نبی ﷺ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن بھی (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں، واللہ اعلم۔ (مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر اور نافرمان رسول آرزو کرے گا کہ کاش! زمین پھٹ جاتی اور یہ اس میں سما جاتا پھر برابر ہو جاتی، کیونکہ ناقابل برداشت ہولناکیوں رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ ﴾ جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال اپنی آنکھوں دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا۔ پھر فرمایا یہ ان تمام بد افعالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں، اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴾ "اللہ تعالیٰ کی قسم رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا" اور دوسری جگہ ہے ﴿ لَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ﴾ "اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے" پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا اور وقت ہے اس کا وقت اور ہے۔ جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو کیا عجب کام چل جائے۔ پھر ان کے منہ پر مہریں لگ جائیں

گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے (ابن جریر)۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آکر کہا تھا بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کیا مطلب؟ تجھے کیا قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آرہا ہو ان مقامات کو پیش کر تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے۔ تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھادی۔ ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ نافع بن ازرق تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی مجلس سے آرہے ہو وہاں بھی تذکرہ ہو رہا ہوگا تم نے کہا ہوگا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباس سے دریافت کرتا ہوں۔ اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی سنادو۔ پھر یہی جواب دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

اے ایمان والو! تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے بخشنے والا ہے۔

جنابت کے احکام حرمت شراب کا واقعہ: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی معلوم ہی نہیں کر سکتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے بھی ممانعت ہے اسے بھی اور جنبی شخص کو بھی یعنی جسے نہانے کی حاجت ہو ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے جاکر دوسرے سے نکل جائے وہاں ٹھہرے نہیں تو یہ گزرنا جائز ہے۔ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت ﴿ يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ کی تفسیر میں ذکر کی ہے نبی اکرم ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما۔ پھر یہ آیت اتری یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی۔ اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اسے سن کر بھی جناب فاروقؓ نے یہی دعا مانگی تو آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُ ﴾ سے ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے۔ اسے سن کر فاروق اعظمؓ نے فرمایا ہم باز آئے۔ اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔ ابن ماجہ شریف میں ہے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں ایک انصاری نے کھانا کیا اور بہت سے لوگوں کی دعوت کی ہم سب نے خوب کھایا پیا پھر شرابیں پیں

اور مخمور ہوگئے' پھر آپس میں فخر جتانے لگے' ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعدؓ کو ماری جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دعوت کی لوگ گئے کھانا کھایا پھر شراب پی اور مست ہو گئے اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۂ ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ میں اس طرح پڑھا ﴿ مَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. وَ نَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ اس پر یہ آیت اتری اور نشہ کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ' حضرت عبدالرحمٰنؓ اور تیسرے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قرات غلط ملط کر دی' اس پر یہ آیت اتری۔ ابو داؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ابن جریرؒ کی ایک اور روایت میں ہے حضرت علیؓ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہئے تھا نہ پڑھ سکے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امامت کرائی اور اسطرح پڑھا ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ O اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ O وَ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ O وَاَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ. لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَ لِیَ دِیْنِ ﴾ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کو کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا (ابن جریر)۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے' پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہوئی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن نہ اتنے کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں' کیونکہ نشہ کی ایسی حالت والا شخص مجنون کے حکم میں ہے۔ بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو کلام کو سمجھ سکیں نہ ایسے نشہ والوں کی طرف جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ خطاب کا سمجھنا شرط ہے تکلیف کی اور یہ بھی کہا گیا کہ گو الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ ہے کہ نشے کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے' واللہ اعلم۔ پس یہ حکم بھی اسی طرح ہو گا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا اس کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے۔ یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو' یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے۔ نشہ والا انسان قرات میں غلط ملط کر دے گا اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ ملے گا نہ اس سے عاجزی اور خشوع خضوع ہو سکتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی اونگھنے لگے اور ہو وہ نماز میں تو اسے چاہئے کہ وہ لوٹ جائے اور سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے جو کچھ کہہ رہا ہے۔ بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ چاہے تو وہ اپنے لئے استغفار کرنا لیکن زبان سے اس کے خلاف نکلے۔

جنابت کی حالت میں مسجد میں داخلہ: پھر فرمان ہے کہ نہ جنبی نماز کے قریب جائے جب تک غسل نہ کر لے۔ ہاں بطور گزر جانے کے مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کی

ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے میں کوئی حرج نہیں مسجد میں بیٹھے نہیں۔ اور بھی بہت صحابہؓ اور تابعینؒ کا یہی قول ہے۔ حضرت یزید بن ابو حبیبؒ فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے ارد گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے گھر میں پانی نہیں ہوتا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے انہیں اجازت ہوئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گزر سکتے ہیں۔ بخاری کی حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں سب کو بند کر دو صرف ابو بکرؓ کا دروازہ رہنے دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین حضرت ابو بکرؓ ہوں گے تو انہیں ہر وقت اور بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ ﷺ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبرؓ کا دروازہ کھلا رہنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے حضرت ابو بکرؓ کے حضرت علیؓ کا نام ہے وہ بالکل خطا ہے۔ صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے اس آیت سے اکثر آئمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے ہاں گزر جانا جائز ہے اسی طرح حیض و نفاس والی عورتوں کو بھی۔ اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گزرنا بھی جائز نہیں ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو۔ اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گزرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے بوریا اٹھا دو تو مائی صاحبہ نے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ! میں حیض سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے آ جا سکتی ہیں۔ ابوداؤد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ میں حائض اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ امام ابو مسلم خطابیؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ افلت اس کا راوی مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے اس میں افلت کی جگہ محدوج ذہلی ہیں۔ پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہؓ ہے اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہؓ ہے لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہؓ کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ اے علی! اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں۔ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص اس حالت میں بغیر غسل کئے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ مسافر میں ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے ابن عباسؓ سعید بن جبیرؒ ضحاکؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد حسن زید اور عبدالرحمن سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ عبداللہ بن کثیرؒ فرماتے ہیں ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے۔ اس حدیث سے بھی اس مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے اور جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے (اہل سنن اور احمد)۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں اولیٰ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد بطور گزر جانے کے مسجد میں جانا ہے کیونکہ جس مسافر کو جنب کی حالت میں پانی نہ ملے اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا ہے پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر اسے لوٹانے کی دوسرے جملہ میں کچھ ایسی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو! نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جب کہ تم نشے میں ہو جب تک تم اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو اسی طرح جنب کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہا نہ لو ہاں بطور گزر جانے کے راستہ کاٹنے کے جائز ہے۔ ﴿ عَابِرٌ ﴾ کے معنی آنے جانے یعنی گزر جانے والے کے ہیں اس کا مصدر ﴿ عَبْرًا ﴾ اور ﴿ عُبُوْرًا ﴾ آتا ہے جب کوئی نہر سے گزر جائے تو عرب کہتے ہیں ﴿ عَبَرَا فُلَانٌ النَّهَرَ ﴾ فلاں شخص نے نہر سے عبور کر لیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو ﴿ عَبَرَ

الْاَسْفَارَ ﴾ کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ جس قول کی تائید کرتے ہیں یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرما رہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے۔ اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت سے آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے' واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو یہ دلیل ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک کہ غسل نہ کر لے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب جنبی نے وضو کر لیا تو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطاء ابن یسارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھے رہتے' واللہ اعلم۔ پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے۔ جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہو جاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے کسی عضو کے فوت ہو جانے یا اس کے خراب ہو جانے یا مرض کی مدت بڑھ جانے کا خوف ہو۔ بعض علماء نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے نہ تو کھڑے ہو کر وضو کر سکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے۔ انہوں نے آپ حضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا اس پر یہ حکم اترا۔ یہ روایت مرسل ہے۔ دوسری حالت تیمم کے جواز کی سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا۔ غَآئِطُ کہتے ہیں نرم زمین کو یہاں اس سے کنایہ کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے۔

لمس کی تحقیق قرآن وحدیث کی روشنی میں: ﴿ لَمَسْتُمْ ﴾ کی دوسری قرات ﴿ لَمَسْتُمْ ﴾ ہے۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ﴾ یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو مجامعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہو اس سے آدھا دے دو۔ اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر مجامعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں۔ یہاں بھی لفظ ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ﴾ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ سے مراد مجامعت ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت مجاہدؒ حضرت طاؤسؒ حضرت حسنؒ حضرت عبید بن عمیرؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت شعبیؒ حضرت قتادہؒ حضرت مقاتل بن حیانؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا جماع ہے۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا بیان کیا' آپ نے پوچھا تم کن کے ساتھ تھے میں نے کہا موالی کے۔ فرمایا موالی مغلوب ہو گئے۔ لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں کنایہ کیا ہے۔ بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ کسی حصہ جسم کو عورت کے کسی حصہ جسم سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں لمس' جماع کے سوا کو کہتے ہیں' آپ فرماتے ہیں بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا۔ فرماتے ہیں مباشرت سے ہاتھ لگانے سے بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا' لمس سے مراد چھونا ہے۔ ابن عمرؓ بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اسے لمس میں داخل جانتے تھے۔ عبیدہ' ابو عثمان' ثابت' ابراہیم' زیدؒ بھی کہتے ہیں لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہے اس سے وضو کرنا پڑے گا (موطا امام مالکؒ)۔ دار قطنی میں خود حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے کہ آپ باوضو تھے آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کے ثابت ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب مانتے تھے' واللہ اعلم۔ مطلق چھونے سے

وضو کے قائل امام شافعیؒ اور ان کے ساتھی ہیں اور امام مالکؒ ہیں اور امام احمدؒ بن حنبل سے بھی یہی منقول ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قراتیں ہیں ﴿ لمستم ﴾ اور ﴿ لمستم ﴾ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿ وَ لَوْنَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَاباً فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ ' ﴾ ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا ہی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ماعز بن مالکؓ کو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو گا یا ہاتھ لگایا ہو گا۔ وہاں بھی لفظ لَمَسْتَ ہے۔ اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہی ہے۔ اور حدیث میں ہے ﴿ وَالْيَدُزِنَا هَا اللَّمْسُ ﴾ ہاتھ کا زنا چھونا اور ہاتھ لگانا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آ کر بوسہ نہ لیتے ہوں اور ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیع ملامست سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیع ہے۔ پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے۔ ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے ﴿ وَلَمَسْتُ كَفِّيْ كَفَّهٗ اَطْلُبُ الْغِنٰى ﴾ "میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا میں تونگری چاہتا تھا"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سرکار محمدی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ! اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک اجنبیہ عورت کے ساتھ وہ تمام کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے تو آیت ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ نازل ہوتی ہے اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں وضو کر کے نماز ادا کرے۔ اس پر حضرت معاذؓ پوچھتے ہیں 'کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ آپ ﷺ جواب دیتے ہیں تمام ایمان والو کے لئے ہے۔ امام ترمذیؒ اسے زائدہ کی حدیث سے روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند متصل نہیں 'امام نسائیؒ اسے مرسلا روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس قولؓ کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا تھا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ منقطع ہے 'ابن ابی لیلیٰ اور معاذؓ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض نماز کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیقؓ والی حدیث میں ہے کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے الخ۔ یہ پوری حدیث سورۂ آل عمران میں آیت ﴿ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْالِذُنُوْبِهِمْ ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' ان دونوں قولوں میں سے اولیٰ قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد اس سے جماع ہے نہ کہ اور 'کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کا بوسہ لیا اور وضو نہ کیا اور نماز پڑھی۔ حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت رسول مقبول ﷺ وضو کرتے پھر بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے 'اور وضو نہ کرتے۔ حضرت حبیبؒ فرماتے ہیں مائی عائشہؓ نے فرمایا حضور اکرم ﷺ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز کو جاتے اور وضو نہ کرتے۔ میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرا دیں۔ اس کی سند میں کلام ہے۔ لیکن دوسری سندوں سے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت صدیقہؓ سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیرؒ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ وضو کے بعد حضور اکرم ﷺ میرا بوسہ لیتے پھر وضو نہ دہراتے۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا۔ اور نماز ادا کی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بوسہ لیتے حالانکہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضو کرتے (ابن جریر)۔ حضرت زینب سہمیہؓ فرماتی ہیں حضور اکرم ﷺ بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔

تیمّم کا وقت اور طریقہ: پھر فرماتا ہے کہ اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ اس سے اکثر فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے تیمم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ یکسو ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز نہیں پڑھی 'تو آپ ﷺ نے اس سے

پوچھا تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی کیا تو مسلمان نہیں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی تھی۔ تیمّم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں عرب کہتے ہیں۔ ﴿ تَیَمَّمَکَ اللّٰہُ بِحِفْظِهٖ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے۔ امراؤالقیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا کہ ہر وہ چیز جو زمین سے اوپر کو چڑھے پس اس میں مٹی ریت درخت پتھر گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ کا قول یہی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت ہڑتال اور چونا یہ مذہب ابوحنیفہ کا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہی۔ یہ قول ہے حضرت امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے تمام ساتھیوں کا۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں ﴿ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ﴾ یعنی ہو جائے وہ مٹی پھسلنی' دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں' ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کے کی گئیں' ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جب کہ ہم پانی نہ پائیں۔ الفاظ حدیث میں تربت کا لفظ ہے اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتانے کے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔ یہاں پر لفظ طیب جو ہے اس معنی میں کہا گیا ہے کہ مراد حلال ہے' اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے گو دس سال تک پانی نہ پائے پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم سے لگائے یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابوالحسن قطانؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے۔ بلکہ تفسیر ابن مردویہ میں تو اسے مرفوعاً وارد کیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو۔ تیمّم وضو کا بدل ہے صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں' تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ملنا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے' لیکن کیفیت تیمّم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعیؒ یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس لئے کہ ﴿ یَدَیْنِ ﴾ کا اطلاق بغلوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں' اور اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد صرف ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا ﴿ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا ﴾ کہتے ہیں۔ یہاں تیمّم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم میں مقید ہے' اس لئے اس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا کیونکہ طہوریت جامع موجود ہے۔ اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دارقطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تیمّم کی دو ضربیں ہیں ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنی دونوں بانہوں پر ملے۔ لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ یہی حدیث بعض ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا فعل بتلاتے ہیں۔ امام بخاریؒ وامام ابوزرعہؒ اور امام ابن عدیؒ کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمّم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا۔ حضرت ابوجہمؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے ہیں' میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہو کر آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے پھر دیوار پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں

تک ملے پھر میرے سلام کا جواب دیا (ابن جریر)۔ یہ تو تھا امام شافعیؒ کا جدید مذہب' آپ کا قدیم مذہب یہ ہے کہ ضربیں تو تیمم میں دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں ہاتھوں کو پہنچوں تک ملنا چاہیئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے۔

گرد آلود ہاتھوں کو منہ پر پھیرے اور دونوں پہنچوں تک۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ دربار میں حضرت عمارؓ بھی موجود تھے' فرمانے لگے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے تھے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی جب ہم واپس پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اتنا کافی تھا' پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماری اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیمم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا ہے جو چہرے کے لئے اور دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ابو یعلیٰ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پاوے تو نماز نہ پڑھے اس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کیا تمہیں یاد نہیں (حضرت) عمار نے (حضرت) عمرؓ سے کیا کہا تھا' یہ کہا تھا کہ اے عمر! آپ کو یاد نہیں) جب کہ مجھے اور آپؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں میں بھیجا تھا وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا واپس آکر حضور اکرم ﷺ سے یہ بیان کیا تو آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا تجھے اسی طرح کرنا کافی تھا' پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے ضرب ایک ہی رہی' تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا لیکن حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا پھر تم اس کا کیا کرو گے جو سورۂ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اس کا جواب حضرت عبداللہؓ نہ دے سکے اور فرمانے لگے کہ سنو اگر ہم نے لوگوں کو تیمم کی رخصت دے دی تو بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہو گا تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ سورۂ مائدہ میں فرمان ہے ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ اسے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعیؒ نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابو جہم والی حدیث میں گزرا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر پھر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت انعام فرمائی تاکہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے' جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' مہینے بھر کی راہ تک میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے' میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آجائے وہ وہیں پڑھ لے اس کی مسجد اور اسکا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے' مجھے شفاعت دی گئی' تمام انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیج گیا۔ اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں' ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی

گئی اور اس کی مٹی وضو بنائی گئی جب کہ ہمیں پانی نہ ملے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کرلو پانی نہ ملنے کے وقت' اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اسکے عفو و درگزر کی شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمّم مشروع کرکے نماز گزار لینے کی اجازت مرحمت فرمائی اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں نماز کو ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشہ کی حالت ہو یا جنابت کی حالت ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن بیماری کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمّم کر دیا' پس اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر ہم اسکے شکر گزار ہیں الحمد للہ۔

تیمّم کی رخصت اور اس کا پس منظر: تیمّم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے ہم اس واقعہ کو سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورۂ مائدہ میں جو تیمّم کی آیت ہے وہ نازل ہونے میں اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے کی ہے اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد جب کہ نبی ﷺ بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حرام ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ آخری آخری جو قرآن نازل ہوا اس میں سے ہے' بالخصوص اس سورت کی ابتدائی حصہ۔ تو مناسب یہی ہے کہ تیمّم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے' اللہ نیک توفیق دے اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک ہار واپس کر دینے کے وعدہ پر مستعار لیا تھا وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا' حضور اکرم ﷺ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں ہی آ گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی' اس پر تیمّم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیر ؓ کہنے لگے اے مائی عائشہ! اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے قسم اللہ تعالیٰ کی جو تکلیف تم کو پہنچتی ہے اس کا انجام تمہارے اور مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ بخاری میں ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیداء یا ذات الجیش میں میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضور اکرم ﷺ مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں اس میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے۔ چنانچہ میرے والد صاحب ؓ میرے پاس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے۔ آتے ہی مجھے کہنے لگے تو نے حضور اکرم ﷺ کو اور لوگوں کو روک دیا' اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ تعالیٰ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو حضور اکرم ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہو' ساری رات گزر گئی صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمّم کیا۔ حضرت اسید بن حضیر ؓ کہنے لگے اے ابو بکر کے گھرانے والو! یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں۔ اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ صاحبہ مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ اولات جیش سے گزرے' مائی صاحبہ کا یمنی خرمہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گئے۔ ساری رات آپ ﷺ کے ساتھ کے مسلمانوں نے اور آپ ﷺ نے یہیں گزاری' صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر پاک مٹی سے تیمّم کرکے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتاری اور مسلمان حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوئے زمین پر اپنے ہاتھ مارے اور جو مٹی ان میں لگی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے

سے بغل تک مل لی۔

ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سخت غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمّم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی۔ پھر مسلمانوں نے ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ۔

ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلع بن شریکؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضور اکرم ﷺ سوار تھے' جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا اور ادھر حضور اکرم ﷺ نے کوچ کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی اس حالت میں حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا۔ میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی نکیل تھام لیجئے' چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا' پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اسلع کیا بات ہے اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیوں؟ میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اس پر اللہ عزوجل نے آیت ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ﴾ سے ﴿ غَفُوْرًا ﴾ تک نازل فرمائی۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ۚ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا بس ہے۔ بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں' اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔

یہودیوں کی ایک قابل مذمت خصلت: اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ

گمراہی کو ہدایت پر اختیار کرتے ہیں۔ نبی آخر الزماں علیہ السلام پر جو اترا ہے اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور جو علم اللہ تعالیٰ ان کے اپنے پاس ہیں انہیں بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ خود اپنی کتابوں میں نبی موعود علیہ السلام کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن تاہم اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی چاہت رکھتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منکر بن جائیں ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے وہ تمہیں ان سے ہوشیار کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ' اللہ تعالیٰ کی حمایت کافی ہے تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے وہ ان کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے ﴿ فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴾ میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقہ کی جس تحریف کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ تعالیٰ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشا تفسیر کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ان کا جان بوجھ کر قصداً ہوتا ہے جس سے یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے افتراء پردازی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبر علیہ السلام! جو آپ علیہ السلام نے کہا ہم نے سنا لیکن ہم مانتے کے نہیں۔ خیال کیجئے ان کے کفر والحاد کو دیکھئے کہ جان کر سمجھ کر کھلے لفظوں میں ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے اللہ کرے آپ نہ سنیں یا یہ مطلب کہ آپ سنئے آپ کی نہ سنی جائے' لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا' اللہ تعالیٰ انہیں لعنت کرے۔ اور رَاعِنَا کہتے تھے جس سے بظاہر سمجھا جاتا تھا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگائیے۔ لیکن وہ اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعونت والے ہو' اس کا پورا مطلب ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے۔ دراصل حضور علیہ السلام کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے پس انہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ان دو معنی والے الفاظ کا بولنا چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا مانا آپ ہماری عرض سنئے آپ ہماری طرف دیکھئے۔ یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے۔ لیکن ان کے دل بھلائی سے دور ڈال دیئے گئے ہیں۔ اصل ایمان کامل طور سے ان کے دل میں جگہ ہی نہیں پاتا۔ اس جملہ کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓي اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾

اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچانے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہوا ہوا یا ہی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا طوفان باندھا۔

نافرمانوں کا انجام برا ہے شرک ناقابل معافی جرم ہے: اللہ عزوجل یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی اکرم علیہ السلام کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے۔ اس پر

ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ الٹے کر دیں آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں۔ یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے مٹا دیں آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے۔ یہ عذاب ان کے کرتوت کا بدلہ ہے۔ یہ بھی حق سے ہٹ کر باطل کی طرف' ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں دھمکاتا ہے کہ میں بھی اسی طرح تمہارا منہ الٹ دوں گا تا کہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں گا۔ اور اسی جیسی تفسیر بعض نے ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا فِی اَعْنَاقِهِمْ ﴾ الخ۔ کی آیت میں بھی کی ہے۔ غرض یہ بری مثال ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بیان ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے دھکیل دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں ہم تمہیں کافر بنا دیں' اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں۔ ابو زیدؒ فرماتے ہیں کہ لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر کعب احبارؒ مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؒ کے سامنے حضرت کعبؒ کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا (حضرت کعبؒ (حضرت) عمرؓ کے زمانے میں مسلمان ہوئے' یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعب! مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا تم تو قرآن میں پڑھتے ہو توراۃ جن سے اٹھوائی گئی اور انہوں نے اسے نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو توراۃ اٹھوائے گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے وہاں سنا کہ ایک شخص جو ان کے گھرانے میں سے تھا اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے۔ جب اس نے آیت ختم کی انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آ جائے اور میرا منہ مٹ کر پلٹ نہ جائے۔ یہ جھٹ سے کہنے لگے ﴿ یَا رَبِّ اَسْلَمْتُ ﴾ میرے اللہ تعالیٰ میں ایمان لایا۔ پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعبؒ کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کے حضور ﷺ سے دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے تھے۔ پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوش خبری اور اوصاف توراۃ میں ہیں۔ یہ آئے تو فرماتے ہیں جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ناگہاں میں نے سنا کہ ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے کہ اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے جو تمہارے پاس کی کتاب کو سچانے والا ہے اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ مٹا دیں اور انہیں الٹا کر دیں۔ میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ ہو جائے۔ پھر میں بہت جلد آ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلا حالانکہ انہیں اس کام سے ممانعت کر دی گئی تھی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ ان کا مفصل واقعہ سورۂ اعراف میں آئے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا اللہ کے کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے۔

پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں۔ اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں جس کے چاہے بخش دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔ پہلی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں' ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا' دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا' تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں وہ شرک ہے۔ اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں کرتا۔ اور جگہ ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرلے اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔

اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی ایسی وقعت نہیں وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے جس کا تعلق اس سے اور اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز پس اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کوئی چیز ترک نہیں کرتا وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔ دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ تیسری حدیث بحوالہ مسند احمد ' ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا اور وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالا۔ چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے! تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا میں بھی جو تقصیریں تیری ہیں انہیں معاف فرماتا رہوں گا' اے میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر تک خطائیں لے کر میرے پاس آئے گا تو میں ' زمین بھر جائے اتنی مغفرت لے کر تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد ' جو بندہ لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی پر اس کا انتقال ہو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت ابوذرؓ نے دریافت کیا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا گو اس نے زناکاری اور چوری بھی کی ہو۔ تین مرتبہ یہی سوال وجواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا گو ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابوذرؓ ہاں سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے کہ گو ابوذر کی ناک خاک آلود ہو اور اس کے بعد بھی جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ بھی مروی ہے' اس میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جا رہا تھا۔ احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا سنو! میرے پاس اگر اس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کے جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں' باقی تمام مال میں اس طرح اور اس طرح راہ للہ اللہ کے بندوں کو دے ڈالوں گا۔ اور آپ ﷺ نے دائیں بائیں اور سامنے لپیں پھینکیں۔ پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے جو حضور اکرم ﷺ نے مجھے پکارا اور فرمایا جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح اور اس طرح کرے' اور آپ ﷺ نے اپنے دائیں سامنے اور بائیں لپیں بھر کر دیتے ہوں اس طرح اشارہ کیا۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا ابوذر! میں ابھی آتا ہوں تم یہیں ٹھہرو۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں' دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن آ گیا ہو۔ میں نے قصد کیا کہ پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہو چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ واپس آئے تو میں نے کہا حضور اکرم ﷺ! یہ آوازیں کیسی آ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو انتقال کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں رات کے وقت نکلا' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ ﷺ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چھاؤں چھاؤں میں حضور اکرم ﷺ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ ﷺ نے مڑ کر جب مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابوذر' اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر سے قربان کر دے۔ تو آپ ﷺ

نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر تو ہم چلتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر وہ دائیں بائیں آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے ارد گرد پتھر تھے فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ ﷺ آگے نکل گئے یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کو زیادہ دیر لگ گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آتے ہیں گو زنا کیا ہو گو چوری کی ہو جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا پوچھا کہ اے نبی اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے اس میدان کے کنارے آپ ﷺ کس سے باتیں کر رہے تھے میں نے سنا کوئی آپ ﷺ کو جواب بھی دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جبرئیلؑ تھے یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہو گا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں' میں نے پھر یہی سوال کیا۔ جواب دیا ہاں۔ میں نے پھر یہی پوچھا تو فرمایا ہاں' اور اگر چہ اس نے شراب پی ہو۔ چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید۔ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر شرک کئے مرا اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مرا اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ رتا ہوا مرا اس کے لئے بخشش حلال ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے (ابن ابی حاتم)۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔ دریافت کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ! پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا شرک' جو شخص شرک نہ کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے بخشش ربانی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ الخ۔ تلاوت فرمائی (مسند ابو یعلیٰ)۔ ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو شخص مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتا ہوا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ آٹھویں حدیث حوالہ مسند احمد۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس آئے اور فرمایا تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کر لوں یا اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کے بابت پوشیدہ محفوظ ہے اسے' تو بعض صحابہؓ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا۔ آپ ﷺ یہ سن کر اندر تشریف لے گئے۔ پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی عطا فرمائی اور وہ پوشیدہ حصہ بھی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابو رہمؓ نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ کیا چیز ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضور اکرم ﷺ کے لئے اختیار کردہ چیز۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم' ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی دینداری کیسی ہے؟ کہا نمازی ہے' اور توحید والا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے خرید لو۔ اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے آ کر حضور اکرم ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اسے اپنے دین پر چمٹا ہوا پایا' اس پر آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ الخ

نازل ہوئی۔ دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابو یعلی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا مگر میں سب کر کرا چکا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تین مرتبہ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان سب پر غالب آ جائے گا۔ گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ضمضم ابن جوش یمامی سے کہا کہ اے یمامی کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ یمامیؒ نے کہا حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبردار ہرگز نہ کہنا' سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں سے دو شخص تھے ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا۔ عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا اور کہتا رہتا تھا اے شخص باز رہ۔ وہ جواب دیتا تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا افسوس تجھ پر باز آ۔ اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے ہرگز نہ بخشے گا' یا جنت نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کر لیں جب یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جا' اور اس عابد سے فرمایا کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دعا اور آخرت برباد کر دی۔

بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی۔ جس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ شریک نہ کرے۔ تیرھویں حدیث بحوالہ بزار و ابو یعلی۔ جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے کسی ثواب کا وعدہ کیا ہے اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے وہ اسکے اختیار میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہؓ قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھا جانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں کرتے تھے' یہاں تک کہ آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ اتری اور اصحاب رسول اللہ ﷺ گواہی سے رک گئے (ابن ابی حاتم)۔ ابن جریر کی یہ روایت اس طرح پر ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک ہی نہ تھا' یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت سے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیئے۔ بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے' یہاں تک کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے یہ آیت سنی اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ ابو جعفر رازی کی روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت ﴿ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ﴾ نازل ہوئی یعنی اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا حضور اکرم ﷺ! شرک کرنے والا بھی؟ آپ ﷺ کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا پھر آپ ﷺ نے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ پڑھ کر سنائی۔ سورۂ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ 'پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے' پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں مشرک بھی آ جائے گا اور پھر مطلب صحیح نہ ہو گا۔ کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے کی بخشش نہیں۔ ہاں اس کے سوا جسے چاہے

یعنی گو اس نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے' واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اس نے بڑے گناہ کا افتراء باندھا جیسے اور آیت میں ہے شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔

پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتلاتا ہوں' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا' پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا شکریہ کر میری طرف لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾

ع ٨

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ دیکھ تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے۔ کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

منہ پر تعریف اور خود پسندی کی مذمت: یہود اور نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی۔ ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ اور بقول مجاہدؒ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں وہ ہمارے لئے قربت اللہ ہیں ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ پاک کر دیں گے' پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباسؓ یہودیوں کا اپنے بچوں کو آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں' وہ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے پاک نہیں کر دیتا۔ یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح و ثنا بیان کرنے کے رد میں اتری ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح

وسائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا افسوس تونے اس اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی۔ پھر فرمایا اگر تم میں سے کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں۔ حقیقی پاکیزگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے نہ کرے۔ مسند احمد میں حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے جو کہے میں مومن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں وہ جہنمی ہے۔ ابن مردویہ میں آپ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہؓ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمعے ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور یہ مال میٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لگے گا اسے اس میں برکت دی جائے گی، تم آپس میں ایک دوسرے کی مدح و ستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ چھری پھیرنا ہے۔ یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ انسان صبح کو اپنا دین لے کر نکلتا ہے پھر جب کہ وہ لوٹتا ہے تو اس کے پاس اس کے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا' (اس طرح کہ) وہ کسی سے ملا اور اس کی مدح سرائی شروع کی' اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا آپ ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا ممکن ہے کہ ان تعریفی کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ تعالیٰ کو ناخوش کر دیا' پھر آپ نے اسی آیت تزکیہ کی تلاوت فرمائی (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت ﴿ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ کی تفسیر میں آئے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی چھوڑ نہ دے گا۔ فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا دھاگہ' اور مروی ہے کہ وہ دھاگہ جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے۔

پھر فرماتا ہے ان کی افترا پردازی تو دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں اور کیسے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہو گا اور کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے ہوئے ہیں' حالانکہ کسی کا عمل دوسرے کو کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے ارشاد ہے ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ﴾ یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب و افتراء ہی ان کے لئے بس ہے۔ ﴿ جِبْت ﴾ کے معنی حضرت فاروق اعظمؓ وغیرہ سے جادو کے اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں۔ یہ بھی قول ہے کہ ﴿ جِبْت ﴾ حبش کا لفظ ہے' اس کے معنی شیطان کے ہیں۔ شرک' بت' کاہن وغیرہ کے معنی بھی آئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد حیی بن اخطب ہے۔ بعض کہتے ہیں کعب ابن اشرف ہے۔ ایک حدیث میں ہے فال اور پرندوں سے یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا یہ سب جبت ہے۔ حسنؒ کہتے ہیں جبت شیطان کی غنغناہٹ ہے۔ طاغوت کی نسبت پہلے سورۂ بقرہ میں کلام گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت جابرؓ سے جب طاغوت کی نسبت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے پاس شیطان آتے تھے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کی جائے۔

پھر فرمایا کہ ان کی جہالت بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضلیت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے

کہا تم اہل کتاب ہو اور اہل علم ہو بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد ﷺ انہوں نے کہا تم کیا ہو اور وہ کیا ہیں۔ تو اہل مکہ نے کہا ہم صلہ رحمی کرتے ہیں' تیار اونٹنیاں ذبح کر کے کھلاتے ہیں' لسی پلاتے ہیں' غلاموں کو آزاد کرتے ہیں' حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد ﷺ تو صنبور ہیں ہمارے رشتے ناتے تڑوائے ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں اب بتلاؤ ہم اچھے ہیں یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو' اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں ﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَا الْاَبْتَرُ ﴾ اتری ہے۔

بنو وائل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضور اکرم ﷺ کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ کی عظیم تیاری میں تھے اس وقت جب یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتلاؤ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد ﷺ کا' تو ان لوگوں نے کہا تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری' اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے' اور ان کا مدد و معاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھ لیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ یہی ہوا' زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنا کر کے تمام تر قوت و طاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اردگرد خندق کھودنی پڑی۔ لیکن بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ ان کا مکر انہی پر لوٹ آیا یہ خائب و خاسر رہے' نامراد و ناکام پلٹے دامن مراد خالی رہا' بلکہ نامرادی اور مایوسی و نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی کفایت آپ کی' اور اپنی قوت و عزت سے انہیں اوندھے منہ گرا دیا' فالحمد للہ الکبیر المتعال۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ یا یہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے۔ پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے۔ اور کافی ہے جہنم کا جلانا۔

یہود و نصاریٰ کا بخل اور حسد: یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں' یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان ہوتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغمبر ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ ﴾ یعنی اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے' گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی۔ اسی لئے فرمایا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے۔ اس بخل کے بیان کے بعد پھر ان کا حسد بیان ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو بڑی بھاری نبوت عطا فرمائی ہے اور آپ ﷺ چونکہ عرب

میں سے ہیں بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں اس لئے یہ جلے جاتے ہیں اور لوگوں کو آپ علیہ السلام کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں ﴿ النَّاس ﴾ سے مراد ہم ہیں کوئی اور نہیں۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہم نے آل ابراہیم کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہیں نبوت دی کتاب نازل فرمائی طریقے تعلیم کئے ان میں بادشاہت بھی دی' باوجود اس کے ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اس انعام واکرام کو مانا' لیکن بعضوں نے پھر بھی اس کے ساتھ کفر کیا اسے تسلیم نہ کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جب کہ یہ اپنے والوں سے ہی منکر ہو چکے ہیں۔ تو پھر اے نبی آخر الزماں! آپ علیہ السلام کا انکار ان سے کیا دور ہے' جب کہ آپ علیہ السلام ان میں سے بھی نہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا کہ بعض اس پر یعنی محمد علیہ السلام پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ پس یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت پکے ہیں اور ہدایت وحق سے بہت ہی دور ہیں۔ پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس ہے ان کے کفر و عناد کی' ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا کافی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالٰی غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی۔ اور ہم انہیں گھنی چھاؤں اور پوری راحت میں لے جائیں گے۔

جہنم کے عذاب اور جنت کی راحتیں: اللہ تعالٰی کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بدانجام کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چوطرف سے گھیر لے اور ان کے رونگٹے رونگٹے کو سلگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ہو' ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل دیا گیا جو سفید کاغذ کے مثل ہو گا۔ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوتے ہوں گے۔ ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہو گی یعنی کہہ دیا جائے گا کہ پھر لوٹ آئے وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی ہے تو آپ پڑھنے والے سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے ہیں وہ دوبارہ پڑھتا ہے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں' میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں' ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے یہی سنا ہے (ابن مردویہ وغیرہ)۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعبؓ نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا بیان کرو اگر وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے۔ تو آپ نے فرمایا ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے

فرمایا میں نے اسی طرح حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے۔ حضرت ربیع ابن انسؒ فرماتے ہیں پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر ہاتھ کی ہوں گی' اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھا لے گی تو اور کھالیں آ جائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیئے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے مونڈھا سات سال کی راہ پر ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذارع ہوگی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

پھر نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جنت عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی کہ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں اپنے محلات میں باغات میں راستوں پر غرض جہاں جی چاہے وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی۔ پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشگی والی ہوں گی نہ انہیں زوال آئے نہ ان میں کمی ہو نہ وہ واپس لے لی جائیں نہ فنا ہوں نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں نہ ختم ہوں۔ پھر ان کے لئے وہاں حیض و نفاس سے گندگی اور پلیدی سے میل کچیل اور بوباس سے رذیل صفتوں اور واہی اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی۔ اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت والے بڑے سرور والے راحت افزا دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو یہ شجرۃ الخلد ہے۔ (ابن جریر)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ' اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو' یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے' دیکھتا ہے۔

امانت کی قسمیں اور ادائیگی امانت کی تاکید: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کی خیانت مت کر (امام احمد و اہل سنن)۔ آیت کے الفاظ عام ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل کے کل حقوق کی ادائیگی کو بھی شامل ہیں جیسے روزہ' نماز' زکوٰۃ کفارہ' نذر وغیرہ۔ اور بندوں کے آپس کے کل حقوق کو بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہے تو اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹتی گو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا ہو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کرو۔ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں میں کہاں سے اسے ادا کروں۔ فرماتے ہیں پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہ میں نظر آئے گی' اور کہا جائے گا اسے لے آ۔ وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر لے چلے گا' لیکن وہ گر پڑے گی پھر اسے لینے جائے گا' پس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا۔ حضرت زاذانؒ اس روایت کو سن کر حضرت براءؓ کے پاس آ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں ہر نیک و بد پر یہی حکم ہے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا وہ سب

امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں عورت اپنی شرمگاہ کی بھی امانتدار ہے۔ ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں جو جو معاملات تیرے اور دوسرے کے درمیان ہوں یہ سب کو شامل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے۔ اس آیت کے شان نزول میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا' حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہؓ کو جو کعبہ کے کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینی چاہی' اتنے میں حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اب یہ مجھے سونپئے تاکہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا۔ آپ ﷺ نے سہ بار طلب کی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ دیتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے کعبہ کا دروازہ کھولا' اندر گئے وہاں جو بت اور تصویریں تھیں سب توڑ کر پھینک دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ میں فال کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو غارت کرے بھلا خلیل اللہ علیہ السلام کو ان تیروں سے کیا سروکار۔ پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر انہیں مٹا کر آپ ﷺ باہر آئے' کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے کہا کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں خواہ جانی' ہاں بیت اللہ شریف کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا۔ اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر کہا حضور ﷺ! کنجی مجھے عنایت فرمائی جائے تاکہ بیت اللہ شریف کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں۔ لیکن آپ ﷺ نے انہیں نہ دی۔ مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپ ﷺ نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارا قبلہ یہی ہے۔ پھر آپ ﷺ طواف میں مشغول ہو گئے۔ ابھی دو پھیرے ہی پھرے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ حضور اکرم ﷺ پر فدا ہوں میں نے تو اس سے پہلے آپ ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا۔ اب آپؐ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا اور نیکی اور سلوک کا دن ہے۔

یہ عثمان بن طلحہؓ جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ کی کنجی چلی آتی ہے' صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے تھے جب کہ خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کے جھنڈا بردار تھا اور وہیں بحالت کفر مارا گیا تھا۔ الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اس بارے میں اتری ہے۔ اب خواہ اس بارے میں نازل ہوئی یا نہ ہوئی ہو بہر صورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کا قول ہے کہ ہر ہر شخص کو ہر ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔ ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ادائیگی امانت کا اور عدل وانصاف کا حکم اور اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار تمہیں کر رہا ہے

(ابن ابی حاتم)۔ اور روایت میں ہے حضرت ابوہریرہؓ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھا کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتایا) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث ابوزکریاؒ فرماتے ہیں ہمارے استاد مقریؒ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا' اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبانؒ بھی اپنی صحیح میں اسے لائے ہیں اور حاکمؒ نے مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے۔ اس کی سند میں جو ابویونسؒ ہیں وہ حضرت ابوہریرہؓ کے مولیٰ ہیٰ' ان کا نام سلیم بن جبیر ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

٨
ع
٥

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی' پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

اللہ تعالیٰ و رسولؐ کی اطاعت واجب جبکہ علماء امراء کی اطاعت مشروط ہے: صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبداللہؓ بن حذافہ بن قیس کو بھیجا تھا ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک دیا ہے۔ فرمانے لگے اچھا لکڑیاں جمع کرو۔ پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں' پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو۔ ایک نوجوان نے کہا لوگو! سنو آگ سے بچنے کے لئے ہی تم نے دامن رسول اللہ ﷺ میں پناہ لی ہے تم جلدی نہ کرو جب تک کہ حضور اکرم ﷺ سے ملاقات نہ ہو جائے پھر اگر آپ ﷺ بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم آگ میں چلے جاتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے' سنو فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے گو جی چاہے یا طبیعت رکے۔ لیکن اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ) کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے' جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی سننے کی اور ماننے کی گو ہماری خوشی ہو یا ہماری ناخوشی ہو ہماری سختی ہو یا ہماری آسانی ہو اور گو ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جا رہی ہو' اور ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے اس کام کو نہ چھینیں مگر یہ کہ تم کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح ربانی دلیل ہو۔ بخاری شریف میں ہے سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو گویا کہ اس کا سر کشمش ہے۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں' مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مآب ﷺ) نے وصیت کی سننے کی اور ماننے کی اگرچہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہو۔ مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا گو تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ لے جانا چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ ایک روایت میں غلام حبشی اعضاء کٹا کے الفاظ ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ میرے بعد والے تم سے ملیں گے نیکوں سے نیک اور بدوں سے بد، تم ہر ایک اس امر میں جو مطابق حق ہو اس کی سنو اور مانو اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی، اگر وہ بدی کریں گے تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر بوجھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں مسلسل لگاتار رسول اللہ آیا کرتے تھے، ایک کے بعد ایک، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفاء ہوں گے اور بکثرت ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا پھر حضور اکرم ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرو پھر اسکے بعد والے کی، ان کے حق انہیں دے دو۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے اسے صبر کرنا چاہئے جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہو گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا (بخاری و مسلم)۔ ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجت و دلیل بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس گردن میں بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا (مسلم)۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف میں گیا دیکھا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع جمع ہے میں بھی اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گیا اس وقت حضرت عبداللہؓ نے یہ حدیث بیان کی، فرمایا ایک سفر میں ہم رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تھے، ایک منزل میں اترے، کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی کسی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اچانک ہم نے سنا کہ منادی ندا کر رہا ہے۔ ہمہ تن گوش ہو گئے تو سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے سکھا دے اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں آگاہ کر دے سنو! اس میری امت کی عافیت کا زمانہ اس کا اول کا زمانہ ہے، آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند رکھیں اور تابڑ توڑ فتنے آتے رہیں گے ایک فتنہ آئے گا کہ مومن سمجھ لے گا اسی میں میری ہلاکت ہے پھر وہ ہٹ کر دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین آ جائے گا پس یونہی لگاتار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی، پس جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ جہنم سے دوری ہو اور جنت حصہ میں آئے اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر پورا ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے ساتھ پسند کرتا ہے۔ سنو! جس نے امام سے بیعت کر لی اس نے اپنے ہاتھ کا قبضہ اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا، اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے، اگر کوئی اور آ کر اس سے چھیننا چاہے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو۔ عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں، میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ سے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا اور اپنے اس دل میں محفوظ رکھا۔ میں نے کہا دیکھئے آپ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہ کو کہ وہ ہمیں ہمارے اپنے مال باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کاموں سے ممانعت فرماتا ہے، ارشاد ہے ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ﴾ اسے سن کر حضرت عبداللہؓ ذرا سی دیر خاموش رہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم جو وہ دیں اسے نہ مانو (مسلم)۔ اس بارے کی حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں۔

اسی ممانعت کی تفسیر میں حضرت سدیؒ سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالدؓ کو بنایا۔ اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا چلا، رات کے وقت اس کی بستی کے پاس

پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور وہ سب کے سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اور انہوں نے اس کا سب اسباب جمع کیا' پھر یہ رات کے اندھیرے میں حضرت خالدؓ کے لشکر میں چلا آیا اور پتہ چلا کہ حضرت عمارؓ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں' میری ساری قوم تمہارا یہاں آنا سن کر بھاگ گئی ہے صرف میں باقی رہ گیا ہوں' تو کیا کل میرا یہ اسلام مجھے نفع دے گا' اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا یقیناً یہ اسلام تمہیں نفع دے گا تم نہ بھاگو بلکہ ٹھہرے رہو۔ صبح کے وقت جب حضرت خالدؓ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا' اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جب حضرت عمارؓ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالدؓ کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو۔ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہو گئی' اور اس پر قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمارؓ کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا۔ پھر دونوں میں تیز کلامی ہونے لگی۔ اس پر حضرت خالدؓ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا اس ناک کٹے غلام کو آپ ﷺ کچھ نہیں کہتے۔ دیکھئے یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خالد! عمار کو برا نہ کہو۔ عمار کو گالیاں دینے والے کو اللہ تعالیٰ گالیاں دے گا' عمار سے دشمنی رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھے گا' عمار پر جو لعنت بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہو گی۔ اب تو حضرت خالدؓ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ حضرت عمارؓ غصہ میں چل دیئے تھے' آپ دوڑے بھاگے ان کے پاس گئے دامن تھام لیا' عذر معذرت کی اور اپنی تقصیر معاف کرائی' پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمارؓ راضی رضامند نہ ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (امر امامت و خلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ مترجم) حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ)۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علماء۔ ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے' آگے حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں امراء علماء دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گزرا۔ قرآن فرماتا ہے۔ ﴿ لَوْ لَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ ﴾ یعنی ان کے علماء نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا۔ اور جگہ ہے ﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ ﴾ حدیث و قرآن کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری فرمان برداری کی' اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس یہ ہیں احکام علماء امراء کی اطاعت کے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو' اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنتوں پر عمل کرو' اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف اگر ان کا کوئی حکم ہو تو اطاعت نہ کرنی چاہیئے' کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی ماننی حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گزر چکی کہ اطاعت صرف معروف میں ہے' یعنی فرمان ربانی و فرمان رسول اللہ ﷺ کے دائرے میں۔ مسند احمد میں اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے کوئی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف میں نہیں۔

آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت

رسول ﷺ کی طرف، جیسے کہ حضرت مجاہدؒ کی تفسیر ہے۔

پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول دین کے متعلق ہو خواہ فروع دین کے متعلق اس کے تصفیہ کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب و سنت کو حاکم مان لیا جائے جو اس میں ہو وہ قبول کیا جائے جیسے اور آیت قرآنی میں ہے ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ﴾ یعنی جس کسی چیز میں تمہارا اختلاف پڑے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، پس کتاب و سنت جو حکم دے اور جس مسئلہ پر صحت کی شہادت دے وہی حق ہے باقی سب باطل ہے۔ قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت و گمراہی ہے، اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو جس مسئلہ میں اختلاف ہو جس امر میں جدا جدا رائے ہوں ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے کیا کرو جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب و سنت کی طرف نہ لے جائے وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جھگڑوں میں اور اختلافات میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آئندہ ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے۔ بہت اچھی جزا اسی کا پھل ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے۔ لیکن اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آؤ، تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آکر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے تو ان سے چشم پوشی کر انہیں نصیحت کرتا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔

قرآن وحدیث سے اعراض کر کے کسی اور سے فیصلہ کرانا منع ہے: اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ہمارا ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو جب کبھی کسی اختلاف کو میٹنا ہو جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف جاتے ہیں۔ یہ آیت نازل بھی ہوئی ہے ان دو شخصوں کے بارے میں جن میں کچھ اختلاف تھا ایک تو یہودی تھا دوسرا انصاری۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فیصلہ کرالیں اور انصاری کہتا تھا کعب ابن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے تھے لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے۔ اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے' ان تمام واقعات کو شامل ہے' ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طاغوت سے ہے (یعنی قرآن وحدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدود سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ﴾ یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو' تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی پیروی پر رہیں گے۔ ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی ایمان والوں کو جب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہہ دل سے قبول کیا۔

پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تجھے خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لے جانے سے ہمارا مقصود صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھ لیا جائے اور آپس کا میل جول نبھ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں۔ جیسے اور آیت میں ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ سے ﴿ نٰدِمِيْنَ ﴾ تک بیان ہوا ہے' یعنی تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود ونصاریٰ کی دوستی کی تمام تر سعی کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے پس بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے یا اپنا کوئی حکم لائے اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابو برزہ اسلمی ایک کاہن شخص تھا' یہود اپنے بعض فیصلے ان سے کراتے تھے۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے اس پر یہ آیات ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ سے ﴿ تَوْفِيْقًا ﴾ تک نازل ہوئیں۔

پھر فرماتا ہے کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقوں کے دلوں میں کیا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے' اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں وہ ان کے ظاہر باطن کا عالم ہے تو ان سے چشم پوشی کر' ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کر' ہاں انہیں نفاق سے اور دل میں شر وفساد رکھنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں گڑنے والی باتیں ان سے کر بلکہ ان کیلئے دعا بھی کر۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا

يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے آپس کے اختلاف میں تجھی کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے تو ان میں کر دے ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

حضور ﷺ سے دعا کرانا آپ کی زندگی تک تھا: مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے تمام فرمانوں کو اللہ کے احکام سمجھا جائے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ سے یہ مراد ہے اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾ یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے' یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطاکاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیئے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہیئے کہ آپ ہمارے لیے دعا کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع کرے گا انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں' لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے میں حضور اکرم ﷺ کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ! میں نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی اور آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ ﷺ کی شفاعت طلب کروں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

﴿ يَاخَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ۔۔۔ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ ﴾
﴿ نَفْسِي الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ ۔۔۔ فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ ﴾

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور وہ ٹیلے مہک اٹھے ہیں۔ اے ان تمام میں سے بہترین ہستی! میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی اور سخاوت اور کرم ہے۔

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا حضور اکرم ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے' بلکہ آیت کا یہ حکم حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی تھا وصال کے بعد نہیں جیسے کہ ﴿ جَآءُوْكَ ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے' واللہ اعلم۔ مترجم)

حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ حتمی ہے: پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے اس آخر الزمان افضل تر رسول اللہ ﷺ کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے۔ اور آپ ﷺ کے ہر ہر حکم ہر ہر فیصلے ہر ہر سنت اور ہر ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے' دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسول اللہ ﷺ نہ بنا دے۔ غرض ظاہر' باطن' چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول اللہ ﷺ کو اصل اصول سمجھے' وہی مومن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا کریں' اپنے دل میں تنگی ترشی نہ لائیں۔ تسلیم کلی کل احادیث کے ساتھ رہے' نہ تو احادیث کے ماننے سے رکیں' نہ انہیں ہٹانے کے اسباب ڈھونڈیں' نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ

ان کی تردید کریں' نہ ان کا مقابلہ کریں' نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول اللہ ﷺ ہے اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا پیرو کار نہ بنادے جسے میں لایا ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا زبیر! تم پانی پلالو پھر پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو۔ اس پر انصاری نے کہا ہاں یار سول اللہ ﷺ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر! تم پانی پلاؤ تو پھر پانی کو روکے رکھو' یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔ پہلے تو حضور اکرم ﷺ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیرؓ کو تکلیف نہ ہو' اور انصاری کو کشادگی ہو جائے۔ لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ان کا پورا حق دلوایا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت ﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ ﴾ الخ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری بدری تھے۔ اور روایت میں ہے' دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیرؓ کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی روکو مت۔ یونہی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیرؓ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ تھے۔ آپ ﷺ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلالے پھر نیچے والا۔ دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا ایک جھگڑا لے کر دربار محمدی ﷺ میں آئے آپ ﷺ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا اس نے کہا حضور! آپ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس چلے جاؤ۔ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا کیا یہ سچ ہے۔ اس نے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے گردن اڑادی۔ دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضور! میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آجاتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں عمر کو ایسا نہ جانتا تھا کہ وہ اس جرآت کے ساتھ ایک مومن کا خون بہادے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا۔ لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری ﴿ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا ﴾ جو آگے آتی ہے (ابن ابی حاتم)۔

ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب ہے اور مرسل ہے اور ابن ابی لہیعہ راوی ضعیف ہے' واللہ اعلم۔ دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ آپ ﷺ نے حق والے کے حق میں ڈگری دے دی۔ لیکن جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس چلیں۔ دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیقؓ نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے کیا۔ وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمرؓ کے پاس چلو' وہاں گئے پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا (تفسیر حافظ ابو اسحاق)۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ

اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجالاتے۔ اور اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔ اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ' یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اور اللہ تعالیٰ بس ہے جاننے والا۔

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے۔ اس لئے کہ ان کی ذلیل طبیعتیں حکم الٰہی کی مخالفت پر ہی بنائی گئی ہیں۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کی خبر دی ہے جو ہوا نہیں لیکن ہوتا تو کس طرح ہوتا؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم کر گزرتے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچا لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ گڑا ہوا اور ثابت ہے (ابن ابی حاتم) اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کئی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم نے یہ فرمایا تھا۔ سدیؒ کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس سے فخر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل فرض کیا تو ہم وہ بھی کر گزرے۔ اس پر حضرت ثابتؓ نے فرمایا واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گزرتے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجالانے والوں میں ایک ابن ام عبد بھی ہوتے (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اس پر عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے حکم بجالاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ حکم کی مخالفت کریں اور ممانعت میں مبتلا ہوں' اور یہی زیادہ سچائی والا ہوتا' اس وقت ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا اور آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص اللہ و رسول اللہ ﷺ کی احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا اور نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کا جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں' پھر شہیدوں کا پھر تمام مومنوں کا جنہیں صالح کہا جاتا ہے جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے۔ خیال تو کرو یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانہ میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ بیمار پڑے جس سے آپ ﷺ نہ اٹھے تو آپ ﷺ کی آواز بہت بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں' ان کا ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جو نبی ہیں' صدیق ہی' شہید ہیں اور نیک کار ہیں۔ میں نے معلوم کر لیا کہ اب آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا

ہے۔ یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ ''اے اللہ! میں بلند و بالا رفیق طلب کرتا ہوں''۔ تین مرتبہ یہ کلمہ آپ ﷺ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا' پھر فوت ہو گئے' علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔ اس آیت کے شان نزول کا بیان۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضور ﷺ! یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آ بیٹھتے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے' لیکن کل قیامت کے دن تو آپ ﷺ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے تو ہم آپ ﷺ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لائے آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنادی۔ یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے۔ حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں صحابہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا درجہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے پس جب کہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں گے اور کیسے ملیں گے۔ پس یہ آیت اتری اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور گلزار پر۔ بہار میں سب جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے اور ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔ ابن مردویہ میں ہے ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو اپنی جان سے اپنے اہل و عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں' میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بے قرار کر دیتا ہے صبر نہیں ہو سکتا دوڑتا بھاگتا آتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ ﷺ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ ﷺ جنت میں نبیوں کے ساتھ بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے اور بھی طریقے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ربیعہ بن کعب اسلمیؓ فرماتے ہیں میں رات کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کچھ مانگ۔ میں نے کہا جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے سوا اور۔ میں نے کہا وہ بھی یہی۔ فرمایا پس میری مدد کر تو خود بھی بکثرت سجدے کیا کر۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا میں اللہ تعالیٰ کے بے شریک ہونے کی اور آپ ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں' پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں' اپنے مال کی زکوۃ دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا وہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہو گا' پھر آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتلایا' لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔ مسند احمد میں ہے' جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا۔ ترمذی میں ہے سچا امانت دار تاجر نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک زبردست جماعت سے بتواتر مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے ملا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ﴾ ہر انسان ان کے ساتھ ہو گا جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں' مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں' واللہ میری محبت تو آنحضرت ﷺ سے ہے اور حضرت ابوبکرؓ سے ہے اور عمرؓ سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں (یا اللہ تعالیٰ! تو ہمارے دل بھی اپنے نبی

اکرم ﷺ اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ کر دے' آمین)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکیلے ستارے کو جو مشرق یا مغرب میں ہو دیکھتے ہو ان میں بہت کچھ فاصلہ ہو گا۔ صحابہ ؓ نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی' کہ کوئی اور تو وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا اور مانا (بخاری و مسلم)۔

ایک حبشی حاضر حضور اکرم ﷺ ہوتا ہے' آپ ﷺ فرماتے ہیں' پوچھو اور سمجھو' وہ کہتا ہے یا رسول اللہ ﷺ! آپ لوگوں کو صورت میں رنگ میں نبوت میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے' کیا اگر میں اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ﷺ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجا لاؤں جنہیں آپ ﷺ بجا لا رہے ہیں' تو کیا جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ ملے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں' اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنتی حبشی تو ایسا گورا چٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا پنڈا ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کہنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد و وعدہ ہے اور ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ﴾ کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک اور صاحب نے کہا حضور ﷺ! جب یہ ہے تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا کہ اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو اس پر بھی بوجھل ہو جائیں' لیکن ایک نعمت جو کھڑی ہو گی تو محض اس کے شکریہ میں ہی یہ اعمال کم نظر آئیں گے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے' اور یہ آیتیں اتریں ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَان ﴾ سے ﴿ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴾ تک۔ تو حبشی صحابی ؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ ﷺ کی آنکھیں دیکھیں گی' میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں۔ اس پر وہ روئے اور اس قدر روئے کہ اسی میں فوت ہو گئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی نعش مبارک کو خود رسول اللہ ﷺ قبر میں اتار رہے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ خاص اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا فضل ہے اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے' اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے' اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت و توفیق کون ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰہِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾

اے مسلمانو! اپنے ہتھیار لئے رہو پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو' اور یقیناً تم میں سے بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں کہتے ہیں کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔ پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیئے جو شخص راہ اللہ تعالیٰ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آ جائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

کافروں سے قتال کے لئے آلات حرب تیار رکھنے کا حکم: اللہ رب العزۃ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں ہر وقت ہتھیار بند رہیں تا کہ دشمن ان پر باآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں اپنی تعداد بڑھاتے رہیں قوت مضبوط کرتے رہیں' باقاعدہ مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں' چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا بڑی پوری فوج کی صورت میں جیسا موقعہ ہو آواز آتے ہی کوچ بول دیں۔ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی راہ اللہ سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی ڈھیلا کریں۔ جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول سردار۔ منافقین کا فعل تھا' اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت ربانی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی نہ ہوئی' دشمن ان پر چھا گیا' انہیں نقصان پہنچا' ان کے آدمی شہید ہوئے' تو یہ گھر بیٹھا پھولتا ہے اور اپنی دانائی پر اکڑتا ہے' اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام گنتا ہے۔ لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا اس سب سے یہ بدنصیب یک لخت محروم رہا۔ اگر یہ ہوتا تو یہ غازی کا درجہ پاتا اور اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا' یا شہادت کے بلند مرتبہ تک پہنچ جاتا۔ اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا فضل مل گیا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آ گئے' ان کی فتح ہوئی' دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لونڈی غلام لے کر خیر و عافیت' ظفر و نصرت کے ساتھ لوٹے تو اب یہ انگاروں پر لوٹتا ہے اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتاتا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ کبھی تمہارا تھا ہی نہیں' گویا اس کا دین ہی اور ہے۔ کہتا ہے ہائے ہائے میں ان کے ساتھ نہ ہوا اور نہ مجھے بھی حصہ ملتا۔ لونڈی غلام والا مال متاع والا بن جاتا۔ الغرض دنیا ہی پر ریجھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہیئے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کئے دے رہے ہیں' اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! راہ اللہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ قتل کیا گیا تو اجر موجود' غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ تعالیٰ ہے' یا تو اسے فوت کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا' فالحمد للہ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوانوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو مرد عورتیں اور ننھے ننھے بچے یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہماری لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو یقین مانو کہ شیطانی حیلہ بالکل بودا اور سخت کمزور ہے۔

مظلوم مسلمانوں کی مدد کیلئے جہاد فرض ہے: اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی راہ کے جہاد کی رغبت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ کمزور بے بس لوگ جو مکہ میں ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہیں جو وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں۔ جن پر کفار نت نئی آفتیں توڑ رہے ہیں جو محض بے بال و پر ہیں، انہیں آزاد کراؤ، جو بے کس دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اس بستی یعنی مکہ سے ہمارا نکال ہو۔ مکہ شریف کو اس آیت میں بھی قریہ کہا گیا ہے۔ ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ﴾ یعنی بہت سی بستیاں اس بستی سے کہیں زیادہ طاقت و قوت والی تھیں جس بستی نے یعنی بستی والوں نے تجھے نکالا۔ مکہ کے رہنے والے کافروں کے ظلم کی شکایت وہ کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں کہ اے رب ہمارا ولی اور مددگار اپنے پاس سے مقرر کر۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں اور میری والدہ بھی انہیں کمزوروں میں تھے اور روایت میں ہے کہ آپ نے ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ﴾ پڑھ کر فرمایا میں اور میری والدہ صاحبہ بھی انہیں لوگوں میں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا ہے۔

پھر فرماتا ہے ایماندار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے اور اس کی رضاجوئی کے ماتحت جہاد کرتے ہیں اور کفار اطاعت شیطان میں لڑتے ہیں۔ تو مسلمانوں کو چاہئے کہ شیطان کے دوستوں سے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں دل کھول کر جنگ کریں اور یقین مانیں کہ شیطان کے ہتھکنڈے، اس کے مکر و فریب نقش بر آب ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ

يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دی۔ تو کہہ دے کہ دنیا کی سود مندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیز گاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے۔ تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آپکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو۔ انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ انہیں کہہ دو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔ تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بس ہے سامنے دیکھتا۔

جہاد سے جی نہ چرانا' جب جہاد کی طاقت نہ ہو تو: واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتداء اسلام میں جب کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے کمزور تھے' کم تھے' حرمت والے شہر میں تھے کفار کا غلبہ تھا یہ انہی کے شہر میں تھے وہ بکثرت تھے جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے' اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں' ان کی مخالفت برداشت کریں' ان کے ظلم و ستم سہ لیا کریں' جو احکام رب نازل ہو چکے ہیں ان پر عامل رہیں نمازیں ادا کرتے رہیں' زکوۃ دیتے رہا کریں۔ گو ان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ مصلحت خداوندی کا اقتضایہ تھا کہ سر دست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر و سہار سے کام لیں۔ ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے مسلمانوں کے نام میں دم کر رکھا تھا۔ اسلئے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ ان روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے' دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے' لیکن اب تک حکم نہ ہوا۔ جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین' زر رشتہ' کنبہ اللہ تعالیٰ پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ مکرمہ سے بھاگ کھڑے ہوئے' مدینہ طیبہ پہنچے یہاں انہیں اللہ نے ہر طرح کی سہولت دی امن کی جگہ دی' امداد کے لئے انصار مدینہ مل گئے' تعداد میں کثرت ہو گئی' قوت طاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی کہ ہاں اپنے لڑنے والوں سے لڑو۔ جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹ پٹائے خوف زدہ ہوئے' جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کئے جانے کا سین عورتوں کے رنڈاپے کا خیال بچوں کی یتیمی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ اے اللہ ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ﴾ مختصر مطلب

یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں' ان پر افسوس ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہ! ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی حکم برداری ضروری ہے اور آپ ﷺ مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرات بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہ دیں) لیکن آپ ﷺ نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگزر کریں خبردار کافروں سے جنگ نہ کرنا۔ پھر جب مدینہ کی ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ رکنے لگے' اس پر یہ آیت اتری (نسائی' حاکم' ابن مردویہ)۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو' جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا' کیوں ہمیں اپنی موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور ساتھ ہی بہت ہی کم ہے ہاں آخرت متقیوں کے لئے دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جواباً کہا گیا کہ پرہیزگاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے کامل اجر ملے گا ایک نیک عمل بھی غارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جا رہی ہے اور آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے' ساری دنیا اول سے آخر تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ ابو مصہر رحمہ اللہ کا یہ کلام کتنا پیارا ہے۔

﴿ وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ ۔۔۔ مِنَ اللّٰهِ فِيْ دَارِ الْمَقَامِ نَصِيْبٌ ﴾

﴿ فَإِنْ تُعْجِبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَإِنَّهَا ۔۔۔ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيْبٌ ﴾

یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو دنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ ریجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آخرش موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہی ہے کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا' جیسے فرمان ہے ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴾ جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں اور جگہ ارشاد ہے ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ ہر ہر جاندار مرنے والا ہے۔ فرماتا ہے ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لئے ہم نے ہیشگی کی زندگی مقرر نہیں کی۔

مقصد یہ ہے کہ خواہ کوئی جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ تعالیٰ کے سوا موت کا مزہ تو ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت جب کہ آپ بستر مرگ پر ہیں فرماتے ہیں قسم اللہ کی فلاں فلاں جگہ غرض بیسیوں

لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں میں گیا ثابت قدمی پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نشان نیزے یا برچھے تیر یا بھالے کا تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی اب دیکھو اپنے بستر پر اپنی موت مر رہا ہوں' کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد میری ذات سے سبق سیکھیں۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے: پھر فرمایا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعضوں نے کہا ہے مراد اس سے آسمان کے برج ہیں' لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گو زینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی جمع کرلے تاہم اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے۔﴿ مُشَيَّدَةٍ بتشدید اور مَشِيْد ﴾ بغیر تشدید ایک ہی معنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ اوّل کا معنی مطول دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بزبان حضرت مجاہدؒ مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ۔ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا۔ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے۔ کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرائے گی پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے اسی سے اسکا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا اب ایک زمانہ گزر گیا ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی' بد چلنی میں پڑ گئی' ادھر وہ ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو اس سے میرا نکاح کرا دو۔ یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی یہیں پیغام ڈالا' منظور ہو گیا نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے یہاں آ بھی گئی' دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔

ایک دن ذکر اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا آخر آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں یہاں کیسے آ گئے وغیرہ۔ اسنے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا وہاں سے اسکی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں' تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے میں وہی ہوں یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی' خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے میں تیرے لئے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں اسی میں تو رہ تا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی۔ عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ جب ہی سہی کہ میں اس کی جان لوں۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ وہ پکڑ کر لائے' اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا اس کی جان

نکل گئی' اس میں سے چیپ جو نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر پڑا اس کا زہر چڑھا پیر سیاہ پڑ گیا اور اسی میں آخر مر گئی۔

حضرت عثمانؓ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپؓ نے امت محمد یہ ﷺ کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں۔

حضر کے بادشاہ ساطرون کو کسریٰ سابور ذوالاکتاف نے جو قتل کیا وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں۔ ابن ہشام میں ہے جب سابور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی اس کے بدلے میں اس نے جب چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا۔ دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایک روز ساطرون کی بیٹی نضیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی جو اچانک اس کی نظر سابور پر پڑ گئی۔ یہ اس وقت شاہانہ پر تکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا۔ نضیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو' چنانچہ اس نے خفیہ پیغام بھیجنے شروع کئے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر سابور کا قبضہ کرادے تو سابور اس سے اپنا نکاح کر لے گا۔ اسکا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا ساری رات اس کی نشہ میں کٹتی تھی۔ اس کی لڑکی نے موقعہ پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سرہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں چپکے سے نکال لیں اور اپنے ایک بھروسے دار غلام کے ساتھ سابور تک پہنچا دیں۔ جس سے اس نے دروازہ کھول لیا اور شہر میں قتل عام کرایا اور قابض ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا طریقہ اسے بتلا دیا کہ ایک چت کبرا کبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو پھر اس کبوتر کو چھوڑ دو وہ جا کر اس قلعہ کی دیوار پر بیٹھے فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھاٹک کھل جائے گا۔

چنانچہ سابور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا تمام لوگوں کو تہ تیغ کیا اور سارے شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ایک رات جب کہ یہ لڑکی نضیرہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اسے نیند نہیں آرہی تھی تلملا رہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو سابور نے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا شاید بستر میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آرہی۔ شمع جلائی گئی بستر ٹٹولا گیا تو آس کی ایک پتی نکلی۔ سابور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بستر میں ہونے کی بناء پر اسے نیند نہیں آئی۔ پوچھا کہ تیرے والد کے ہاں تیرے لئے کیا ہوتا تھا۔ اس نے کہا صرف نرم ریشم کا بستر تھا صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی یہ انتظام میرے باپ نے میرے لئے کر رکھا تھا۔ یہ تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا۔

ان باتوں نے سابور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا اس کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کرایا اس کے ملک کو تاخت و تاراج کرایا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہیے۔ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے' اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہی ہوا گھوڑا بدکا بھاگا اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعراء نے نظم بھی کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر انہیں ترسالی پھلواری اولاد و کھیتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے تنگ روزی موت اور کمی اولاد و مال کی اور کھیت اور باغ کی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہے نبی کی تابعداری کا یہ فائدہ ہے

مسلمان ہونے کا یہ پھل ہے دیندار بننے کا۔ فرعونی بھی اسی طرح برائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کی طرف سے بد شگونی لیا کرتے تھے۔

جیسے کہ قرآن نے اور جگہ اس کا ذکر کیا ہے ایک آیت میں ہے۔ ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر عبادت الٰہی کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیں کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں سرک جاتے ہیں یہ ہیں جو دونوں جہان میں برباد ہوں گے۔ پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور پیٹ کے کھوٹے ہیں برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہوا اور مچل گئے کہ یہ تو اسلام کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔ سدیؒ فرماتے ہیں۔

﴿ حَسَنَه ﴾ سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا' جانوروں میں زیادتی ہونا' بال بچے بکثرت ہونا' خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے۔ اگر یہ ہوتا تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا ہے تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ ﷺ کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری طرف سے ہے۔ یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبی ﷺ کی تابعداری اختیار کی اس لئے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں پڑ گئے۔ پس پروردگار انکے ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قضاء وقدر ہر بھلے برے فاسق فاجر نیک وبد مومن کافر پر جاری ہے۔ بھلائی برائی سب اس کی طرف سے ہے۔

پھر ان کے اس قول کی جو محض شک وشبہ کم علمی بے وقوفی' جہالت' اور ظلم کی بناء پر ہے تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے انہیں کیا ہو گیا۔ جو بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان میں سے جاتی رہی۔ ایک غریب حدیث جو ﴿ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ ﴾ کے متعلق ہے اسے بھی سنئے۔

بزار میں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور حضور ﷺ کے قریب آکر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے دریافت کیا تیز تیز گفتگو کیا ہو رہی تھی۔

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ (حضرت) ابو بکرؓ تو کہہ رہے تھے نیکیاں اور بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی بحث اول حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیلؑ میں ہوئی تھی میکائیل وہی کہتے تھے جو ابو بکر کہہ رہے ہیں اور جبرئیل وہ کہہ رہے تھے۔ جو اے عمرؓ تم کہہ رہے ہو' پس آسمان والوں میں ہی جب کہ اختلاف ہو تو زمین والوں میں تو ہونا ہی تھا' آخر (حضرت) اسرافیلؑ کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سیئات دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے دونوں بزرگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کی جانے کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس حضرت ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے اور مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل لطف رحمت ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے' جیسے اور آیت

میں ہے ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے بعض اعمال کی وجہ سے ہے۔ اور ابھی تو اللہ تعالیٰ بہت سی بداعمالیوں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔

﴿ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾ سے مراد بسبب گناہ ہے، یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے چھل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے جسے پسینہ آجائے وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے۔ جنہیں معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت سارے ہیں۔ اس مرسل حدیث کا مضمون ایک متصل صحیح حدیث میں بھی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایماندار کو غم و رنج تکلیف و مشقت پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ جو کانٹا بھی لگتا ہے اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ ابو صالح ؒ فرماتے ہیں مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے۔ اس کا باعث تیرا گناہ ہے ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ آپ ہے۔

حضرت مطرف بن عبداللہ ؒ فرماتے ہیں تم تقدیر کے بارے میں کیا چاہتے ہو، کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں۔ پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی قسم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ نہیں دیئے گئے۔ انہیں حکم دیئے گئے ہیں اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں۔ یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔

قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی ﷺ! شریعت کی تبلیغ کرنا ہے اسکی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے، اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی تیرے ان کے درمیان جو رہا ہے اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ جس طرح عناد اور تکبر تیرے ساتھ برتتے ہیں اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْھُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

اس رسول کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کی ایک جماعت جو کہہ گئی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے، ان کی راتوں کی بات چیت اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے۔ تو ان کی طرف التفات بھی نہ کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ میرے بندے اور رسول (حضرت) محمد ﷺ کا اطاعت گزار صحیح معنی میں میرا اطاعت گزار ہے۔ آپ ﷺ کا نافرمان میرا نافرمان ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، جو فرماتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو میری ماننے والا ہے اللہ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔

پھر فرماتا ہے جو منہ موڑ کر بیٹھ رہے تو اس کا گناہ اے نبی ﷺ! آپ نہیں۔ آپ ﷺ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ نیک نصیب مان لیں گے نجات اور اجر حاصل کر لیں گے ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ ﷺ کو بھی ہو گا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر اس نیکی کے معلم آپ ﷺ ہیں' اور جو نہ مانے نہ عمل کریں تو نقصان اٹھائے گا' بد نصیب بنے گا اپنی بوجھوں آپ مرے گا اس کا گناہ آپ ﷺ پر نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے سمجھانے بجھانے راہ حق دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا رشد و ہدایت والا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار موافقت کا اظہار ہے۔ لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پہنچے کہ ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چپ چپاتے سرگوشیاں کرنے بیٹھ گئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدگیوں چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان سب کرتوتوں اور ان تمام باتوں کو اس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پس انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے ؟اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے ؟ جو تم ظاہر باطن یکساں نہیں رکھتے' ظاہر باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا۔

اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا﴾

پھر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ ان سے درگزر کیجئے بردباری برتیئے ان کی خطا معاف کیجئے ان کا حال ان کے نام سے دوسروں کو نہ کہئے' ان سے بالکل بے خوف رہئے' اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو اس پر بھروسہ کرے جو اس کی طرف رجوع کرے اسے وہ کافی وافی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔ جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا۔ اگر یہ لوگ اسے رسول ﷺ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

قرآن حکیم تعارض سے پاک کتاب ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور فکر تامل تدبر سے

پڑھیں‘ اس سے اعراض نہ کریں بے پرواہی نہ برتیں اس کے مضبوط مضمون اس کے حکمت بھرے احکام اس کے فصیح و بلیغ الفاظ کو سوچیں۔ ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب اختلاف اضطراب تعارض اور تضاد سے پاک ہے اس لئے کہ حکیم و حمید اللہ کا کلام ہے‘ وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے۔ چنانچہ اور جگہ فرماتا ہے۔ ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ یہ لوگ کیوں قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے‘ کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین کا اور منافقین کا زعم ہے اگر یہ فی الواقع کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہوتا کوئی اور اس کا قائل ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں لوگوں کو اختلاف ملتا‘ یعنی ناممکن ہے کہ انسانی کلام اضطراب و تضاد سے سالم ہو‘ پھر تو یہ ہوتا کہ کہیں کچھ پاتے اور کہیں کچھ اور یہاں ایک بات کہی آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ پس اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور جگہ پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے اسی لئے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پا لیتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ محکم کو متشابہ کی طرف لوٹا کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اول قسم والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان کی گئی ہے۔ عمرو بن شعیب ﴿ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ ﴾ والی حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں بیٹھے کہ سرخ اونٹوں کا مل جانا بھی اس کے پاسنگ میں بھی نہیں۔ ہم دونوں آئے دیکھا کہ حضور ﷺ کے دروازے پر چند بزرگ صحابہؓ کھڑے ہوئے ہیں ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے‘ ان میں قرآن کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا۔ اور کچھ اختلاف تھا آخر بات بڑھ گئی۔ اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا‘ ان پر مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے بس خاموش رہو تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء پر اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری آیت کے خلاف بتلا دیا‘ یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک ایک آیت دوسری کی تصدیق کرتی ہے تم جسے جان لو عمل کرو جسے نہ معلوم کر سکو اسے اس کے جاننے والے کے لئے چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے۔ کہ صحابہؓ تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ کاش میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں دوپہر کے وقت حاضر حضور ﷺ ہوا میں بیٹھا ہی ہوں جو ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوا اور آوازیں اونچی ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا۔ (مسند احمد)۔

افواہوں کے متعلق ایک اہم اصول: پھر ان جلد باز لوگوں کو روکا جا رہا ہے۔ جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق اسے ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو۔ صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرنے لگ جائے۔ ابو داؤد میں بھی یہ روایت ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیل و قال سے منع فرمایا یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ برا فعل ہے کہ یوں کہتا پھرے لوگوں نے یہ خیال کیا یہ کہا۔ اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے وہ بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔ یہاں پر ہم حضرت عمرؓ والی روایت کا وارد کرنا بھی مناسب جانتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو آپ ﷺ اپنے گھر سے چلے مسجد میں آئے یہاں بھی لوگوں کو یہ کہتے سنا تو بذات خود رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور خود

آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا غلط ہے چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپؓ آئے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے رہ کر با آواز بلند فرمایا لوگو! رسول مقبول ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حضرت عمرؓ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی۔

استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے ٹھکانے اور مخزن سے نکالنے کو جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں ﴿ اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ ﴾ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب بجز کامل ایماندار لوگوں کے شیطان کے تابعدار بن جاتے۔ ایسے موقعوں پر یہ بھی معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل، چنانچہ عرب کے ایسے شعر بھی ہیں۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ﴿٨٥﴾ وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

النصف ١١ ع ٨

تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہ تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے ہاں! ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔ جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا۔ اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کی مدد مجاہدین کے شامل حال ہے: رسول اللہ ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ خود اپنی ذات سے راہ اللہ میں جہاد کریں اگرچہ کوئی بھی آپ ﷺ کا ساتھ نہ دے۔ ابو اسحٰقؒ حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان تنہا اکیلا ہو اور دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو منع ثابت ہوتا ہے 'اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ تو حضرت براءؓ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی ترغیب دیتا رہ (ابن ابی حاتم)۔ مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنے والا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے پس

تم بھی جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے مومنوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا۔ چنانچہ بدر والے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا اٹھ کھڑے ہو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے۔ جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں' بخاری میں ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے نماز قائم کرے زکوۃ دیتا رہے۔ جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے نماز قائم کرے زکوۃ دیتا رہے رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ! کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں ہے' درجے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کئے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں' پس جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد ﷺ کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے حضور ﷺ! دوبارہ ارشاد ہو۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین آسمان میں ہے۔ پوچھا وہ عمل کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ کا جہاد۔

پھر فرماتا ہے جب آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں گے مسلمان آپکی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے گی اللہ تعالیٰ کفر کا دھڑ توڑ دے گا کفار کی ہمت پست کر دے گا انکے حوصلے نہ پڑیں گے کہ تمہارے مقابلہ میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جنگی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت سزا دینے والا کوئی نہیں' وہ قادر ہے کہ دنیا میں ہی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب کرے اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا نْتَصَرَ مِنْهُمْ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے' لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے' جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بد نتیجہ برآمد کرے اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی اس کا بوجھ ہو گا۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں سفارش کرو اجر پاؤ گے اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے۔ یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس مہربانی کو بھی دیکھئے کہ فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے یا نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا حافظ ہے' ہر چیز پر حاضر ہے' ہر چیز کا حساب لینے والا ہے' ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز پر ہیشگی کرنے والا ہے' ہر ایک کو روزی دینے والا ہے' ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

سلام کرنے کے احکام و آداب: مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو' یا کم سے کم انہیں الفاظ کو دوہرا دو۔ پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے۔ ابن جریر میں ہے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ ﴾ پھر دوسرا آیا اس نے کہا ﴿ اَسَلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ ﴾ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ﴿ وَ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ ﴾ پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے کہا ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ ﴾ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ﴿ وَ عَلَيْكَ ﴾ تو اسنے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ! فلاں اور فلاں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب کچھ زیادتی کے ساتھ دیا جو مجھے نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ہمارے لئے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا'

فرمان خدا ہے جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو اس لئے ہم نے وہی الفاظ لوٹا دیئے۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح معلق مروی ہے۔ اسے ابو بکر ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں اس سے زیادتی نہیں۔ اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔

مسند احمد میں ہے ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور ﴿ السلام علیکم یا رسول الله ﴾ ﷺ! کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں ملیں' دوسرے آئے اور ﴿ السلام علیکم و رحمة الله ﴾ یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں۔ پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔

امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسی کو لوٹا دینا اہل ذمہ کے لئے" ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا نظر ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گزر چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کے سلام سے اچھا جواب دے اور اگر مسلمان سلام کے سبھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا انہی کو لوٹا دے۔ ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتدا کرنا تو ٹھیک نہیں' اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے۔ بخاری و مسلم میں ہے جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو' یہ کہہ دیتے ہیں ﴿ اَلسَّامُ عَلَيْكَ ﴾ تو تم کہہ دو ﴿ وَ عَلَيْكَ ﴾ صحیح مسلم میں ہے یہود و نصاری کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈ بھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطرب کر دو۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے۔ اور علماء کرام کا فرمان بھی یہی ہے پس اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہو گا اس لئے کہ جواب سلام اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت میں اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمناً قسم بھی ہے' اسی لئے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے' تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام اگلوں پچھلوں کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں' اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے' وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی مربی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَـكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾ ع

تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے۔ اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو‘ جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔ ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ‘ پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں۔ خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا‘ سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی۔ تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں‘ پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کی سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مار دو جہاں کہیں بھی پالو۔ یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے۔

منافقوں کے بارے میں صحابہؓ کا مختلف موقف: اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس امر میں مسلمانوں کے دو قسم کے خیالات ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ ﷺ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے‘ ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں‘ اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شہر طیبہ ہے یہ خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے (بخاری و مسلم)۔ ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا‘ عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پھر سات سو ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے یہ اپنی کسی ضروری حاجت کے لئے مکہ سے نکلے‘ انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسول ﷺ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہو گی کیونکہ بظاہر کلمہ کے قائل تھے‘ ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض تو کہنے لگے ان نامردوں سے پہلے جہاد کر دیں ہمارے

دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعضوں نے کہا سبحان اللہ' جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا آپ ﷺ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذؓ کے لڑکے فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذا سے بچائے' اس پر اوس وخزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا' ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں' یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں اس قدر عداوت ان کے دلوں میں ہے' تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں انہیں اپنا نہ سمجھو' یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں' بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔ پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنا کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان صلح وسلوک ہے تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔ سراقہ بن مالک مدلجی کہتے ہیں جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہو گئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ ﷺ کو احسان یاد دلاتا ہوں' لوگوں نے مجھ سے کہا خاموش رہ لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اسے کہنے دو' کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ ان سے صلح کر لیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ چڑھائی نہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کر آؤ۔ پس اس بات پر صلح ہو گئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں' اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے' پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو۔ یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور اس میں ہے آیت ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ ﴾ نازل ہوئی' پس جو بھی ان سے مل جاتا وہ انہیں کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔

صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا مکی کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ پھر ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن بے چارے بے بس ہوتے ہیں وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ بچولیاں لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جاتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یکسو ہو جائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے جیسے حضرت عباس وغیرہ۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ

ﷺ نے حضرت عباسؓ سے قتل کو منع فرما دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ پھر ایک اور گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت بل ہے یہ لوگ منافق ہیں حضور اکرم ﷺ کے پاس آکر اسلام ظاہر کر کے اپنے جان مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں ادھر کفار میں مل کر ان کے معبودان باطل کی پرستش کر کے ان میں سے ہونا ظاہر کر کے ان سے ملے رہتے ہیں تاکہ ان کے ہاتھوں بھی امن میں رہیں دراصل یہ لوگ ہیں کافر جیسے اور جگہ ہے اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں جا کر کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب بھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو بڑی کھول کر پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں جیسے کوئی اوندھے منہ گرا ہوا ہو۔ فتنے سے مراد یہاں شرک ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ لوگ بھی مکہ والے تھے یہاں آکر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان کے بت پوجتے تھے' تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی اس دوغلی روش سے باز نہ آئیں تمہیں ایذا رسانی سے الگ نہ ہوں صلح نہ کریں تو انہیں امن امان نہ دو ان سے بھی جہاد کرو' انہیں قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ بزن بولو' بے شک ان پر ہم نے تمہیں ظاہر غلبہ اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادگی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان' تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادگی' پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قتل خطا کی دیت اور قتل عمد کا بیان: ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ﷺ

ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں، مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا۔ دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو، تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے فرقت کرنے والا پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں امام یا نائب امام کا یہ منصب ہے۔ اسکے بعد استثناء منقطع ہے، عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابو جہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس کی ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے، اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جیسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی، ان کا نام حارث بن یزید غامدی تھا، حضرت عیاشؓ کے دل میں یہ خار رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاشؓ کو یہ معلوم نہ تھا، فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑ گئے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار تانی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا، جب حضور اکرم ﷺ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداءؓ نے اپنا یہ عذر بیان کیا اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے۔ پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا۔ اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہو گا، چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہو گا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو۔ امام ابن جریرؒ کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔

ایک انصاریؓ سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور اکرم ﷺ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں۔ آپ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں۔ یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اسطرح ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں۔ دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ ایماندار ہے۔ پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خون بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا، یہ عوض ہے ان کے مقتول کا۔ یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی۔ یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بروایت حضرت عبد اللہؓ موقوف بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے، یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے، اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں اس امر میں کسی کو مخالف نہیں جانتا کہ حضور اکرم ﷺ نے دیت کا فیصلہ انہیں لوگوں پر کیا ہے

اور یہ حدیث خاصہ سے اکثر ہے۔ امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں' بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں ایک نے دوسری کو ایک پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی' قصہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بچہ کے عوض تو ایک جان لونڈی یا غلام اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے رشتے داروں کے ذمے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے' یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم ثلث پر ہو گی تین حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے بنو خزیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ نادانستگی بجائے ﴿ اَسْلَمْنَا ﴾ یعنی ہم مسلمان ہونے کے ﴿ صَبَانَا ﴾ کہا یعنی ہم بے دین ہوئے۔ خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کی یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور براءت تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جو ان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہو گا۔

پھر فرماتا ہے خون بہا جو واجب ہے اگر اولیاء مقتول از خود اس سے دست برداری کریں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اسکے اولیاء حربی کافر ہوں تو قاتل پر دیت نہیں' قاتل پر اس صورت میں صرف آزادگی گردن ہے اور اگر اس کے والی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی' اگر مقتول مومن تھا تو کامل خون بہا' اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت ہے بعض کے نزدیک آدھی بعض کے نزدیک تہائی' تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو۔ اور قاتل پر مومن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اسکے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگاتار پے در پے رکھنے ہوں گے۔ اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں۔ پھر فرماتا ہے قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے' اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو وہ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے یا نہیں' تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفارے میں ہے' وہاں صاف بیان فرما دیا یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت و عظمت اتنی باقی نہ رہتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں' اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا' حاجت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا ٹھیک نہیں (بظاہر قول ثانی ہی اچھا معلوم ہوتا ہے' واللہ اعلم۔ مترجم)۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اس کی تفسیر کئی مرتبہ گزر چکی۔

عمداً قتل کرنے والے کی توبہ صحابہ کا مؤقف: قتل خطا کے بعد اب قتل عمد کا بیان ہو رہا ہے' اس کی سختی برائی اور نہایت تاکید والی ڈراونی وعید فرمائی جا رہی ہے یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے فرماتا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمان ہے ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ یہاں بھی اللہ تعالیٰ حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیثیں بھی اس باب میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ مسلم و بخاری میں ہے سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت

کے دن ہو گا۔ ابو داؤد میں ہے ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں پڑا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے ساری دنیا کا زوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے' اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔ اور حدیث میں ہے جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی اعانت کی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا تو قول ہے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔ اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیرؒ ابن عباسؓ کے پاس آکر دریافت کرتے ہیں' آپ فرماتے ہیں یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا' اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ ﴾ جس میں توبہ کا ذکر ہے وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں۔ حضرت مجاہدؒ سے جب یہ قول ابن عباسؓ بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نادم ہو۔ سالم بن ابو الجعدؒ فرماتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ جب نابینا ہو گئے تھے ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے اس نے پھر پوچھا اگر وہ توبہ کرے نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے اس کی ماں اسے روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے میں نے تمہارے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے اس کی ماں اسے روئے جس نے مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا' اس کی رگوں میں خون اچھل رہا ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری۔ اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی وحی اترے گی۔ حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ' عبید بن عمیرؒ' قتادہؒ' ضحاکؒ بھی حضرت ابن عباسؓ کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے لائے گا' دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو گا اور کہے گا میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا' پروردگار اس لئے کہ تیری عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا اور یہی کہے گا۔ قاتل جواباً کہے گا اس لئے کہ فلاں کی عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے اس کا گناہ وہ لے کر لوٹا۔ پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ جس گڑھے میں ستر سال تک تو نیچے ہی چلا جائے گا۔

مسند احمد میں ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے' لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا' دوسرا وہ جو کسی مومن کا قصداً قاتل بنا۔ ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے۔ محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ سند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ حمید کہتے ہیں میرے پاس ابو العالیہ آئے۔ میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے۔ ہم سے کہنے لگے تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ حفظ والے ہو' آؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت بشر سے فرمایا انہیں بھی وہ

حدیث سنادو۔ انہوں نے سنانی شروع کی کہ عقبہ بن مالک لیثیؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا۔ اس نے ایک قوم پر چھاپہ مارا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا' اس کے پیچھے ایک لشکری بھاگا' جب اس کے قریب ننگی تلوار لئے ہوئے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی۔ اس واقعہ کی خبر حضور اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور سخت سست کہا۔ یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی۔ ایک روز رسول اکرم ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا حضور اکرم ﷺ! اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لئے کہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سناتے رہے۔ اس نے دوبارہ کہا۔ آپ ﷺ نے پھر منہ موڑ لیا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا تیسری بار کہا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپ ﷺ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی' فرمانے لگے قاتل مومن پر اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ تین بار یہی فرمایا۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا خشوع خضوع میں لگا رہا نیک اعمال کرنے لگ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ کا احتمال ہی نہیں اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور اس آیت کو مومنوں کے بارے میں خاص کرنا یہ ظاہر کے خلاف ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے' واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ﴾ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے خواہ کفر و شرک ہو خواہ شک و نفاق ہو خواہ قتل و فسق ہو کچھ ہی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف مائل ہو گا جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔ فرماتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں' اس کے سوا تمام گناہ جسے چاہے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کریمی کے صدقے جائیے کہ اسی سورت میں اسی آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تاکہ بندوں کو اس کی کامل مغفرت کی کامل امید بندھ جائے' واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم کی وہ حدیث بھی اس موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کئے تھے' پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہو؟ اور اسے کہتا ہے کہ تو اس بدمستی کو چھوڑ کر نیکوں کے شہر میں جا بس۔ چنانچہ یہ ہجرت کرتا ہے اور راستے ہی میں فوت ہو جاتا ہے اور رحمت کے فرشتے اسے لے جاتے ہیں۔ یہ حدیث پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ میں قاتل کی توبہ کے دروازے بند کیوں ہوئے' ان پر تو ہم سے بہت زیادہ پابندیاں تھیں' جن سب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمۃ للعالمین جیسے سردار انبیاء کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسانیوں اور راحتوں والا سیدھا صاف اور سہل ہے۔ پس اب یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی سزا یہ ہے اگر اسے سزا دے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ اور سلف کی ایک جماعت یہی فرماتی ہے۔ بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردویہ میں ہے' لیکن سنداً وہ صحیح نہیں' اور اسی طرح ہر وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں بیان ہوا۔ یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور احتیاط والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور قاتل کے جہنم میں جانے کی تقدیر پر بھی' خواہ وہ بقول ابن عباسؓ وغیرہ توبہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو خواہ بقول جمہور دوسرا نیک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو' وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے۔ جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے برابر بھی ایمان ہو گا۔ اور اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل مومن کے معاف فرما دے' اس میں عسی ترجی کا ہے تو ان دونوں صورتوں میں ترجی یعنی امید گو اٹھ جائے پھر بھی وقوع یعنی ایسا ہونا ان دونوں میں سے ایک میں نہیں اٹھتا اور وہ قتل ہے۔ کیونکہ شرک و کفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا۔ اور جو احادیث گزریں جن میں ہے کہ قاتل کو مقتول لے کر آئے گا' یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ چونکہ اس میں انسانی حق ہے' وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس میں جس طرح قتل ہے اسی طرح چوری ہے' غصب ہے' تہمت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کی صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادائیگی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور و قصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگزر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ تعالیٰ بخش دے وغیرہ' واللہ اعلم۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لئے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا﴾ جو ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے' انہیں اختیار ہے کہ یا تو بدلہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں' یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے۔ جو تین قسموں پر ہے' تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ اور تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے اور چالیس گیابھن اونٹنیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔

اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور علماء کی ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ جب خطا میں یہ ہے تو عمد میں بطور اولے ہونا چاہیئے' اور ان پر جواباً جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا عذر عمداً چھوڑ دی ہوئی نماز کی قضاء کو بنایا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے خطا میں۔

امام احمدؒ کے اصحاب اور دوسرے کہتے ہیں قتل عمد کفارے سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے' اس لئے اس میں کفارہ نہیں۔ اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لئے ان دونوں صورتوں میں اور عمداً چھوڑی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ عمداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگلی جماعت کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت واثلہ بن اسقعؓ کے پاس آئے اور کہا کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر جب پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے آپ نے جو سنی ہو۔ کہا ہم حضور اکرم ﷺ کے پاس اپنے میں سے ایک آدمی کی بابت گئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے تئیں جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو' اس کے ایک ایک عضو کے بدلہ اس کا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کرے گا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں' پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

ترمذی وغیرہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور سلام کیا تو صحابہؓ آپس میں کہنے لگے یہ مسلمان تو ہے نہیں صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے' چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن کچھ نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی سے سوائے اس طریقے کے اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے میں بھی تامل ہے' اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں محلم بن جثامہ کے بارے میں اتری ہے بعض کہتے ہیں اسامہ بن زیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ سب کلام مردود ہے' سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے' عکرمہؒ سے صحیح میں دلیل لی گئی ہے۔ یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ سعید ابن منصور میں بھی مروی ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ راستے میں اسے حضور اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک ہزار دینار دیئے اور دیت ادا کی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا' اس پر آیت اتری۔

محلم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبط اشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے' پاس پہنچ کر سلام کیا' سب تو رک گئے لیکن محلم بن جثامہ نے کچھ آپس کی بناء پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ انہیں قتل کر ڈالا اور اسباب قبضہ میں کر لیا۔ پھر ہم حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا' اس پر یہ آیت اتری۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا۔ لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محلم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے کہا سنا' لیکن عیینہ نے کہا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ محلم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے' اس امید پر کہ حضور اکرم ﷺ ان کے لئے استغفار کریں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے۔ یہ یہاں سے سخت نادم شرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو

پوچھتے جاتے تھے۔ سات روز بھی نہ گزرنے پائے تھے جو انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے' اور یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر)۔

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقدادؓ سے فرمایا جب کہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان لانے والا تھا اسے قتل کر دیا تھا باوجودیکہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا کہ تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ بزار میں یہ واقعہ پورا اسی طرح مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقدادؓ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی کہا ﴿ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ لیکن تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا مقداد تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گا۔ جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد کو بلوایا اور فرمایا تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کے سامنے کیا کرو گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا؟

پھر فرماتا ہے کہ جس غنیمت کے لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک وشبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو' سنو یہ غنیمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا۔ اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ قوم میں چھپے لکے پھرتے تھے' آج اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا' تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو' تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکے' جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں تمہیں تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ ﴾ یاد کرو جب کہ تم کم تھے کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا اسی طرح اس سے پہلے جب کہ بے سروسامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے ایمان چھپائے پھرتے تھے۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے' اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا' کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔ جو تم کر رہے ہو وہ سب کی پوری خبر رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ع ۱۴

اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے' لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔ اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں۔ آپ ﷺ حضرت زید ؓ کو بلا کر اسے لکھوا رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم ؓ نابینا آئے اور کہنے لگے حضور! میں تو نابینا ہوں۔ اس پر الفاظ ﴿ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ﴾ نازل ہوئے یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زید ؓ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ابن ام مکتوم ؓ نے فرمایا تھا' یا رسول اللہ ﷺ! اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی ران حضرت زید ؓ کی ران پر تھی' اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا کہ ران ٹوٹ جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور سکینت آپ ﷺ پر نازل ہوئی میں آپ ﷺ کے پہلو میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ بوجھ مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز کوئی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے عَظِيْمًا تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتوم ؓ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔ حضرت زید ؓ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھائے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں مراد بدر کی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ آ کر حضور اکرم ﷺ سے کہنے لگے کہ ہم دونوں نابینا ہیں کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ پس مجاہدین کو جن بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے وہ وہ ہیں جو صحت و تندرستی والے ہوں۔ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن پھر اسی وحی سے ... الفاظ اترے اس نے ان لوگوں کو جنہیں مباح عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے مستثنیٰ کر لیا' جیسے اندھے لنگڑے لولے اور بیمار یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔ پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ بھی ان لوگوں پر ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوں جیسے کہ ابن عباس ؓ کی تفسیر گزری' اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔ صحابہ ؓ نے کہا باوجودیکہ وہ مدینے میں مقیم ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے۔ اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظوم کیا ہے؟

﴿ يَا رَاحِلِيْنَ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ لَقَدْ سِرْتُمْ جُسُوْمًا وَّسِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحَا ﴾

﴿ انا اقمنا علی عذر وعن قدر ومن اقام علی عذر فقد راحا ﴾

”یعنی اے اللہ تعالٰی کے گھر کے حج کو جانے والو! گو تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں' سنو بے طاقتی اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے' اور یہ ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں“

پھر فرماتا ہے ہر ایک سے اللہ تعالٰی کا وعدہ جنت کا اور بہت بڑے اجر کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ پھر ارشاد ہے' مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے' اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالٰی نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کئے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں۔ اور حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی راہ میں تیر چلائے اسے جنت کا درجہ ملتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا درجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالا خانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّھَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُھَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے' یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ مجبور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالٰی کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے پہنچنے کی۔ مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی ان سے درگزر کرے۔ اللہ تعالٰی درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے' جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی' جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالٰی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہو پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالٰی کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے۔

جہاں اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے: محمد بن عبدالرحمن الاسودؒ فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں میرا نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباسؓ کے مولی حضرت عکرمہؒ سے ملا اور اس

بات کا ذکر کیا' تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا اور کہا سنو! حضرت ابن عباس ؓ سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے' بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی کسی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جب کہ وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آ گئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں ان میں سے بعض مارے گئے۔ جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے۔ ان کے لئے استغفار کرنے لگے' اس پر یہ آیت اتری۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہیں تھا۔ کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا۔ پس یہ آیت اتری ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ حضرت عکرمہ ؓ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکہ میں ہی۔ ان میں علی بن امیہ بن خلف اور ابو قیس بن ولید بن مغیرہ اور ابو منصور بن حجاج اور حارث بن زمعہ تھے۔ ضحاک ؒ کہتے ہیں ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد بھی مکہ میں رہ گئے' پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے' پھر بعض میدان جنگ میں بھی کام آئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے وہ اللہ کے نزدیک ظالم ہے۔ اور اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔ اس آیت میں ہجرت کے چھوڑ دینے کو ظلم کہا گیا ہے۔ ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔ جس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابوداؤد میں ہے جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے انہیں کے ساتھ رہے سہے وہ بھی انہیں جیسا ہے۔ یہ ہے دوستی کا نتیجہ سدی ؒ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباس ؓ، عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی۔ حضرت عباس ؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عباس! تم نے بحث تو چھیڑی لیکن اس میں تم ہار جاؤ گے۔ سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟

پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہو گی ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔ عسیٰ کا کلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ عیاش بن ابو ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو ولید ابن ولید کو اور تمام بے بس ناطاقت مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے رہائی دے۔ اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال۔ اے اللہ ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آئی تھی۔ ف ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ کی طرف ہی منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اے اللہ ولید بن ولید کو عیاش ابن ابو ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتوان بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔

ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند

کے سوا اور سندوں سے بھی ہیں جیسے کہ پہلے گزرا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔

اجر وثواب نیت کے مطابق ملے گا: ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا ہراساں نہ ہو وہ جہاں جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ بآرام وہاں اقامت کر سکے گا۔ مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں وہ اپنے دکھ سے بچاؤ کی بہت سی صورتیں پالے گا۔ امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے۔ دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی پائے گا۔ گمراہی سے ہدایت اسے ملے گی اور فقیری تونگری سے بدل جائے گی۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آ گئی اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ہر عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہو گی' اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی۔ یہ حدیث عام ہے ہجرت وغیرہ تمام اعمال کو شامل ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے قتل کئے تھے' پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کئے پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا' راستہ میں ہی تھا جو موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں۔ پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے۔ جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکلا پھر آپ ﷺ نے اپنی تینوں انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کہا پھر فرمایا کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا یا اسے کسی جانور نے کاٹ کھایا یا اپنی موت مر گیا تو اس کا ہجرت کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا (راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لئے جو کلمہ حضور اکرم ﷺ نے استعمال کیا) واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ ﷺ سے پہلے کسی عرب کی زبانی نہیں سنا' اور جو شخص غضب کی حالت میں قتل کیا گیا وہ جگہ کا مستحق ہو گیا۔ حضرت خالد بن حزامؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں میں چونکہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا تھا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے' لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا۔ میں ان کا یعنی حضرت خالدؓ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔

یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔ یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ کا ہے اور آیت مدینہ طیبہ میں اتری ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا مقصود یہ ہو کہ آیت کا حکم عام ہے گو شان نزول یہ نہ ہو واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندبؓ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے لیکن آپ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ضمیرہ جن کو آنکھوں سے دکھائی نہ دیتا تھا جب وہ آیت ﴿ الا المستضعفین ﴾ سنتے ہیں تو کہتے ہیں میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں مجھے ہجرت کرنی چاہئے۔ چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضور اکرم ﷺ کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تنعیم میں ہی تھے جو موت آگئی ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لئے نکلا صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر بس وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں واپس ہوئے گا اجر وغنیمت اور فضل اللہ لے کر۔ اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔ ابو داؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ بعض الفاظ ابو داؤد میں نہیں ہیں۔ ابو یعلیٰ میں ہے جو شخص حج کے لئے نکلا پھر مر گیا قیامت تک اسکے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو عمرے کے لئے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا اس کے لئے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لئے نکلا اور فوت ہو گیا اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ البتہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

نماز قصر کے احکام و مسائل: فرمان ہے کہ تم کہیں سفر میں جا رہے ہو' یہی الفاظ سفر کے لئے سورہ مزمل میں بھی آئے ہیں' تو تم پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ کمی یا تو کمیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت جیسے کہ جمہور نے اس آیت میں سمجھا ہے۔ گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لئے یا حج و عمرے کے لئے یا طلب علم و زیارت کے لئے وغیرہ۔ ابن عمر' عطا اور یحییٰ کی ایک روایت کی رو سے امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔ کیونکہ اس سے آگے فرمان ہے اگر تمہیں کفار کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ نماز کی کمی ہر مباح سفر کے لئے ہے' جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ امام شافعیؒ' امام احمدؒ وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا' یہ حدیث مرسل ہے۔ بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کو قصر کرنا چاہئے۔ سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو' یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لئے اور مسافروں کو ستانے کے لئے نکلا ہوا سے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ابو حنیفہؒ' ثوریؒ اور داؤدؒ کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے' لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے' کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اکثریت کے ہے۔ آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا اس لئے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا گیا۔ ہجرت کے بعد کے سفر مسلمانوں کے سب کے سب

خوف والے ہی ہوتے تھے' قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لئے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق باعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی کرنا چاہتی ہو' اور جیسے فرمایا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔ پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے۔ لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دارومدار نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی حکم وہی ہے' یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور کرنا حرام ہے گو وہ پاکدامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔ اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں قید موجود ہے۔ پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہو تاہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔ مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' بالکل صحیح روایت ہے۔ ابو حنظلہ حذاءؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سفر کی نماز کو پوچھا تو آپؓ نے فرمایا دو رکعتیں ہیں۔ انہوںؒ نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعت ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن وامان ہے۔ تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی (ابن ابی شیبہ)۔ ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا آسمان سے تو رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو دو رکعت پڑھیں (نسائی وغیرہ)۔ اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف چلے بجز خوف ربانی کے کسی دشمن کا خوف نہ تھا اور آپ ﷺ برابر دو رکعت ہی ادا فرماتے رہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ واپسی میں بھی یہی دو رکعت آپ ﷺ پڑھتے رہے۔ اور مکہ میں اس سفر میں آپ ﷺ نے دس روز قیام کیا تھا۔ مسند احمد میں حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دو رکعت پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پرامن تھے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعت پڑھی ہیں' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں پوری پڑھنے لگے ہیں۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی چار رکعتوں کا ذکر آیا تو آپ نے ﴿ اِنَّا لِلّٰہِ ﴾ پڑھ کر فرمایا میں نے تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھی ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کاش کہ بجائے ان چار رکعتوں کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعت آتیں۔ پس یہ احادیث کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو رکعت کے لئے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن واطمینان کے سفر میں بھی دوگانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لئے بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قرات قومہ رکوع سجود وغیرہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کمیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ ضحاکؒ' مجاہدؒ اور سدیؒ کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے۔ اس کی ایک دلیل امام مالکؒ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نماز دو دو رکعت رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی۔ پھر سفر میں تو وہی دو رکعتیں ہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھا دی گئیں۔ پس علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعت تھی تو پھر

اس آیت میں قصر سے مراد کمیت یعنی رکعت کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحتہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمرؓ کی روایت سے ہے کہ بزبان نبی اکرم ﷺ سفر کی دو رکعت ہیں اور ضحیٰ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے یہی پوری نماز ہے قصر والی نہیں۔ یہ حدیث نسائی ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے اس کی سند بشرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمرؓ سے سننا ثابت ہے جیسے کہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے اور خود اس روایت میں اور اس کے سوا بھی صراحتہ موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے انشاء اللہ۔ گو بعض محدثین اس کے سننے کے قائل نہیں۔ لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں نقصان نہیں آتا کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلیٰ کا ایک راوی سے اور ان کا حضرت عمرؓ سے سننا مروی ہے۔ اور ابن ماجہ میں ان کا کعب بن عجرہؓ سے روایت کرنا اور ان کا حضرت عمرؓ سے روایت کرنا بھی مروی ہے واللہ اعلم۔ مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت پس جیسے کہ حضر میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی اسی طرح سفر میں بھی۔ اور اس روایت میں اور حضرت عائشہؓ والی روایت میں جو اوپر گزری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعت ہی فرض کی تھیں کچھ منافات نہیں اس لئے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھا دی گئیں پھر حضر کی چار رکعتیں ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے واللہ اعلم۔ الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے اور وہی پوری نماز ہے کمی والی نہیں اور یہی حضرت عمرؓ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے تو مراد اس میں قصر کیفیت ہے جیسے کہ صلوٰۃ خوف میں۔ اسی لئے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھا تو۔

پھر قصر کا مقصود صفت اور کیفیت بھی بیان فرما دی۔ امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ نے کتاب صلوٰۃ خوف کو اسی آیت ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ ﴾ سے ﴿ مُّهِيْنًا ﴾ تک لکھ کر شروع کی ہے۔

ضحاکؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کا وقت ہے انسان اپنی سواری پر نماز و تکبیریں پڑھ لے اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف ہی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعت پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے۔ ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے اور یہ بجز ایسے خوف کے وقت کے حلال نہیں۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد وہ دن ہے جب کہ حضور اکرم ﷺ مع اپنے صحابہ کرامؓ کے عسفان میں تھے اور مشرک ضجنان میں تھے ایک دوسرے سے برسر پیکار بالکل تیار ادھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں۔ ادھر مشرکین نے سامان و اسباب کو لوٹ لینے کا ارادہ کیا۔ ابن جریرؒ اسے مجاہدؒ اور سدیؒ اور جابرؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ حضرت خالد بن اسیدؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہتے ہیں صلوٰۃ خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوٰۃ مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں ہم نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا۔ خیال فرمائیے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوٰۃ خوف پر کیا اور آیت سے مراد بھی صلوٰۃ خوف لی اور صلوٰۃ مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے فعل رسول اللہ ﷺ کو سند بتایا۔ اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت سماکؒ آپ سے صلوٰۃ سفر کا مسئلہ

پوچھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے قصر نہیں' قصر تو صلوٰۃ خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھتا ہے' دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے۔ پھر یہ چلے گئے وہ آ گئے ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعت ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾

جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کر لے تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو' پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں' اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں' کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ' تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں' ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو یا بوجہ بارش کے یا بسبب بیمار ہو جانے کے اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو' اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔

حالت جنگ میں نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ: نماز خوف کی کئی قسمیں ہیں اور مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف ہے کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے' نماز بھی کبھی چار رکعت کی ہوتی ہے کبھی تین رکعت کی جیسے مغرب کبھی دو جیسے فجر اور صلوٰۃ سفر' کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے کبھی لشکر اس طرح گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز باجماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلے کی طرف اور غیر قبلے کی طرف پیدل اور سوار جس طرح بن پڑے' بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے جائیں' ان پر برابر حملے کرتے جائیں' نماز بھی ادا کرتے جائیں۔ ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز کا علماء کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطا جابر حسن مجاہد حکم قتادہ حماد طاؤس ضحاک محمد بن نصر مروزی ابن حزم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا یہی فتویٰ ہے۔ صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے۔ اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے' اشارے سے ادا کرے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے' اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ' عبداللہؓ بن عمرؓ' کعب وغیرہ صحابہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سدیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے اس کے بیان کرنے والے اسے

پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحاق بن راہو یہ کا مذہب ہے۔ امیر عبدالوہاب ابن بخت مکی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت ہی کر لے' فاللہ اعلم (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے نظر سے نہیں گزری' واللہ اعلم۔ (مترجم)

بعض علماء نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر عصر کی نماز پڑھی تھی' پھر مغرب عشاء کی۔ پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی جو عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو کہا حضور اکرم ﷺ کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی۔ اوروں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضور اکرم ﷺ سے ہوا تو آپ ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی' گو دوسری جماعت بھی معذور تھی۔ مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقع پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو موخر کر دیا۔ دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کا خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں صلوٰۃ خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا۔ یہ واقعے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا۔ ابو سعیدؓ کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعیؒ نے مروی کی ہے۔ لیکن صحیح بخاری کے باب ﴿ اَلصَّلٰوۃُ عِنْدَ مُنَاھَضَۃِ الْحُصُوْنِ ﴾ میں ہے کہ اوزاعیؒ فرماتے ہیں اگر فتح کی تیاری ہو اور نماز با جماعت کا امکان نہ ہو تو ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی نماز اشارے سے ادا کر لے یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کر لیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن مل جائے اس وقت دو رکعت پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کر لیں۔ صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہی ہو تو نماز کو دیر کر کے پڑھیں جب کہ اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضرت مکحولؒ کا فرمان بھی یہی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ تستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت ہنگامہ کارن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی' اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰؓ تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں اس نماز کے بدلے ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔

امام بخاریؒ اس کے بعد جنگ خندق میں حضور اکرم ﷺ کا نمازوں کو تاخیر کرنا بیان کرتے ہیں۔ پھر بنو قریظہ والا واقعہ اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان کہ تم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں۔ گویا امام ہمام حضرت امام بخاریؒ اسی کو پسند کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قریب فتح کے موقعہ پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ والا فتح تستر کا واقعہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ کا ہے' اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمینؓ نے یا کسی اور صحابی نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقعہ پر بھی صلوٰۃ خوف کی آیتیں موجود تھیں' اس لئے کہ یہ آیتیں غزوۂ ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوہ غزوۂ خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علمائے سیر و مغازی کا

اتفاق ہے۔ محمد بن اسحٰق' موسیٰ ابن عقبہ' واقدی' محمد بن سعد کاتب واقدی اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ ہاں امام بخاریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بسبب حدیث ابوموسیٰؓ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے' واللہ اعلم۔ لیکن تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابویوسفؒ مزنیؒ ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہؒ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے رسول اللہ ﷺ کے غزوۂ خندق میں دیر کر کے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے۔ اس لئے کہ غزوۂ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی احادیث ثابت ہیں' اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے۔ یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ کے وقت تاخیر جائز ہے' واللہ اعلم۔ آیت میں حکم ہوتا ہے۔ کہ جب تو انہیں باجماعت نماز پڑھائے یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے۔ اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت ہے اور وہ بھی الگ الگ پیدل سوار قبلے کی طرف منہ کر کے یا نہ کر کے جس طرح ممکن ہو۔ جیسے کہ حدیث گزر چکی۔ یہ حال امامت اور جماعت کا بیان ہو رہا ہے۔ جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو یہ صورت جائز نہ کی جاتی۔

کچھ نے اس سے ایک اور استدلال بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے' تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپ ﷺ کے بعد منسوخ ہے۔ یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ کو خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ یعنی تو ان لوگوں کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لئے رحمت کی دعا کر' تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ تو ہم آپ ﷺ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے سبب سکون بنے۔ لیکن یہ استدلال ان کا واہی تھا۔ اسی لئے صحابہؓ نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوٰۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی۔

آؤ ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا شان نزول بیان کر دیں۔ ابن جریر میں ہے کہ بنو نجار کی ایک قوم نے حضور رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں تو ہم نماز کس طرح پڑھیں۔ تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ پھر سال بھر تک کوئی وحی نہ آئی پھر جبکہ آپ ﷺ ایک غزوے میں تھے ظہر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے' مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا کاش کہ ان کی نماز کی حالت میں ہم یکبارگی اچانک حملہ ان پر کر دیتے۔ اس پر بعض مشرکین نے کہا یہ موقعہ تو تمہیں پھر بھی ملے گا' اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لئے کھڑے ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد ﴿ اِنْ خِفْتُمْ ﴾ سے پوری دو آیتوں تک نازل فرمادیں اور کافر ناکام رہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی۔ گو یہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابوعیاش زرقیؓ فرماتے ہیں عسفان میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے' خالد بن ولید اس وقت کفر کی حالت میں تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے یہ لوگ ہمارے سامنے پڑے تھے' تھے یہ قبلہ رخ' ظہر کی نماز جب ہم نے ادا کی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگے افسوس ہم نے موقعہ ہاتھ سے کھو دیا' وقت تھا کہ یہ ادھر نماز میں مشغول تھے اور ہم ان

پر دفعتہ دھاوا بول دیتے۔ پھر ان میں کے بعض جاننے والوں نے کہا خیر کوئی بات نہیں' اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اس وقت سہی' پس ظہر عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت ﴿اِذْ كُنْتَ فِيْهِمْ﴾ اتاری۔ چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہم نے ہتھیار سجا لئے اور اپنی دو صفیں کر کے حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ قیام میں رکوع میں قومہ میں سب کے سب ساتھ رہے۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپ ﷺ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے۔ جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے۔ پھر قیام رکوع اور قومہ سب نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا۔ اور جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو صف اول آپ ﷺ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التحیات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التحیات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا۔ صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپ ﷺ نے یہاں عسفان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں۔ یہ حدیث مسند احمد' ابو داؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے۔

ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا ہم اس کی طرف چلے جب نخلہ میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کیا آپ ﷺ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے بچا لے گا' پھر تلوار کھینچ لی اور ڈرایا دھمکایا' پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ﷺ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہؓ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا جو آپ ﷺ کے متصل تھے وہ دو رکعت آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے ہٹ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضور اکرم ﷺ نے دو رکعت پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پس حضور اکرم ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لئے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔ مسند احمد کی اسی حدیث میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا اس کا نام غرث بن حارث تھا۔ جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ ﷺ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا' تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ ﷺ رحم کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ﷺ ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں' ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپ ﷺ سے برسر پیکار ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضور اکرم ﷺ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔

اور روایت میں ہے کہ یزید فقیرؒ نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعت ہیں کیا یہ قصر کی ہیں؟ آپ نے فرمایا پوری نماز ہے قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے سلام کے ساتھ آپ ﷺ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت

پڑھنے کا بیان ہے۔ پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضور اکرم ﷺ کی دو رکعتیں۔ اور روایات میں ہے کہ ایک جماعت آپ ﷺ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی۔ پھر ایک رکعت کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آ گئے اور یہ پیچھے آ گئے۔ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ ایک اور حدیث جو بروایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہؓ نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں۔ حافظ ابو بکر ابن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح ابن جریر نے بھی۔ ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں' انشاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے' کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ یہی ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں۔ اپنا بچاؤ ساتھ لئے رہو' یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو' اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو' یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔ ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو۔ اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے' اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں' اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے۔

حالت امن میں نماز کو بروقت ادا کرنا: جناب باری عزاسمہ' اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کیا کرو۔ گو ذکر اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی ترغیب و تاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے' لیکن یہاں خصوصیت سے اس لئے بیان فرمایا کہ یہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے' نماز میں تخفیف کر دی' پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہٹنا جانا آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا۔ جیسے حرمت والے مہینوں کے متعلق فرمایا ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ گو اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ اور جب اطمینان حاصل ہو جائے' ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع خضوع سے ارکان نماز کو پابندی سے مطابق شرع بجا لاؤ۔ یہ نماز تم پر وقت مقررہ میں من جانب اللہ فرض عین ہے۔ جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو۔ چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو۔ اگر قتل و زخم و نقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا انہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے ﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ ﴾ پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تو تم اور وہ برابر ہو' لیکن ہاں فرق اور بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات باری تعالیٰ سے وہ امیدیں اور وہ

آسرے ہیں جو انہیں نہیں۔ تمہیں اجر و ثواب بھی ملے گا، تمہاری نصرت و تائید بھی ہو گی جیسے کہ خود اللہ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے۔ نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کا وعدہ ٹلنے والا۔ پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تگ و دو چاہیئے۔ تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہیئے۔ تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہیئے۔ تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کو قائم کرنے مضبوط کرنے پھیلانے اور بلند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ مقدر کرتا ہے جو فیصلہ کرتا ہے جو جاری کرتا ہے۔ جو شرع مقرر کرتا ہے جو کام کرتا ہے، سب میں پوری خبر والا صحیح اور سچے علم والا ساتھ ہی حکمت والا ہے۔ ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف و حمد کے لائق وہی ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے۔ خیانت کرنے والوں کا حمایتی نہ بن۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا رہ، بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، دغاباز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا۔ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو، لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟

کیا نبی ﷺ غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں؟: اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن جو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے وہ سراسر اور یکسر حق ہے اس کی خبریں بھی حق اس کے فرمان بھی حق۔ پھر فرماتا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تمہیں سمجھائے۔ بعض علمائے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار تھا۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ ﷺ باہر آئے اور فرمانے لگے سو میں ایک انسان ہوں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو صحیح جان کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اور فی الواقع وہ حق دار نہ ہو تو وہ

سمجھ لے کہ وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے' اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کے پاس اپنا قضیہ لائے' واقعہ کو زمانہ گزر چکا تھا۔ شاہد گواہ کوئی نہ تھا۔ تو اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے لے۔ اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا۔ اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اب تم ایسا کرلو کہ جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو پھر قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کر دے۔ ابو داؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی نازل شدہ نہیں ہوتی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک گروہ ایک جہاد میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھا وہاں ایک شخص کی چادر کسی نے چرا لی اور اس کا گمان اس چوری کا طعمہ ابن ابرق کی طرف تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بے خبری میں ڈال دیا اور اپنے کنبہ قبیلے والوں سے کہا میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے تم رات کو حضور اکرم ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ ﷺ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں' چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگالیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے۔ پس آپ ﷺ ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیجئے اور اس کی حمایت کیجئے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے۔ آپ نے ایسا ہی کیا' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں ﴿ یَسْتَخْفُوْنَ ﴾ سے دو آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا جو برائی اور بدی کا کام کرے۔ اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں' اور چور کے اور اس کے حمائتوں کے بارے میں فرمان اترا کہ جو گناہ اور خطا کرے اور ناکردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے۔ لیکن یہ سیاق غریب ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنو ابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہؓ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس نے بشر' بشیر اور مبشر تھے۔ بشیر ایک منافق شخص تھا۔ اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی ہجو کرتا' پھر ان اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے لے کر پڑھا کرتا۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے۔ مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں' ہاں تو نگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے' جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے' باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے۔ میرے چچا رفاعہ بن زید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بوجھ میدہ کا خریدا اور اپنے بالاخانے میں اسے محفوظ کر دیا' جہاں ہتھیار زرہیں تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئیں تھیں۔ راتوں کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج غلہ بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی اٹھالے گئے۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنو ابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھانا پکا رہے تھے' غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں۔ اس سے پہلے ہی جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں وہ ایک دیانت دار سچا مسلمان شخص تھا۔ حضرت لبیدؓ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے یا تو تم میری چوری ثابت کر دو' ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ان لوگوں نے ان کی براءت کی اور معافی چاہ لی وہ چلے گئے۔ ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے۔ میرے چچا

نے مجھ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ سے خبر تو کرو۔ میں نے جا کر حضور اکرم ﷺ سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا۔ یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا جن کا نام اسید بن عروہ تھا۔ انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ظلم ہو رہا ہے بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں انہیں قتادہ ابن نعمان اور ان کے چچا چور بتلاتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں وغیرہ۔ پھر جب میں خدمت نبوی میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمہ چوری چمیٹتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا۔ خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہو تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ جسے سن کر انہوں نے کہا ﴿ اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ ان کا جانا تھا کہ حضور اکرم ﷺ پر بذریعہ وحی یہ آیتیں اتریں۔ پس ﴿ خَآئِنِيْنَ ﴾ سے مراد بنو ابیرق ہیں۔ آپ کو استغفار کا حکم ہوا اس فرمان سے جو آپ نے حضرت قتادہ کو فرمایا تھا پھر ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا۔

پھر فرمایا ناکردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے ﴿ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ تک یعنی انہوں نے جو حضرت لبید کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں۔ جب یہ آیتیں اتریں تو حضور اکرم ﷺ نے بنو ابیرق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا۔ یہ بے چارے بڈھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ تعالیٰ کے نام خیرات کر دو۔ میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ نے یہ بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ آیتیں سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ﴾ سے ﴿ بَعِيْدًا ﴾ تک نازل ہوئیں۔ اور حضرت حسان نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی۔ ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی۔ یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔

ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں بھلا اس سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے؟ پھر انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ پھر فرماتا ہے مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں جو ظاہر داری پر فیصلے کرتے ہیں تم نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلنے کی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔ جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے۔ جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا۔ دراصل یہ اپنے تئیں ہی گمراہ کرتے ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے' اللہ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے' ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے گو وہ گناہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں اس کا کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتر واڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر آسانی کر دی پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی پاکی رکھی اور توبہ کر لینا ہی گناہ کی معافی رکھی۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے سوال کیا کہ ایک عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ نے اسے بلایا اور آیت ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ ﴾ پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں' جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت اور آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ﴾ الخ کی تلاوت کی۔ اس آیت کا پورا بیان ہم نے مسند ابو بکر میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورۂ آل عمران کی تفسیر میں بھی گزرا ہے۔

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے تھے اور ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا' پھر آپ نے یہ آیت ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ ﴾ الخ پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہؓ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس برائی کا بدلہ ملے گا' اتر چکی تھی اس لئے صحابہؓ مشقت میں تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! گو کسی نے زنا کیا ہو' چوری کی ہو' پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ

بخش دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے دوبارہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے پھر کہا ہاں۔ میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہاں گو ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابودرداء جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے گناہ کمانے والا اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ اٹھائے۔ رب کا علم رب کی حکمت رب کا عدل رب کی رحمت کے خلاف ہے کہ ایک کے گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود براکام کر کے کسی بے گناہ کے سر چپک دے جیسے بنوابیرق نے لبید کا نام لے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے' یا مراد زید بن سمین یہودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے۔ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے جو بھی ایسا کرے اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے بعد کی آیت ﴿ ولولا ﴾ کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنوابیرق کے چوروں کی حضور اکرم ﷺ کے سامنے برات کر کے ان کی پاک دامنی کا اظہار کر کے حضور اکرم ﷺ کو اصلیت سے ہٹانے کا سارا کام پورا کر لیا تھا لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرفداری سے بچالیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ سے پوری سورت تک۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ ﴾ الخ۔ اسی لئے یہ بھی فرمایا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو آپ کے شامل حال ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾

ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔ جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول اللہ ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے' وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔

اصلاح بین الناس کی فضیلت: لوگوں کے اکثر کلام بے خیر ہوتے ہیں' سوائے ان کی جن کی باتیں خیرات کرنے کی' اچھائی کی' لوگوں میں میل ملاپ کی ہوں۔ حضرت سفیان ثوری ؒ کی عیادت کے لئے لوگ جاتے ہیں' ان میں سعید ابن حسان ؒ بھی ہوتے ہیں' تو آپ فرماتے ہیں سعید تم نے ام صالح کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی آج اسے پھر سناؤ۔ آپ سند بیان کر کے فرماتے

ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انسان کی تمام باتیں اس پر وبال ہی ہیں بجز ذکر اللہ کے اور اچھے کاموں کے بتلانے کے اور برے کاموں سے روکنے کے۔ حضرت سفیانؒ نے کہا یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ یہی مضمون آیت ﴿ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ ﴾ میں ہے، یہی مضمون ﴿ سُوْرَہ وَالْعَصْرِ ﴾ میں ہے۔

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ لوگوں میں میل ملاپ اور اصلاح کرنے کے لئے جو بھلی بات کہے یا ادھر سے ادھر کوئی اس قسم کی بات کرے وہ جھوٹوں میں داخل نہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ فرماتی ہیں میں نے آپ کو ایسی باتوں کی تین موقعوں پر اجازت دیتے ہوئے سنا ہے، جہاد میں، لوگوں کے درمیان اصلاح کرانے میں اور میاں بیوی کی باتوں میں دونوں کو۔ یہ مائی صاحبہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔

اور حدیث میں ہے 'کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں جو روزے نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟' لوگوں نے خواہش کی' تو آپ نے فرمایا وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے۔ فرماتے ہیں اور آپس کا فساد نیکیوں کو مونڈ ڈالتا ہے (ابوداؤد وغیرہ)۔ بزار میں ہے حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوایوبؓ سے فرمایا آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں 'لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرادے جب ایک دوسرے سے ناراض ہو گئے ہوں تو انہیں ملا دے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضامندی کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے وہ اجر عظیم پائے گا۔

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو' فرمان رسول کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو' حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو' دلیل دیکھ لی ہو پھر بھی مخالفت رسول کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے پھر وہی اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے' یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ ڈھونڈنا دراصل رسول اللہ ﷺ سے شقاق وخلاف کرنا ہی ہے لیکن کبھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے کبھی اس چیز کا خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہو جس میں انہیں خطا سے اللہ نے بوجہ ان کی شرافت وکرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث الاصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے۔ بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ نے غور وفکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امت کے دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر چیز ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دوراز آیت بھی بتلایا ہے۔

غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ تعالیٰ بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں' جیسے فرمان ہے۔ ﴿ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ ﴾ اور ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْا ﴾ اور ﴿ نَذَرُھُمْ ﴾ یعنی ہم انہیں ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ بڑھاتے رہتے ہیں' ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں۔ بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے ظالموں کا مع ان کے جوڑوں کے حشر کرو۔ اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لیں گے کہ اس میں کودنا پڑے گا لیکن کوئی صورت چھٹکارے کی نہ پائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْ

عُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾

وقف لازم

اسے تو اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے ہاں شرک کے سوا کے گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں۔ اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا۔ اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا۔ شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا۔ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابدالآباد رہیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے۔ کون ہے جو اپنی بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو؟

اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں تبدیلی نیز شیطان کی دھوکہ بازیاں: اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے' قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی) مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی چھوٹ جاتی ہے۔ وہ راہ حق سے دور جا پڑتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کو اور اپنے دونوں جہان کو برباد کر لیتے ہیں۔ یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں۔ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں' ہر صنم کے ساتھ ایک جنیہ عورت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ﴿ اِنٰثًا ﴾ سے مراد بت ہیں۔ یہ قول اور مفسرین کا بھی ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ مشرکین فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں مانتے تھے اور کہتے تھے ان کی عبادت سے ہماری اصل غرض اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنا ہے۔ اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل کی قائم کرتے تھے' پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ تفسیر آیت ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ الّٰلتَ ﴾ کے مضمون سے خوب ملتی ہے' جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ﴾ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ

کے غلام فرشتوں کو مونث سمجھ رکھا ہے۔ اور جگہ ہے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں نسب نکالتے ہیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں' مراد مردے ہیں۔ حسن ؒ فرماتے ہیں' ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ بجھاتا ہے اور یہ دراصل اسی کی مانتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ ﴾ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟ اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے۔ شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے یک سو کر دیا ہے اور اپنے پاس سے نکال باہر کر دیا ہے۔ اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکالے گا۔ قتادہ ؒ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہوگا۔ اس نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے بہکاؤں گا اور انہیں امیدیں دلاتا رہوں گا کہ یہ توبہ ترک کر بیٹھیں گے' خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے' موت کو بھول بیٹھیں گے' نفس پروری اور آخرت سے دوری میں پڑ جائیں گے۔ جانوروں کے کان کاٹ کر سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا' اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا' جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا ہے) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چہرے پر گودنا گدوانا' جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے اور جس کے کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت وارد ہوئی ہے۔ ابن مسعود ؓ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں' پیشانی کے بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں پر جو حسن و خوبصورتی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں' اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں؟ جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ پڑھی۔ بعض اور مفسرین کرام ؒ سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾ یعنی اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یک طرفہ دین کی جانب' یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا' اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اس پچھلے جملے کو جب امر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے' یعنی فطرت اللہ کو نہ بدلو' لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اسی پر رہنے دو۔ صحیحین میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بالکل بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے' اللہ عزوجل فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا' لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔

شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے' جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیونکہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ فلاح و بہبود ان کی غلط راہ میں انہیں سمجھاتا ہے اور دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن صاف کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں۔ میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے۔ اب مجھے کیوں کوستے ہو اپنے تئیں برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پوری ہونے والی سمجھنے والے آخر جہنم واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہے۔

ان بد بختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے

میری تابع داری کرنے والے ہیں میرے احکام پر عمل کرتے ہیں میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا۔ انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بہنے لگیں جس میں زوال وانتقال اور نقصان بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو گی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ بجز اس کے کوئی مربی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے سب سے زیادہ سچی بات کلام اللہ ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں نئی نکلی ہوئی بات ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾

ع ١٨ ١١ ١٥

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت ومدد اللہ تعالیٰ کے پاس کر سکے۔ جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔ باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنا منہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیک کار ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے رکھنے والا ہے۔

ایمان وعمل صالح کے بغیر آرزوؤں سے نجات نہ ہو گی: حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچا ہونے لگا۔ اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتا رہے تھے کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کے فیصلے کرنے والی ہے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی اور دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اہل عرب نے کہا نہ تو ہم مرنے کے بعد جئیں گے نہ ہمیں عذاب ہو گا۔ یہودیوں نے کہا صرف ہم جنتی ہیں۔ یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے کہ آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت وحقانیت ثابت نہیں ہوتی' بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور خدائی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو نہ تمہاری خواہشیں اور نرے دعوے کوئی وقعت رکھیں' نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں۔ نجات کا مدار اقوال ہی نہیں' بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکم برداری اور رسولوں کی تابعداری ہے برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے ناممکن ہے کہ اس برائی کے

خمیازے سے چھوٹ جائیں' بلکہ رتی رتی بھلائی برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔

یہ آیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بہت گراں گزری تھی اور حضرت صدیقؓ نے کہا تھا کہ حضور ﷺ! نجات کیسے ہو گی؟ جب کہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ تجھے بخشے' ابو بکر! یہ جزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے کبھی تکلیف کی صورت میں کبھی صدمے اور غم و رنج کی صورت میں اور کبھی اور بلا و مصیبت کی شکل میں (مسند احمد)۔ اور روایت میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' ہر برائی کرنے والا دنیا میں بدلہ پائے گا۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا' دیکھو جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دی گئی ہے وہاں تم نہ چلنا۔ غلام بھول گیا اور حضرت عبداللہؓ کی نظر ابن زبیرؓ پر پڑی تو فرمانے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہو گئیں ان کا بدلہ دنیا میں ہی ہو گیا۔ اب تجھے اللہ تعالیٰ کوئی عذاب نہ کرے گا۔ پھر حضرت مجاہدؒ کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے میں نے حضرت ابو بکرؓ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے' رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے جو شخص برائی کرتا ہے اس کا بدلہ دنیا ہی میں پالیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کو سولی پر دیکھ کر فرمایا۔ "اے ابو حبیب! اللہ تجھ پر رحم کرے' میں نے تیرے والد کی زبانی یہ حدیث سنی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی موجودگی میں یہ آیت اتری۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیقؓ غمناک ہو گئے انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر ہر عمل کا بدلہ ہی ملنا جب ٹھہرا تو نجات مشکل ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو صدیق! تم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے۔ ہاں اور لوگ جو ہیں ان کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی۔ یہ حدیث ترمذیؒ نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولی بن سباع مجہول ہے۔ اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا ماحصل مروی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے' حضرت عائشہؓ نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے تھوڑی دیر نہ ملے پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ یونہی مصائب دنیا اسے ایسا کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا۔ جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے اسی طرح یہ دنیا سے پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی۔ مسند احمد میں ہے' جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہؓ پر اس آیت کا مضمون گراں گزرا تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا' ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو' مسلمان کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے' یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا بھی۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ رو رہے تھے اور رنج میں تھے جو حضور اکرم ﷺ نے ان سے یہ فرمایا۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ اسے سن کر حضرت کعب بن عجرہؓ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج و عمرہ' جہاد اور نماز

باجماعت سے محروم نہ ہوں۔ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا بخار چڑھا رہتا' (مسند احمد)۔ حضور اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا'ہاں'اسی جیسا اور اسی جتنا'لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا'پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں' دہائیوں سے بڑھ جائیں (ابن مردویہ)۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد کافر ہیں' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَهَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴾ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مراد شرک ہے' یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں' ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گزر چکیں' واللہ اعلم۔

بدعملیوں کی سزا کاذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے۔ بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لئے یہی اچھا ہے' یا آخرت میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے' ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی عافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگزر کرے اور اپنی پکڑ دھکڑ اور ناراضگی سے بچا لے۔ اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم و رحم سے انہیں قبول کرتا ہے' کسی مرد عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ ہو وہ ایمان دار۔ ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا اور ان کی حسنات میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا۔ نقیر کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو ذرا سی لکیر ہوتی ہے۔ فتیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں۔ اور قطمیر کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو' اور یہ تینوں لفظ اس موقعہ پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو اپنے اعمال خالص اسی کے لئے کرے۔ ایمان داری اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند دین حق اور ہدایت پر چلنے والے رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا۔ خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہو۔ اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے' اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے' لوگوں کی رضاجوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا' سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت و جہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گر جاتا ہے اور چونکہ مومن کا عمل ریاکاری سے شریعت کے خلاف سے بچا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا' ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو۔ یعنی آں حضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کو جو بھی قیامت تک ہوں' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ﴾ یعنی ابرہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کی حکم برداری کرتے رہے اور یہ نبی اکرم ﷺ۔ اور آیت میں فرمایا ﴿ ثم اوحينا اليك ﴾ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر' جو مشرک نہ تھے۔ حنیف کہتے ہیں قصداً شرک سے بے زاری کرنے اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو جانے والے کو جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی ہٹانے والا ہٹا نہ سکے۔

حضرت ابراھیم کو مقام خلیل اللہ کیونکر حاصل ہوا: پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لئے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے اس تک وہ پہنچ

گئے۔ خلت کے درجے سے کوئی درجہ بڑا نہیں' محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام عروج کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے جیسے فرمان ہے ﴿ وابراهيم الذين و فى ﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ملا وہ اسے بخوشی بجا لائے' کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے منہ نہ موڑا' کبھی عبادت سے نہ اکتائے' کوئی چیز انہیں عبادت ربانی سے مانع نہ ہوئی۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ جب جب جس جس طرح اللہ نے ان کی آزمائش لی' وہ پورے اترے' جو جو اللہ نے فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یکسوئی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذؓ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی' تو ایک شخص نے کہا ﴿ لَقَدْ قَرَّتْ عَيْنُ اُمِّ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ﴿ خليل الله ﴾ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے کہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں۔ یہاں کچھ نہ ملا' خالی ہاتھ لوٹے۔ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے بوریاں بھر کر لے چلوں تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کر لے چلے۔ قدرت اللہ تعالیٰ سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے' تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے پر پایا۔ آٹا گوندھا روٹیاں پکائیں۔ جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں' تو تعجب سے پوچھنے لگے' آٹا کہاں سے آیا؟ جو تم نے روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کہا' آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا۔ لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو' جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے' گو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت حد درجہ کی تھی کامل اطاعت شعاری اور فرماں برداری تھی۔ اپنی عبادتوں سے اللہ کو خوش کر لیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا۔ لوگو! اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور دلی دوست بنانے والا ہوتا تو ابو بکر بن ابو قحافہ کو بناتا' بلکہ تمہارے ساتھی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں (بخاری و مسلم)۔ اور روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا لیا تھا' اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کر لیا ہے۔

ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ ﷺ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے ذکر تذکرے کر رہے تھے' ایک کہہ رہے تھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا' دوسرے نے کہا اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا' ایک نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام تو روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں' ایک نے کہا آدم صفی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ جب باہر تشریف لائے سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بے شک تمہارا قول صحیح ہے' ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ سنو میں واقعہ بیان کرتا ہوں کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ میں "حبیب اللہ" ہوں' میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں' اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں' اور سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کو کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے' قیامت کے تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام و عزت والا میں ہوں۔ یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور واقعہ کے معلوم کرانے کے میں تم سے کہہ رہا ہوں۔

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں 'کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ خلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھا اور دیدار حضرت محمد ﷺ کے لئے 'صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (مستدرک حاکم)۔

اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ تابعینؒ اور سلف وخلف سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے۔ پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں' مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنادوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتایئے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی قسم گووہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گزاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن امور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔ اور روایت میں ہے جب سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ تعالیٰ نے ملقب کیا تب سے ان کے دل میں اس قدر خوف اللہ تعالیٰ اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کی پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان ﷺ کی نسبت بھی وارد ہے جس وقت خوف اللہ آپ پر غالب آجاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیاں کی کھدبدی کی آواز ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بغیر کسی کے مشورے کے اور بغیر کسی کی شرکت اور مدد کے کر گزرتا ہے 'کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے 'کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے وہ عظمتوں اور قدرتوں والا وہ عدل وحکمت والا وہ لطف و رحم والا واحد وصمد اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں 'اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾

تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے' اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔ تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ تعالیٰ اسے پوری طرح جاننے والا ہے۔

یتیم لڑکیوں کے بارے میں چند ہدایات: صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی و وارث وہی ہو' مال میں شریک ہو گیا ہو' اب چاہتا یہ ہوں کہ اس یتیمہ سے میں نکاح کر لوں' اس بنا پر اور جگہ کی شادی روکتا ہو' ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضور اکرمؐ سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ ﴾ الخ نازل فرمائی۔ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے ﴿ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ ﴾ اس سے مراد پہلی آیت ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى ﴾ الخ ہے۔

آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیمہ لڑکیوں کے ولی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تب تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مال دار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے' لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی سر دھرا نہیں ہوتا تھا' ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ یہ جب دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیمہ لڑکی کا ولی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا۔ اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کر سکے۔ اب اگر وہ خوش شکل ہوتی تو اس سے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا۔ اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا' وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضے میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے چھوٹے لڑکوں کو اور چھوٹی بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسم کو بھی قرآن نے میٹ دیا اور ہر ایک کو حصہ دلوایا اور فرمایا کہ لڑکی کو اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے' حصہ ضرور دو۔ ہاں لڑکی کو آدھا اور لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر۔ اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی سے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے تو تمہیں چاہیئے کہ خیر کے کام کرو' حکم برداری کرو اور نیک بدلے حاصل کرو۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر چیز ہے طمع ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے۔ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبر دار ہے۔ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرتے پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔

خاوند کو اپنی متعدد بیویوں سے انصاف کی تاکید: اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جب کہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کر لے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے یہ جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق (حضرت) عائشہؓ کو دیتی ہوں' چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول فرمالیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کی باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہؓ کا دن بھی حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہؓ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہؓ کا قول ہے کہ حضرت سودہؓ نے بڑی عمر میں جب یہ معلوم کیا کہ حضور انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہؓ سے پوری محبت ہے 'اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر حضرت سودہؓ کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گزرا (ابوداؤد) معجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق کی خبر بھجوائی' یہ حضرت عائشہؓ کے ہاں جا بیٹھیں۔ جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ ﷺ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا' آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے' میری عمر بڑی ہو گئی ہے' مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن

آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں۔ چنانچہ آپ نے یہ منظور فرمالیا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں یارسول اللہ ﷺ میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوبہ حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔ بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر' تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بد صورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو' اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو' تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے' اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بے ہودہ گوئی کی وجہ سے) آپ نے ناپسند فرمایا' اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں' اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے' اولاد نہیں ہوتی' اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا' پھر یہ دونوں جس چیز پر اتفاق کر لیں' جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بد صورتی کے یا بد خلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے چھوڑ نہ دے' تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کر دے' یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ' تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں' واللہ اعلم۔

محمد بن مسلمہؓ کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیجؓ کے گھر میں تھیں۔ بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا' آپ مجھے طلاق تو دیجئے نہیں' ہاں جو آپ چاہیں وہی مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو' اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں۔ اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کرے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیجؓ انصاری کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آ کر طلاق طلب کی آپ نے دے دی' پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی۔ لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے۔ اس نے پھر طلاق مانگی' آپ نے دوبارہ طلاق دے دی' پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو' تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا مجھے اسی طرح منظور ہے۔ چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کہ دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے' یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ حق چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے' جیسے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دیا۔ آپ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے

کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ اللہ کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرمادیا کہ صلح خیر ہے۔

بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تمام حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔

پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگزر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا' باری میں' لین دین میں' برابری کرنا' یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل وانصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ملیکہ فرماتے ہیں۔ یہ آیت حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ انہیں بہت چاہتے تھے۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد)۔

اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ دوسری سند سے یہ مرسل مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔

پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو' وہ نہ بے خاوند کے رہے نہ خاوند والی' تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں۔ نہ تو اسے طلاق ہی دو جو وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہو گا (احمد وغیرہ)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو' اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کے درمیان عدل وانصاف اور برابری ہے کرو' اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو' تو اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو' اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں' تو اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾

زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے۔ اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو' اور اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ تعالیٰ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی' اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے' اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے' اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے۔ فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو' یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو دیئے گئے تھے۔ اور اگر تم کفر کرو (تو اللہ تعالیٰ کا کیا بگاڑو گے ؟) وہ تو زمین آسمان کا تنہا مالک ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور لائق ستائش ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾ انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا' اللہ تعالیٰ نے ان سے بے نیازی کی' اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔

آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے' اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے' اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کر دے اور غیروں کو آباد کر دے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَ كُمْ ثُمَّ لَايَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَـكُمْ ﴾ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر ذلیل اور فرومایہ ہیں؟ اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

پھر فرماتا ہے اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لئے ہے تو جان لے کہ دونوں جہان دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں' تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور وہ تجھے بے پرواہ کر دے گا اور آسودہ بنا دے گا۔ اور جگہ فرمایا بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا دے' ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا۔ اور جگہ ہے جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے' ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے۔ اور آیت میں ہے ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ﴾ جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں جتنا چاہیں دنیا میں دے دیں۔

امام ابن جریرؒ نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا' انہیں دنیا گو مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں حصہ بٹا لیا لیکن آخرت میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس جو تیاری ہے وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گوناگوں عذاب۔

تو امام صاحبؒ مذکور کے نزدیک یہ آیت مثل آیت ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا ﴾ کے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں' لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے۔ کیونکہ اس آیت کے الفاظ

تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی خیر دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے تو ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کر دے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے، جو تمہیں دنیا دیتا ہے وہی آخرت کا مالک بھی ہے۔ یہ بڑی پست ہمتی ہوگی کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو۔ نہیں نہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنالو۔ عالی ہمتی اور بلند پروازی سے وسعت نظری کو کام میں لاکر عیش جاودانی کی کوشش و سعی کرو۔ یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے، ہر ہر نفع نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو، سعادت و شقاوت اس نے تقسیم کی ہے، خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی ہیں۔ وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اسے وہی پہنچاتا ہے۔ بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا سننا کیسا کچھ ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ تعالیٰ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے، سو تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا، اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

سچی گواہی کو چھپانا جائز نہیں خواہ کسی کے خلاف ہو: اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل وانصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں، ایسا نہ ہو کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بناء پر یا کسی کی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی کی سفارش سے عدل وانصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں۔ ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور خلق باری میں عدالت کے سکے جما دیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہ بن جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ یعنی گواہیاں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ بدلو نہیں چھپاؤ نہیں چبا کر نہ بولو، صاف صاف سچی شہادت دو۔ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔ تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے۔ کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہوگا۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو، گو اس شہادت سے رشتہ داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو، گواہی سچی دے دو۔ اس لئے کہ حق ہر ایک پر حاکم ہے، گواہی کے وقت نہ تونگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔ ان کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر جانتا ہے۔ تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو۔ دیکھو کسی کے برے میں آکر خود اپنا برا نہ کر لو۔ کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل وانصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال ہر آن عدل وانصاف کا مجسمہ بنے رہو۔ جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے عدل کرتے رہو۔ یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب رسول کریم ﷺ نے خیبر والوں کے کھیتوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم نبی اکرم ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو، لیکن باوجود اس کے حضور اکرم ﷺ کی محبت میں آکر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر نا ممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورۂ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی، انشاءاللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی، بدل دی، غلط گوئی سے کام لیا، واقعہ کے خلاف گواہی دی، دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے، واقعات کم و بیش کر دیئے، یا کچھ چھپالیا کچھ بیان کر دیا، تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی، وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے۔ حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے، بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ، جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان ضروری ہے: ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔ تمام احکام کو کل شریعت کو ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں۔ یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو، اللہ تعالیٰ کو مانا ہے تو جسے جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر، یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ مدام رکھ اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھاتا رہ۔ اسی طرح یہاں بھی مومنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے۔ اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو جو کتابیں نازل ہوئیں سب ہیں۔

قرآن کے لئے لفظ ﴿ نَزَّلَ ﴾ بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لئے ﴿ اَنْزَلَ ﴾ اس لئے کہ قرآن بتدریج وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے اترا اور باقی کتابیں پوری کی پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ پھر فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے فرشتوں کے ساتھ اس کی کتابوں کے ساتھ اس کے رسولوں کے ساتھ آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرے وہ راہ ہدایت سے بہک گیا، اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا، گمراہی میں ادھر سے ادھر ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ

اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝١٣٧ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝١٣٨ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝١٣٩ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝١٤٠

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سمجھائے گا منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے' جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں' کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں پس عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہیں جیسے ہو' یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

کافروں سے موالات میں عزت نہیں گناہ کی مجلس میں بیٹھنا بھی گناہ ہے: ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے پھر مومن ہو کر کافر بن جائے پھر اپنے کفر پر جم جائے اور اسی حالت میں مر جائے نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا کوئی امکان نہ انہیں چھٹکارا نہ فلاح نہ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علیؓ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے' مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کر لے۔ پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخر کش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے' پھر وہ مومنوں کو چھوڑ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں۔ ادھر بظاہر مومنوں سے ملے جلے رہتے ہیں' ادھر کافروں میں بیٹھ کر ان مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں دراصل ساتھ تو ہم تمہارے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصد اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ان کے پاس تمہاری عزت ہو یہ تمہیں دھوکہ لگا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو۔ سنو عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے' وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ ﴾ یعنی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کی اور مومنوں کی' لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ مل جاؤ' اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری تعالیٰ سے عزت کے خواہاں بنو۔ دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں عزیز بنا دے گا۔ مسند احمد میں بن حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے لگائے اور نو تک پہنچ جائے وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔

پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور انہیں مذاق میں اڑایا جا رہا ہو اس میں نہ بیٹھو' پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔ ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دستر خوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر

کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت ہے ﴿ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو ان سے منہ موڑ لے۔

حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴾ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ یعنی متقیوں پر ان کے حساب کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔ پھر فرمان باری تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں' قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے اور وہاں کے سخت تر دل ہلانے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں وہاں کی قید و بند میں طوق و زنجیر میں گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے' اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿١٤١﴾

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا' پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تم میں فیصلہ کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔

منافق کی نماز اور منافقت کی مثال: منافقوں کی باطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں ٹوہ لیتے رہتے ہیں اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لئے آ آ کر کہتے ہیں کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا' تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے' یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پائی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں۔ "دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا"۔ گو یہ اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے۔ بھلا کچا رنگ کب تک؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟ وقت آ رہا ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے' اپنی بے وقوفی پر ہاتھ ملیں گے' اپنے شرمناک کرتوت پر ٹسوے بہائیں گے' اللہ تعالیٰ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے' بھرم کھل جائے گا' چھپا کھلا ہو جائے گا راز فاش ہو جائے گا' اندر کا باہر آ جائے گا۔ یہ پالیسی اور حکمت عملی یہ مصلحت وقت اور اقتضائے موقعہ نہایت ڈراؤنی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے' ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مومنوں پر راہ دے دے۔ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے

دن ایسا نہ ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سبیل سے مراد حجت ہے۔ لیکن تاہم اس کے ظاہری معنے مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے' لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی لازمی طور پر ضرور کریں گے۔ اور اس معنی کے کرنے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کو جو مسلمانوں کی ذلت کے اور ان کی بربادی کے آنے کے وقت کا انتظار تھا' مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہ کر دے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ۔ اور وہ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے اس ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے۔

اسی مطلب کی وضاحت آیت ﴿ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ میں کر دی ہے۔ اس آیت کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلم کی ذلت ہے۔

جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے وہ اسے حکم کرتے ہیں اپنی ملک اس سے اسی وقت زائل کر دے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰی ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾

بے شک منافق اللہ تعالیٰ سے چال بازیاں کر رہے ہیں' اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے' اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ اور یاد ربانی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔ بیچ میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں' نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف' جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

منافق نہ صحیح مومن نہ صحیح کافر ہے: سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی آیت ﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ اس مضمون کی گزر چکی ہے۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس رب کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں' لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے۔ وہ ڈھیل دیتا ہے بڑھوتری دیتا ہے' یہ پھولتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور اپنے لئے اسے اچھائی سمجھتے ہیں۔ قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے وہ آگے نکل جائیں گے یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں' جواب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ اور روشنی تلاش کر لاؤ۔ یہ مڑیں گے ادھر

حجاب حائل ہو جائے گا۔

مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کی طرف زحمت۔ حدیث شریف میں ہے جو سنائے گا یعنی کسی کے عیب بیان کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے سنائے گا یعنی اس کے عیب ظاہر کر دے گا اور جو ریاکاری کرے گا اللہ بھی اسے دکھائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ بظاہر لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا انہیں جنت میں لے جاؤ فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے' اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر ان منافقوں کی بدذوقی کا بیان ہو رہا ہے کہ نماز جیسی بہترین عبادت بھی مشغولی اور دلچسپی سے ادا کرنی انہیں نصیب نہیں ہوتی' کیونکہ نیک نیتی حسن عمل حقیقی ایمان سچا یقین ان میں ہے ہی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تھکے ہارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ نمازی کو چاہیئے کو ذوق و شوق سے راضی خوشی پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ تعالیٰ کے کان ہیں' اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تعالیٰ تیار ہے۔ یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے ہارے تنگدلی کے ساتھ بطور بے کار ٹالنے کے نماز کے لئے آئے۔ پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں۔ رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے' نمازی مشہور ہونے کے لئے لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے نمازیں پڑھ رہے ہیں' بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً عشاء کی نماز اور فجر کی نماز۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے' اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گو گھٹنوں چل کر آنا پڑے یہ ضرور آ جاتے میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے ارد گرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ تعالیٰ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں' اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔

ابو یعلیٰ میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص لوگوں کی موجودگی میں تو نماز کو سنوار کر ٹھہرا ٹھہرا کر ادا کرے۔ لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے' یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی۔ پھر فرمایا یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے ارد گرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی چار رکعت پڑھ لیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے نام ہی کیا (مسلم وغیرہ)۔

یہ منافق متحیر ششدر و پریشان حال ہیں۔ ایمان و کفر کے درمیان ان کا دل ڈانواڈول ہو رہا ہے۔ نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ' کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے' کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آ گئیں تو ایمان سے یکسو ہو گئے۔ نہ تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی طرف ہیں' نہ یہودیوں کی جانب۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے دو ریوڑ کے درمیان کی بکری کا کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف۔ اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ اس میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس معنی کی حدیث حضرت

عبید بن عمیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہیر پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہ ؓ نے اپنے سنے ہوئے الفاظ دوہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے۔ جس پر حضرت عبیدؒ ناراض ہوئے (ممکن ہے ایک بزرگ نے ایک طرح کے الفاظ سنے ہوں دوسرے نے دوسری قسم کے)۔

ابن ابی حاتم میں ہے مومن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے' ایک تو کنارے ہی کھڑا رہ گیا' دوسرا اتر کر پار ہو کر منزل مقصود کو پہنچ گیا' تیسرا اترا چلا' جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے چلا' ادھر آ' واپس چلا آ۔ ادھر والے نے آواز دی کہ آ جاؤ نجات کے سات منزل مقصود پر میری طرح پہنچ جاؤ' آدھا راستہ طے کر چکے ہو۔ اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے' تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں کدھر نہ جاؤں؟ جو ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی' غوطے کھا کھا کر مر گیا۔ پس پار ہو جانے والا تو مسلمان ہے' کنارے کھڑا رہ جانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے۔ اور حدیث میں ہے منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی' پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی۔

پھر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ حق سے پھیر دے اس کا ولی و مرشد کون ہو؟ اس کے گمراہ کردہ کو راہ کون دکھا سکے؟ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کے بدترین بد عملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے۔ اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا خلاف کون کر سکتا ہے وہ سب پر حاکم ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَھُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِــيْمًا ﴿١٤٧﴾

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو۔ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے' ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے۔ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دین داری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں' اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا' اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو' اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔

کافروں سے دوستی منع ہے: کافروں سے دوستیاں کرنے سے ان سے دلی محبت رکھنے سے ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مومنوں کو چاہیئے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں۔ ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں

اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے' یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں سے ڈرنا چاہیئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے۔ یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہو گا اور پوری دلیل ہو گی اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے۔ کئی ایک سلف مفسرین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں داخل کئے جائیں گے۔ ﴿ دَرْك ﴾ مقابل ہے درجہ کے۔ بہشت میں درجے ہیں ایک سے ایک بالا اور دوزخ میں درک ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں' انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھلستے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چوطرف سے بالکل بند ہوں گے' اور کوئی نہ ہو گا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے' جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کمی کرا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں' صرف خوشنودی باری اور مرضی مولی کے لئے نیک اعمال پر کمر کس لیں' ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں' اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گے اور انہیں سچے مومنوں میں داخل کر لے گے اور بڑے ثواب اور اعلیٰ اجر عنایت فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے' بے نیاز ہے۔ بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا' ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشمالی ضرور ہے۔ پس فرمایا اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کرے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدردانی کرنے والا ہے۔ جو اس کا شکر کرے وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے۔ وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی ایمان ہے اور کون سا دل ایمان سے خالی ہے۔ جو اخلاص اور ایمان والے ہیں انہیں بھرپور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنائت فرمائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت سے مالامال کرے اور پھر اجر و ثواب سے نہال کرے۔ آمین)

﴿ اَلحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْمِنَّةُ ﴾ کہ ترجمہ تفسیر ابن کثیر اردو پارۂ پنجم ختم ہوا۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

برائی ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے۔ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگزر کرو' پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

برائی کا چرچا نہ کرنا جبکہ ظالم کے ظلم کو بیان کرنا جائز ہے: حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بد عا کرنی جائز نہیں' ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم کے لئے بدعا کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر و تحمل کرے تو فضلیت اسی میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی چیز چور چرا کر لے گئے تو آپؓ نے ان کے لئے بد دعا کرنے لگیں حضور رسول مقبول ﷺ نے سن کر فرمایا کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس کے لئے بددعا نہ کرنی چاہیے بلکہ یہ دعا کرنی چاہی ﴿ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّيْ مِنْهُ ﴾ اے اللہ! اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوادے۔ آپ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ مظلوم کو ظالم کے کوسنے کے لئے رخصت ہے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے بڑھ نہ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہ باندھو۔ ایک دوسری روایت میں ہے ﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے' اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو گالیاں دینے والے جو کہیں اس کا وبال اس پر ہے جس نے ابتدا کی ہو' ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے۔ جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہ رضوان اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ﷺ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے ہیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمان داری نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! اگر وہ اپنے لائق میزبانی کریں تو خیر ورنہ تم ان سے اپنے لائق لے لیا کرو۔ مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ جو مسلمان کسی اہل قبیلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے ساری رات گزر جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس مہمان کی نصرت ضروری ہے اس شخص کے مال سے اس کی کھیتی سے بقدر اس کی مہمانی دلوادیں۔ مسند کی حدیث میں ہے ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے' خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔

ابوداؤد وغیرہ میں ہے ایک شخص سرکار رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یارسول اللہ! مجھے میرا پڑوسی بہت ایذا پہنچاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جا ایک کام کر اپنا کل مال واسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا۔ اب جو گزرتا ہے وہ پوچھتا ہے کیا بات ہے؟ یہ کہتا ہے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے میں تنگ آ گیا ہوں۔ وہ اسے برا بھلا کہتا ہے' کوئی کہتا ہے اللہ کی مار اس پر' کوئی کہتا ہے اللہ غارت کرے۔ جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے

پاس آیا منتیں کر کے لے گیا کہ اپنے گھر چلو! اللہ کی قسم اب مرتے دم تک آپ کو کسی طرح نہ ستاؤں گا۔ پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو! تم کسی نیکی کو ظاہر کرو تو اور پوشیدہ کرو تو' تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگزر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا ثواب پورا اجر اور اعلی درجے ہیں۔ وہ خود بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے بھاتی ہے۔ باوجود انتقام کی قدرت کے پھر بھی معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

بعض تو کہتے ہیں ﴿سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ﴾ اے اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ﴾ اللہ قدرت کے باوجود درگزر کرنے والے اے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کے لائق ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے صدقہ اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں' عفو درگزر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع' فروتنی اور عاجزی کرے اللہ کے مرتبے اور اس کی توقیر اور بڑھا دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع

ع ۲۱/۱

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں' یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے' یہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ان کے پورے ثواب دے گا۔ اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ پر ایمان ضروری ہے: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک نبی کو بھی جو نہ مانے کافر ہے۔ یہودی سوائے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے' نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سوا اور انبیاء علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے' سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زردشت کو مانتے تھے۔ لیکن ان کی شریعت کے جب یہ منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھالی' واللہ اعلم۔ پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا کسی کا انکار کر دیا۔ کسی اللہ کی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش' جوش تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر

ہے' اس لئے کہ اگر اور انبیاء کو بوجہ ان کے نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کا ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا۔ جب وہ ایک کو نہیں مانتا۔ تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے انہیں بھی کسی دنیوی غرض اور ہوا و ہوس کی وجہ سے مانتا ہے۔ پس انکی شریعت ماننے نہ ماننے کے درمیان کی ہے یہ یقینی اور حتمی کفار ہیں۔ کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں۔ پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی والے عذاب ہوں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لاکر ان کی توہین کرتے تھے اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے' ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور و فکر نہ کر کے نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو' خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کیا جاتا ہو۔ جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضور ﷺ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر ہو گئے۔ اور آپ ﷺ کی مخالفت عداوت میں آکر مقابلے پر تل گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی ڈالی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ پھر امت محمدیہ ﷺ کی تعریف ہو رہی ہے۔ کہ رب پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو بلا تفریق مانتے ہیں 'اللہ کی اس آخری کتاب پر ایمان لاکر اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی اللہ کی کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے ایک آیت میں ہے۔﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ﴾ پھر ان کے لئے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اسنے تیار کر رکھا ہے۔ اسے بھی بیان فرمادیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر و ثواب عطا ہوں گی۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرمائے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائے گا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی' کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھادے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آپڑی۔ پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکیں تھی۔ انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرمادیا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ اور صریح دلیل عنایت فرمائی۔ اور ان کا قول لینے کے لئے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ' اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سے سخت قول و قرار لئے۔

یہودیوں کی حضرت محمدؐ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی گستاخی: یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے توراۃ ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے' آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آئیے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدنیتی سے بطور مذاق کے اور بطور کفر کے تھا۔ جیسے کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا جو سورہ سبحان میں مذکور ہے کہ جب تک

عرب کی سرزمین پر دریاؤں کے ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ان کی اس کی سرکشی اور بیجا سوال پر آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں' ان کی یہ بدعادت پرانی ہے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو دے' اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوال کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں۔ یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی جیسے سورۃ بقرہ میں تفصیل وار بیان گزر چکا ہے ملاحظہ ہو آیت ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ یعنی جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پس تمہیں بجلی کے کڑکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے۔ پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہلاک ہونا' اس کے تمام کا نامرادی کی موت مرنا ان کا اس دریا میں سے بچ کر پار نکل آنا ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر بت پرست کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو۔ جس کا پورا بیان سورۃ اعراف میں ہے اور سورۃ طہ میں بھی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں۔ ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ سالہ پرستوں کو قتل کریں جب قتل شروع ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے ہم نے اس سے بھی درگزر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر حجت اور غلبہ عنایت فرمایا۔ اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو پہاڑ گرا کر دبا دوں' یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام الٰہی بجالانے کا مضبوط عہد و پیماں کیا یہاں تک دل میں دہشت تھی کہ سجدے میں بھی کنکھیوں سے اوپر کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر نے پڑے اور دب کر نہ مر جائیں پھر پہاڑ ہٹا لیا گیا۔ ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿ حطة ﴾ کہیں یعنی اے اللہ! ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس (۴۰) سال میدان "تیہ" میں سرگشتہ وحیران و پریشان رہے لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں بھی مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جانے لگے اور ﴿ حِنْطَةٌ فِیْ شِعْرَةٍ ﴾ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنیے ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیمان ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی نافرمانی پر کمربستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لئے جیسے کہ سورۃ اعراف میں مفصل بیان ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ﴿ وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾ الخ ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصتہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورہ سبحان کی آیت ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ﴾ کی تفسیر میں آئیگی' انشاءاللہ -

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ

وَّقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے' اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے پس یہ قدر قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث۔ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کی رسول مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوۃ والسلام کو قتل کر دیا' حالانکہ نہ تو انہوں نے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے وہی صورت بنادی گئی تھی۔ یقین کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے' اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے' اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے۔ اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ قتل ہوئے نہ مصلوب: اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے۔ ملعون مطرود ہو گئے۔ اولاً تو ان کی عہد شکنی کہ جو وعدے اللہ سے انہوں نے کئے تھے ان پر قائم نہ رہے' دوسری اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر' تیسرے بوجہ ناحق انبیائے کرام کا قتل و خون اللہ کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھے ان کا یہ خیال اور یہ قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں' یعنی پردے میں ہیں جیسے مشرکین نے کہا تھا ﴿ قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ یعنی اے نبی! تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم و عرفان سے پر ہیں۔ سورۃ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے' کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے۔ کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں' بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بناء پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے' سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل و تشریح گزر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرمایا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام پر زناکاری جیسی بدترین و شرمناک تہمت لگائی۔ اور اسی زناکاری کے عمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا شدہ بتلایا۔ بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا

ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ ہم نے (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالا جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور ﷺ سے کہتے تھے۔ کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھلائے مثلاً پیدائشی اندھوں کو بینا کرنا' کوڑھیوں کو اچھا کرنا' مردوں کو زندہ کرنا' مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ' تو یہودیوں کو بہت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی' آپ کی زندگی تنگ کر دی۔ کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا' ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گزاری پھر بھی انہیں چین نہ آیا۔ اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے یہ ستارہ پرست مشرک تھا اس مذہب والوں کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا۔ یہاں آ کر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے' لوگوں کو بہکا رہا ہے۔ روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے۔ امن میں خلل ڈالتا ہے' لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا ایک فرمان لکھا کہ وہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اور اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ تھے۔ آپ کے ساتھ اس وقت بارہ یا تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کر لیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا' تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ تعالیٰ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے' میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ یہ سن کر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا' تیسری دفعہ کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے (رضی اللہ عنہ) اب آپ نے بھی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی ہیں اور چھت کی طرف روزن نمودار ہو گیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ کی حالت طاری ہو گئی۔ اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔﴿ اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ﴾ الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں الخ۔ حضرت روح اللہ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے۔ یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے ہیں۔ اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ شہید ہو گیا' باقی عیسائی بھی یہودیوں کی سی راگنی الاپنے لگے' یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں' واللہ اعلم۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک اور سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کی

شبیہ جس شخص پر ڈالی گئی تھی اسے عیسیٰ علیہ السلام ہی سمجھ بیٹھے جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے ہیں وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے۔ صرف اٹکل پچو سنی سنائی باتوں کی تقلیدی چال کے سوا کوئی دلیل نہیں اس لئے پھر اس کے ساتھ فرمادیا کہ یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا' بلکہ جناب باری تعالیٰ نے جو غالب تر ہے۔ اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آسکتیں۔ اور جس کی حکمتوں کی تہہ تک اور جسکے کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھالیا۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تو آپ گھر میں آئے' اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے' آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے فرمایا! تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر بارہ بارہ بار مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے ۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعضوں نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا' پھر انکے تین گروہ ہو گئے' یعقوبیہ 'نسطوریہ' اور مسلمان 'یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا جب تک چاہا رہا' جب چاہا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا جسے ایک زمانہ تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنے پاس چڑھا لیا' اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں تھا' جب تک اللہ نے چاہا ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ ان پہلے دو گمراہوں فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا۔ چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہ ؓ سے بھی منقول ہے۔ اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے۔ حضرت وہب بن منبہ ؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چڑھ کر آئے اور محاصرہ میں لے لیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ حواریین تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو سب لوگ حضرت عیسیٰ کی شکل و صورت کے ہیں وہ یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے اب یا تو جو حقیقی عیسیٰ علیہ السلام ہوں ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ یہ سن کر روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنا اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کر لے؟ ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ علیہ السلام میں ہی ہوں۔ چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا قتل اور سولی پر چڑھایا اور پھر بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس بلا کر رفعت بخشی۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو القا کیا کہ وہ دنیا سے واپس ہونے والے ہیں' تو آپ پر بہت گراں گزرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے اپنے حواریوں کی دعوت کی' کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب حواریین آئے تو خود کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑے سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر گراں گزرا اور اچھا نہیں معلوم ہوا۔ لیکن آپ نے فرمایا سنو! اس رات میں جو کچھ کر رہا ہوں اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔ چنانچہ تمام معتقدین مسیح علیہ السلام خاموش ہو گئے اور جب آپ اس عزت افزا دعوت کے کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو تمہارے نزدیک میں تم سب میں زیادہ مرتبہ والا ہوں اس کے باوجود میں نے خود تمہاری خدمت کی ہے یہ اس لئے کہ تم میری سنت پر عامل بن جاؤ۔ خبردار! تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے بلکہ ہر بڑے چھوٹے کی خدمت کرے

جس طرح میں نے خود تمہاری کی ہے۔ اب تم سے میرا خاص کام تھا اور جس کی وجہ سے میں نے آج تمہیں بلایا لیا ہے وہ بھی سن لو کہ تم سب مل کر آج رات بھر خشوع و خضوع سے میرے لیے دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ میری اجل کو موخر کر دے۔ چنانچہ سب نے دعائیں کیں' لیکن خشوع و خضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس بے طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا۔ آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور ایک ایک کو جھنجوڑ کر کہنے لگے' تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری کچھ مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ! ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک ہی نہیں بلکہ کئی کئی راتین جاگتے تھے۔ جاگنے کے عادی ہیں' لیکن رب جانے آج کیا بات ہے کہ بے طرح کی نیند نے گھیر رکھا ہے' دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا پھر چرواہانہ رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں۔ غرض اشاروں' کنایوں میں صورت حال کا اظہار کرتے رہے پھر فرمایا دیکھو تم میں کا ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہم کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا۔ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے۔ ادھر ادھر چلے گئے۔ یہودی جو اپنی جستجو میں تھے انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے۔ مگر شمعون نے کہا غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں' انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا اور وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنے آپ کو چھڑوا لیا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ افسوس کرنے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح کو ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دوں تو مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تمیں درہم۔ چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتلا دیا' اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے' اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو کوزندہ کر دیا کرتے تھے' جنات کو بھگا دیا کرتے تھے' مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے' اب کیا بات ہے کہ خود اپنی ذات کو بھی نہیں بچا سکتے' ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے تھو ہے تمہارے منہ پر یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوتے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینی تھی اور ارادہ کیا کہ سولی چڑھا دیں' اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا' سولی پر چڑھا دیا۔

پھر سات دن کے بعد حضرت مریم علیہ السلام اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰ نے جن سے نجات دلوائی تھی وہاں آئیں اور گریہ وزاری کرنے لگیں' تو ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور ان سے کہا کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے۔ اور مجھے انکی ایذائیں نہیں پہنچیں' ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے۔ میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں۔ چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے' جس حواری نے آپ کو بیچا تھا۔ اسے انہوں نے وہاں پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا ہے۔ اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے اس کا نام یحییٰ ہے اب یہ تمہارا ساتھی ہے۔ سنو! صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی۔ ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا۔ تو اسے چاہیئے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنو اسرائیل کا یہ بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داؤد تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے' کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان' حواس باختہ اور اس قدر ہائے وائے کرنے والا نہ ہو گا۔ جس قدر آپ نے اس وقت کی' یہاں تک کہ فرمایا "اے اللہ! موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے

والا ہے تو مجھ سے ٹال دے'' اور یہاں تک گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے ان کے جسم سے خون پھوٹنے لگا۔ اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ (۱۲) حواری تھے' جن کے نام یہ ہیں: فرطوس' یعقوبس' ربدا تجس' یہ (یعقوب کا بھائی تھا) اندرابلیس' فیلبس ابن یلما متا' طوماس' یعقوب بن حلقایا نداوسیس' قتابیا' لیودس' وکریایوطا۔ بعض کہتے ہیں کہ تیرہ آدمی تھے' ایک اور کا نام سرجس تھا' اسی نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھالیے گئے اور بقیہ لوگ یہود کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے۔ اب جو شمار کرتے ہیں تو ایک کم ہے۔ ایک شخص کی کمی ہو جانے سے ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپا مارتے اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچانتے نہ تھے' تو لیودس وکریایوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں جس شخص کو جا کر میں بوسہ دوں' تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ علیہ السلام وہی ہیں۔ جب یہ اندر پہنچتے ہیں تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھا لیئے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنادیئے گئے تھے۔ اس نے جا کر حسب قرار داد انہیں کا بوسہ لیا اور سرجس ؒ کو گرفتار کر لئے گئے۔ اس ارتکاب اور مخبری کے بعد یہ حواری بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا۔ اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام لیودس وکریایوطا تھا۔ یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شناخت کے لئے اس گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اٹھا لئے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں' میں تو تمہارا ساتھی ہوں' میں نے ہی عیسیٰ کا پتہ دیا تھا۔ لیکن کون سنے؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ عیسیٰؑ علیہ السلام کی مشابہت میں سرفروشی کرنے والا مومن صادق سرجس تھا' یا وکریایوطا منافق حواری؟ مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کی مشابہت جس پر ڈالی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت روح اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰؑ کی وفات سے قبل تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لائینگے اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ علیہ السلام کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن آپ ان کے گواہ ہوں گے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

پہلا قول:۔ ایک تو یہ کہ موت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے' یعنی جب آپ قتل دجال کے لئے دوبارہ زمین پر آئیں گے' اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم حنیف کی ملت ہے رہ جائے گی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں موتہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے۔ ابو مالکؒ فرماتے ہیں جب جناب مسیح علیہ السلام اتریں گے اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ ابن عباسؓ سے دوسری روایت میں ہے خاصۃ یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں جب آپ زمین پر نازل ہوں گے۔ اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا جو آپ پر ایمان نہ لائے گا۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے' تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ علیہ السلام کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ قتادہؒ اور عبدالرحمٰنؒ وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بدلائل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول:۔ یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے' اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر واضح ہو جاتا ہے۔ تو ہر کتابی یعنی ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو اس دار فانی سے روانگی کے پیشتر ہی باور کر لیتا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ پر ایمان نہ لائے۔ مجاہدؒ کا یہی قول ہے بلکہ ابن عباسؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ' اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑادی جائے تاہم اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں ﴿ قَبْلَ مَوْتِھِمْ ﴾ ہے۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا' پھر بھی اس درمیانی فاصلہ میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہؒ محمد بن سیرینؒ ضحاکؒ اور جویریہؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسنؒ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب سابقہ قول کی تائید میں بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر کہ وہ آنحضرتؐ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔ عکرمہ یہی فرماتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان سب اقوال مین زیادہ تر صحیح قول پہلا ہی ہے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے قریب قیامت کے اتریں گے اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے اس لئے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح علیہ السلام کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے بھی یہ کہا ہے' ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ علیہ السلام مقتول ہوتے نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کے ایک ہم شکل شخص کو قتل کیا۔ لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو تو اپنے پاس چڑھا لیا وہ زندہ ہیں۔ اب تک باقی ہیں قیامت کے قریب اتریں گے جیسے صحیح متواتر احادیث میں ہے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہیں کریں گے۔ اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے۔ اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام سے رک سکے یا رکے پس جسے یہ گمراہ یہود اور جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں' یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل کی زندگی کے معائنہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گزاری اس میں اس کے سامنے جو کام انہوں نے کئے وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور اللہ کے سامنے انہیں پیش کریں گے۔

ہاں اس کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ فرشتہ موت کے آجانے کے بعد احوال آخرت سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ اسی وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اس سورہ کے شروع میں ہیں۔ ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ﴾ دوسری جگہ فرمان ہے ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ﴾ یعنی جو لوگ موت کے آجانے تک برائیوں میں مشغول رہیں ان کی توبہ قبول نہیں' اور جو لوگ عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لائیں انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال کی جو امام ابن جریرؒ نے تردید کی ہے یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں اس لئے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں اور مسلمان کا وارث کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو' نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباسؓ کے قول پر گہری نظر ڈالئے کہ دیوار سے گرتے ہوئے درندے کو چباتے ہوئے' تلوار کے چلتے ہوئے

وہ ایمان لاتا ہے' پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں' واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا' اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو وہی ہے جو پہلا قول ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں' قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط تفریط انہوں نے کی ہے اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے۔ جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا' اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان گھن کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں' جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا اس کا بھی اثبات کیا اور مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا' جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

حضرت عیسیٰ کا نزول قرب قیامت دوبارہ ہو گا: اب ان حدیثوں کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ' کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری جسے ساری امت نے قبول کیا ہے اس میں امام بخاری علیہ الرحمتہ' کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' عادل حاکم بن کر صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ ہٹائیں گے' مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی لینا پسند نہ کرے گا' ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت وان من کی آخر تک تلاوت کی۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ اس میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہو گا اور اس آیت کی تلاوت میں **قبل موتہ** کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ ﴿ **قبل موت عیسی بن مریم** ﴾ پھر اسے حضرت ابوہریرہؓ کا تین مرتبہ دہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں گے میدان فج روحا میں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی دوسری حدیث میں ہے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو مٹائیں گے' نماز باجماعت ہو گی اور مال راہ الٰہی میں اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے' روحاء میں جائیں گے اور وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابوہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہ کا خیال ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابوہریرہؓ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہو گا جب تمہارے درمیان مسیح بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔ ابوداؤد مسند احمد وغیرہ میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں' مائیں جدا جدا اور دین ایک' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے زیادہ نزدیک تر میں ہوں' اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔ پس تم انہیں پہچان لو درمیانہ قد ہے' سرخ سفید رنگ ہے' دو ممصر کپڑے اوڑھے باندھے ہوئے ہوں گے' ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اگرچہ تری نہ پہنچی ہو۔ صلیب توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہ کریں گے' لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے' ان کے زمانہ میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی' صرف اسلام ہی اسلام رہے گا۔ ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا' پھر زمین پر امانت واقع ہو گی۔ یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے' اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے' انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ چالیس برس

تک ٹھہریں گی پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے - ابن جریر کی اسی روایت میں ہے۔ آپ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے۔ اس حدیث کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری میں بھی ہے' اور روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے قیامت قائم نہ ہوگی جب تک رومی اعماق یا وابق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ جائے' جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے۔ جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جاملے ہیں ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ لیکن مسلمان کہیں گے 'واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کردیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگی' مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا' ان لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں۔ لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرلے گا اور پر غالب آجائے گا۔ یہ پھر کسی فتنے میں نہ پڑیں گے۔ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون میں لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کررہے ہوں گے' جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آگیا ہے۔ اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ شام میں پہنچیں گے دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے صفین ٹھیک کررہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان کی امامت کرائیں گے۔ جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی دیں جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے ابراہیم' موسیٰ' اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی' آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی۔ مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا کہ جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے گا جب وہ مجھے دیکھ لے گا۔ یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان! یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کردے گا اور لوگ امن وامان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ اور ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے' تمام شہروں کو روند لیں گے۔ جس جس چیز پر گزر ہوگا اسے ہلاک کردیں گے' جس پانی کے پاس سے گزریں گے پی جائیں گے' لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ساتھ فنا کردیں گے' لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی' بدبو پھیل جائے گی۔ پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہوگی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے گا یا شام کو ہو جائے۔ رات کو پیدا ہو یا دن کو؟ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو نضرہ ؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان بن ابوالعاص ؓ کے پاس جمعہ کے روز آئے کہ اپنا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں' جمعہ کا جب وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا غسل کرلو' پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی پھر مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے۔ جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی۔ پھر حضرت عثمان بن الوالعاص ؓ آئے' ہم کھڑے ہوگئے' پھر سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے۔ ایک دونوں سمندر ملنے کی جگہ

پر' ایک حیرہ میں' ایک شام میں۔ پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی۔ پھر دجال نکلے گا یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا وہاں کے لوگ تین حصوں میں ہو جائیں گے۔ ایک حصہ تو کہے گا۔ ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کیا ہوتا ہے؟ اور دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں سے مل جائیں گے۔ اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی۔ جو ان سے قریب ہوگا۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے' جن کے سروں پر تاج ہوں گے۔ ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہوگی۔ یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے' ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے' وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اس وجہ سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کی وجہ سے برا حال ہو جائے گا یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں بھون بھون کر کھالیں گے۔ جب سخت تنگی میں ہوں گے تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو! تمہارے لئے امداد آ گئی اس آواز کو سن کی یہ لوگ خوش ہوں گے کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے۔ عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ ان کا امیر آپ علیہ السلام سے کہے گا۔ کہ اے روح اللہ علیہ السلام! آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے۔ لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں۔ چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا۔ فارغ ہونے کے بعد آپ اپنا حربہ ہاتھوں میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے۔ دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا۔ آپ اس کے سینے پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا۔ جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتدا سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا۔ اگر میری موجودگی میں آ گیا تب تو میں اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنا آپ خود اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان کو خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا دائیں بائیں خوب گھومے گا۔ لوگو! اے اللہ تعالیٰ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا۔ سنو! میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی۔ وہ ابتداء دعوے کرے گا کہ میں نبی ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی دیکھ نہیں سکتا' ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے۔ اور سنو وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایماندار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا۔ اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا۔ سنو! تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے' اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی' جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام پر نمرود کی آگ ہو گئی تھی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کر دوں' پھر تو تو مجھے رب مان لے گا۔ وہ اقرار کرے گا' اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ اور اس سے کہیں گے بیٹے! یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائے گا۔ اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروا دے گا پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں زندہ کر دوں گا۔ لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا۔ کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے۔ چنانچہ یہ اسے اٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے وہ جواب دے گا میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہو گیا ہے۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند

درجہ کا جنتی ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہوں گے۔ آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہو گی وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا۔ اور زمین سے پیداوار ہوگی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اسے نہ مانیں گے اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گی دوسرے قبیلے کے پاس جائے گا۔ جو اسے اللہ مان لے گا' اسی وقت اسی کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی' ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گی' سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین (ممالک) کا دورہ کرے گا۔ جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لئے ہوئے پائے گا۔ تو سبخہ کی انتہائی حد پر ظریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا۔ پھر مدینہ مین تین بھونچال آئیں گے اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے سے دور پھینکے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کر دیتی ہیں۔ اس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا۔

ام شریک ؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس دن عرب کہاں ہوں گے۔ فرمایا اولاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی۔ ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا' جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ یہ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تا کہ آپ علیہ السلام آگے بڑھ کر امامت کرائیں' لیکن آپ علیہ السلام اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ' اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے۔ پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ علیہ السلام فرمائیں گے کہ دروازہ کھول دو۔ پس کھول دیا جائے گا۔ ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہوگا جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا۔ دجال آپ علیہ السلام کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے۔ اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا۔ لیکن آپ علیہ السلام فرمائیں گے۔ اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا' تو اسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے۔ اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ ہر پتھر ہر درخت ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے آ کر اسے مار ڈال۔ ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا۔ سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر کی طرح اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے دروازے سے چلے گا اور ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا ہوگا جو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم کیسے نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اندازہ کر لیا کرو جس طرح ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام میری امت میں حاکم ہوں گے' عادل ہوں گے' امام ہوں گے باانصاف ہوں گے' صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے' جزیے کو ہٹا دیں گے' صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا۔ ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا' بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے۔ لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے گا۔ شیروں سے لڑکے کھیلیں گے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ بھیڑیے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو۔ تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لبالب بھرا ہوا ہو۔ سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی' لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی۔ قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے۔ زمین مثل سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدم علیہ السلام تھیں اگا دے گی۔ ایک

جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوگا۔ ایک انار اتنا ہوگا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے' بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ ہوگی؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی' دریافت کیا گیا کہ بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین میں کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے ظہور سے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہوگی۔ پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم اللہ روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا۔ پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں کم کر دے۔ اور یہی حکم زمین کو ہوگا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے۔ تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی۔ تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے' مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے'' آپ نے فرمایا ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لا الہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا اور الحمد اللہ کہنا ہوگا۔ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تاکہ انہیں بھی یاد رہے۔ یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں' اسی حدیث کے مثل ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان ؓ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے بلند و پست کیا کہ ہم سمجھے کہیں مدینہ کے نخلستان میں موجود نہ ہو۔ پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا دجال کے علاوہ مجھے تو تم پر اور اس سے بھی بڑھ کر خوف ہے' اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں خود اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا۔ میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں' وہ جوان ہوگا آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہوگی۔ بس یوں سمجھ لو عبدالعزے بن قطن کی طرح ہوگا۔ تم میں سے جو اسے دیکھے اس کو چاہیئے کہ سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے۔ وہ شام و عراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا' ہم نے پوچھا حضور ﷺ! وہ کتنی مدت رہے گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن' ایک دن ایک سال کے برابر' ایک دن ایک مہینہ کے برابر ایک دن جمعہ کے برابر' اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں کی طرح۔ پھر ہم نے دریافت کی کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش ہوگی' زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے' ان کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلائے گی اور اس کا انکار کر دے گی۔ یہ وہاں سے واپس ہوگا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا۔ وہ بنجر زمین پر کھڑا ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانوں! نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے' یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا کہ ایک تیر کی رفتار ہو' پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آ جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے باندھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب جھکائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے۔ جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے گا وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے گی۔ آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اسے قتل کریں گے۔ پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے سے بچایا ہوا ہوگا' ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور ان کے جنتی درجوں کی انہیں خبر دیں گے۔ اب اللہ

کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا' تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔

پھر یا جوج ماجوج نکلیں گے: پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آجائیں گے۔ بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا' جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ ایسا سوکھا پڑا ہو گا کہ وہ کہیں گے شائد یہاں بھی پانی ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں' اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے' اللہ تعالیٰ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم فنا ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ زمین پر اتریں گے' مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو' پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے۔ پھر بارش ہو گی جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی ہو جائیگی۔ پھر زمین کو حکم ہو گا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا۔ اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہو گا' اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا' پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مرد عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی۔ اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے۔ ان پر قیامت قائم ہو گی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورہ انبیاء کی آیت ﴿ حَتّٰىٓ اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ﴾ کی تفسیر میں بیان کریں گے' انشاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آجائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے بیت اللہ جلا دیا جائے گا' اور یہ ہو گا اور وہ ہو گا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا مجھے معلوم نہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعودؓ کے ہے آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں گے' پھر سات سال لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو میں کچھ عداوت نہ ہو گی پھر ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی' جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہو گا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو وہ بھی فوت ہو جائے گا پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہو گی' شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آکر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کر دے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزیوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہوں گے۔ اور زندگی با آرام گزر رہی ہو گی' پھر صور پھونکا جائے گا جس سے لوگ گرنے پڑنے لگیں گے' ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہو گا سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی جس سے یہ اور تمام لوگ بیہوش ہو جائیں گے غرض کہ سب کے فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائے گا جو مثل شبنم کے یا مثل سایے کے ہو گا۔ اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا' سب کے سب جی اٹھیں گے۔ پھر کہا جائے گا لوگو! اپنے رب کی طرف چلو' انہیں ٹھہراؤ' ان سے سوال کیا جائے گا پھر فرمایا جائے گا جہنم کا حصہ نکالو۔ پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے' یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔

مسند احمد میں ہے ابن مریم علیہ السلام باب لد کے پاس یالد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ ترمذی میں باب لد ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے' اس کے بعد امام ترمذیؒ نے چند اور صحابہؓ کے نام لئے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی احادیث مروی ہیں تو اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی احادیث تو بے شمار ہیں جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے۔ مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضور ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع کے پاس سے گزرے اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے' تو آپ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہولیں قیامت قائم نہ ہوگی' آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا' دھوئیں کا آنا' دابۃ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا' دجال کا آنا تین جگہ زمین کا دھنس جانا' شرق میں غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جا کر دے گی' وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کرے گی اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے' واللہ اعلم۔ پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر احادیث جو حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن مسعود حضرت عثمان بن ابوالعاص' حضرت ابوامامہؓ' حضرت نواس بن سمعانؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت مجمع بن جاریہؓ' حضرت ابوشریحہؓ' حضرت حذیفہ بن اسیدؓ' سے مروی ہیں یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے یعنی صبح کی نماز کی اقامت شام کے شہر دمشق کے شرقی منارہ پر اتریں گے۔ اس زمانے میں یعنی ۷۴۱ھ میں جامع اموی کا منار سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے اس لئے کہ آگ کے صدمہ سے یہ جل گیا ہے اور یہ آگ لگانے والا غالباً ملعون عیسائی تھے' کیا عجب کہ یہی وہ منارہ ہو جس پر مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے۔ صلیبوں کو توڑ دیں گے جزیے کو ہٹا دیں گی اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتلایا ہے یہ وہ وقت ہوگا جب تمام شک شبہے ہٹ جائیں گے اور لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کرلیں گے جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ ایک قرات میں لعلم ہے یعنی جناب مسیح علیہ السلام کا نزول قیامت کا ایک زبردست نشان ہے یعنی قرب قیامت کا' اس لئے کہ علیہ السلام دجال کے آچکنے کے بعد تشریف لائیں گے اسے قتل کریں گے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج نہ مہیا کیا ہو۔ آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے علیہ کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی بھی خبر دیتا ہے فرمان ہے۔ ﴿ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ﴾ یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفتیں ملاحظہ ہوں' پہلے کی دو حدیثوں میں آپ کی صفت گزر چکی ہے۔

بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں جیسے شنوءہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے۔ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ گھونگریالے بالوں والے چوڑے چکلے سینے والے تھے' (حضرت) موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے دجال کی شکل وصورت بھی بیان فرمادی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر کے پٹھے دونوں

مونڈھوں تک تھے' صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی' ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا سخت الجھے ہوئے بال تھے وہ بھی دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے کہا گیا یہ کون ہے؟ کہا یہ مسیح الدجال ہے۔ بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہا اللہ کی قسم حضورؐ نے عیسیٰ علیہ السلام کو سرخ رنگ کا نہیں بتلایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ کا بتلایا ہے پھر اوپر والی پوری حدیث ہے' حضرت زہریؒ فرماتے ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ وہ حدیث بھی گزر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ علیہ السلام کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام یہاں سات سال رہیں گے تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گزاری ہے جس وقت آپ اٹھائے گئے' اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے' واللہ اعلم۔ ابن عساکر بعض کا قول ہے جب آپ علیہ السلام آسمانوں پر چڑھائے گئے اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی یہ بالکل واہی اور دور کا قول ہے' ہاں حافظ ابو القاسمؒ نے اپنی تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی وارد کیا ہے کہ آپ علیہ السلام حضور ﷺ کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گی' فاللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے' یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انہیں پہنچا دی تھی۔ اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا جیسے سورہ مائدہ کے آخر میں ہے ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ ﴾ سے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ تک ہے' یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾

جو نفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں۔ ان کے ظلم کے باعث اور اللہ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث۔ اور سود جس سے وہ منع کئے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث۔ ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں اور زکوۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے۔

بطور سزا حلال چیزیں اللہ نے حرام کر دیں: اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ حرمت قدری ہو یعنی مقدرات الٰہی میں یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے۔ دوسرا یہ کہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں تورات کے اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں' جیسے فرمان ہے ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ الخ یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے ماسوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے پھر تورات میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں۔ جیسے سورہ انعام میں فرمایا ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ﴾ الخ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو ہم نے ان پر حرام قرار دے دی' یہ اس لئے کہ یہ باغی طاغی اور مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے۔ پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کی ظلم و زیادتی کے باعث خود راہ اللہ سے یک سو ہو کر دوسروں کو اس سے بھٹکانے کے باعث جو ان کی پرانی عادت تھی رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے انہیں قتل کر ڈالتے تھے انہیں جھٹلاتے تھے' مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خوریاں کرتے تھے جو محض حرام تھیں' اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال مار کھانے کی تاک میں لگے رہتے۔ اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کئے ہیں جرات سے انہیں کر گزرتے تھے' اس باعث ان پر حلال چیزیں بھی بعض بعض ہم نے حرام کر دیں۔ ان کفار کے لئے دردناک عذاب تیار ہیں لیکن ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں اس جملہ کی تفسیر سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے اور جو باایمان ہیں یہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت ثعلبہ بن سعید' حضرت زید ابن سعید حضرت اسید بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں جو اسلام میں آ گئے تھے اور حضور ﷺ کی نبوت کو مان چکے تھے۔ آگے کا جملہ ﴿ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ تمام آئمہ ؒ کے قرآن میں اور ابی بن کعب ؓ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریر ابن مسعود ؓ کے صحیفہ میں ﴿ وَالْمُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ ہے صحیح قرات اگلی ہی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابت کی غلطی بتایا ہے ان کا قول غلط ہے بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے جیسے ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ ﴾ ' میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملہ پر یعنی ﴿ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور اللہ کی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے' امام ابن جریر ؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے' واللہ اعلم۔

اور زکوۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں' واللہ اعلم۔ اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا سزا اس دن میں ملے گی' یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ

قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی' اور ہم نے وحی کی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی طرف اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اور تجھ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔ ہم نے انہیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔

انبیاء کی تعداد درجات اور آسمانی کتابیں: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا اے محمد ﷺ ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو' اس پر یہ آیات اتریں' محمد کعب قرظیؒ فرماتے ہیں جب آیت ﴿ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ﴾ سے عظیما تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل نہیں فرمایا نہ موسیٰ علیہ السلام پر نہ عیسیٰ علیہ السلام پر نہ کسی اور نبی پر۔ آپ ﷺ اس وقت گوٹ لگائے بیٹھے تھے اسے آپ ﷺ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ ﴾ نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ یہ آیت سورہ انعام میں ہے جو مکیہ ہے اور سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کے رد میں ہے جب کہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا پھر ان کے عیوب بیان فرمائے اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں کھولیں' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء کی طرف زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی۔ ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورہ قصص کی تفسیر میں بیان کریں گے' انشاءاللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے نام قرآن کے لفظوں میں آ گئے ہیں یہ ہیں: آدم' ادریس' نوح' ہود' ابراہیم' لوط' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' یوسف' شعیب' موسیٰ' ہارون' یونس' داؤد' سلیمان' الیسع' زکریا' عیسیٰ' یحییٰ' اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل ایوب اور الیاس علیہم السلام اور ان سب کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابوذرؓ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے پوچھا کہ ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ' بہت بڑی جماعت میں نے پھر دریافت کیا' سب سے پہلے کون سے ہیں فرمایا آدم علیہ السلام۔ میں نے کہا کیا وہ بھی رسول تھے؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر ان میں اپنی روح پھونکی پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا' پھر فرمایا اے ابوذر! چار سریانی ہیں' آدم علیہ السلام' شیث علیہ السلام' نوح علیہ السلام' اور خنوخ علیہ السلام' جن کا مشہور نام ادریس علیہ السلام ہے۔ انہی نے پہلے قلم

سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں۔ ہود علیہ السلام' صالح علیہ السلام' شعیب علیہ السلام اور تمہارے نبی ﷺ۔ اے ابوذر! بنو اسرائیل میں پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں' تمام نبیوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے۔ حافظ ابو حاتمؒ نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے جس پر صحت کا نشان دیا ہے لیکن ان کے برخلاف امام ابوالفرج ابن جوزیؒ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں اور ابراہیم بن ہاشم اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آئمہ جرح و تعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے' واللہ اعلم۔ لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابوامامہؓ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم بن عبدالرحمن بھی ضعیف ہیں اور ایک حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں' چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زیدی اور اس کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔ ابویعلی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گزر چکے ہیں ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے ان کے بعد میں آیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی خوف نہیں بجز احمد بن طارق کے ان کے بارے میں مجھے کوئی عدالت یا جرح نہیں ملی' واللہ اعلم۔

ابوذر غفاریؓ والی طویل حدیث جو انبیاء کی گنتی کے بارے میں ہے اسے بھی سن لیجئے آپ ﷺ فرماتے ہیں' میں مسجد میں آیا اس وقت حضور ﷺ تنہا تشریف فرما تھے میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا آپ ﷺ نے نماز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ بہتر چیز ہے جو چاہے کوئی زیادتی کرے جو چاہے کمی۔ میں نے کہا حضور ﷺ! کون سے اعمال افضل ہیں؟ فرمایا اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے کہا حضور ﷺ! کونسا مومن افضل ہے؟ فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا۔ میں نے کہا حضور ﷺ کونسا مسلمان اعلیٰ ہے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔ میں نے پوچھا کہ کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا برائیوں کو چھوڑ دینا۔ میں نے پوچھا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا لمبے قنوت والی۔ میں نے پوچھا کونسا روزہ افضل ہے؟ فرمایا فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑھا چڑھا اجر و ثواب ہے۔ میں نے پوچھا کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے۔ میں نے کہا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو۔ میں نے پوچھا کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا۔ میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ فرمایا آیت الکرسی' پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلہ میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر۔ میں نے کہا حضور ﷺ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ بہت بڑی پاک جماعت۔ میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم علیہ السلام۔ میں نے کہا بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا ہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا سنو چار تو سریانی ہیں۔ آدم' شیث' خنوخ اور یہی ادریس ہیں علیہم السلام۔ جس نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح علیہ السلام اور چار عربی ہیں۔ ہود' شعیب' صالح' علیہم السلام اور تمہارے نبی۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے اور حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور تورات' انجیل' زبور' اور فرقان۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا اے بادشاہ مسلط کیا ہوا مبتلا مغرور میں نے تجھے

دنیا جمع کرنے والا اور ملا ملا کر رکھنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو میرے سامنے سے ہٹا دے اگر میرے پاس پہنچے تو میں اسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو' اور ان میں مثالیں بھی تھیں یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے ایک وقت اللہ کی صفت میں غور کرے ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے' عاقل کو تین چیزوں کے سوا کسی میں اپنے تئیں منہمک نہ کرنا چاہئے یا تو توشہ آخرت یا حصول معاش' یا غیر حرام چیزوں سے سرور لذت۔ عاقل کو چاہئے کہ اپنا وقت دیکھتا رہے اپنے کام میں لگا رہے۔ اپنی زبان کی نگہداشت کرے' جو شخص اپنے قول کو اپنے فعل سے ملاتا رہے گا وہ بہت کم گو ہو گا کلام وہی کر و جو تمہیں نفع دے۔ میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا سراسر عبرتیں' مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر مست ہے' تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر ہائے ہائے میں پڑا ہوا ہے' دنیا کی بے ثباتی دیکھتا ہے۔ پھر اس پر اطمینان کئے ہوئے ہے قیامت کے دن کے حساب کو جانتا ہے پھر بے عمل ہے۔ میں نے کہا حضور ﷺ اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پڑھو ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ آخر سورت تک۔ میں نے کہا حضور ﷺ! مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں یہی تیرے کام کا سر ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کچھ اور بھی۔ آپ نے فرمایا تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہ وہ تیرے لئے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کا باعث ہو گا۔ میں نے پھر کہا حضور ﷺ! اور زیادہ فرمائیے فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے بچ وہ دل کو مردہ کر دیتی ہیں اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے میں نے کہا اور زیادہ فرمائیے فرمایا جہاد میں مشغول رہ' میری امت کی رہبانیت درویشی یہی ہے۔ میں نے کہا اور وصیت کیجئے۔ فرمایا سوائے بھلی بات کہنے کے زبان بند رکھا کر اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہو گی۔ میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجئے۔ فرمایا اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کر اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈال اس سے تیرے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت ہو گی۔ میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجئے فرمایا مسکینوں سے محبت رکھ اور ان کے ساتھ بیٹھ اس سے اللہ کی رحمتیں تجھے بہت بڑی معلوم ہوں گی۔ میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا قرابت داروں سے ملا رہ گو وہ تجھ سے نہ ملیں۔ میں نے کہا اور۔ فرمایا حق گوئی کر گو وہ کسی کو کڑوی لگے۔ میں نے اور بھی نصیحت طلب کی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے بارے ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر۔ میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا اپنے عیبوں پر نظر ڈال کر دوسروں کی عیب گیری سے باز آ جا۔ پھر میرے سینے پر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقلمندی نہیں اور حرام سے رک جانے کے برابر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ کمی کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو سعید خدری ؓ پوچھتے ہیں کہ کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں' ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن میرے سامنے اللہ نے اس کی وہ علامات بیان فرمائی ہیں جو کسی اور سے نہیں فرمائیں۔ سنو وہ بھینگا ہے اور رب ایسا ہو نہیں سکتا' اس کی داہنی آنکھ بھینگی کانی ہے دیدہ اوپر کو اٹھا ہوا ایسا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنکار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک چمکیلے ستارے جیسی ہے۔ وہ تمام زبانیں بولے گا اس کے ساتھ جنت کی صورت ہو گی سرسبز اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہو گی سیاہ دھوئیں دار۔ ایک حدیث میں ہے ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا۔ موسیٰ ؑ کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا پھر فرمایا "موسیٰ علیہ السلام سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے" ایک شخص ابوبکر بن عیاش ؒ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے بات کی ہے' اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا یہ کسی کافر نے پڑھا ہو گا۔ میں نے اعمش سے اعمش نے یحیٰی سے یحیٰی نے عبدالرحمن سے عبدالرحمن نے علی ؓ سے علی ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ اس قدر ناراض ہوئے۔ عجب یہ کوئی معتزلی ہو

اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا نہ کسی اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے برا کہہ کر فرمایا' پھر اس آیت میں یہ بے ایمانی کیسے کرو گے جہاں فرمایا ہے۔﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾یعنی موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا' مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہ چلے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو وہ سیاہ چیونٹی کا اندھیری رات میں کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابوہریرہؓ ثابت ہو جائے تو بہت اچھی ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ علیہ السلام سے جب اللہ نے کلام کیا تو وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیں جو سب وصیتیں تھیں پھر تو لوگوں کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنا نہیں جاتا تھا کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام کی گونج تھی۔ اس کی اسناد بھی ضعیف ہے پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔ ایک اثر ابن مردویہ وغیرہ میں ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں طور والے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام اللہ نے کیا اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس کلام کی صفت سے الگ تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا بھید معلوم کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کے برابر کی قوت سے کلام کیا ہے۔ حالانکہ مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے بلکہ ان سب سے بھی زیادہ۔ بنو اسرائیل آپ سے صفت کلام ربانی جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے کہا اچھا کوئی تشبیہ تو بیان کرو۔ آپ نے فرمایا تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہو گی وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی۔ اس کے ایک راوی فصل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تمام زبانوں سے سوا اپنے کلام کے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے پوچھا باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے رب! تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے۔

یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعبؓ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح کی صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ رسول ﷺ ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضامندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں۔ اور اس کے فرمان کا خلاف کرنے والوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب و سزا سے ڈراتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں جو نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول جو بھیجے ہیں اور ان سے اپنی مرضی نامرضی جو معلوم کرائی ہے یہ اس لئے کہ کسی کو کوئی حجت کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے جیسے اور آیت میں ہے﴿ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔

اسی جیسی یہ آیت بھی ہے﴿ لولا ان تصيبهم ﴾ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ باغیرت کوئی نہیں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو اسی وجہ

سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۱۶۶ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸ۙ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۱۶۹ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو' اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ دانا ہے حکمت والا ہے۔

اللہ اور فرشتے پیغمبر کی رسالت کے گواہ ہیں: چونکہ اگلی آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ ﷺ کی نبوت کے منکروں کا رد تھا اس لیے یہاں فرماتا ہے کہ کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں' تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود ہی تیری رسالت کا شاہد ہے وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید کو فرقان حمید کو تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا۔ اس میں ان چیزوں کا علم ہے جس پر اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلیلیں ہدایت اور فرقان اور اللہ کی رضامندی اور ناراضی کے احکام اور گزشتہ کی اور آئندہ کی خبریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے جیسے ارشاد ہے۔ ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ﴾ اور فرمان ہے۔ ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾

حضرت عطاء بن سائب جب حضرت ابو عبدالرحمن سلمیؒ سے قرآن شریف پڑھ چکتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ تعالیٰ کا علم لیا ہے پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے' پھر آپ نے آیت اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ جو تیرے پاس آیا ہے جو وحی تجھ پر اتری ہے وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ کی قسم مجھے پختہ طور پر معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو۔ ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔

پھر فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا حق کی اتباع نہ کی بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں

اور حقیقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت سے کھو دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں' ہماری کتاب کو نہیں مانتے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں' ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں' ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں' ہمارے احکام سے روگرداں ہیں' انہیں ہم نہ بخشیں گے نہ خیر بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھادیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ آگئے تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی فرماں برداری کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں یہی قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے وہ علیم ہے جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے۔ وہ حکیم ہے اس کے اقوال اس کے افعال اس کی شرع اس کی تقدیر سب حکمت سے پر ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ ع

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کے حکم ہیں جسے مریم علیہ السلام کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو۔ اور نہ کہو کہ رب تین ہیں' اس سے باز آجاؤ کہ تمہاری لئے بہتری ہے۔ اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو' اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔

عیسائیوں کا اپنے دین میں غلو کرنا: اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے گزر گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر الٰہی مقام تک پہنچا رہے تھے۔ بجائے اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے معصوم محض جاننے لگے تھے' اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ آئمہ دین کہہ دیں اس کا ماننا ہمارے ذمہ ضروری ہے سچ جھوٹ' حق و باطل ہدایت وضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں' جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہیں ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس تم مجھے عبد اللہ اور رسول اللہ کہنا۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ! اے ہمارے سردار! اور سردار کے لڑکے! اے ہمارے سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو تمہیں شیطان ادھر ادھر نہ کر دے۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں' میں رب کا غلام اور اس کا رسول ہوں قسم اللہ

کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو

پھر فرماتا ہے اللہ پر افترا نہ باندھو' اس کی بیوی اور اولاد نہ مقرر کرو' اللہ اس سے پاک ہے اس سے دور ہے' اس سے بلند و بالا ہے اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کے سوا نہ تو کوئی معبود نہ رب۔ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہم السلام رسول اللہ ہیں' وہ رب کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں' وہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرائیل حضرت مریم صدیقہ علیہ السلام کے پاس گئے اور رب کی اجازت سے اسے ان میں پھونک دیا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے آپ پیدا ہوئے اور اسی خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی اور آیت میں ہے ٭ مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ٭ یعنی مسیح بن مریم علیہ السلام صرف رسول اللہ ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں ان کی والدہ سچی ہیں یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور آیت میں ہے۔ ٭ انّ مثل عيسى عندالله كمثل ادم ٭ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے ٭ والتيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَها ٭ جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے لئے نشان بنایا۔ اور جگہ فرمایا ٭ ومريم ابنته عمران ٭ سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت اور آیت میں ہے ٭ انْ هُوَ الاّ عبْدٌ انْعمْنَاعَلَيْه ٭ ' وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمہ رب عیسیٰ علیہ السلام بن گیا بلکہ یہ کہ کلمہ رب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریر نے ٭ اذْ قالت الْمَلٰٓئكَةُ ٭ کی تفسیر میں جو کہا ہے اس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت پھونکا گیا اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے جس نے اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمد ﷺ کے عبد و رسول ہونے کی اور عیسیٰ علیہ السلام کے عبد و رسول ہونے کی گواہی دی اور یہ مانا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے تھے جو حضرت مریم کی طرف ڈالا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ جیسے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو آیت و حدیث میں ٭ روح منه ٭ کہا ہے ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے ٭ وسخر لكُمْ مَا فِيْ السَّموات ومافي الْاَرْض جميْعا مِّنْهُ ٭ اس نے مسخر کیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تمام کا تمام اپنی طرف سے یعنی اپنی مخلوق سے اور اپنے پاس سے یہی مطلب ٭ رُوْحٌ مِّنْهُ ٭ کا ہے یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس کی روح سے پس لفظ "من" تبعیض کے لئے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا ایک جزو تھے' بلکہ من ابتدا کے لئے ہے جیسے کہ دوسری آیت میں ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں ٭ رُوْحٌ مِّنْهُ ٭ سے مراد ٭ رَسُوْلٌ مِّنْهُ ٭ ہے اور لوگ کہتے ہیں ٭ مَحَبَّةٌ مِّنْهُ ٭ لیکن زیادہ ظاہر پہلا قول ہے یعنی آپ علیہ السلام پیدا کئے گئے ہیں روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے' پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے یعنی صرف شرافت کے اظہار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا۔

پھر فرماتا ہے کہ تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ واحد ہے' بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام رب کے غلام' اللہ کے مخلوق اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو شریک رب نہ بناؤ' اللہ تعالیٰ شرکت سے مبرا ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا ٭ لقدْ كفر الَّذيْن قالُوْٓا انّ الله ثالثُ ثلٰثةٍ ٭ ' یعنی جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے' اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورہ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا؟ آپ صاف طور پر انکار کر دیں

گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے وہ بے طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے تئیں برباد کر رہے ہیں' ان میں سے بعض تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خود اللہ مانتے ہیں اور بعض شریک الٰہی مانتے ہیں اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں' سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید ابن بطریق اسکندری جو ۴۰۰ھ کے قریب گزرا ہے اس نے اور بعض اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس زمانے کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاٹ پادری تھے پھر اس قدر اختلاف آپس میں کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے' دس کا ایک عقیدہ ہے بیس کا ایک خیال ہے چالیس اور ہی کہتے ہیں ساٹھ اور طرف جا رہے ہیں غرض ہزار ہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک قول پر جمع ہو گئے بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید و نصرت کی اور ان کے لئے کلیسے اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے۔ یہیں انہوں نے امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا جو دراصل بدترین خیانت ہے۔ ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے۔ یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں ان میں بھی باہم دگر اختلاف ہے اور ہر ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں' اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اس سے باز آؤ یہ باز رہنا ہی تمہارے لئے اچھا ہے' اللہ تو ایک ہی ہے وہ توحید والا ہے اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو' تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں۔ سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں وہ ہر چیز پر وکیل ہے پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدائی افرینش کرنے والا ہے' اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ سورہ مریم میں ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ سے فَرْدًا ﴾ تک میں بھی اس کا مفصل انکار فرمایا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾

مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو' اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے پس اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا۔ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادتی دے گا۔ اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا انہیں المناک عذاب کرے گا۔ اور وہ اپنے لئے سوائے رب کے سوا کوئی حمایتی دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے۔

حضرت عیسٰی اور تمام فرشتے اللہ کی بندگی کرتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور بہترین فرشتے بھی رب

کی بندگی سے تکبر اور کشیدگی نہیں کر سکتے۔ نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے۔ بلکہ جو جس قدر مرتبے میں قریب ہوتا ہے وہ اسی قدر رب کی عبادت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کے معنی رکنے کے ہیں اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح علیہ السلام کے زیادہ ہے اس لئے یہ فرمایا گیا۔ اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والے بتا کر پھر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی ہے۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ اللہ کو پوجتے ہیں' پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ اور اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکے منہ موڑے اور سرکشی کرے وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے'۔ اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے۔ جو ایمان لائیں جو نیک اعمال کریں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا۔ رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں انہیں بھی ان کی شفاعت ہو گی۔ جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی' لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں۔ ہاں اگر ابن مسعودؓ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا جو لوگ اللہ کی عبادت اطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں انہیں پروردگار دردناک عذاب کرے گا۔ اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی اور مددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴾ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا۔ کہ ذلیل و حقیر خوار و ناچار ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا۔

قرآن لا جواب برہان اور واضح نور ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی چیز اور شک و شبہ کو الگ کرنے والی برہان تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور صاف روشنی پورا اجالا اتار دیا ہے۔ جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

ابن جریجؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں۔ اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں اسے چمٹ جائیں اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں۔ مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ پر ایمان لائیں۔ اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تھام لیں ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا۔ اور اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا۔ نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا ان کے ثواب بڑھا دے گا ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف کی سیدھی راہ اور صاف راہ دکھائے گا۔ جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں کہیں سے تنگ نہیں۔ پس مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا

ہے۔ اور راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہ جنت اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔
شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گزر چکی ہے جس میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی سیدھی اور اللہ کی مضبوط رسی قرآن ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؁١٧٦؀

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں تو کہہ کہ اللہ تعالیٰ خود تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوے دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہو گا اگر اس کے اولاد نہ ہو۔ پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں۔ مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ مثل دو عورتوں کے' اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

لفظ کلالہ کے بارے میں صحابہ اور آئمہ کا موقف: حضرت براءؓ فرماتے ہیں سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برات اتری اور آیتوں میں سب سے آخری آیت **یستفتونک** اتری ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں۔ میں اپنی بیماری میں بے ہوش پڑا تھا' جو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے وضو کیا اور وہ پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے آفاقہ ہوا اور میں نے کہا حضور! اوارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی۔ (بخاری و مسلم) اور روایت میں اسی آیت کا اترنا بھی آیا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گزر چکا ہے۔ کہ لفظ کلالہ ماخوذ ہے اکلیل سے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں۔ اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں' جیسے کہ آیت میں ہے۔ ﴿ وَلَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ حضرت عمر ابن خطابؓ پر جو مشکل مسائل پڑے تھے ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اس کی طرف رجوع کرتے' دادا' کلالہ اور سود کے ابواب۔ اور روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں۔ کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضور ﷺ سے کئے اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے۔ جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔ اور حدیث میں ہے اگر میں حضور ﷺ سے مزید اطمینان کر لیتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہو گی۔ واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضور ﷺ نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں کفایت بتلائی تھی' اب فاروق اعظمؓ اس کے معنے پوچھنے بھول گئے۔ جس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ جناب فاروق اعظمؓ نے حضور سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا' پس فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے بیان نہیں فرمایا' پس یہ آیت اتری۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں جو آیت سورہ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے وہ ولد و والد کے لئے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لئے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لئے اور جس آیت سے سورہ نساء کو ختم کیا ہے وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں چلتا ہے۔ (ابن جریر) اس آیت کے معنی ﴿ هلك ﴾ کے معنے ہیں مر گیا' جیسے فرمان ہے ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ ﴾ یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذات ربانی کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ یعنی ہر ایک جو اس پر ہے فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و کرام والا ہے۔ پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو' اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ وہ کلالہ ہے۔ بروایت ابن جریرؒ حضرت عمر بن خطابؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیقؓ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو نہ والد اور اسی کی دلالت آیت کے اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرمایا ﴿ وَلَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لئے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے۔ اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجماعاً ملتا نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد اس لئے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے۔ کہ ایک عورت مر گئی اس کا خاوند اور ایک سگی بہن ہے۔ تو آپ نے فرمایا آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو۔ جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ (احمد) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے ابن جریر میں منقول ہے کہ دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی۔ اسے کچھ بھی نہ ملے گا اس لئے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا۔ بہ سبب فرض کے اور آدھا بہن کو ملے گا بہ سبب عصبہ ہونے کے ابراھیم بن اسودؒ کہتے ہیں ہم میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو' پھر فرمایا ذرا ابن مسعودؓ کے پاس بھی ہو آؤ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے۔ لیکن جب حضرت ابن مسعودؓ سے سوال ہوا اور حضرت ابو موسیٰؓ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے' سنو میں اس میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو تو دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابو موسیٰؓ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں مجھ سے یہ مسائل نہ پوچھا کرو۔

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہو گا اگر اس کو اولاد نہ ہو یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جب کہ وہ کلالہ مرے یعنی اس کی اولاد اور باپ نہ ہو اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جایا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔ اور باقی کا وارث بھائی ہو گا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں فرائض کو ان کے اہل سے ملا دو پھر جو باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر فرماتا ہے اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے۔ یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ ﴿ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا

مَاتَرَكَ ﴾ پھر فرماتا ہے اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ یہی حکم عصبات کا ہے۔ خواہ وہ لڑکے ہو یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں جب کہ ان میں مرد عورت دونوں موجود ہوں تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے۔ اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے اپنی شریعت واضح کر رہا ہے۔ تا کہ تم بہک نہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانا' بندوں کی بھلائی رائی کا جاننے والا ہے مستحق کے استحقاق کو پہنچاننے والا ہے۔

ابن جریر ؒ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کہیں جا رہے تھے سفر میں تھے حذیفہ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمر ؓ کی سواری کا سر حذیفہ ؓ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری پس حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ کو سنائی اور حضرت حذیفہ ؓ نے حضرت فاروق اعظم ؓ کو' اس کے بعد پھر حضرت عمر ؓ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو اس لئے کہ جیسے مجھے حضور ﷺ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی۔ واللہ میں تو اس پر کچھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ پس حضرت فاروق ؓ فرمایا کرتے تھے اے اللہ ! گو تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے دوبارہ یہ سوال اپنی خلافت کے زمانہ میں کیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ لیکن چونکہ حضرت عمر ؓ کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اپنی صاحبزادی زوجہ رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔ چنانچہ حضرت حفصہ نے ایک روز ایسا ہی موقع پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمر ؓ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے' جب حضور ﷺ نے یہ فرمادیا ہے تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر ؓ کے حکم پر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے ایک شانے پر یہ آیت لکھوا دی' پھر فرمایا کہ عمر ؓ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے۔ کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورہ نساء میں ہے کافی نہیں؟﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً ﴾ پھر جب لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور شانہ ڈال دیا یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ نے صحابہ کو جمع کر کے شانے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے اسے وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔ پس آپ نے فرمایا اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے حضرت عمر ؓ نے فرمایا کاش میں تین مسئلے رسول مقبول ﷺ سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا' ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہوں لیکن کہیں کہ ہم تیری طرف ادا نہیں کریں گے' ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں حضرت عمر ؓ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے قول وہی ہے جو میں نے کہا تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ اور روایت میں ہے حضرت فاروق ؓ فرماتے ہیں میرے اور حضرت صدیق ؓ کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جب کہ وہ جمع ہوں ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابو بکر ؓ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروق ؓ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثہ اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار ! اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو اسے

جاری کر دے‘‘ پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا‘ پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا پھر میرا خیال ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریرؒ میں ہے میں اس بارے میں ابو بکرؓ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں۔ ’’اور ابو بکرؓ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو‘ اور اسی پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ اور آئمہ دین ہیں‘ اور یہی حال چاروں اماموںؒ اور ساتوں فقیہوں کے مذہب کا ہے اور اسی پر دلالت ہے قرآن کریم کی جیسے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا‘‘اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے‘‘ واللہ اعلم۔﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ سورۂ نسا کی تفسیر ختم ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تفسیر سورہ مائدہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی کہ آپ ﷺ پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں (مسند احمد)۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ سفر میں تھے وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔ (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ اس پر سے اتر گئے۔ (مسند احمد)۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورۃ جو حضور اکرم ﷺ پر اتری وہ سورۂ ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ﴾ ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت جبیرؒ بن نفیر فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے مجھ سے فرمایا تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا سنو سب سے آخر یہی سورۃ نازل ہوئی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے ان سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّ عَشْرَۃَ رُکُوْعًا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ① یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ②

المنزل الثانی ۲ | وقف لازم | الربع

رحمت ورحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو عہد و پیماں پورے کیا کرو، تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنادیئے جائیں گے گر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم کرتا ہے۔ ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبہ کو جارہے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضاجوئی کی نیت سے جارہے ہوں ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ! نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ مجھے کوئی خاص نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا جب تو قرآن میں لفظ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سنے تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہو گا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہو گی۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے اس حکم میں نبی ﷺ بھی شامل ہیں۔ حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کی بجائے ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمَسَاكِیْنُ ﴾ ہے ایک روایت میں جو ابن عباسؓ کے نام سے بیان کی جاتی ہے یہ ہے کہ جہاں کہیں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ہے ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علیؓ ہیں اصحاب رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے بجز حضرت علی بن ابی طالب کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا۔ یاد رہے کہ یہ اثر بالکل واہی ہے اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے اس کی روایت منکر ہے میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بذیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا شیعہ ہے پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو کیسے قبول کی جا سکے گی؟ یقیناً وہ اس میں نا قابل قبول ٹھہرے گا۔ اس روایت میں یہ جو ہے کہ تمام صحابہ بجز حضرت علیؓ کے ڈانٹا گیا اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علیؓ ہی نے کیا ہے اور پھر یہ فرمان اترا کہ ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا ﴾ الخ نازل ہوا لیکن یہ غلط ہے کہ آیت میں صحابہ کو ڈانٹا گیا بلکہ دراصل یہ حکم بہ طور وجوب کے تھا ہی نہیں اختیاری امر تھا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا پس حقیقتاً کسی سے اس کا خلاف سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورہ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہ کو ڈانٹا گیا جنہوں نے بدری قیدیوں کو فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ دراصل سوائے حضرت عمرؓ کے باقی تمام صحابہ کا مشورہ یہی تھا پس یہ بجز حضرت عمر کے باقی سب کو ہے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں پس یہ تمام باتیں کھلی دلیل ہیں اس امر کی کہ یہ عذر بالکل ضعیف اور بودا ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن حزمؓ کو لکھوا کر دی تھی جب کہ انہیں نجران بھیجا تھا اس کتاب کو میں نے ابو بکر ابن حزمؓ کے پاس دیکھا تھا۔ اور اسے پڑھا تھا اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول کے بہت احکام تھے اس میں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ تا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴾ بھی لکھا ہوا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزمؓ کے پوتے حضرت ابو بکر ابن محمدؒ نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی یہ کتاب ہے جسے آپؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دی تھی جب کہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے اور ان سے زکواۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی اس میں عہد و پیماں اور حکم احکام کا بیان ہے، اور اس میں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے اے

ایمان والو! وعدہ کو عہد و پیمان کو پورا کرو' یہ عہد ہے محمد ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزمؓ کے لئے جب کہ انہیں یمن بھیجا' انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے یقیناً اللہ تعالیٰ انکے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان خلوص اور نیکی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں عقود سے مراد عہد ہیں ابن جریرؒ اس پر اجماع بتلاتے ہیں خواہ قسمیہ عہد و پیمان ہو یا وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ عہد کر پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال جاننا' اس کے بعد حرام کو حرام جاننا اس کے فرائض کی پابندی کرنا اس کی حدبندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے کسی بات کا خلاف نہ کرو' کسی حد کو نہ توڑو کسی حرام کام کو نہ کرو' اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ﴾ کو ﴿سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ تک۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو اس کے حرام کو اس کے وعدوں کو جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آجاتے ہیں پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ فرائض کی پابندی حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت زیدؒ بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہ چھ عہد ہیں اللہ تعالیٰ کا عہد آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد' شرکت کا عہد تجارت کا عہد' نکاح کا عہد قسمیہ عہد محمد بن کعبؒ کہتے ہیں کہ پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانے کی قسمیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیماں ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں' وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں۔ اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والے کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے۔ جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں۔ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے۔ کہ جب دو شخصوں نے خرید و فروخت کر لی تو ان میں سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے۔ یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید و فروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے۔ بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے مویشی' چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں یعنی اونٹ گائے بکری۔ ابوالحسنؒ قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن جریرؒ فرماتے ہیں عرب میں ان کے لغت کے مطابق بھی یہی ہے' حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اونٹنی گائے بکری ذبح کی جاتی ہے ان کے پیٹ میں سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھا لیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو کھا لو اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں پیٹ کے اندر والے بچہ کا ذبح اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب مردار اور خون و خنزیر کا گوشت ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مردار اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾ الخ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب لگنے سے مر جائے۔ اور اونچے سے گر کر مر جائے۔ اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گو مویشی چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا" لیکن "جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں' اس لئے اس سے استدراک نہیں کیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال

ہیں گو وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا جو بعض احوال میں حرام ہیں اس کے بعد کا جملہ حالیت کی بناء پر منصوب ہے مراد انعام سے عام ہے بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں، جیسے اونٹ گائے بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں۔ جیسے ہرن نیل گائے اور جنگلی گدھے پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں۔ اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے اللہ تعالیٰ وہ حکم فرماتا ہے۔ جو ارادہ کرتا ہے۔ ایمان دارو! رب تعالیٰ کے نشانوں کی توہین نہ کرو، یعنی مناسک حج صفا مروہ قربانی کے جانور اونٹ اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ ہر چیز۔ حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو۔ ان کا ادب کرو ان کا لحاظ رکھو، ان کی تعظیم کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو، جیسے ارشاد ہے۔ ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ﴾ الخ اے نبی ﷺ! لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ کی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے۔ جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب، جسے قبیلہ مضر کا رجب کہا جاتا ہے۔ جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے۔ کہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ، اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گزر جانا ہے جب وہ چار مہینے گزر چکے جو اس وقت تھے تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے۔ اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا بلکہ امام ابو جعفرؒ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تاہم اس کے لئے امن وامان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو۔ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ ﴿ هَدْیَ ﴾ اور ﴿ قَلَائِد ﴾ کی بے حرمتی بھی مت کرو، یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز نہ رہو کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو ان کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ رکو تاکہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے۔ یہ فی اللہ اور راہ اللہ ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس طرح اللہ تعالیٰ کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں بھی اس کی نیکی پر اجر ملے گا کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلائے اسے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ جب حج کے لئے نکلے تو آپ ﷺ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو ملی، اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹا ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا، قربانی کے لئے آپ ﷺ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے۔ جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرے اس کا

دل تقویٰ والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا پلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول ﷺ نے حکم دیا ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں۔ (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے۔ اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بروایت حضرت مجاہدؒ مروی ہے کہ اس سورۃ کی دو آیتیں منسوخ ہیں آیت ﴿قَلَآئِد﴾ اور یہ آیت ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ لیکن حضرت حسنؒ سے جب سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سورۃ میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے تو آپ فرماتے ہیں نہیں۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرمادیا۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں ان سے لڑائی مت لڑو یہاں جو آئے وہ امن میں پہنچ گیا' پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضامندی کی جستجو ہے تو اب اسے ڈر خوف میں نہ رکھو اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے سے مراد ہے بیوپار تجارت جیسے اس آیت میں ہے۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں "رضوان" سے مراد حج کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی تلاش کرنا ہے ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حطم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آرہا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں' اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ امام ابن جریرؒ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو مشرک مسلمانوں کی امان لئے ہوئے نہ ہو تو گو وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جارہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے' اسے قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے' واللہ اعلم۔ ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لئے جارہا ہو اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو وہ تو روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے مومن و مشرک سب حج کیا کرتے تھے اور اللہ تعالے کی ممانعت تھی کہ کسی مومن یا کافر کو نہ روکو' لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں اور فرمان ہے۔ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ﴾ یعنی مشرکین اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں' اور فرمان ہے۔ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں آیت۔ ﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَا آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادہ سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا' اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے' تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں' پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ ابن جریرؒ کا قول ہے کہ قلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آرہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کی ہجو کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی' اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہوگئی۔ جو حکم ممانعت کے بعد ہو اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو

ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لئے ہوگا اور اسی طرح مستحب و مباح' گو بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے۔ لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں' پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے' واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم و زیادتی پر نہ اتر آنا۔ بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اس طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے تمہیں کسی قوم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو عدل ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہئے کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی کرے۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہے۔ حضور ﷺ کو آپ کے اصحابؓ کو جب کہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا' اسی رنج وغم میں صحابہ واپس آ رہے تھے جو مشرقی مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہ نے ہمیں روکا ہے ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں' اس پر یہ آیت اتری شَنَاٰنُ کے معنی بغض کے ہیں۔ بعض عرب اسے "شنان" بھی کہتے ہیں لیکن کسی قاری کی یہ قراءت مروی نہیں ہاں عربی شعروں میں شنان بھی آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے۔ بر کہتے ہیں نیکیوں کے کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں اللہ تعالے نے مقرر کر دی ہیں۔ جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان سے آگے نکل جانا ﴿عُدْوَان﴾ ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو تو حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کریں تو ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟ فرمایا اسے ظلم نہ کرنے دو ظلم سے روک لو' یہی اس کی مدد ہے یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ اس مسلمان سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے۔ مسند بزار میں ہے۔ ﴿اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ﴾ یعنی جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے وہ اس بھلائی کے کرنے والے ہی کی طرح ہے امام ابو بکر بزارؒ اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں اور اس کی تابعداری کریں لیکن ان کے ثواب میں گھٹا کر نہیں' اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے ان سب کو جو گناہ ہو گا وہ سارا اس اکیلے کو ہو گا لیکن ان کے گناہوں کو گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تا کہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت' اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مرا ہو کسی ٹکر سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو پرستش گاہوں پر چڑھایا گیا ہو تم پر حرام کیا جاتا ہے قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنا۔ یہ سب بدترین گناہ ہیں' آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے خبر دار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہا کرنا' آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔

وہ چیزیں جن کا کھانا حرام ہے: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے۔ یہ خبر ان چیزوں کے نہ کھانے کے حکم کو شامل ہے۔ "میت" وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے نہ تو اسے ذبح کیا جائے نہ شکار کیا جائے' اس کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے اس میں رہ جاتا ہے ذبح کرنے سے بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کو مضر ہے ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں' کیونکہ موطا امام مالک ؒ' مسند شافعی' مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' صحیح ابن خزیمہ' اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ اس طرح ٹڈی بھی گو خود ہی مر گئی ہو حلال ہے اس کی دلیل کی حدیث آرہی ہے۔ **دم** سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے سوال ہوتا ہے۔ کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت ذبح بہا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے امام شافعی ؒ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لئے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں مچھلی اور ٹڈی' کلیجی' اور تلی' یہ حدیث مسند احمد' ابن ماجہ' دار قطنی' اور بیہقی میں بروایت عبدالرحمن بن زید بن اسلم مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں' حافظ بیہقی ؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں' ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔ سلیمان بن بلال ؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور وہ ہیں بھی ثقہ' لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمر ؓ پر موقوف رکھا ہے۔ حافظ ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں زیادہ صحیح ان کا صحیح موقوف ہونا ہی ہے ابن ابی حاتم میں حضرت صدی بن عجلان سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ اور رسول ؐ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں' میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اتفاقاً ایک روز ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ صدی تم بھی کھاؤ۔ میں نے کہا تم غضب کر رہے ہو میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا ہم سب پر حرام کرتے ہیں۔ تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ ﴾ الخ پڑھ کر سنا دی یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے

ایک دن جب کہ میں سخت پیاسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے تھوڑا سا پانی پلا دو لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھر درا کمبل منہ پر ڈال کر اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا تو اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لئے ہوئے اور اس میں بہترین اور خوش ذائقہ مزے دار پینے کی چیز لئے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا' میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوئی'۔ بلکہ یہ یہ کہنا چاہیے پیاس نہیں لگی یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے تمہارا مہمان بن کر آیا ہے اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں' چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے' میں نے کہا اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں میرے رب تعالیٰ نے کھلا پلا دیا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اعشیٰ نے اپنے قصیدے میں کیا خوب ہی کہا ہے کہ مردار کے قریب نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کر ﴿ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ﴾ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو۔ لفظ ''لَحْم'' شامل ہے اس کے تمام اجزاء کو جس میں چربی بھی داخل ہے پس ظاہر یہ کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری آیت میں سے فَاِنَّهٗ رِجْسٌ لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں آجائیں' درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزا کو لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے۔ خیال کیجئے کہ صرف چھونا بھی شرعاً'' کس قدر نفرت کے قابل ہے پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کوئی شک رہا؟ اور اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ وہ چربی ہو خواہ اور بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے۔ تو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے' کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ حرام ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابو سفیان نے ہرقل سے کہا وہ نبی ﷺ ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا ہے کہ وہ اس کا نام لے کر جانور کو ذبح کریں پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے خواہ وہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چوکے سے وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورہ انعام میں آئے گا حضرت ابوالطفیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں کسی وقت ان میں سے کوئی حلال نہیں ہوئی (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے پاپیوں کے پاپ کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں۔ لیکن بنو اسرائیل نے آپ علیہ السلام کو سچا جانا اور آپ کی مخالفت کی (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔ حضرت علیؓ جب کوفہ کے حاکم تھے اس وقت ابن نائل نامی قبیلہ بن رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا فرزدق کے دادا غالب سے مقابل ہوا اور یہ طے پایا کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے' چنانچہ کوفہ کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھلاوے سناوے اور فخر و ریاکاری کے لئے

دونوں اس میں مشغول ہوگئے۔ کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آنے لگے' اتنے میں جناب علی المرتضیٰؓ رسول کریم ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ "لوگو! یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور ﴿ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ﴾ میں داخل ہیں۔ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچیں کاٹنے سے ممانعت فرمادی۔ پھر ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے۔ ابوداؤد ہی کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرمادیا جو آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں۔ ﴿مُنْخَنِقَةُ﴾ جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عملاً گلہ گھونٹ کر گلہ مروڑ کر مار ڈالا ہو خواہ از خود اس کا گلا گھٹ گیا ہو' مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا پھندا گلے میں آپڑا اور کھینچ کھچاؤ کرتا ہوا مر گیا۔ پس یہ حرام ہے۔ ﴿مَوْقُوْذَةُ﴾ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھار دار نہیں اور اسی سے وہ مر گیا تو وہ بھی حرام ہی۔ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور لٹھ سے مار ڈالتے پھر کھاتے' قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتلایا۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے۔ اسے نہ کھا۔ پس آپ ﷺ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو فرق کیا' اول کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک یہ بھی مسئلہ اتفاقی ہے' ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام؟ امام شافعیؒ کے اس میں دونوں قول ہیں ایک تو حرام ہونا اور اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر' دوسرے حلال ہونا کتے کے شکار کی حلت کو مد نظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو:۔

(فصل) علماء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا زخمی نہیں کیا یا اسے اس قدر صدمہ پہنچایا کہ وہ مر گیا۔ اور زخمی نہیں ہوا تو کیا وہ حلال ہے یا نہیں۔؟ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں۔ ﴿ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ ﴾ یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں تم انہیں کھا سکتے ہو' اس طرح حضرت عدیؓ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے نوویؒ اور رافعیؒ میں کہتا ہوں کہ گو یوں کہا جاتا ہے۔ لیکن امام صاحبؒ کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے' ملاحظہ ہو ام اور مختصر۔ ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس دونوں فریق نے اس کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا' ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوطی۔ ابن الصباغ نے امام ابوحنیفہؒ سے حلال ہونے کا نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا اور امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے' لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے یہ صرف اپنا تصرف ہے' واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے' مزنیؒ نے اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے' واللہ اعلم۔ اور اسی کو روایت کیا ہے ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے ابو حنیفہؒ سے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے واللہ اعلم' اس لئے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے۔ ابن الصباغ نے حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم کل دشمنوں سے بھڑنے والے ہیں اور

ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اسے کھا لیا کرو الخ (بخاری و مسلم) یہ حدیث گو ایک خاص موقعہ کے لئے ہے لیکن حکم عام الفاظ کا ہو گا' جیسے کہ جمہور علماء اصول و فروع کا فرمان ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بتہ جو شہد کی نبیذ ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے' لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا۔ اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا تعین ہے لیکن جواب کے الفاظ اسے اور اس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت۔ اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجئے کہ کتے کے صدمے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ اور تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے' ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا' پس اس حدیث کے مفہوم کے بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے اس لئے حضور ﷺ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے۔ اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے" اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس پر دلالت کرتی ہے ورنہ متصل نہیں مانا جا سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح ہی کا تھا' تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے جواب کے جملے کو دیکھو' آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو اسے کھا لو یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں' ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی' اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو' ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو مزنیؒ کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے۔ تو نہ کھاؤ اور اسے اپنی دھار اور آنی سے زخم کیا ہے پھر مرا ہے تو کھا لو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں' پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہو گا گو سبب جداگانہ نہ ہوں جیسے کہ ظہار کے وقت کی آزادگی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ' بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدہ کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں' ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ جب تیر اپنی چوڑائی سے لگ کر مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا۔' دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ﴿ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک لیں اس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ عام ہے اسے بھی شامل ہے جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی' لیکن جس صورت میں اس وقت بحث ہے وہ یا تو ٹکر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں۔ بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہو گی۔ اولاً تو یہ شارع علیہ السلام نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے کیونکہ حضرت عدی بن حاتمؓ سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے یہی فرمایا اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہوا ہے اسے نہ کھاؤ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا ہوا معتبر نہ ہو پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہو گا جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع

بتلاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت ﴿ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ ﴾ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے' بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے۔ عموم غیر محفوظ پر۔ ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گزار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میتہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ اس کا خون اور اس کے ردی رطوبات اسی میں رہے پس جس وجہ سے مردار حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ بھی سنئے کہ حرمت کی آیت ﴿حُرِّمَتْ﴾ بالکل محکم ہے اس میں کسی طرح سے نسخ کا دخل نہیں نہ کوئی تخصیص ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہئے یعنی فرمان باری تعالیٰ ۔ ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴾ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے ! تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے۔ پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے سمجھنا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اس میں یہ صورت داخل ہے یعنی جب کہ وہ اپنی ادھار اور تیزی کی طرف سے زخم کرلے تو جانور حلال ہوگا کیونکہ وہ طیبات میں آ گیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آ گیا کہ آیت تحریم میں کونسی صورت داخل ہے یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی سے ہوئی ہے وہ حرام ہو گیا ہے جسے کھایا نہ جائے گا اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ تحریم کا ایک فرد ہے ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ زور بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ **نطیح** یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے' اس کی عادت یہ نہیں' بلکہ یہ ہے کہ اپنے پنجوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کے حکم کو بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں ﴿**میته منخقه موقوذه متردیه نطیحه**﴾ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر۔ تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے اس شخص کے ہاتھ سے جو قادر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کر جاتا ہے اس لئے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرما دیا ہے اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لئے ہی شکار کو روکا ہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے یہی حکایت کیا جاتا ہے' حضرت حسنؒ' شعبیؒ' اور نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے' اور اسی کی طرف ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں صاحب اور احمد بن حنبلؒ اور مشہور روایت میں شافعیؒ بھی گئے ہیں۔ ابن جریرؒ نے اپنی میں علی' سعید' سلمان' ابو ہریرہ' ابن عمر' اور ابن عباس' رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تاہم ائز سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت سعیدؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت سلمانؓ وغیرہ تو فرماتے ہیں گو کتا آدھواں آدھ کھا گیا ہو تاہم ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف ابن صباغ وغیرہ نے کہا ہے۔ ابو داؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تو

اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھالے گو اس نے بھی اس میں سے کھالیا ہو اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے۔ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ تفسیر ابن جریرؒ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھالیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے۔ اس میں اتنی علت ہے کہ موقوفاً حضرت سلمانؓ کے قول سے مروی ہے جمہور نے عدی والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابو ثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے۔ بعض علماء اکرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا' جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھالیا' اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید شکاری کتا ابھی سدھا ہوا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار کیا ہو' بخلاف اس کے کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنے لئے شکار دبوچا ہے' واللہ اعلم۔

اب رہے شکاری پرند تو امام شافعیؒ نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے ہاں مزنیؒ کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھالیا ہو تاہم وہ حرام نہیں' یہی مذہب ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا ہے۔ اس لئے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں' تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابو علی افصاح میں فرماتے ہیں کہ جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں شکاری کتے نے کھالیا ہو تو جس شکار میں شکاری پرند کھالے اس میں دو وجہیں ہیں' لیکن قاضی ابو الطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے کیونکہ امام شافعیؒ نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے' ﴿ **واللہ سبحنہ وتعالی اعلم** ﴾۔

﴿مُتَرَدِّيَةُ﴾ ہے جو پہاڑی سے یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو' وہ جانور بھی حرام ہے ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں' قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ ہے جو کنویں میں گر پڑے ﴿نَطِيْحَه﴾ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا ہو یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیر "ت" کے آتا ہے جیسے ﴿ عَيْنٌ كَحِيْلٌ اور كَفٌّ خَضِيْبٌ ﴾ ان مواقع میں ﴿ كَحِيْلَةٌ ﴾ اور ﴿ خَضِيْبَةٌ ﴾ نہیں کہتے' اس جگہ "ت" اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے جیسے عرب کا یہ کلام ہے ﴿ طَرِيْقَةٌ طَوِيْلَةٌ ﴾ بعض نحوی کہتے ہیں کہ تاء تانیث یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے ﴿ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ ﴾ سے مراد وہ جانور ہے۔ جس پر شیر یا بھیڑیا یا چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگر ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالاجماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھالیا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر لو یعنی گلا گھونٹا ہوا لٹھ مارا ہوا اوپر سے گرا پڑا ہوا سینگ اور ٹکر لگا ہوا اور درندوں کا کھایا ہوا اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ اللہ کا نام لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ اور سدیؒ' فرماتے ہیں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پالو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دم رگڑیں یا پیر ہلائیں یا آنکھیں پھرائیں تو بے شک ذبح کر کے کھالو۔ ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گر پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤسؒ' حسنؒ' قتادہؒ' عبید بن عمیرؒ' ضحاکؒ اور بہت سے حضرات

سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی انتیں نکل آئیں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے۔ تو میری رائے میں نہ کھانی چاہیے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے، تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں، کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے یہ ہے امام مالکؒ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے اس لئے امام صاحبؒ نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہیے، واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور اکرم ﷺ! ہم کل دشمن سے لڑائی میں گھ جانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں، کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو سوائے دانت اور ناخن کے یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔ مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے ہی میں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے۔ یہ حدیث ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہو۔ نصب پر جو جانور ذبح کئے جائیں وہ بھی حرام ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے اردگرد تھیں۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ تین سو ساٹھ بت تھے زمانہ جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے۔ اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان بتوں پر بطور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو۔ کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ، نے اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اور یہی لائق ہے اور اس جملہ سے بھی مطلب یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائیں جائیں۔

﴿ أَزْلَامِ ﴾ سے تقسیم کرنا جو حرام ہے وہ ہے جو جاہلیت کے عرب میں دستور تھا انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے ایک پر لکھا تھا ﴿ افعل ﴾ یعنی کر، دوسرے پر لکھا ہوتا لا تفعل یعنی نہ کر، تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا مجھے میرے رب تعالیٰ کا حکم ہے، دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے رب تعالیٰ کی ممانعت ہے، تیسرا خالی تھا، اس پر کچھ بھی نہ لکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے اگر حکم کا تیر نکلا تو اس کام کو کرتے اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز آجاتے اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے۔ ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زلم بھی کہتے ہیں۔ استقسام کے معنے ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے۔ قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنویں پر نصب تھا جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے، اس بت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا، جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آکر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اوپر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مجسمے گڑھے ہوئے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو جا رہے تھے۔ تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی۔ اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا کہ جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ میں نے پھر نہ مانا تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ یہ حضور ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام سے مشرف فرمایا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے یا تیروں سے فال نکالے یا کسی بد فالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے۔ حضرت مجاہدؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعے اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعے جوا کھیلا کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان سے جوا بھی گاہے کھیل لیا کرتے تھے' واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے ایمان والو! شراب 'جوا' بت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں تم ان سے الگ رہو تا کہ تمہیں نجات ملے شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ ان کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے' اس کام کا کرنا فسق اور گمراہی اور جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو' اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو' مسند احمد۔

بخاری اور سنن میں مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے اس طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پھر یہ دعا پڑھے:۔ ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْلِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ اَصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاَقْدِرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ ﴾ یعنی اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بہت بڑے فضل کا طالب ہوں یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے' اے میرے اللہ تعالیٰ! اگر تیرے علم میں یہ کام بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے' پھر مجھے اسی سے راضی رضامند کر دے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ ﴿ هٰذَا الْاَمْرَ ﴾ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے مثلاً نکاح ہو تو کہے ﴿ هٰذَا النِّكَاحَ ﴾ سفر ہو تو ﴿ هٰذَا السَّفَرَ ﴾ بیوپار ہو تو ﴿ هٰذِهِ التِّجَارَةَ ﴾ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں ﴿ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ ﴾ سے اَمْرِیْ تک کے بجائے یہ الفاظ ہیں۔ ﴿ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ ﴾ ۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط

ملط کر سکیں اپنے دین کو تمہارے دین میں گڈ مڈ کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں ہاں وہ اس کی کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے ملے جلے رہیں کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا۔ اسی لئے حکم ربانی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں ثابت قدم رہیں اور سوا اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا۔ اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل و مکمل کر دیا تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں نہ اس نبی ﷺ کے سوا کسی اور نبی کی تمہیں کوئی حاجت ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کو خاتم النبین کیا ہے انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں دین وہی ہے جسے وہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے دین کو کامل کر نا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو یہی دین اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول ﷺ کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل مکمل کر دیا ہے اور اپنے نبی ﷺ اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں اسے اللہ تعالیٰ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے کا اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدی ؒ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نہیں اترا۔ اس حج سے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیس ؓ فرماتی ہیں اس آخری حج میں حضور ﷺ کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تجلی ہوئی حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر اڑھا دی۔ ابن جریر ؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ ﷺ حیات رہے۔ حج اکبر والے دن جب کہ یہ آیت اتری تو حضرت عمر ؓ رونے لگے حضور ﷺ نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم ابھی دین کی اور زیادتی کی امید میں تھے اب وہ کامل ہو گیا دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اس معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور پردیسی پن سے شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب وانجان ہو جائے گا پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظم ؓ سے کہا تم جو اس آیت ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ ﴾ کو پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا اللہ کے فضل سے مجھے علم ہے کہ یہ آیت آپ پر کس وقت اور کس دن نازل ہوئی یہ عرفہ کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے۔ تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجتہ الوداع والے عرفہ کا دن جمعہ کو تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب ؓ نے حضرت عمر سے یہ کہا تھا اور حضرت عمر ؓ نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپ نے فرمایا ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اتری ہے عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن شام کو اتری ہے۔ حضرت معاویہ بن

ابی سفیانؓ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفہ کو یہ اتری ہے۔ حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں اس وقت حضور ﷺ موقف میں کھڑے ہوئے تھے "ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر والے دن پیدا ہوئے، پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینہ میں تشریف لائے یہ اثر غریب ہے۔ اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے پیر کے دن نبی ﷺ بنائے گئے۔ پیر کے دن ہجرت کے ارادہ سے مکہ سے نکلے، پیر کے دن ہی مدینہ پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت ہوئے۔ حجر اسود بھی پیر کے دن رکھا گیا۔ اس میں سورہ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ہوگا دو عیدوں کے دن یہ آیت اتری تو دو کے لئے بھی لفظ اثْنَيْنِ ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ دو قول اس میں اور بھی مروی ہیں ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نامعلوم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولی میں ہوں اس کا مولا علی ہے۔ تو گویا ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ ہوئی جب کہ آپ حجتہ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں صحیح نہیں بالکل صحیح اور بے شک وشبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن جمعہ کو اتری ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطابؓ اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ اور اسلام کے پہلے بادشاہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعبیؒ حضرت قتادہؒ حضرت شہرؒ وغیرہ آئمہ اور علماء نے کہا ہے یہی مختار قول ابن جریر طبریؒ کا ہے

پھر فرماتا ہے جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کے لئے مجبور و بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام میں لا سکتا ہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے بندے نے اس کی حد نہیں توڑی لیکن بے بسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ مسند احمد میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہے اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مرا جاتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جب کہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے۔ اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ اس مسئلہ میں کہ جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے مردار اور دوسرے کا کھانا حالت احرام میں شکار تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھا لے؟ یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کر لے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی چیز بلا اجازت کھا لے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کر دے۔ اس میں دو قول ہیں، امام شافعیؒ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ وہاں ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے۔ تو ہمارے لئے مردار کا کھا لینا کب جائز ہو جاتا ہے؟ فرمایا جب صبح و شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے۔ اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخینؒ پر صحیح ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کے پاس حضرت سمرہؓ کی کتاب تھی جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ صبح و شام نہ ملنا اضطرار ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تک کہ تو اپنے بچوں کو

دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے۔ ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے حلال حرام کا سوال کیا آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام' ہاں جب کہ ان کا محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے' جب تک کہ تو ان سے غنی نہ ہو جائے۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاجی کونسی ہے جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہو جائے وہ غنی ہونا کونسا ہے جس سے مجھے اس سے رک جانا چاہئے ؟ فرمایا جب کہ تو صرف رات کو اپنے بال بچوں کو دودھ سے اسودہ کر سکتا ہو تو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت فجیع عامری ؓ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے ؟ آپ نے فرمایا تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے ؟ اس نے کہا صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ۔ آپ نے کہا یہی ہے اور کونسی بھوک ہوگی ؟ پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا بھوک باقی رہتی تھی اس لئے ان پر مردہ حلال کر دیا گیا۔ تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں۔ اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے' صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو یہ قید ٹھیک نہیں' واللہ اعلم۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل و عیال کے آیا اور حرہ میں ٹھہرا۔ کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ تو اس نے ان سے کہا اگر میری اونٹنی مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی انہیں مل گئی۔ اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار ہو گئی۔ تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا ہم بھوکے رہا کرتے ہیں تو اسے ذبح کر ڈالو۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی نے کہا اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھا لو ہم بھوکوں کے کام آ جائے گا۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی نہیں کرنے کا' ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اجازت دے دیں تو اور بات ہے چنانچہ حاضر ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے ؟ جو تمہیں کافی ہو۔ جواب دیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لیا ؟ اس بزرگ صحابی نے کہا شرم معلوم ہوئی۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق پاس رکھ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔ اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ہے۔ ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ یعنی جو شخص بے قرار ہو جائے سوائے باغی اور حد سے گزرنے والے کے پس اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی کے لئے سفر کر رہا ہو اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں اس لئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کیلئے کیا کچھ حلال ہے تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ اور جن حاصل کرنیوالے شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہے کہ تم انہیں تھوڑا بہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہے۔ پس وہ شکار کو تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تم اسے کھالو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر لیا کرو' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

شکار اور شکاری کتوں کے بارے احکام: چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ وہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں' پھر ضرورت کی حالت کو خاص کر لیا' جیسے فرمان ہے ﴿ **وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ** ﴾ یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل وار تمہارے سامنے آ چکا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ تم ان کی طرف بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجیے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں۔ سورۂ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن ابی حاتمؓ اور زید بن مہلہلؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا وہ طیبات میں داخل نہیں۔ اور تمہارے شکاری جانوروں کے ذریعے کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہؓ تابعین اور آئمہ وغیرہ کا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شکاری سدھائے ہوئے کتے' باز' چیتے' شکرے وغیرہ ہر وہ پرند جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جا سکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے۔ کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کر لے ان کے ذریعے شکار کھیلنا حلال ہے۔ لیکن حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں ﴿ **وَمَاعَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ** ﴾ پڑھا ہے۔ سعید بن جبیرؒ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاکؒ اور سدیؒ کا بھی یہ قول ابن جریر میں مروی ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ۔ لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے اس لئے کہ وہ بھی اپنے پنجوں کے ذریعے کتے کی طرح شکار کھیلتا ہے پھر ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی' چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم نے رسول مقبول ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے۔ امام احمدؒ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں گدھا عورت' اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابیؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ شیطان ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو "جوارح" اس لئے کہا گیا ہے کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو جیسے عرب کہتے ہیں۔ ﴿ **فلان جرح اهله خيرا** ﴾ یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لی' اور عرب کہتے ہیں ﴿ **فلان لا جارح له** ﴾ فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں۔ قرآن میں بھی لفظ "جرح" کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے۔ ﴿ **ويعلم ماجرحتم بالنهار** ﴾ یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش ہو رہے' اس پر یہ آیت اتری۔

پس آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھالے۔ ابن جریرؒ میں ہے۔ کہ جبرئیل نے حضور ﷺ سے اندر آنے کی آجازت مانگی' آپ نے اجازت دے دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے' تو آپ نے فرمایا اے اللہ تعالیٰ کے قاصد! ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا ہو۔ اس پر حضرت ابو رافع کو حکم دیا مدینہ کے تمام کتے مار ڈالے جائیں ابو رافع فرماتے ہیں میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا۔ ایک بڑھیا کے پاس ایک کتا تھا جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو۔ میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا اب لوگوں نے آکر حضور ﷺ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت ﴿يَسْئَلُونَكَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافع آس پاس کی بستیوں میں پہنچے' اور مسئلہ پوچھنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدی' حضرت سعید بن خیثمہ' حضرت عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے۔ ﴿مكلبين﴾ کا لفظ ممکن ہے کہ ﴿علمتم﴾ کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جوارح یعنی مقتول کا حال ہو یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھا ہو وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا جیسے امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا تم نے انہیں اس میں سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھا رکھا ہے' یعنی جب تم چھوڑو تو جائے اور جب تم روکو تو رک جائے۔ شکار پکڑ کر تمہارے لئے روک رکھے تاکہ تم جاکر اسے لے لو اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو' اس پر اجماع ہے اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھالے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو' ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں اور کتا نہ ملا ہو اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہے دوسرے کو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر نہیں چھوڑا۔ میں نے کہا میں نوکدار لکڑی سے شکار کرتا ہوں۔ فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھالے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر لیا کر پھر اگر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑے رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو اسے بھی کھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اس نے کھالیا ہو تو پھر تو اسے نہ کھا' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے لئے شکار نہ پکڑا ہو۔ یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعیؒ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھالے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں' جیسے کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے' ان کے دلائل یہ ہیں۔

سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھالیا ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ گو ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو تاہم کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ایک اور روایت میں ہے گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کہہ کر تو نے اپنے

سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہو تو اسے کھالے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے حضرت عطاؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہری' ربیعہ' اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے اسی کی طرف امام شافعیؒ اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے ابن جریرؒ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھالیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریرؒ نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمانؓ سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان فارسیؓ کا قول نقل کرتے ہیں۔ یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے "روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور! میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے۔ اس نے کہا ذبح کر سکو جب بھی اور ذبح نہ کر سکو تو بھی؟ اگرچہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ پوچھا اگر زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے کہ جب تو نے اپنے کتے کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو' اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے تو اسے بھی کھالے۔ حضرت عدیؓ نے پوچھا اگرچہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو؟ فرمایا ہاں پھر بھی۔ ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھالیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہیں کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابو ثعلبہ والی حدیث۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں جمع بھی ہو جاتی ہیں۔ استاد ابو المعالی جوینیؒ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کہ کوئی اس میں یہ تفصیل کرے تو الحمد للہ یہ تفصیل لوگوں نے کرلی۔ اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام جیسا کہ حضرت عدیؓ کی حدیث میں ہے۔ اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر پرندا اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارا نہیں' پھر آکر اس نے پر نوچے اور گوشت کھایا' تو تو کھالے۔ ابراہیم نخعی' شعبی' حماد بن ابی سلیمان رحمہم اللہ تعالیٰ بھی یہی کہتے ہیں۔ ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو کیا یہ ہمارے لئے حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو شکاری جانور شکار حاصل کرنے والے سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام پڑھا ہو اسے تم کھالو۔ پھر فرمایا جس کتے کو تو نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے۔ میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو؟ فرمایا گو اسے مار ڈالا ہو لیکن شرط یہ ہے کہ کھایا نہ ہو۔ میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے

بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے ہیں اس میں سے کونسا حلال ہے؟ فرمایا جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہو اسے کھا لے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتلائی اور باز میں نہیں بتلائی' پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا' واللہ اعلم۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام یاد کر لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدی ؓ اور حضرت ابو ثعلبہ ؓ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمد ؒ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے کتے کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت ﴿**بسم اللہ**﴾ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت ﴿**بسم اللہ**﴾ کہہ لے۔ ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت ﴿**بسم اللہ**﴾ پڑھنا ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابو سلمہ ؓ کو حضور ﷺ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں جو نو مسلم ہیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں؟ آپ نے فرمایا تم خود اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور کھالو۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے جو ایک اعرابی نے آکر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے "فرمایا کہ اگر یہ ﴿**بسم اللہ**﴾ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو ﴿**بسم اللہ**﴾ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آجائے کہہ دے ﴿**بسم اللہ اولہ آخرہ**﴾۔ یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے'

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی' نسائی' اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی ؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ جابر بن صبح ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مثنی بن عبدالرحمن خزاعی کے ساتھ میں نے واسطہ کا سفر کیا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت تو ﴿**بسم اللہ**﴾ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت ﴿ **بسم اللہ اولہ اخرہ** ﴾ کہتے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے امیہ بن مخشی ؓ کی روایت بیان کی کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو کھاتے ہوئے دیکھا کہ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی' یہاں تک کہ جب وہ آخری پہنچا تو بولا بسم اللہ اولہ آخرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا واللہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا جب تک کہ اس نے بسم اللہ نہ کہہ لی' پھر تو شیطان نے قے کر کے سارا کھانا اپنے پیٹ سے نکال دیا۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد)

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے جو ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اسے کوئی دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا' آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا کہ جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے' وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا' پھر وہ اس اعرابی کے ساتھ آیا تو میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا' اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (مسلم' ابوداؤد' نسائی) مسلم' ابوداؤد' نسائی' اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو! نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھانا کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص

نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ Ĉ

ع ۵

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں' اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے' اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے' اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ زناکاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے' منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں۔ اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم: حلال و حرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ' ابوامامہؒ' مجاہدؒ' سعید بن جبیرؒ' عکرمہؒ' عطاءؒ' حسنؒ' مکحولؒ' ابراہیم نخعیؒ' سدیؒ' مقاتل بن حیانؒ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناروا سمجھتے ہیں اور ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے لے لینی جائز ہیں۔ اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہاء نے مالکیوں پر اپنی یہ سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے دیکھو چربی کو یہودی حرام جانتے تھے لیکن مسلمان اسے لے رہا ہے لیکن یہ ہے ایک شخصی واقعہ' ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی' انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور ﷺ کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلودہ کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور ﷺ شانے کا گوشت پسند فرماتے

ہیں چنانچہ آپ نے اس کا بھی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری تعالیٰ سے اس شانے نے کہا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے آپ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ بھی گیا۔ آپ کے ساتھ حضرت بشر بن براء ابن معرور ؓ بھی تھے جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو قتل کیا گیا۔ جس کا نام زینب تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حرام جانتے ہو اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی۔ حضرت مکحول ؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز پر نام رب تعالیٰ نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر اسے منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام اللہ نہ لیا جائے وہ حلال ہو وہ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے لیکن مشرک جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے۔ بخلاف اہل کتاب کے۔ اسی طرح سامرہ اور صابہ اور ابراہیم و شیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی جیسے کہ علماء کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب، تنوخ بہرا، جذام، لخم، عاملہ اور ان جیسے اور کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ اس لئے کہ انہوں نے نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیب ؒ اور حسن ؒ بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی تو ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ سے ملا دیا گیا ہے اور ان کا تابع کر دیا ہے لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کئے ہوئے جانور کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی ؒ جو شافعی ؒ اور احمد ؒ کے ساتھیوں میں سے تھے اس کے خلاف ہیں جب انہوں نے یہ قول کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل ؒ نے تو فرمایا کہ ابو ثور نے اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ۔ ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ کہا ہوگا جس میں ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں۔ دوسرے یہ روایت مرسل ہے ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابو ثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی بدلیل اس آیت کے مفہوم مخالف کے اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنے ذبیحے کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے، ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھا سکتے ہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو لیکن زیادہ ظاہر بات پہلی ہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنے ذبیحے کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو، یہ گویا ادل بدل کے طور پر ہے جس طرح کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے اس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ کو اپنا کرتا دیا تھا جب کہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ کر دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کوئی نہ کھائے اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور استحباب اور افضلیت کے ہو، واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے یہ بطور تمہید کے ہے اسی لئے

اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان میں سے عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہدؒ کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے حرائر مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار۔ جیسے کہ انہیں سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ٹھیک ہے تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر اور برے پیمانے کے طور پر نہ ہو جائے۔ پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد یہاں عفت مآب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جاسکتی ہیں جیسے کہ دوسری آیت میں۔ ﴿مُحْصَنٰتٍ﴾ کے ساتھ ﴿غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ آیا ہے علماء اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت کو شامل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریرؒ نے سلف کی ایک جماعت سے اس کو نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک دامن ہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے مراد اسرائیلی عورتیں ہیں۔ شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے' اور دلیل یہ آیت ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ الخ یعنی ان سے لڑو جو اللہ تعالٰی پر قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے بڑا شرک کیا ہوگا کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسٰی علیہ السلام ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی میں موجود ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ابن حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت میں نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے اور صحابہ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر ثابت کرتے ہیں۔ تو گویا پہلے سورہ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا' یہ اس وقت جب مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارضہ نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے کہ آیت ﴿لم یکن الذین کفروا﴾ اور ﴿قل للذین اوتو الکتب والامیین﴾ پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ' عامر شعبیؒ' ابراہیم نخعی' اور حسن بصریؒ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلوا دیا جائے گا (ابن جریرؒ)

پھر فرماتا ہے کہ تم بھی پاک دامن عفت مآب رہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی' مردوں میں بھی یہی لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں' اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورہ نساء میں بھی اسی کے برابر گزر چکا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیک کار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک کہ وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آجائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروقؓ

نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی کہ اے امیرالمومنین! شرک اس سے بہت بڑا ہے اس کے باوجود بھی مشرک کی توبہ قبول ہے اس مسئلہ کو ہم آیت ﴿ الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ ﴾ الخ کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ دھو لیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لیا کرو' ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو' اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

وضو اور مسح کے احکام پر تفصیلی بحث: اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حکم وضو اس وقت ہے جب کہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو' یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو ہو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے فتح مکہ والے دن آپ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً یہ کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے' ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو تازہ کر لیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے تھے یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشرؒ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے حضرت عبیداللہؒ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا ان سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے کہا ہے ان سے

حضرت عبداللہ بن حنظلہ نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں کہ وضو باقی ہو تو بھی' لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا' ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لئے تازہ وضو ضروری ہے اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہ ؓ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخر دم تک آپ کا یہی حال رہا' رضی اللہ عنہ ورضوعنہ۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاقؒ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حَدَّثَنَا کہا ہے اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا ہے۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں' واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہؓ کے اس فعل اور اس پر ہمیشگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریرؒ میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ وجہہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمادیتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ظہر کی نماز ادا کی پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پیر' اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے ابوداؤد طیالسی میں حضرت سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ وضو ٹوٹے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے دوسرے یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے۔ بخاری وسنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری نے حضرت انس سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں ابن جریر میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں یہ بھی روایت ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے یہ فرمان اس لئے ہے کہ حضور ﷺ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کر لیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف وغریب روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب پیشاب کا ارادہ کرتے ہم آپ سے بولتے لیکن آپ ﷺ جواب نہ دیتے' ہم سلام علیک کرتے پھر بھی آپ جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں' فرمایا وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے کچھ نماز تھوڑی ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو' علماء کرامؒ کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے مطلب کلام شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کر لیا کرو' جیسے عرب میں کہا جاتا ہے کہ جب تو امیر کو دیکھے تو کھڑا ہو جا۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس شخص کا وضو ہی نہیں ہے جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے۔ (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں' واللہ اعلم۔ (مترجم) یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھولینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آئی ہے۔ بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے۔ کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے' اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں۔

منہ کی حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کے اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے ڈاڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے۔ اور چوڑائی میں ایک سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کے پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے۔ یا منہ کے؟ اور ڈاڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو ڈاڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دے یہ بھی منہ میں شامل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ عرب کا محاورہ بھی یہی ہے۔ کہ جب بچہ کی ڈاڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں **طلع وجهه** پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں ڈاڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجہ میں داخل ہے۔ ڈاڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس میں خلال کرنا مستحب ہے۔ حضرت عثمانؓ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے۔ کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ ترمذی وغیرہ اس روایت کو امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ حسن بتلاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمرؓ حسن بن علیؓ نخعیؒ اور تابعینؒ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ صحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ جب وضو کرنے بیٹھتے کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ آئمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمدؒ اور امام مالکؒ مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل سنن کی وہ حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضور ﷺ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب ہے اور وضو میں نہیں۔ ایک روایت امام احمدؒ سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب، کیونکہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ہے جو وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈالے اور روایت میں ہے کہ تم میں سے جو وضو کرے وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح۔ مسند احمد اور بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا ایک چلو پانی لے کر کلی کی اور ناک صاف کیا پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اس سے بایاں ہاتھ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا پھر فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ ﴿اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ سے ﴿مَعَ الْمَرَافِقِ﴾ ہے جیسے فرمان ہے ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے تو ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہئے۔ دار قطنی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے لیکن اس کے دو راویوں میں کلام ہے واللہ اعلم۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے بازو کو بھی وضو میں دھولے کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے اعضاء سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔ ﴿بِرُءُوْسِكُمْ﴾ میں جو "ب" ہے اس کا الصاق یعنی ملا دینے کے لئے ہونا تو زیادہ ظاہر ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا تامل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لیے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابیؓ سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں

بتلایئے آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا' تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا' پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے' پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے' پھر اپنے دونوں پیر دھوئے (بخاری و مسلم) حضرت علیؓ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ اور حضرت مقدادؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے۔ جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کا بیان جانتے ہیں۔ حنفیوں کا خیال ہے کہ چھوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے اس کی کوئی حد نہیں سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ والی حدیث ہے کہ نبی ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب آپ قضاء حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا میں لوٹا لے آیا' آپ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا پھر کلائیوں پر سے کپڑا ہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمدؒ اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپ ﷺ صافے پر اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کرے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعیؒ کا مذہب اول ہے اور امام احمدؒ اور ان کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں' حضرت عثمان بن عفانؓ وضو کرنے بیٹھتے ہیں اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں' انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی ڈالتے ہیں پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں پہلے دایاں پھر بایاں' پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا اور وضو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انہوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں' اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا میں نے حضور ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے لیکن حضرت عثمانؓ سے جو احادیث صحاح میں مروی ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

﴿ اَرْجُلَكُمْ ﴾ لام کے زبر سے عطف ہے۔ ﴿ وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ﴾ پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباسؓ یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عروہؒ حضرت عطاؒ حضرت عکرمہؒ حضرت حسنؒ حضرت مجاہدؒ حضرت ابراہیمؒ حضرت ضحاکؒ حضرت سدیؒ حضرت مقاتل بن حیانؒ حضرت زہریؒ حضرت ابراہیم تیمیؒ وغیرہ کا یہی قول ہے اور یہی قرات ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں یہی فرمان سلف کا ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے صرف حضرت ابو حنیفہؒ اس کے خلاف ہیں وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے

پیروں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے' جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیے ہیں' ایک تو یہ کہ "ف" ترتیب پر دلالت کرتی ہے آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم فَاغْسِلُوْا سے ہوتا ہے۔ تو کم از کم منہ کا اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے بعد کے اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے جس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جب کہ "ف" جو تعقیب کے لیے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسرے کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں' پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت ترتیب پر نہ بھی ہو تاہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے تو آپ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمادیا۔ چنانچہ صفا سے سعی شروع کی' نسائی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہوا اسے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو کرنا واجب ہے پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے' واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جواباً کہتی ہیں کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کا حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا صاف دلیل ہے اس امر کی کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا۔ ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے حضور ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ اب دو صورتیں ہیں یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی۔ اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں تقدیم تاخیر ہو اور صحیح طور پر "ترتیب نہ ہو وہ نماز نامقبول' لہذا ترتیب واجب و فرض ہے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ اڑنگ بڑنگ تھا' پیر دھو لئے پھر کلی کر لی پھر مسح کر لیا پھر منہ دھو لیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اسکا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے آیت کے اس جملے کی ایک قرات اور بھی ہے۔ ﴿ وَاَرْجُلِكُمْ ﴾ لام کے زیر سے اور اسی سے شعیہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں۔ جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس ؓ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا ہے کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے پس تلووں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انس ؓ نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ۔ اور حضرت انس ؓ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے انہیں بالکل بھگو لیا کرتے۔ آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ہاں حضور ﷺ کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا ہے۔ حضرت قتادہؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر علقمہ' ابو جعفر محمد بن علی اور ایک روایت

میں حضرت حسنؒ اور جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عکرمہؒ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں کے مسح کا حکم تھا تیمم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامرؒ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا جبرئیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے یاد رہے کہ زیر کی قرات یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے۔ جیسے عرب کا کلام ﴿جحر ضب خرب﴾ میں اور اللہ تعالیٰ کے کلام ﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَاِسْتَبْرَقٌ﴾ میں۔ لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد مسح سے ہلکا دھو لینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہو گا آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ بیہقی میں ہے حضرت علی بن ابو طالب ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے اور عصر تک لوگوں کے کام کاج میں مشغول رہے پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا اور دونوں ہاتھوں کا سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو (بخاری) شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں' ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطاکار ہیں جو مسح اور دھونے دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریرؒ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بناء پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بناء پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں۔ تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین مٹی وغیرہ سے سنتے رہتے ہیں تو ان کا دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لئے مسح کا لفظ وہ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو یہ شبہ سا ہو گیا۔ اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل کے درمیان اس طرح جمع کر دی ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو پس حقیقتاً امام صاحبؒ کا ارادہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے مکرر غور فکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ عیاں ہو گیا ہے۔ کہ امام صاحبؒ دونوں قراءتوں میں جمع کرنا تلاش کر رہے ہیں پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں "دلک" پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قراءت تو غسل پر یعنی دھونے پر ہے ہی' پس وہ دھونے کو اور ملنے کو دونوں کو واجب کہتے ہیں تاکہ زیر اور زبر دونوں کی قراءتوں پر ایک ساتھ عمل ہو جائے۔

اب ان احادیث کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ' امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالبؓ' حضرت ابن عباسؓ' حضرت معاویہؓ' حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ' حضرت مقداد بن معد یکربؓ کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضور ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا ایک بار یا دو بار یا تین بار' عمر بن شعیبؒ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ بخاری، مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ ہم سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت دیر ہوئی ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھوا چھوئی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو

کو کامل اور پورا کرو ایڑیوں کو خرابی ہے آگ لگنے سے۔ ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے اور تلووں کے لئے آگ سے بیہقی وحاکم) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم کے برابر جگہ بے دھلی دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی۔ مسند احمد میں بھی حضور ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہیں ابن جریرؒ میں دو مرتبہ حضور ﷺ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف وضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو موڑ موڑ کر نہ دیکھتا ہو اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر ایک درہم کے جلد خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ بھی کسی کے پیر کی خشک رہ جاتی ہے تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ وعید اور وہ بھی آگ جہنم کی وعید سے نہ ڈراتے اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں لہذا پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوگی جو جرابوں پر مسح کرنے کی ہے یہی چیز امام ابن جریرؒ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں، خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درھم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمانؓ سے حضور ﷺ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سنن میں ہے حضرت صبرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وضو کامل اور اچھا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو، ہاں روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند و مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں، یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے تو اس کے منہ سے نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جب کہ وہ ناک جھاڑتا ہے پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں ڈاڑھی اور ڈاڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں، پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت مطابق حکم ربانی دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثنا ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ آج تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہؓ نے حضرت عمرو بن عبسہؓ سے کہا خوب غور کر لیجیے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں رسول ﷺ سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ ابوامامہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں میری موت قریب آ پہنچی ہے مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں، ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں میں نے اسے حضور ﷺ کی زبانی سات بار بلکہ اس بھی زیادہ بار سنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابو اسحق سبیعیؒ نے حضرت علیؓ سے بواسطہ حضرت حارثؓ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم حکم کئے گئے ہو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں قدم

جوتی میں ہی بھگو لئے' اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر دھل سکتا ہے۔ غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے البتہ اس سے وسواسی اور وہمی لوگوں کا رد ہوتا ہے جو حد سے گزر جاتے ہیں اسی طرح وہ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کر لیا۔ لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اور ان میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا' اور ان میں اس طرح جمع بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ ﷺ نے مسح کر لیا یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے۔ مسند احمد میں اوس بن ابو اوس ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے اس میں آپ ﷺ کا کوڑے پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے' امام ابن جریرؒ اسے لائے ہیں پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول ہے اس پر کہ اس وقت آپ ﷺ کا پہلا وضو تھا (یا محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔ مترجم) بھلا کوئی مسلمان اسے کیسے قبول کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فریضے میں اور پیغمبر کی سنت میں تعارض ہو اللہ تعالیٰ کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں۔ پس حضور ﷺ کے دوامی فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے جس کے کانوں تک یہ دلائل پہنچ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو گئی چونکہ زبر کی قرات سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرات کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے اس لئے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کے مسح کا حکم منسوخ ہے۔ گو ایک روایت حضرت علی ؓ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کا خلاف ثابت ہے۔ اور جن کا بھی یہ قول ہے ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ؓ کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے پیغمبر اللہ ﷺ کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جریر ؓ نے پیشاب کیا پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی۔ اس لئے کہ حضرت جریرؓ کا اسلام ہی سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا تھا احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے اب مسح کی مدت وغیرہ۔ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں' احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ رافضیوں نے اس میں بھی خلاف کیا ہے اور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں صرف جہالت اور ضلالت ہے۔ خود حضرت علی ؓ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ حدیث ثابت ہے لیکن روافض اسے نہیں مانتے' جیسے کہ حضرت علی ؓ کی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح یہ آیہ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضور ﷺ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں' وللہ الحمد۔ اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا کعبین کے بارے میں بھی خلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر قدم کی پشت پر ایک ٹخنہ ہے پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں۔ وہ کعبین ہیں۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ جن کعبین کا یہاں ذکر ہے یہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں ایک ہی قدم میں کعبین ہیں لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کعبین سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داؤد میں ہے

کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو تین بار یہ فرما کر فرمایا قسم اللہ تعالیٰ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی حدیث فرماتے ہیں پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔ اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کعبین اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ یہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمہ پر ہیں اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تیمی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کئے گئے تھے انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق کا اور کتمان حق کا بدلہ دیا گیا۔

اس کے بعد تیمم کی صورتیں اور تیمم کا طریقہ بیان ہوا ہے اس کی پوری تفسیر سورہ نساء میں گزر چکی ہے لہذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے لیکن امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ نے اس آیت کے متعلق خاصۃ ایک حدیث وارد کی ہے اسے سن لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر پڑا ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے حضور ﷺ نے اپنی سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے اتنے میں میرے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے کچو کے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن اس خیال سے کہ حضور ﷺ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو میں ہلی جلی نہیں۔ حضور ﷺ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیر کہنے لگے اے آل ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے تم ان کے لئے سراپا برکت ہو۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا اسی لئے اپنے دین کو سہل آسان اور ہلکا کر رہا ہے۔ بوجھل سخت اور مشکل نہیں بناتا حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے۔ باقی احکام احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اس کی شکر گزاری کرو اس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ایک دعا تعلیم فرمائی جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔ مسند سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں میں جب پہنچ گیا اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اس کیلئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضور ﷺ نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ آپ مجھ سے فرمانے لگے تم ابھی آئے ہو تمہارے آنے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ اور روایت میں ہے کہ جب ایمان اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے۔ اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں دھل کر وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ جو شخص وضو کرے وہ اپنے ہاتھوں یا بازوؤں کو جب دھوتا ہے ان سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں' سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے' پیر کا

دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اسکے کانوں سے آنکھوں سے ہاتھوں سے پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے وضو آدھا ایمان ہے۔ الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا پر ہو جاتا ہے قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی خرید وفروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے تئیں آزاد کرالیتا ہے یا ہلاک کر گزرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ مال حرام کا صدقہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے۔ (صحیح مسلم) یہ روایت ابوداؤد طیالسی' مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے' جبکہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے' عدل کیا کرو جو پرہیز گاری سے متصل ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لینا چاہیے۔

عدل و انصاف اور اللہ کی نعمت یاد کرو: اس دین عظیم اور اس رسول کریم ﷺ کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے اسے یاد دلا رہا ہے۔ اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی انہیں ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تابعداری اور امداد کرنے' دین پر قائم رہنے اسے قبول کر لینے اسے دوسروں تک پہنچانے کا کیا ہے۔ اسلام لانے کے وقت انہیں چیزوں کا ہر مومن

اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنتے رہیں گے اور مانتے رہیں گے خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو چھینیں گے نہیں۔ باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول ﷺ تمہیں رب تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور انہوں نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے اگر تمہیں یقین ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلائی جارہی ہے کہ تم سے حضور ﷺ کی تابعداری کے قول وقرار ہو چکے ہیں پھر آپ ﷺ کو نہ ماننے کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر جو عہد اللہ رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا اسے یاد دلایا جارہا ہے جو فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا ہاں ہم اس پر گواہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ سدیؒ اور ابن عباسؓ سے وہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو مختار بتلایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو خوف رب تعالیٰ رکھنا چاہیے دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔

ایمان والو! لوگوں کے دکھانے کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔ بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا میری ماں عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے کی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالو۔ میرے باپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے واقعہ بیان کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی بقیہ اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی اولاد میں عدل کیا کرو جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا۔ پھر فرمایا دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آکر عدل سے نہ ہٹ جانا دوست ہو یا دشمن ہو تمہیں عدل وانصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے۔ ھو کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں اور کلام عرب میں بھی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْاهُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ﴾ یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ﴿ ھو ﴾ کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا۔ اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر ﴿ اَقْرَبُ افعل التفضيل ﴾ کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں جیسے اس آیت میں ہے۔ ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴾ اور جیسے کسی صحابیہؓ کا حضرت عمر سے کہنا کہ ﴿ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے خیر وشر کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وہ ایمان والوں نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل ربانی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف وستائش اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس کا فضل ورحم ہے۔ حکمت وعدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافر اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے۔ چنانچہ یونہی ہوگا۔

پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک منزل میں اترے لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپ نے اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لگا دیئے۔ ایک اعرابی نے آکر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرتؐ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ۔ اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اب آپ نے صحابہ کو آواز دی اور جب وہ آگئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اعرابی اس وقت بھی موجود تھا۔ لیکن آپ نے اس

سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضور ﷺ کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا' فالحمد للہ۔ اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں غورث ابن حارث آیا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو قتل کرنے کے ارادے سے زہر ملا کھانا پکا کر دعوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کرا دیا۔ اور آپ بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔ ابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جب آپ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن حجاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم تو حضور اکرم ﷺ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کرلیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا' لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان کی شرارت وخباثت سے آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ مع اپنے صحابہ کے وہیں سے پلٹ گئے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے کفایت کرنے والا حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ بحکم رب تعالیٰ بنو نضیر کی طرف مع لشکر کے گئے محاصرہ کیا کچھ مارے گئے اور باقی کو جلا وطن کر دیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا۔ اور انہیں میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کو رکھو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے۔ تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں۔

اب جو اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔ پھر انکی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور انکے دل سخت کر دیئے کہ کلام کو اس جگہ سے بدڈالتے ہیں جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے' ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی۔ ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو اپنے تئیں نصرانی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی' تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی اور جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں سب جتاوے گا۔

عہد شکنی اور بارہ سرداروں کی وضاحت: اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفا داری کا' حق پر مستقیم رہنے کا عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا' ساتھ ہی اپنی ظاہر و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا' تو اب ان آیتوں میں سے ان سے پہلے کے اہل کتاب سے عہد و میثاق جو لیا تھا۔ اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے۔ پھر جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا' اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ روبیل قبیلے کا سردار شامون بن رکون تھا۔ اور شمعونیوں کا چودھری شافاط بن حری۔ اور یہوذا کا کالب بن یوفنا اور اتین کا میخائیل بن یوسف۔ اور افرائیم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چودھری فلطم بن دفون اور زبولون کا جدی بن شوری اور منشا کا جدی بن موسی اور دان کا خملائیل بن حمل اور اشار کا ساطور۔ نفثالی کا بحر اور یساخر کا لابل۔ توراۃ کے چوتھے جزء میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں' واللہ اعلم۔ موجودہ توراۃ کے نام یہ ہیں۔ بنو روبیل پر یصور بن سادون۔ بنی شمعون پر شموال بن صور شکی۔ بنو یہوذا پر حشون ابن عمیاذاب۔ بنو یساخر پر شال بن صاعون۔ بنو زبولون پر الیاب بن حالوب۔ بنو افرائیم پر منشا بن عمنہور۔ بنو منشا پر حملیائل۔ بنو بنیامین پر ابیدن۔ بنو دان پر جعیذر۔ بنو اشار پر نحایل۔ بنو کان پر سیف بن دعوابیل۔ بنو نفتالی پر اخبرع۔ یہ یاد رہے کہ **لیلۃ العقبہ** میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے حضرت اسید بن حضیرؓ' حضرت سعد بن خیثمہؓ اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذرؓ۔ بعض روایتوں میں ان کی بجائے حضرت ابوالہیثم بن تیہانؓ کا نام ہے اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے' ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ' سعد بن ربیعؓ' عبداللہ بن رواحہؓ' رافع بن مالک بن عجلانؓ' براء بن معرورؓ' عبادہ بن صامتؓ' سعد بن عبادہؓ' عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ' منذر بن عمر بن حنیشؓ' انہیں سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے سننے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے تھے' آپ ﷺ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بھی پوچھا ہے۔ کہ اس امت کے کتنے خلیفے ہوں گے۔؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا ہم نے حضور ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا بارہ ہوں گے۔ جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ یہ روایت سنداً غریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری و مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ ان کے والی بارہ شخص نہ ہو لیں پھر ایک لفظ حضور ﷺ نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے اب کون سا لفظ فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ وہ سب قریش ہوں گے۔ صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ

صالح نیک بخت ہوں گے جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں پس چار خلفاء تو پے در پے ہوئے۔ حضرت ابو بکر' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' جن کی خلافت بطریق نبوت رہی انہیں بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے اور انہی میں سے حضرت امام مہدیؒ ہیں جن کی بشارت احادیث میں آچکی ہے ان کا نام حضور ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور ﷺ کے والد کا ہوگا۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم وجبر سے پر ہوگی۔ لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں۔ اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں۔ نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے۔ نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے آئمہ مراد ہیں۔ اس حدیث کو ان آئمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔ توراۃ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں بارہ بڑے شخص ہوں گے۔ اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے اور تھے وہ اپنے اسلام میں کچے ساتھ ہی جاہل بھی تھے انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں' ورنہ احادیث اس کے صاف خلاف موجود ہیں۔

اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں زکواۃ دیتے رہیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تصدیق کریں ان کی نصرت و اعانت کریں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ اور یہ جنتیوں میں داخل کئے جائیں گے۔ مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔ لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد بھی پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے۔ بھٹک اور بہک جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا وعدہ خلافی کی تو ان پر لعنت رب تعالیٰ نازل ہوئی۔ ہدایت سے دور ہو گئے دل کے سخت ہو گئے وعظ و پند سے مستفید نہ ہو سکے سمجھ بگڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے باطل تاویلیں گھڑنے لگے جو مراد حقیقی تھی اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور ہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وہ وہ مسائل بیان کرنے لگے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے نہ تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی اور اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ دل ٹھیک رہے نہ فطرت اچھی رہی نہ خلوص واخلاص رہا غداری اور مکاری اپنا شیوہ بنا لیا' نت نئے جال نبی ﷺ اور اصحاب نبی ﷺ کے خلاف بنتے رہے۔ پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجئے یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے جیسے حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف کرے تو اس سے حکم اللہ کی بجا آوری کے ماتحت کر اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھچ آئیں ہدایت نصیب ہو جائے۔ اور حق کی طرف آجائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا یہ اس پر ایمان لائیں گے۔ اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر ملعون کہتے ہیں۔ اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے۔ ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقہ کو عقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام فرقے۔ انہیں ان کے اعمال

کی پوری تنبیہ عنقریب ہو گی۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذمے تہمتیں لگائی ہیں اس کی بیوی اور اولاد قائم کی ہے یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد واحد فرد ﴿و صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد﴾ ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے۔ اور اکثر درگزر کرتا رہتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیریوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔

اہل کتاب کی علمی بددیانتی: فرماتا ہے کہ رب العلی نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے، معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں۔ جو باتیں یہود و نصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں۔ تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنا لئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بہتان باندھے تھے کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے انہیں چھپا لیتے تھے ان سب کو یہ رسول ظاہر کرتے ہیں ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو یہ بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا اس نے بے علمی سے قرآن سے انکار کیا۔ چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریم ﷺ پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے جو پائے حق کو سلامتی کی راہ بتلاتی ہے، لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح ابن مریم اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور انکی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ تو کہہ دے کہ پھر تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے۔ بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

حضرت عیسیٰ کو اللہ کہنے والے کافر ہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ کا درجہ دے رکھا ہے اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقہور ہیں ہر چیز پر اسکی حکومت اور ملکیت ہے کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے۔ وہ اگر مسیح علیہ السلام کو ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آگے آئے' اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے جو چاہے کر گزرے' کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں' اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے وہ عادل و غالب ہے جسے جس طرح چاہتا ہے بناتا بگاڑتا ہے' اس کی قدرتوں کی کوئی انتہاء نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لاڈلے فرزند ہیں اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو کہا ہے۔ ﴿ اَنْتَ اِبْنِیْ بِكْرِیْ ﴾ پھر تاویلیں کر مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے ہیں۔ کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے ہوئے اور عزیز ہوئے۔ حالانکہ خود ان ہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے نہ کہ قرابت داری۔ اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَاَبِیْكُمْ ﴾ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بھی آتا تھا' پس مطلب اس کا یہ ہے کہ اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ اور یہ اس سے اور ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے جو نسبت دیتے ہیں اس نسبت پر اپنے تئیں نہیں سمجھتے پس یہ لفظ عزت و وقعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب' بہتان و افترا پر اللہ تعالیٰ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا' اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی۔ یہ قول نہایت عمدہ ہے اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے ایک چھوٹا سا بچہ راہ میں کھیل رہا تھا۔ اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ پر آ رہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندن میں نہ آ جائے۔ میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھالیا۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضور ﷺ! یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا۔ یہودیوں کے جواب میں

فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت وفضلیت نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے۔ وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ اس کے کسی بھی حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا، وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے' زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اسی کی ملک ہے اس کے دباؤ میں ہے۔ اس کی بادشاہت تلے ہے' سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے' وہی بندوں کے فیصلے کرے گا' وہ ظالم نہیں عادل ہے۔ نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا۔ نعمان بن آصا بحر بن عمرو اور شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے حضور ﷺ کے پاس آئے آپ نے انہیں سمجھایا بجھایا آخر میں عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے' حضرت! آپ ہمیں کیا ڈرا رہے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے بچے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔ یہی نصرانی بھی کہتے تھے' پس یہ آیت اتری۔ ان لوگوں نے یہ ایک بات بھی گھڑ کر اپنے آپس میں مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل کی طرف وحی نازل فرمائی ہے کہ تیرا پہلو نٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی' اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی۔ پھر ایک فرشتہ منادی کریگا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں وہ نکل آئیں یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آ پہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت محمدؐ خاتم النبیین ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں' یہ سب کے بعد کے ہیں۔ دیکھ لو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا۔ فترۃ کی اس لمبی مدت کے بعد رسول آئے بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی' بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی کوئی کہتا ہے چار سو سے کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے چھ سو سال کا۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے اہل کہف کے قصے میں ہے۔ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کئے۔ پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی وہ تین سو سال کی تھی نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا۔ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم النبیین تھے فترۃ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ

فرماتے ہیں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور سب لوگوں کے زیادہ اولیٰ ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گزرے ہیں جن کا نام خالد بن سنان تھا جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے حکایت کی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء اللہ کے حبیب ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے ہیں جب کہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں' دنیا توحید کو بھلا چکی ہے۔ جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے۔ سورج' چاند' بت آگ پوجی جا رہی ہے' اللہ تعالیٰ کا دین بدل چکا ہے۔ کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے' دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے۔ عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے' جہالت و غباوت کا دور دورہ ہے' بجز چند نفوس کے اللہ تعالیٰ کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی جلالت و عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور آپ نے جو اللہ کی رسالت ادا کی وہ کوئی معمولی رسالت نہ تھی' ﷺ۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو! اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا۔ بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کر لوں' میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں قریشیوں میں پیغام رب تعالیٰ پہنچاؤں میں نے کہا اے اللہ یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنا دیں گے۔ پروردگار نے فرمایا تو انہیں نکال جیسے انہوں نے تجھے نکالا' تو ان سے جہاد کر تیری امداد کی جائیگی تو ان پر خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا' تو ان کے مقابلہ پر لشکر بھیج' ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے' اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں۔ بادشاہ عادل توفیق خیر والا صدقہ خیرات کرنے والا اور' رحم کرنے والا ہے قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا حالانکہ صاحب عیال بھی ہے۔ اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں' وہ سفلے لوگ جو بے دین خوشامد خورے اور ماتحت ہیں جن کے آل اولاد دھن دولت نہیں' اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل یا فرمایا کذاب اور شنظیر یعنی بد گو۔

یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن و ظاہر شریعت عطا فرمائی اس لئے کہ لوگوں کا عذر کٹ جائے انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا ہمیں نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا نہ ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر ﷺ کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیج دیا' وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ

وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا

الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا ۖ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے' ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بخوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ ترس لوگوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا' کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آجاؤ گے' تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں جائیں گے ہی نہیں تو آپ اور تمہارے پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے اے اللہ! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں' پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے۔ ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔ یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔

مسلسل انبیاء بھیجنا اللہ کی رحمت ہے: حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا کر اللہ تعالیٰ اطاعت کی طرف مائل کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد انہی کی نسل میں نبوت رہی یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید واتباع دیتے رہے یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح علیہ السلام پر ختم ہوا پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو نبوت کاملہ عطا ہوئی۔ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو اپنے سے پہلے تمام رسولوں اور نبیوں میں سے افضل تھے اللہ تعالیٰ آپ پر درود سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنادیا یعنی خادم دیئے' بیویاں دیں' گھر

بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا گھر بھی؟ کہا ہاں۔ کہا۔ پھر تو تو غنی ہے۔ اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں سواری اور خادم ملک ہے بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہؒ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم سواری اور بیوی ہو' وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے جس کا گھر اور خادم ہے وہ بادشاہ ہے" یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو اس کا نفس امن وامان میں ہو دن بھر کفایت کرے اتنا مال بھی ہو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی۔ اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے ان سے یہ اشرف وافضل بنا دیئے گئے تھے۔ اور آیت میں ہے کہ ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب حکم نبوت پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب انہوں نے مشرکوں کی دیکھا دیکھی رب بنانے کو کہا اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر' کیونکہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے کیا شرعی حیثیت سے کیا احکامی حیثیت سے کیا نبوت کی حیثیت سے کیا بادشاہت' عزت' مملکت' دولت و حشمت' اور مال واولاد وغیرہ کی حیثیت سے خود قرآن مجید فرماتا ہے۔ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدی ﷺ کو بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی' جیسے من وسلوی کا اترنا' بادلوں سے سایہ دینا' وغیرہ وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں۔ یہ قول تو اکثر مفسرین کا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں انہیں کے قبضے میں تھا۔ اور جب وہ مع اپنے اہل وعیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی تھی' وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں والے تھے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر غالب کرے گا۔ اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا' لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران وسرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے۔ مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے ایک اور روایت میں اریحا کا ذکر ہے لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ نہ تو اریحا کا فتح کرنا مقصود تھا نہ وہ ان کے راستے میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے۔ اور بیت المقدس جا رہے تھے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرق رخ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثہ میں آئے گی۔ تم اپنی پیٹھوں پر مرتد نہ ہو جاؤ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ جس شہر میں جانے کو اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کو آپ فرما رہے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں۔ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کی حکم برداری ہماری

طاقت سے باہر ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحا کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحا بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوفزدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آ گیا۔ وہ پھل توڑ تا ہوا ان کے نشان قدم ڈھونڈ تا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھری میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ میں پھلوں کی گٹھری کھول کر ڈال دی جس میں یہ سب کے سب تھے بادشاہ نے ان سے کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا' میں تمہیں قتل نہیں کرتا' جاؤ واپس چلے جاؤ اور اپنے لوگوں سے کہہ دو چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے۔ لیکن اس کی اسناد درست نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ان میں سے ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں ان کو گٹھری میں باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگ ہیں۔ ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔ انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جہاد کا اور شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں۔

حضرت انسؓ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا پھر اسے گاڑ کر فرمایا کہ ان عمالیق کے قد اس قدر لمبے تھے ۔ مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایات بہت بیان کی ہیں۔ کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے ایسے موٹے اور اتنے لمبے تھے انہیں میں عوج بن عنق بنت آدم علیہ السلام تھا جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس گز کا تھا۔ اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ کا پیدا کیا تھا۔ پھر آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے۔ ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کو عوج بن عنق کافر تھا۔ اور ولد الزنا تھا یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا لیکن تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا یہ بھی محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ بچنا چاہئے یہ دعا قبول ہوئی اور یہ ہوا بھی۔ قرآن فرماتا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی پھر باقی سب کافروں کو غرق کر دیا۔ خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت رب ہے کوئی بھی بچنے کا نہیں۔ تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا نہ بچ سکے لیکن عوج بن عنق کافر ولد الزنا بچ رہا یہ بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں ہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا' واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام تھا وہ انہیں سمجھاتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب رب تعالیٰ نہ آ جائے۔ ایک قراءت میں ﴿یَخَافُوْنَ﴾ کے بدلے ﴿یُخَافُوْنَ﴾ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت وعظمت تھی' ایک کا نام حضرت یوشع بن نون تھا اور دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو گے اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ خود تمہاری مدد اور تائید کرے گا۔ اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ تم دروازے تک تو چلے چلو یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے ان نامردوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت کالب علیہ السلام نے

اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی لیکن یہ بد نصیب اور اکڑ گئے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھراؤں سے شہید کر دیا ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا۔ اور بے طرح مخالفت رسول علیہ السلام پر تل گئے۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر اصحاب رسول ﷺ کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کافر اپنے قافلے کو بچانے کے لئے چلے' قافلہ تو دوسرے راستے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت و قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا۔ ادھر حضور ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے اپنے اصحاب سے کہا بتلاؤ اب کیا کرنا چاہیئے؟ اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش رہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے زن و فرزند سب رکھ دیے اور کہا حضور ﷺ مالک ہیں ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبے کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں بلکہ حضور ﷺ کے فرمان پر قربان ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیق ؓ نے اس قسم کی گفتگو کی پھر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی ایک نے اس قسم کی تقریریں کیں' لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا اور اصحاب اپنا ارادہ ظاہر کریں آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہیں کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ ؓ انصاری کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید آپ کا ارادہ ہمارا منشا معلوم کرنے کا ہے۔ سنئے یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ بے پس و پیش اس میں کود جائیں گے آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہو گا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے۔ حضور ﷺ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیں شوق سے لے چلئے' آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں' آپ جان لیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں' آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوئیے ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر انشاء اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کو انصار کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں رضی اللہ عنہم۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ بدر کی لڑائی کے موقعہ پر آپ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا حضرت عمر ؓ نے کچھ کہا پھر انصار ؓ نے کہا کہ اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں تو سنیئے! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ کہہ دیں آپ اور آپ کا اللہ تعالیٰ جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدد لے کر جہاد کے لئے چلئے ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد انصاری ؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعود ؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقداد ؓ کے اس قول سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ! لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے' کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک اور روایت میں حضرت مقداد ؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے جب کہ مشرکین نے آپ ﷺ کو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت مقداد بن اسود ؓ نے فرمایا کہ ہم اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں' یہ انہیں سے ہو سکا کہ اپنے نبی علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑ لو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں' ہم کہتے ہیں حضور ﷺ! آپ چلئے اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں۔ یہ سن کر اور اصحاب ؓ نے بھی اسی طرح جان نثاریوں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سن کر اپنی امت پر بہت غصہ آیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کیا کہ رب

العالمین! مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے' تو اب میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما۔ جناب باری تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ اب یہ چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے وادی تیہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے۔ کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے' مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا' من و سلوی کا اترنا' ایک ٹھوس پتھر سے جو ان کے ساتھ تھا پانی کا نکلنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا۔ اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے یہیں تورات اتری یہیں احکام اللہ تعالیٰ نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے گزر جانے کی انہیں نہ ملی ہاں ابر کا سایہ ان پر کر دیا گیا اور من و سلوی اتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباس ؓ سے مروی ہے' پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے۔ پھر آپ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اس اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے' بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب علیہم السلام ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سَنَةً پر وقف تام کرتے ہیں۔ اور ﴿اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل ﴿يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت کے گزر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہو لئے اور آپ علیہ السلام نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا' جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آ پہنچا دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبی نے فرمایا' اے سورج! تو بھی اللہ کا غلام ہے۔ اور میں بھی اللہ کا محکوم ہوں' اے اللہ! اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ رب تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو اس شہر کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کہیں' یعنی اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے رب کے حکم کو بدل دیا رانوں پر گھسیٹتے ہوئے اور زبان سے ﴿حَبَّةٌ فِىْ شَعْرَةٍ﴾ کہتے ہوئے شہر میں گئے۔ مزید تفصیل سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے دیکھا نہ تھا۔ فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے نہ جلایا اس پر ان کے نبی حضرت یوشع بن نون نے فرمایا تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ یونہی کیا گیا' ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس وہ خیانت کی چیز ہے جا اسے لے آ۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا۔ جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا۔ امام جریر ؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ﴿اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ میں - ﴿فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ﴾ عامل ہے۔ اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہ میں سرگرداں رہی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ نے ہی قتل کیا ہے تو اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہ سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ علمائے یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعوراء نے قوم عمالیق کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کی یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے اس لئے کہ اس سے' پہلے تو جباروں کو موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر ؒ کی یہی دلیل ہے' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ علیہ

السلام کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ علیہ السلام نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جثے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا۔ جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین سو گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم ورنج نہ کر وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ میں یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے کہ یہ اللہ کے دشمن سختی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے ہیں' جہاد سے جی چراتے ہیں اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسول علیہ السلام کی موجودگی کا ان کے وعدے کا ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا' دن رات معجزے دیکھتے تھے' فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا۔ اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں۔ وہ نصرت وفتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ نبی اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دے دیتے ہیں اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اس بستی والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے۔ ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ گو اپنے تئیں رب کے محبوب جانتے تھے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے' سور' بندر بھی بنائے گئے' لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس رب کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَىِٕنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ۚۛ

وقف لازم — النصف

آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو۔ ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا ان میں سے ایک کی نذر تو قبول کی گئی۔ اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔ گو تو میرے قتل کے

لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانیوالوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھادے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپادے' وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گزرا ؟ کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔

واقعہ ہابیل و قابیل نیز حسد و بغض کا انجام: اس قصہ میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا انجام بد بیان ہو رہا ہے۔ کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی۔ اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بن کر مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیا۔ اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہانوں میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے اے نبی! انہیں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکا لڑکی دو ہوتے تھے پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسری حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا۔ ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی۔ پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے۔ مفسرین کے اقوال سنئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا۔ اور ہابیل جانوروں والا تھا۔ قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا۔ اب دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ علیہ السلام نے کہا نہیں۔ حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا۔ اس نے انکار کیا۔ زمین سے کہا وہ بھی انکاری ہو گئی۔ پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا۔ قابیل سے کہا اس نے کہا' ہاں میں محافظ ہوں آپ جائیے آکر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔ اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ بھیڑ نام ربانی پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی' جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی۔ اس کی کھیتی یونہی رہ گئی۔ اس نے راہ للہ کرنے کے بعد اس میں اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالی تھیں۔ چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آنے کی۔ اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے یہی بھیڑ جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ بھیڑ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کی بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام قربان کیا اور خوشی کے ساتھ۔ برخلاف اس کے بھی قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی مرے جی سے اللہ کے نام نکالی تھی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم و زیادتی سہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ آپ چونکہ ہابیل کو چاہتے ہیں اس لئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہو گئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں گا۔ موقع کا منتظر تھا' ایک روز

اتفا قاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی۔ تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا یہ ایک چھری اپنے ساتھ چھپا کر چلا' راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہو گئی۔ تو اس نے کہا میں تو تجھے مار ڈالوں گا۔ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین اور عمدہ محبوب اور مرغوب چیز اللہ تعالیٰ کے نام نکالی اور تو نے ردی کھدی واہی چیز نکالی' اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری کھونپ دی۔ ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا' اللہ تعالیٰ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں' اس لئے میں ہی اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے۔ اور ہابیل نے گائے قربانی کی تھی چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی۔ یہ نشان تھا قبولیت کا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی بڑا بھائی خار کھا گیا۔ اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا' یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی' نکاح کے اختلاف مٹانے کے وجہ نہ تھی قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ باعث ناراضگی عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور ایک روایت مندرجہ روایتوں کے بھی خلاف بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا ہے۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے جو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں۔ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور رب کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابو عفیفؒ سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص رب تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ خیر تو جو چاہے کر میں تو تیری طرح کروں گا نہیں بلکہ میں صبر سہار کر لوں گا۔ تھے تو زور طاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی نیک بختی اور تواضع فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہونے کا' میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔

صحیحین میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے۔ تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا قاتل تو خیر' لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس وقت جب کہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے عنقریب فتنہ برپا ہوگا بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ کسی نے پوچھا حضورؐ! اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے؟ فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں اس امت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور ﷺ سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ ﷺ کے پیچھے حضرت ابوذرؓ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ آسکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم ربانی اور رسول اللہ ﷺ ہو۔ فرمایا صبر کرو۔ پھر فرمایا جب کہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا' تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے۔ کہا پھر اگر چہ میں نہ اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے۔ اور وہیں رہ'

عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں۔ فرمایا پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا۔ بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعاعیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔ حضرت ربعیؒ فرماتے ہیں ہم حضرت خذیفہؓ کے جنازے میں تھے۔ جو ایک صاحب نے فرمایا میں نے مرحوم سے سنا ہے آپ رسول اللہ ﷺ کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے۔ کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز کے گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے۔ پس میں حضرت آدم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لے جائے یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ یہ مطلب بھی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آپڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی' لیکن انہیں سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے' ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔ بزار میں ایک حدیث ہے کہ بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں' تاہم یہ بھی صحیح نہیں۔ اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اب وہ قاتل پر آجاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں' قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لیتا جائے گا اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے' تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں۔ کیونکہ ظلم کے اس طرح بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑا ظلم ہے اور سب سے بدتر' واللہ اعلم۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے۔ تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آجائیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے' پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آجا۔ ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں تو سارا بوجھ تجھ ہی پر ہوگا۔ اور تو ہی ظالم ٹھیرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ باوجود اس نصیحت کے بھی اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آکر اپنے بھائی کو قتل کر دیا' اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے' یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بڑا بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر اور گلا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے۔ تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر زور سے دے مارا جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا تو قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا' یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتلایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال۔ جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے نہ ہلتا جلتا ہے۔ کہا شاید موت آگئی۔ اس نے کہا ہاں وہی موت۔ اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں' اتنے میں حضرت

آدم علیہ السلام آئے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں۔ آپ علیہ السلام نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم و رنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ اٹھی، تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔ قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا۔ دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا بوجھ آدم علیہ السلام کے اس پہلے لڑکے پر بھی پڑتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کا حصہ گناہ اس کے ذمہ ہے۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے، تو اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے۔ یہ اس کے سامنے لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی، یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی۔ اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک تو قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کھوتے پر لادے پھرتا رہا پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مار کر وہ پھر بہت پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔ اہل تورات کہتے ہیں۔ کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے تجھ پر میری لعنت ہے۔ اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی تجھے نہیں دینے کی جب تک کہ تو اس میں سرگردانی نہ کرے۔ اس نے اس کام کو کر تو لیا لیکن پھر تو بڑا ہی نادم ہوا، نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔

اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے پر ہوتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ لیکن حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے۔ قربانی سب سے پہلے انہیں میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے لیکن یہ قول تامل طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی آخر فرشتوں نے ان کے غم کو دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی۔ ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندہ نے بھی گویا اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی اس کا بوجھ اس پر آ گیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت کوئی سزا دی گئی۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی۔ اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا۔ یعنی جدھر سورج ہوتا ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد انکی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ ﴿ فَاِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے' واللہ اعلم۔ مترجم)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو جلا لیا ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔ ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا الٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں' یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے' یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں انکے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ ہاں جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پالو تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے۔

انسانی خون کی قدر و قیمت: فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل بے جا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرما دیا ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لئے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایک کو بلا وجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا۔ نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اس لئے کہ رب کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے۔ اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو جلا لیا اس لئے کہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔ امیر المومنین حضرت عثمان ؓ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ ؓ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت خلیفہ معصوم ؓ نے فرمایا کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابوہریرہ

نے فرمایا نہیں نہیں۔ فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کا قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ میری یہی خواہش ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹ گئے۔ اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجراد نیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا گویا تمام مسلمانوں کو بچا رہا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو مضبوط کرنا دنیا کو جلالینا ہے۔ (ابن جریرؒ) اور روایت میں ہے کہ ایک کو بے وجہ مارڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مارڈالا ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں مومن کو بے وجہ شرعی مارڈالنے والا جہنمی دشمن رب ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مارڈالتا ہے۔ تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے۔ عبدالرحمنؒ فرماتے ہیں ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا۔ یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو اور جو اسے جلالے یعنی ولی قاتل سے درگزر کرے اس نے گویا لوگوں کو جلا لیا۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس نے انسان کی جان بچالی' مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا' جلتے کو بچالیا' کسی کو ہلاکت سے ہٹالیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن وامان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسنؒ سے پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے ہم بھی ہیں؟ فرمایا ہاں یقیناً اللہ کی قسم کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے۔ پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچالینے کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور اکرم ﷺ! مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ میری زندگی بآرام گزرے۔ آپ نے فرمایا کیا کسی کو مارڈالنا تمہیں پسند ہے۔ یا کسی کو بچالینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچالینا۔ فرمایا بس اپنی اصلاح میں لگے رہو۔

پھر فرماتا ہے 'ان کے پاس ہمارے رسول ﷺ واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے' لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور درازدستی سے باز نہ رہے۔ بنو قینقاع کے یہود بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قیدیوں کے فدیے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا گیا۔ کہ تم سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ نہ انہیں دیس نکالا دو۔ لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کا خلاف کیا گو فدیے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا۔ اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو۔ ایسوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ محاربۃ کے معنی خلاف کرنا حکم کے برعکس کرنا' مخالفت پر تل جانا ہیں مراد اس سے کفر ڈاکہ زنی زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنی ہے۔ یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے قرآن کی اور آیت میں ہے جب وہ کسی کام کے والی ہو جاتے ہیں۔ تو فساد پھیلا دیتے ہیں۔ اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ تلا کرلے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں' برخلاف اس کے کہ اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہ ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آجانے سے پہلے توبہ کرلے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا وہ ٹل نہیں سکتا۔ حضرت ابیؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور

فساد مچادیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں انہیں قتل کر دیں۔ اور اگر چاہیں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں۔ یہ حرور یہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی یہ کام کرے اس کے لئے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا۔ چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چراہوں کو مار ڈالا' اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لاؤ۔ چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے۔ اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے' پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا۔ نہ ان کے زخم داغے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی قتل بھی کیا تھا۔ ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسول سے لڑے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں۔ مدینہ کی آب وہوا اس وقت بہتر نہ تھی۔ برسام کی بیماری تھی۔ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑے سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے ان ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ سب بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو اس کو بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنالیا' تب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے۔ اور تین عکل کے تھے یہ سب تندرست ہوگئے تو مرتد بن گئے۔ اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے۔ اور زناکار بھی تھے۔ یہ جب آئے تو ان کے پاس بوجہ فقیری کے پہننے کے کپڑے تک نہ تھے' یہ قتل وغارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے والے ہی تھے۔ جو ہم نے انہیں جالیا۔ وہ پانی مانگتے تھے اور حضور ﷺ فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا۔ یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ان کے سردار حضرت جریرؓ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ایک غلام تھا جس کا نام یسارؓ تھا' چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے اس لئے حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں۔ ان ہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا ان میں ایک شہ زور حضرت کرز بن جابرؓ فہری تھے۔ حافظ ابو بکر ابن مردویہؒ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا ہے اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ابو حمزہ بن عبد الکریمؒ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور ﷺ سے مدینہ کی آب وہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی۔ جب حضور ﷺ کو ان کی دغابازی اور قتل وغارت اور ارتداد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے منادی کرائی کہ اللہ تعالیٰ کے لشکریو! اٹھ کھڑے ہو! یہ آواز سنتے ہی

مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے ان مرتدڈاکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے خود حضور ﷺ بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے۔ وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے کو تھے۔ جو صحابہؓ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے انہیں لے کر حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری۔ ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں اس کے بعد حضور ﷺ نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بنو سلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے جو سزا انہیں دی وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو اس سزا سے روکا گیا ہے' جیسے آیت ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ میں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ' پاؤں کان ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی' لیکن ہے ذرا یہ تامل طلب پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہوں اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہؓ ہیں۔ اور ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ محمد بن عجلانؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو سخت سزا انہیں دی اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے' چنانچہ دیکھ لیجیے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں۔ لیکن اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ اس آیت میں حضور ﷺ کے اس فعل پر آپ ﷺ کو ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ جو انہوں نے کیا تھا اس کا وہی بدلہ مل گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہر میں لڑنا دونوں برابر ہیں کیونکہ لفظ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ کے ہیں۔ امام مالک اوزاعی' لیث' شافعی' احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر میں' ان کی سزا یہی ہے۔ بلکہ امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اس کا تمام مال و اسباب جو اسکے پاس ہے لے لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ نہیں' وہ کہتے ہیں کہ محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جب کہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہروں میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اسکے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے' راستوں کو پر خطر بنا دے امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے' جیسے محرم جو شکار کھیلے اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا اسکے برابر کے روزے' بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیہ میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا بیان ہے' قسم کے کفارہ میں درمیانے درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کی آزادگی ہے' تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے۔ اسی طرح ایسے محارب مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنا ہے' یا جلاوطن کرنا اور جمہور کا قول ہے۔

کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے' جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوئے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے۔ اور جب کہ راستے پر خطر کر دیئے ہوں' لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلاوطنی ہے اکثر سلف اور آئمہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے؟ یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے؟ تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر رہنے دیا جائے پھر اتار لیا جائے؟ یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ وارد کریں' ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے اگر اس کی سند صحیح ہو تو' وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل سے دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جنھوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنادیا ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور پاؤں بدامنی کے بدلے' اور جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کر دیجئے اور جس نے قتل اور خطرہ راہ اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے' اسے سولی پر چڑھا دو۔

فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائے یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائیں یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے شہر سے تیسرے شہر اسے بھیج دیا جاتا رہے۔ یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے۔ شعبیؒ تو نکال ہی دیتے تھے اور عطاءؒ خراسانی کہتے ہیں کہ ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے' یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں اسے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ابن جریرؒ کا مختار قول یہ ہے کہ اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں معذب ہوں گے۔ آیت کا یہ ٹکڑا ان لوگوں کی تو تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور مسلموں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' چوری نہ کریں' زنا نہ کریں' اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں' ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں' جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے۔ پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی' اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس کا امر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اگر چاہے عذاب کرے' چاہے چھوڑ دے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ معاف کئے ہوئے جرم پر پھر سے پکڑے۔ اسی دنیاوی سزا میں اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں' جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے' ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے' پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے' لیکن جو مسلمان محارب ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کا کٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں' اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے گا صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ جاریہ ابن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا' مسلمانوں سے لڑا اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علیؓ سے سفارش کی' جن میں حضرت حسن بن علیؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بھی تھے لیکن آپ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا' آپ نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا بتلایئے تو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے۔ پھر ان آیتوں کی ۞ قبل ان

تقدروا علیھم ﴾ تک کی تلاوت کی' تو آپ نے فرمایا' میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا۔ حضرت سعید" نے فرمایا یہ جاریہ بن بدر ہے چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعری" کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں گورنر تھے ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا اے امیر کوفہ! میں فلاں بن فلاں مرادی قبیلہ کا ہوں' میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی لڑی' زمین میں فساد کی کوشش کی' لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں اس سے پہلے میں تائب ہو گیا' اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ" کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے' اگر یہ سچا ہے تو الحمدللہ اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اس کو ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر نکل کھڑا ہوا اللہ نے بھی اسکے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی لڑائی کی راستے پر خطر کر دیئے' لوگوں کو قتل کیا' مال لوٹا' سالار لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا جو ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ﴾ یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا اے اللہ کے بندے! یہ آیت مجھے دوبارہ سنا' اس نے پھر پڑھی اللہ کی اس آواز کو سن کر وہ فرماتا ہے' اے میرے گنہگار بندو! تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ میں سب گناہوں کے بخشنے پر قادر ہوں' میں غفور رحیم ہوں' اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار کو میان میں کر لیا اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کے نماز سے پہلے مدینہ میں پہنچ گیا۔ غسل کیا اور مسجد نبی ﷺ میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ" کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب روشنی ہو گئی تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی بہت بڑا مجرم اور مفرور شخص علی اسدی ہے۔ اٹھ کھڑے ہوئے کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے اس لئے کہ تم مجھ پر قابو پاؤ اس سے پہلے ہی میں تو توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد تمہارے پاس آیا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ" نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے' یہ اس وقت حضرت معاویہ" کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ وہاں پہنچ کر فرمایا یہ علی اسدی ہیں یہ توبہ کر چکے ہیں اس لئے اب تم انہیں کچھ کر نہیں سکتے' چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا۔ جب مجاہدوں کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہو لئے۔ سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں۔ یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے۔ ان کی آبدار خاراشگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے' یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے' چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا اس لئے کشتی پلٹ گئی جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے' اور حضرت علی اسدیؒ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے (اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے) آمین۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل جیسا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے ان کے لئے تو دردناک عذاب ہی ہیں۔ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس سے نہ نکل سکیں گے ان کے لئے تو دوامی عذاب ہیں۔

شرعی وسیلہ کا معنی ومفہوم: تقویٰ کا حکم ہو رہا ہے وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ رب کے منع کردہ کاموں سے رکا رہے اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرو، یہی معنی وسیلے کے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہدؒ، حضرت ابو وائلؒ، حضرت حسنؒ، حضرت ابن زیدؒ اور بہت سے مفسرین رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہی مروی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زیدؒ نے یہ آیت بھی پڑھی۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ﴾ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان آئمہؒ نے وسیلہ کے جو معنے اس آیت میں کئے ہیں اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے اس میں کسی ایک کا بھی بالکل خلاف نہیں۔ امام ابن جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے جس میں وسیلہ قربت اور نزدیکی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب۔ یہی درجہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اذان سن کر ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ﴾ پڑھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے، جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو، ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے تم اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو، وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا، مجھے امید ہے وہ بندہ میں ہی ہوں، پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ مسند احمد میں ہے، جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو! پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہو جاؤں۔ طبرانی میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے، جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا۔ اور حدیث میں ہے وسیلے سے بڑا اور درجہ جنت میں کوئی نہیں، پس تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون ہوں گے۔ تو آپ نے حضرت فاطمہؓ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ ایک اور بہت ہی غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے منبر کوفہ پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید ایک زرد، زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے جس میں ستر ہزار بالاخانے ہیں جن میں سے ہر ہر گھر تین میل کا ہے اس کے دریچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے یہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی اہل بیت کے لئے ہے۔

تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ اس کی راہ میں جہاد کرو مشرکین وکفار کو جو اس کے دشمن ہیں اس کے دین سے الگ ہیں اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں انہیں قتل کرو ایسے مجاہدین بامراد ہیں فلاح وصلاح، سعادت وشرافت انہیں کے لئے ہے، جنت کے بلند بالاخانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہیں کے لئے ہیں۔ یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت وفوت نہیں، جہاں کمی اور نقصان نہیں۔ جہاں ہمیشگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش وعشرت ہے۔ اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ ایسے سخت اور برے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر

اسوقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کیلئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں وہ دائمی ابدی اور دوامی ہیں' جیسے اور جگہ ہے کہ جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیے جائینگے' بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے کے ساتھ اوپر آ جائیں گے کہ داروغے انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دینگے۔ غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک جہنمی کو لایا جائے گا پھر اسے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! کہو تمہاری جگہ کیسی ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اسے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کیلئے تو کیا خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کر سونا دے کر بھی میں یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بھی بہت کم مانگا تھا۔ لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم) ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی' اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیرؒ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے کہ ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں' تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت ﴿ ان الذين كفروا ﴾ پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں یہ کبھی نہ نکلیں گے (مسند وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ یزیدؒ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا اسلئے یہ سنکر انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے خلاف کہتے ہیں اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اس پر انکے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابرؓ بہت حلیم الطبع تھے انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کے جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے وہ کفار ہیں تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے۔ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن میں نہیں ہے ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ ﴾ اس میں مقام محمود کا ذکر ہے یہی مقام شفاعت ہے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں انکی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا' پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میرا خیال ٹھیک ہو گیا۔ حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابرؓ سے ملا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کی ہمیشگی کا بیان ہے سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا اے طلق! کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کیلئے' لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے گناہوں کے بدلے سزا بھگت لی پھر جہنم سے نکال دیئے گئے۔ جابرؓ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا نہ ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے۔ اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائینگے۔ قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

چوری کرنے والے مرد عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو بدلہ اس کا جو انہوں نے کیا تنبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔ جو شخص اپنے گناہوں کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا مہربانی کرنے والا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے؟ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

چوری کا نصاب اور اسکی شرائط: حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں ﴿ فَاقْطَعُوْا اَيْمَانَهُمَا ﴾ ہے لیکن یہ قراءت شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قراءت کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بنا پر ہے' چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا۔ اسلام نے اسے تفصیل وار منظم کر دیا۔ اسی طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے' اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دویک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے' اس نے کعبہ کا غلاف چرایا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں تھوڑی ہو یا بہت' محفوظ جگہ سے لی یا غیر محفوظ جگہ سے بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے' تو ممکن ہے اس کے قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے' رسی چرائی اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے گو اس حد کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت کی یا زیادہ کی کوئی چیز' چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے' جب کہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا یہ فعل گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا خلاف ہے پاؤ دینار کے تقرر میں امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ' ان کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو' اس میں کاٹنا چاہیے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے' چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار میں پھر اس سے اوپر میں۔ پس یہ حدیث اس مسئلہ کا صاف فیصلہ کر دیتی ہیں اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور ﷺ سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عثمان بن عفانؓ' حضرت علی ابی طالبؓ' بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز' لیث ابن سعد' اوزاعیؒ' شافعیؒ' اسحاق بن راہویہؒ' ابو ثورؒ' ابو داؤد ابن علی ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمدؒ کی ایک حدیث میں ہے' چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو' اس سے کم میں نہیں' اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درھم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم کی شرط لگانی کھلی غلطی ہے' واللہ اعلم۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے جس ڈھال کے بارے میں حضور ﷺ کے زمانہ میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا' اس کی قیمت دس درہم تھی' چنانچہ ابو بکر بن ابی شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ سے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمروؓ مخالفت کر رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی ابن مسعودؓ

ابراہیم نخعیؒ ابو جعفر باقرؒ سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہر یہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن جواب ٹھیک نہیں اس لئے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقین نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈہ ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر کار قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے۔ اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان حضور ﷺ بطور بیان واقعہ کے ہو ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ تو گویا حضور ﷺ بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے وقوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابوالعلاء معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں' یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔ لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علمائے کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا۔ پھر جواب مشہور کر دیئے گئے۔ قاضی عبدالوہابؒ نے جواب دیا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا۔ اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن وامان قائم ہوتا ہے۔ جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے اس پر بڑا جرمانہ رکھا تا کہ لوگ اس برے فعل سے بچیں' وہاں یہی حکم مناسب تھا۔ چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تا کہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے' پس یہ تو عین حکمت ہے۔ اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا' مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے اسی عضو پر سزا ہو تا کہ' انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے حکموں میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے اللہ تعالیٰ اسے اپنا گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے' ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے لہذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے' یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور آئمہ کا یہی قول ہے صرف امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں۔ دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا۔ جس نے چادر چرائی تھی' آپ نے اس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہو گی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے چوری کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو۔ انہوں نے توبہ کی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔ (رضی اللہ عنہ)۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر بن سمرہؓ حضور ﷺ کے پاس آکر کہتے ہیں کہ حضرت! مجھ سے چوری ہو گئی ہے' تو آپ مجھے پاک کیجئے فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرا لیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا۔ تو نے میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا تھا (رضی اللہ عنہ)۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیور چرا لئے۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ کے پاس اسے پیش کیا۔ آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے

کا حکم دیا۔ جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو' اس پر آیت ﴿فَمَنْ تَابَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی۔ لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ غزوہ فتح میں ہوا تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ جو رسول اللہ ﷺ کے بہت پیارے ہیں' وہ ان کے بارے میں حضور ﷺ سے سفارش کریں۔ حضرت اسامہ ؓ نے جب ان کی سفارش کی تو حضور ﷺ کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا اسامہ! تو اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ ؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے۔ کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں' تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں' پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں ان کی حاجت آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھی (رضی اللہ عنہا)۔ مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی پھر انکار کر جایا کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور روایت میں ہے یہ زیور اس طرح لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال ؓ کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں' فالحمد للہ۔ جمیع مملوک کا مالک' ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا' جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے' ہر ہر چیز پر قادر ہے' اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اے نبی ﷺ! تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل انجیدہ خاطر نہ کر جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو کہ زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں' اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں' جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں' اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ ﷺ کے پاس نہیں آئے۔ باتوں کے اصلی موقعوں کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا۔ جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں۔ اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہت سخت سزا ہے۔ یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو ٹال دے۔ اگر تو ان سے منہ پھیرے گا تو بھی یہ تجھے ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔ عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ وہ اپنے پاس توراۃ ہوتے ہوئے جس میں احکام الٰہی ہیں تجھے حکم بناتے ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں۔ دراصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں۔ ہم نے توراۃ نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ یہودیوں میں اسی توراۃ کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے' اب تمہیں چاہیئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پختہ کافر ہیں۔

یہودیوں کا رجم سے اعراض اور قصاص میں ظلم کا ارتکاب: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو رائے قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے دل کے کھوٹے' اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی وہاں لگاتے ہیں' ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں مطلب کچھ ہو' لے

کچھ اڑاتے ہیں۔ ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی۔ جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا' اب کہنے لگے چلو حضور ﷺ کے پاس چلیں' اگر دیت جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ کہ وہ ایک زناکار کو لے کر آئے تھے' ان کی کتاب توراۃ میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے' لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا۔ اور سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے اور الٹا گدھے پر سوار کر کے' رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زناکاری کے جرم میں پکڑا گیا' تو یہ کہنے لگے آؤ حضور ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں' اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی' رجم کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے یہ بدکاری کی ہے۔ ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے ہاں توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا' ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑتے ہیں' یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا جھوٹ کہتے ہو۔ توراۃ میں سنگسار کرنے کا حکم ہے' لاؤ توراۃ پیش کرو۔ انہوں نے توراۃ کھولی' لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبداللہ سمجھ گئے۔ اور آپ نے فرمایا' اپنے ہاتھ کو تو ہٹا' ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی' اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کے لئے اس کے آڑے آجاتا تھا' (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا' ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپالیا تھا۔ جو پڑھ رہا تھا اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت لپکتی ہوئی نظر آئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی موجود تھے۔

اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ ﷺ کو بلوایا تھا۔ اپنے مدرسے میں گدی پر آپ ﷺ کو بٹھایا تھا اور جو توراۃ آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا' وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا تم توراۃ میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا' لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا خاموش ہی کھڑا رہا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا۔ اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی توراۃ میں ان لوگوں کے ذمے سنگساری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا' پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت! ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زناکاری کی اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا' پھر ایک عامی آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔ آخر ہم نے مل کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے توراۃ کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا الخ﴾ اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (احمد ابوداؤد) مسند احمد میں ہے ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے۔ اور اسے کوڑے بھی مار رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا' تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا' بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زناکاری کی سزا سنگساری ہے' لیکن چونکہ امیر الامراء اور شرفا لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی' اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی۔ اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے۔ اور حکم ربانی مارا نہ جائے اس لئے غریب غرباء کم

حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے' پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی تجویز کرو کہ شریف اور غیر شریف 'امیر اور غریب سب پر یکساں جاری ہو سکے' چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اجماع ہوا کہ منہ کالے کرا دیں۔ اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو' چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت ﴿ يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ ﴾ سے ﴿ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ تک نازل ہوئی۔

ان ہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعہ زنا فدک میں ہوا تھا۔ اور وہاں یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور ﷺ سے معلوم کرایا تھا۔ جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریا تھا یہ آنکھ کا بھینگا تھا اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور ﷺ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قبول کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا تھا تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچالیا تھا۔ اور من و سلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے بڑی زبردست قسم ہے۔ اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں۔ تو کہا حضور ﷺ توراۃ میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے۔ اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی 'اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول و خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرا دیا گیا۔ اس پر یہ آیت ﴿ فَاِنْ جَآءُوْكَ ﴾ الخ اتری (ابوداؤد وغیرہ)۔ ایک روایت میں جو دو عالم آپ ﷺ کے سامنے لائے گئے تھے یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی۔ پھر آپ ﷺ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی' جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں انہیں اس برائی میں صاف صاف دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ دراصل توراۃ وغیرہ کا منگوانا ان کے عالموں کو بلوانا یہ سب انہی الزام دینے کے لئے تھا نہ اس لئے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلّف ہیں' نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے' اس سے مقصد ایک تو حضور ﷺ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی توراۃ میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا' دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان اللہ کے چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضور ﷺ کے پاس کچھ اس لئے نہیں آئے تھے کہ آپ ﷺ کی حکم برداری کریں گے بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ آپ ﷺ سے بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں تو لے لیں گے ورنہ ہرگز نہ قبول کریں گے اس لئے فرمان ہے کہ جنہیں اللہ گمراہ کر دے تو ان کی کسی قسم کی راستی کا مختار نہیں ہے' ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ اللہ کا نہیں ہے۔ یہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں' رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر' اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے۔ بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ پھر فرمایا کہ اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر' گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

پھر ان کی خباثت' بدباطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے۔ کہ ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے اور پھر اس میں بھی

نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے تو لے لیں گے ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے۔ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری حکم برداری کریں گے؟ انہوں نے تو توراۃ کو بھی چھوڑ رکھا ہے جس میں حکم اللہ ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس توراۃ کی مدحت و تعریف بیان فرمائی جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت و نورانیت تھی' انبیاء علیہم السلام جو اللہ کے زیر فرمان تھے اسی پر فیصلہ کرتے رہے یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے تبدیل تحریف سے بچے رہے اور ربانی یعنی عابد علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی۔ اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ و شاہد تھے اب تمہیں چاہئے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو' ہاں قدم قدم اور لمحہ لمحہ پر خوف الٰہی رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ کرے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے انشاء اللہ۔ ان آیتوں کا ایک اور شان نزول بھی سن لیجئے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا دوسری میں ظالم تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک غالب تھا دوسرا مغلوب تھا' ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقہ کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس (۵۰) وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز شخص کو قتل کر دے تو ایک سو (۱۰۰) وسق دیت دے' یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضور ﷺ مدینہ میں آئے اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا' یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو (۱۰۰) وسق دلواؤ۔ وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے ایک ہی دین کے ایک ہی نسب کے ایک ہی شہر کے' پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ۔ ہم چونکہ اب تک تم سے دبے ہوئے تھے اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے۔ لیکن اب جب کہ حضرت محمد ﷺ جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں' ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کو سونپ دیا جائے' لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے اپنے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھ داروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور ﷺ کوئی ناانصافی کا حکم کریں' یہ صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا۔ اب جو تم نے حضور ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو کسی کو حضور ﷺ کے پاس چپکے سے بھیج دو وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اور اگر ہماری موافقت میں ہو تو بہت اچھا چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ' اور اگر خلاف ہو تو بس الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ یہاں وہ پہنچیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول ﷺ کو ان دونوں فرقوں کے بدارادوں سے مطلع فرما دیا۔ (ابوداؤد)۔ اور روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے بنو نضیر کی پوری دیت تھی اور بنو قریظہ کی آدھی حضور ﷺ نے دونوں کی دیت برابر یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ اور روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں' سو (۱۰۰) وسق دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا جس کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں' واللہ اعلم۔

ہاں ایک بات اور ہے جس سے دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا ﴾ یعنی ہم نے یہودیوں پر توراۃ میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض میں جان' آنکھ کے عوض میں آنکھ الخ' واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں۔ گویہ شان نزول کے اعتبار سے بقول

مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں جس نے وحی ربانی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا جاننے کے باوجود اسکے خلاف کیا' وہ کافر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جس نے اللہ کے فرمان کا انکار کیا اس کا یہ حکم ہے تو جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی بھی ہو۔ شعبیؒ فرماتے ہیں مسلمانوں میں جس نے کتاب اللہ کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا تو فاسق ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔ طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے اللہ و رسول' قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطاؒ فرماتے ہیں کفر کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا نہیں ہو جاتا ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾

ہم نے یہودیوں کے ذمہ توراۃ میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت' اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے' پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں۔

قصاص میں مساوات دیت اور معاف کر دینا: یہودیوں کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنو نضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے' بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں' اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف منہ کالا کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں' اس لئے تو وہاں انہیں کافر کہا یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں۔ حضور ﷺ کا والعین پڑھنا بھی مروی ہے۔ (ابو داؤد وغیرہ)۔ علمائے کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جو ہمارے سامنے بطور تقریر کے بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو جائے تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے جیسے کہ یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں' ایک تو وہی جو بیان ہوا' ایک اس کے بالکل برخلاف' ایک یہ کہ ابراہیمی شریعت صرف جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ بلکہ صرف دیت لی جائے گی' لیکن یہ قول جمہور علماء کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا' اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا' لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام

کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے' اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف اجماع ہے' لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان لازم نہیں آتا' تاوقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے' اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی۔ حضور ﷺ کے پاس معاملہ آیا' آپ ﷺ نے بدلہ کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا کیا اس کے سامنے کے دانت توڑے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اے انس! رب کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں یارسول اللہ ﷺ! قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ وہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا بعض بندگان اللہ ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ معافی دی نہ دیت لینی منظور کی۔ نسائی وغیرہ میں ہے کہ ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے ان لوگوں نے حضور ﷺ سے آکر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں مال ہمارے پاس نہیں تو حضور ﷺ نے ان پر کوئی جرمانہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے ان سے سفارش کر کے معاف کرالیا ہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی' آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی' ناک کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی' دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے برابر ہیں مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں جب کہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں۔ ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔

قاعدہ:۔ اعضاء کا کٹنا کبھی تو جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے جیسے ہاتھ پیر قدم ہتھیلی وغیرہ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہو بلکہ ہڈی پر آئے ہوں ان کی بابت حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف و خطرے کی جگہ ہے۔ ان کے برخلاف حضرت ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں بجز دانت کے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور عطاء' شعبی' حسن بصری' زہری' ابراہیم نخعی' اور عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ اجمعین بھی یہی کہتے ہیں اور اسی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد بھی اور امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور ﷺ ہے لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے ایک تلوار ماردی جس سے اس کی کلائی کٹ گئی' حضرت محمد ﷺ کے پاس مقدمہ آیا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اسی کو لے لے اللہ تعالیٰ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا۔ لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے اس کے ایک راوی دہشم بن قران عکلی اعرابی ضعیف ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی دوسرے راوی نمران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں' اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ نہ دلوایا جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے آپ ﷺ نے دلوادیا۔ اس کے بعد پھر وہ آیا کہنے

لگا یا رسول اللہ ﷺ! میں تو لنگڑا ہو گیا' آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تو منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا' اب تیرے اس لنگڑا پے کا کچھ بدلہ نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرمادیا۔

مسئلہ :۔ اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لیا گیا اس میں مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ امام مالک 'شافعی 'احمد' رحمہم اللہ اجمعین اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اس پر دیت واجب ہے۔ اسی کے مال میں سے بعض اور بزرگ فرماتے ہیں اس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ واجب ہے بعض اور حضرات کہتے ہیں بقدر اس کے بدلے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص قصاص سے درگزر کر لے اور بطور صدقہ کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے اسے ثواب ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کفارہ ہے زخمی کے لئے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگزر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں' ثلث ہے تو تہائی گناہ' آدھی ہے تو آدھے گناہ' اور پوری ہے تو پورے گناہ۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے حضرت ابو درداءؓ وہیں تھے فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم کو کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کر لے بدلہ نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے اس انصاری نے یہ سن کر کہا' کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور اکرم ﷺ کی زبانی سنا ہے آپؓ نے فرمایا میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا (ابن جریرؒ) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن بقول امام ترمذی یہ غریب ہے۔ ابو سفر راوی کا ابو درداءؓ سے سننا ثابت نہیں' اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوتا تھا اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص خون یا اس سے کم معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کفارہ ہے۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم پر کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرماتا ہے۔ مسند میں بھی یہ حدیث ہے کہ۔ اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ پہلے گزر چکا کہ کفر کفر سے کم ہے ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور' اور وہ اپنے سے پہلی کی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتی تھی' اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارسا لوگوں کے لئے۔ انجیل والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ

کریں وہ بدکار فاسق ہیں۔

آسمانی کتاب انجیل کی چند خصوصیات: انبیاء بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰ نبی کو لائے جو تورات پر ایمان رکھتے تھے اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور اگلی الہٰی کتابوں کی موافقت تھی' ہاں چند مسائل جن میں یہودی مختلف تھے ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اسی لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور دعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ ﴿اَهْلَ الْاِنْجِيْلِ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ﴿وَلِيَحْكُمْ﴾ میں کی کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے۔ اور مشہور قراۃ وَلْيَحْكُمْ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہئے کہ انجیل کے کل احکام پر ایمان لائیں اور اسی کی مطابق حکم کریں۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ﴾ یعنی اے اہل کتاب! جب تک تم توراۃ وانجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے اترا ہے اس پر قائم نہ ہو تو کسی چیز پر نہیں ہو' اور آیت میں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ﴾ جو لوگ اس رسول نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتے ہیں جس کی صفت اپنے ہاں توراۃ میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اطاعت اللہ تعالیٰ سے خارج' حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں۔ یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ روش آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گزر چکا ہے۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے سو تو ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم

نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔ اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز جتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔ آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے۔ ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے ان سے ہوشیار رہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں۔ اگر یہ لوگ منہ پھر لیں تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی لے۔ اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

قرآن کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہیں: توراۃ وانجیل کی ثنا وصفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے یہ بالیقین رب واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے یہ تمام اگلی اللہ کی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت و ثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی، پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے، جیسے فرمان ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ ﴾ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا ہے اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول رسولوں کے سرتاج رسول آ ہی گئے۔ اور یہ کتاب ان کی اگلی کتابوں کی امین ہے یعنی اس میں جو ہے وہی اگلی کتابوں میں تھا۔ اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں اگلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں مل کر تھیں، وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ بعض نے کہا مراد اس سے یہ ہے کہ حضور ﷺ امین ہیں اس کتاب پر۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربیت کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔ امام ابن جریرؒ نے بھی حضرت مجاہدؒ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے ﴿ مُهَيْمِنٌ ﴾ کا عطف مصدق پر ہے پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا۔ اگر حضرت مجاہدؒ کے معنے صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی۔

پس اے نبی ﷺ! آپ ان سب میں اللہ کی اس کتاب کے احکام پھیلایئے خواہ عرب ہوں خواہ عجم ہوں، خواہ لکھے پڑھے ہیں خواہ بے پڑھے ہوں۔ اللہ کے نازل کردہ سے مراد اللہ کی وحی ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو خواہ جو اگلے احکام اللہ نے آپ ﷺ کے لئے مقرر کر رکھے ہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الٰہی کے ساتھ ان میں فیصلے کرنے ضروری ہیں۔ ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، خبردار اے نبی ﷺ! تم ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتدا کرنے کو شرعہ کہتے ہیں، منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو، پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے اگلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں، وہ سب توحید پر تو متفق تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا، جیسے حدیث شریف ہے، ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں ہم سب کا دین ایک ہے۔ ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان ہے، اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت ہوتی رہی۔ جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے ہیں ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی

معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے ﴿ ولقد بعثنا ﴾ ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوادیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو، ہاں احکام کا اختلاف ضرور رہا۔ کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہوگئی یا اس کے برعکس، یا کسی حکم میں تخفیف تھی، اب تاکید ہوگئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ پس توراۃ مثلاً ایک شریعت ہے انجیل ایک شریعت ہے قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرماں برداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے، البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی۔ اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمد ﷺ تم میں سے ہر شخص کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے تم سب کو اس کی اقتداء اور تابعداری کرنی چاہیے۔ اس صورت میں ﴿جَعَلْنَا﴾ کے بعد ضمیر کی محذوف ماننی پڑے گی۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور بس۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی، لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوادے یہاں تک کہ تمام اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ ﷺ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی شریعت کی فرماں برداری کی طرف آگے بڑھنا چاہیے اور اس آخری شریعت اور آخری کتاب اور آخری پیغمبر ﷺ کی بہ دل، جان حکم برداری کرنی چاہیے۔ لوگو! تم سب کا مرجع وماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتادے گا، سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی تکذیب سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

جو حق کو ماننا تو ایک طرف اور حق سے چڑتے ہیں۔ اور مقابلہ کرتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں مراد امت محمد ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو کہیں ان خائن مکار کذاب کفار یہودیوں کی باتوں میں آکر کسی اللہ کے حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے اسی لئے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی ہے۔ اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج، دین اللہ کے مخالف اور ہدایت سے دور ہیں۔ جیسے فرمایا، ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی گو تو حرص کر کے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور فرمایا ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ اللہ سے بہکا دیں گے۔ یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کرلیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں، آپ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں۔ اس کے بعد جناب باری تعالیٰ ان لوگوں پر انکار کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں جس میں تمام بھلائیاں موجود ہیں اور تمام برائیاں دور ہیں ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے، قیاس کی طرف خواہش نفسانی کی طرف اور ان کے احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے

کہ اہل جاہلیت و ضلالت اپنی رائے سے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خانی احکام کی پیروی کرتے تھے جنہیں الیاسق نے گھڑ دیا تھا۔ وہ بہت سے مجموعی احکام کے دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔ یہودیت 'نصرانیت' اور اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور رائے اور دقت نظر سے ایجاد کئے گئے تھے جن میں اپنی خواہش کی ملونی بھی تھی بس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے۔ اور اسی کو کتاب و سنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی۔ درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی طرف آ جائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا سہل معاملہ میں سوائے کتاب و سنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے سرک رہے ہیں ؟یقین والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر حکمران اور کار فرماں کون ہو گا اللہ سے زیادہ عدل و انصاف والے احکام کس کے ہوں گے ؟ایمان دار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے صاف سہل اور عمدہ احکام و قواعد مسائل و ضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے وہ پورے اور پختہ علم والا اور کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤسؒ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں ؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور چال تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے زیادت کے ساتھ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

وقف غفران — وقف لازم عند البعض وقف نازل — المعانقة

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔ تو دیکھے گا جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں گے۔ اور ایمان دار کہنے لگیں گے کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔

دشمنان اسلام سے دوستی کی ممانعت؟ دشمنان اسلام یہود و نصاری سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔ میرے نزدیک جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبداللہ بن عتبہؓ نے فرمایا! لوگو تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ' ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ ابن عباسؓ سے عرب نصرانیوں کے ذبیحے کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو آپ یہی آیت تلاوت کر دیتے ہیں۔ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت و مودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہمارے تکے بوٹیاں کر دیں گے اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں' حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاری کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر گھس پیٹھ کرتے پھرتے ہیں بڑے بھنانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے' ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لو یہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں' کھودیا جو کیا تھا۔ اور برباد ہو گئے۔ وَيَقُوْلُ تو جمہور کی قراءت ہے۔ ایک قراءت بغیر واؤ کے بھی ہے اہل مدینہ کی یہی قراءت ہے يَقُوْلُ ہے تو مبتداء ہے اور دوسری قراءت اس کی يَقُوْلَ تو یہ فَعَسٰی پر عطف ہو گا گویا ﴿ وَاَنْ يَّقُوْلَ ﴾ ہے۔

اہل مدینہ کے نزدیک ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تا کہ موقع پر مجھے نفع پہنچے۔ دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں لبابہ بن عبدالمنذرؓ کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جب کہ حضور ﷺ نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تھا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور ﷺ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے تو حضرت ﷺ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ اور رسول کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا میں آگا پیچھا سوچنے کا عادی ہوں مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا نہ جانے کس وقت کیا موقعہ پڑ جائے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ! تو عبادہ سے بہت ہی گھاٹے میں رہا' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری درگت ہو اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں۔ فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا' ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تمہیں معلوم کرا دیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہؓ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جب یہودیوں کے اس قبیلے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب تعالیٰ یہ غالب آ گئے۔ تو اب عبداللہ آپ سے کہنے لگا حضور میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے۔ حضور ﷺ نے کوئی اسے جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا آپ ﷺ نے منہ موڑ لیا یہ آپ ﷺ کے دامن سے لٹک گیا۔ آپ ﷺ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے۔ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ! میں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ

میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن یہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا بڑا کھٹکا ہے۔ آخر حضور ﷺ نے فرمایا جاوہ سب تیرے لئے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نیچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی تو ان کی حمایت حضور ﷺ کے سامنے کرنے لگا اور عبادہ بن صامت باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے اس سے صاف برات ظاہر کی اس پر یہ آیتیں ﴿ هُمُ الغٰلِبُوْنَ ﴾ تک اتریں۔ مسند احمد میں ہے کہ اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے حضور ﷺ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا تو اس نے کہا سعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا وہ بھی مر گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٥٤ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ۝٥٥ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝٥٦

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوگی۔ اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی، نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔ مسلمانو تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ خشوع و خضوع کرنے والے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

مرتد اپنا ہی نقصان کرتا ہے: اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا' اللہ تعالیٰ ایسوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا۔ جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا ﴾ اور آیت میں ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ﴾ اور جگہ فرمایا ﴿ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا ارتداد کہتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں خلافت صدیقی میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے ان کا حکم اس آیت میں ہے جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ ہو رہا ہے اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلوں کے ہیں۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' وہ اس کی قوم ہے۔ ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو نہ بچھ جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے' ان پر بھاری پڑنے والے اور

ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ حضور ﷺ کی صفتوں میں ہے کہ آپ ﷺ ضحوک تھے اور قتال تھے یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو۔

سچے مسلمان راہ رب کے جہاد سے منہ نہیں موڑتے نہ پیٹھ دکھاتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ بزدلی نہ آرام طلبی کرتے ہیں نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں وہ برابر اطاعت اللہ میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں' بھلائی کا حکم کرنے میں' اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں مجھے میرے خلیلؐ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے' مسکینوں سے محبت رکھنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے کا اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے کا اور صلہ رحمی کرتے رہنے کا گو دوسرے نہ کرتے ہوں' اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے کا' اور حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بکثرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کا' کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے۔ (مسند احمد)۔ اور روایت میں ہے میں نے حضور ﷺ سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں پر آپ نے میری پختگی کی ہے اور سات مرتبہ میں اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی بدگوئی کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضور ﷺ نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ ﷺ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا' میں نے کہا بہت اچھا' فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا۔ (مسند احمد)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے' نہ رزق کو دور کر سکتا ہے' ملاحظہ ہو امام احمد کی مسند۔ فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ سن کر اپنے تئیں کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہو گی' اس وقت انسان جواب دے گا میں لوگوں کے ڈر سے چپکا ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا (مسند احمد)۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے خلاف شرع امر دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا پروردگار! میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا (ابن ماجہ)۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے' مومن کو نہ چاہیے کہ اپنے تئیں ذلت میں ڈالے' صحابہؓ نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا بلاؤں کو اپنے اوپر لے لے جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے یعنی کمال ایمان کی یہ صفتیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے اس کا فضل بہت وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے' خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں' مومن بھی وہ جن میں یہ صفتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے' اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے' آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا کہ یہ ﴿ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوۃ ادا کرتے ہیں' یہ بالکل غلط ہے اگر اسے مان لیا جائے تو یہ نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل نہیں' ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نماز کے رکوع میں تھے کہ ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ ﴿والذین امنوا﴾ سے مراد بقول عتبہؓ ہملہ مسلمان اور حضرت علیؓ ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے' لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں' رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں' پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت ہے اور صحیح نہیں' ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے

بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان دار لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے۔ اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ہی غالب رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ تعالیٰ اور رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی نہ پائے گا گو وہ باپ' بیٹے' بھائی' اور کنبے قبیلے کے لوگ ہوں۔ یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے رب تعالیٰ ان سے راضی ہے یہ اللہ سے خوش ہیں' یہی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی دوستیوں پر رضامند ہو جائے وہ دنیا میں منصور ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے' اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں' اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھیرا لیتے ہیں' یہ اس واسطے کہ بے عقل ہیں۔

دشمن دین شیطان اور اذان: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کو ہنسی میں اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں۔ ﴿ مِنْ ﴾ بیان جنس کے لئے ہے جیسے ﴿ الْاَوْثَانِ ﴾ میں۔ بعضوں نے ﴿ وَالْكُفَّارِ ﴾ پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے۔ بعضوں نے ﴿ وَالْكُفَّارَ ﴾ پڑھا ہے اور ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا ﴾ کا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت ﴿ وَلَا الْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ ﴾ ہو گی۔ کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قرآت میں ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کی اللہ کی اور شریعت کی دشمنی کرنے والے ہیں' جیسے فرمایا ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں' ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے اسی طرح یہ کفار اہل کتاب بھی اور مشرک بھی اس وقت بھی مذاق اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لئے پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے۔ لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے کہ یہ متبع شیطان ہیں اور اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی گوز مارتا ہوا دم دبائے بھاگتا ہے' اور وہاں جا کر ٹھیرتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ آئے اس کے بعد آ جاتا ہے' پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اس کے ختم ہوتے ہی آ کر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے۔ انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے' یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعتیں پڑھیں ہیں؟ جب ایسا ہو تو دو سجدے سہو کے کرے (متفق علیہ)۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے' پھر یہی آیت تلاوت کی۔ ایک نصرانی مدینے میں اذان میں جب ﴿ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ سنتا تو کہتا کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی' کوئی پتنگارا اڑا جس

سے گھر میں آگ لگ گئی، وہ شخص اور اس کا گھر بار سب جل کر خاک ہو گیا۔ فتح مکہ کے سال حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا، قریب ہی ابو سفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب نے تو اذان سن کر کہا کہ میرے باپ پر تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی لیتا۔ ابو سفیان نے کہا کہ بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں جو حضور ﷺ آ گئے۔ اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں ورنہ ہم یہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ سے کہہ دیا ہو گا (سیرۃ محمد بن اسحٰق)۔

حضرت عبداللہ بن محیریزؒ جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت ابو محذورہؓ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے کہ آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے، تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے، راستے میں ہم لوگ ایک جگہ تھے اور نماز کے وقت حضور ﷺ کے موذن نے اذان کہی۔ ہم نے اس کی نقل اور مذاق اڑانا شروع کیا۔ کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا، تو آپ نے اور سب کو تو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو اور اذان کہو۔ واللہ اس وقت حضور ﷺ کی ذات سے آپ کی حکم برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا کھڑا ہو گیا۔ اب خود آپ نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ ﷺ سکھاتے رہے میں کہتا رہا (پھر اذان پوری بیان کی) جب اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ میں اور تجھ پر برکت دے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کی قسم میرے دل سے عداوت رسول ﷺ بالکل جاتی رہی۔ اور بجائے اس کے ایسی ہی محبت حضور ﷺ کی دل میں پیدا ہو گئی۔ میں نے آرزو کی کہ مکہ کا موذن حضور ﷺ مجھ کو بنا دیں۔ آپ ﷺ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکہ میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسید سے مل کر موذنی پر مامور ہو گیا حضرت ابو محذورہؓ کا نام سمرہ بن معیر بن لوذان تھا۔ حضور ﷺ کے چار موذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے موذن رہے (رضی اللہ عنہ وارضا)۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا

مِنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶۲) لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۶۳)

کہہ دے کہ اے یہودیوں اور نصرانیوں! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں کے اکثر فاسق ہیں۔ کہہ کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور وہ جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی۔ جو کچھ چھپا رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے۔ تو دیکھے گا کہ ان میں کے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کے کھانے کی طرف لپک رہے ہیں جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں۔ انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

نافرمان گروہ کا بد انجام: حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں ان سے کہو کہ تم نے جو یہ ہم سے باندھ رکھا ہے اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے نہ سبب مذمت۔ یہ استثناء منقطع ہے اور آیت میں ہے ﴿ وما نقموا منھم ﴾ یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ اللہ عزیز و حمید کو مانتے تھے۔ اور جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وما نقموا ان اغناھم اللّٰہ من فضلہ ﴾ یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور رسول اللہ ﷺ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ فقیر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا۔ اور یہ کہ تم میں کے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہو اپنی رحمت سے دور ڈال دیا ہو اس پر غضب ناک ہوا ہو ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہونے کا اور جن میں سے بعضوں کی صورتیں بگاڑ دی ہوں بندر اور سور بنا دیئے ہوں۔ اس کا پورا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندر اور سور وہی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے ان کی نسل ہی نہیں ہوتی ان سے پہلے بھی سور اور بندر تھے۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے مسند میں ہے جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی، جیسے بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے انہیں میں سے بعضوں کو غیر اللہ کا پرستار بنا دیا۔ ایک قراءت میں اضافت کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے یعنی انہیں بتوں کا غلام بنا دیا۔ حضرت بریدہ اسلمی اسے ﴿ عابد الطاغوت ﴾ پڑھتے تھے۔ ابو جعفر قاری سے ﴿ وعبد الطاغوت ﴾ بھی منقول ہے، پھر اس کے معنی میں دوری پڑ جاتی ہے لیکن فی الواقع دوری بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو جن میں طاغوت کی عبادت کی گئی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو حالانکہ ہم موحد ہیں، صرف ایک اللہ برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ یہ سب باتیں تم میں پائی گئیں۔ اس لئے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر و منزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار راستی پر ہونے کے بہت دور کی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔

اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ نہیں۔ مشارکت یہاں سرے سے ہے ہی نہیں' جیسے اس آیت میں ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴾

پھر منافقوں کی ایک بد خصلت بیان ہو رہی ہے کہ ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے اظہار ایمان کرتے ہیں۔ اور ان کے باطن کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس آتے ہیں تو کفر کی حالت میں اور تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اسی حالت میں۔ تیری باتیں' تیری نصیحتیں ان پر کچھ بھی تو اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی' جس سے کام پڑتا ہے وہ تو عالم الغیب ہے' دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔ تو دیکھ رہا ہے کہ یہ گناہوں پر' حرام پر' اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان علماء اور پیروں کے اعمال بھی بدتریں ہو گئے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لئے اس سے زیادہ سخت آیت قرآن میں کوئی نہیں۔

حضرت ضحاکؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علی ؓ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا' لوگو! تم سے اگلے لوگ اسی بناء پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے اور ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے۔ جب یہ عادت ان میں پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں' پس تمہیں چاہیئے کہ بھلائی کا حکم کرو' برائی سے روکو اس سے پہلے تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس قوم میں کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آ پڑے گا۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

وقف لازم

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے' جو کچھ تیری طرف تیرے رب تعالیٰ کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں اور بڑھا دیتا ہے ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے' یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔ اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے اور اگر یہ لوگ توراۃ و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے' ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے' باقی ان میں کے اکثر لوگوں کے بڑے برے اعمال ہیں۔

یہودیوں کی اللہ کی شان میں گستاخی: ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو بخیل کہتے تھے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کو فقیر بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس ناپاک مقولہ سے بہت بلند و بالا ہے پس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں سے مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے' فرماتا ہے' ﴿لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے بھی زیادہ پھیلا دے کہ پھر تکان اور ندامت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے۔ پس بخل سے اور اسراف سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں روکا پس ملعون یہودیوں کا بھی ہاتھ بندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فنحاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسے پیٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شاس بن قیس نے یہی کہا تھا۔ جس پر یہ آیت اتری اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں۔ یہ ذلیل تر لوگ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہیں' وہ بہت کچھ خرچ کرتا رہتا ہے اس کا فضل وسیع ہے اس کی بخشش عام ہے ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں' ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے۔ فرماتا ہے:۔ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ تم نے جو مانگا اللہ تعالیٰ نے وہ دیا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے۔ مسند میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ پر ہے۔ دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں۔ شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا ہے' اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا اسی کے ہاتھ میں فیض ہے یا قبضہ ہے' وہی بلندی اور پستی کرتا ہے' اس کا فرمان ہے کہ لوگو! تم میری راہ میں خرچ کرو تم دیئے جاؤ گے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ پھر فرمایا جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اے نبی ﷺ! تیرے پاس بڑھیں گی اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور جلاپا بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم واطاعت بڑھتی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ﴾ ایمان والوں کے لئے تو یہ ہدایت و شفا ہے' اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہیں' یہی ہیں جو دور دراز سے پکارے جاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و بیر بھی قیامت تک نہیں ہٹنے کا۔ ایک دوسرے کے آپس میں ہی خون پینے والے یہ لوگ ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں یہ اپنے ہی دین میں فرقے فرقے ہو رہے ہیں۔ جھگڑے اور عداوتیں ان میں آپس میں چلی جا رہی ہیں اور جاری ہی رہیں گی۔ یہ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں' چوطرف ایک آگ تیرے خلاف بھڑکانا

چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں۔ ان کا مکر ان ہی پر لوٹ جاتا ہے یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ کسی مفسد کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست نہیں بناتا۔ اگر یہ باایمان اور پرہیزگار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور مقصود سے انہیں ملادیں۔ اگر یہ توراۃ وانجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ توراۃ وانجیل کا ماننا اس قرآن کے ماننے کو لازم کر دے گا' ان کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے اس کی اور نبی ﷺ آخر الزمان ﷺ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں کو بغیر تحریف و تبدیل اور تاویل و تفسیر کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت کریں گی جو آنحضرت ﷺ بتلاتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کے فائدے بھی دے گا اور آسمان سے پانی برسائے گا۔ زمین سے پیداوار اگائے گا' نیچے اوپر کی یعنی زمین آسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ﴾ یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتیں نازل فرماتے۔ اور آیت میں ہے ﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ ﴾ لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو پڑا' اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے۔ بعضوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرنے سے خیر میں ہو جاتے۔ لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے۔ ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک اثر وارد کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ علم اٹھالیا جائے یہ سن کر حضرت زیاد بن لبید ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اٹھ جائے ہم نے قرآن سیکھا اپنی اولادوں کو سکھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا افسوس! میں تو تمام مدینہ والوں سے زیادہ تم کو سمجھدار جانتا تھا' تو نہیں دیکھتا کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی توراۃ انجیل ہے لیکن کس کام کی' جب کہ انہوں نے احکام اللہ تعالیٰ چھوڑ دیئے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہو گی۔ اس پر حضرت ابن لبید ؓ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم قرآن پڑھے ہوئے ہیں اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں وہ اپنی اولادوں کو پڑھائیں گے یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے جواب میں وہ فرمایا جو اوپر بیان ہوا۔

پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے مگر اکثر بداعمال ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے والا بھی تھا۔ اور قوم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے ﴿ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ﴾ ان میں کے باایمان لوگوں کو ہم نے ان کے ثواب عنایت فرمائے یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا بیان فرمایا اور اس امت میں یہ درجہ دوسرا درجہ ہے جس پر ایک تیسرا اونچا درجہ بھی ہے۔ فرمایا ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا ﴾ پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا' ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔ پس یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ ؓ کے سامنے حضور ﷺ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکہتر گروہ ہو گئے جن میں سے ایک تو جنتی ہے باقی ستر دوزخی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے ایک جنتی باقی اکہتر دوزخی۔ میری یہ امت ان دونوں سے بڑھ جائے گی' ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا باقی بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں۔ یعقوب بن یزید کہتے ہیں کہ جب حضرت علی ؓ بن ابی طالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ﴾ اور ﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ بھی پڑھتے اور فرماتے اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ لیکن یہ حدیث ان لفظوں میں اور اس سند سے بے حد غریب ہے' اور ستر سے اوپر اوپر فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے فالحمد للہ۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

اے رسول! پہنچادے جو کچھ بھی تیری طرف تیرے رب تعالیٰ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے رسالت اللہ تعالیٰ ادا نہیں کی' تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا۔

حضرت محمد ؐ نے رسالت کا اور اللہ کے حفاظت حق ادا کر دیا: اپنے نبی ﷺ کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچادو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو تجھ سے کہے کہ حضور ﷺ نے کسی اللہ کے نازل کردہ حکم کو چھپالیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے اور جگہ پر مطول بھی ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ اگر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپاتے وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تو لوگوں سے جھینپ رہا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ ابن عباس ؓ سے کسی نے کہا لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضور ﷺ نے ایسی بتائی ہے جو اور لوگوں سے چھپائیں تھیں' تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم اللہ تعالیٰ کی ہمیں حضور ﷺ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا (ابن ابی حاتم)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپ ؓ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و درایت کے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو دے' اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں' قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں' اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر ﷺ کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمے قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی سب باتیں پہنچادیں' اس کی گواہ آپ ﷺ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ ﷺ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی اس میں سب نے اس امر کا اقرار کیا' یعنی حجۃ الوداع کے خطبہ میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہ ؓ کا گروہ عظیم تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا تم میرے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے سب نے کہا ہم اری گواہی ہے۔ کہ آپ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا۔ اور ہماری پوری خیر خواہی کی آپ ﷺ نے ہاتھ اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف جھک کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا' اے اللہ تعالیٰ کیا میں نے پہنچا دیا؟ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو! یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا حرمت والا۔ پوچھا کہ لوگو! یہ کونسا شہر ہے جواب ملا حرمت والا۔ فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا۔ فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبروئیں آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے' پھر بار بار اسی کو دھرایا پھر اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ تعالیٰ! کیا میں نے پہنچا دیا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ آپ ﷺ کے رب تعالیٰ کی طرف آپ کو وصیت تھی پھر حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ پہنچا دے۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا۔ کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔ امام بخاریؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر تو نے میرے فرمان بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔ پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے اگر ایک آیت بھی چھپالی تو رسالت توڑ دی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچادو تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں میں کس طرح کروں۔ تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا کام بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمے ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں۔ بے کھٹکے رہ' کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس آیت سے پہلے حضور ﷺ اپنا پہرہ رکھتے تھے لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضور ﷺ بیدار تھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ کوئی میرا نیک بخت صحابی آج پہرا دیتا۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں۔ فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ رات بھر حضور ﷺ کی چوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضور ﷺ با آرام سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی بخاری و مسلم ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ ﷺ نے خیمے سے سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا جاؤ' اب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آگیا ہوں' تمہاری چوکیداری کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں' میں اللہ تعالیٰ کے بچاؤ میں آگیا ہوں' لیکن یہ روایت غریب ہے اور منکر ہے۔ یہ واقع ہو تو مکہ کا ہو' اور یہ آیت تو مدنی ہے بلکہ مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جان ہونے کے ہر ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ ﷺ کا بال تک بیکانہ کر سکے۔ ابتدا رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بااثر شخص تھے' انکی طرف سے آپ ﷺ کی حفاظت ہوتی رہی۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت و عزت ڈال دی' یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی' اگر شرعی ہوتی تو قریش حضور ﷺ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ انصار کے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی شرعی محبت پیدا کر دی آپ ﷺ انہیں کے ہاں چلے گئے۔ اب تو مشرکین بھی اور یہودی بھی بھڑ بھڑا کر نکل کھڑے ہوئے بڑے بڑے باسامان لشکر لے کر چل دوڑے۔ لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں قدرت نے بھی انہیں پر الٹ دیں' ادھر وہ جادو کرتے ہیں ادھر سورہ معوذ تین نازل ہوتی ہیں اور ان کا جادو اتر جاتا ہے۔ ادھر وہ ہزاروں جتن کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضور ﷺ کی دعوت کر کے آپ ﷺ کے سامنے رکھتے ہیں ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس دھوکہ دہی سے آگاہ فرماتے ہیں اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں۔ اور بھی ایسے واقعات آپ ﷺ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ ایک سفر میں آپ ﷺ ایک سایہ دار درخت تلے جو صحابہؓ اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ ﷺ کے لئے چھوڑ دیتے تھے' دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اچانک آپہنچا' آپ ﷺ کی تلوار جو اسی درخت پر لٹک رہی تھی اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ ﷺ سے کہنے لگا' اب بتاؤ کون ہے جو تجھے بچالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے بچائے گا۔ اسی وقت اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنوانمار سے غزوہ کیا' ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ﷺ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے جو بنو ایک کے شخص حارث نامی نے کہا' دیکھو اب میں محمد ﷺ کو قتل کرتا ہوں لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار میں پرلے پار کر دوں گا۔ یہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ ﷺ سے تلوار دیکھنے کو مانگی' آپ ﷺ نے اسے دے

دی' لیکن تلوار اس کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی' تو آپ نے فرمایا تیرے بد اور تیرے ارادے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری۔ غورث بن حارث کا بھی ایسا ہی قصہ مشہور ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہؓ کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے آنحضرت ﷺ کے لئے گھنے سائے والا بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ ﷺ اس کے زیر سایہ آرام فرمائیں۔ ایک دن آپ ﷺ اسی طرح ایسے درخت کے نیچے سو گئے اور آپ ﷺ کی تلوار اسی درخت میں لٹک رہی تھے۔ ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بچائے گا' تلوار رکھ دے۔ وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ حکم برداری کرنی ہی پڑی اور تلوار آپ ﷺ کے سامنے ڈال دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک موٹے آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لئے بہتر تھا ایک شخص کو صحابہؓ پکڑ کر آپ ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ یہ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھبرا نہیں گو تو ارادہ تو ارادہ کرے لیکن اللہ اسے پورا نہیں کرے گا۔ پھر فرماتا ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے' ہدایت رب کے ہاتھ ہے وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا' تو پہنچا دے حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ توراۃ و انجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ' جو کچھ تیری جانب تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں کے اکثروں کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی۔ تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو۔ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا۔

ایمان دار بننے کے لئے شرط: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ تعالیٰ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جوں جوں قرآن اترتا ہے' توں توں یہ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبی ﷺ! تو ان کافروں کی طرف سے حسرت افسوس کر کے کیوں اپنی جان میں گھن لگا ہے؟ صابی نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی' اور یہ ایک گروہ تھا یہود نصرانیوں دونوں میں سے مثل مجوسیوں کے قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ زبور پڑھتے تھے' غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہبؒ فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانتے تھے' کسی شریعت پر عامل نہ تھے۔ ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ عراق کے متصل آباد تھے۔ بکوثی کہے جاتے تھے' نبیوں کو مانتے تھے' ہر سال تمیں روزے رکھتے تھے' اور یمن کی طرف منہ کرتے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے اس کے سوا اور قول بھی

ہیں چونکہ پہلے دو جملوں کے بعد ان کا ذکر آیا تھا اس لئے رفع کے ساتھ عطف ڈالا۔ ان تمام لوگوں سے جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ امن و امان والے بے ڈر اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک عمل کریں۔ اور یہ ناممکن ہے جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان نہ ہو جو کہ تمام جن و انس کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ ﷺ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس جملے کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشاء کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تو تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی سزا نہ ہو گی پس اندھے بہرے بن بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ ان پر متوجہ ہوا اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر اندھے بہرے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی: اللہ تعالیٰ نے یہودی و نصاریٰ سے وعدے لئے تھے کہ وہ اللہ کے احکام پر عامل اور وحی کے پابند رہیں گے۔ لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا اور اپنی رائے و خواہش کے پیچھے لگ گئے کتاب اللہ کی جو بات انہوں نے اپنی منشا اور رائے کے مطابق پائی مان لی جس میں خلاف نظر آیا ترک کر دی اور نہ صرف اتنا ہی بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت رسولوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ انکے لائے ہوئے احکام ان کی رائے و قیاس کے خلاف تھے اتنے بڑے پاپ کے بعد بھی بے فکر ہو کر بیٹھے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہو گی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا ہوئی یعنی وہ حق سے دور ڈال دیئے گئے اور اس سے اندھے بہرے بنا دیئے گئے نہ حق کو سنیں نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی لیکن اس کے بعد ان میں کے اکثر ایسے ہی ہو گئے کہ حق سے نابینا اور حق کے سننے سے محروم۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْ

لُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ
يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ
ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ہی اللہ ہے' حالانکہ خود مسیح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے' دراصل سوا اللہ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں انہیں المناک عذاب ضرور پہنچیں گے۔ یہ لوگ کیوں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ اس کی ماں ایک ولیہ عورت تھیں' دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے' دیکھ تو کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پلٹائے جاتے ہیں۔

مشرک پر جنت حرام ہے: نصرانیوں کے فرقوں کی یعنی ملکیہ' یعقوبیہ' نسطوریہ کے کفر کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں' اللہ ان کے قول سے پاک منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ تعالیٰ کے غلام تھے' سب سے پہلا کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی یہ تھا کہ ﴿ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ ﴾ میں اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرتے رہو' سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی قول اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو' اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے' اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا' جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہو گا دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے۔ سورۂ نساء کی آیت اَنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرمایا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہو گا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک مانتے تھے۔ یہودی عزیز علیہ السلام کو اور نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا ایک مانتے تھے۔ لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے وہ باپ بیٹا اور اس کے کلمے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا اللہ تعالیٰ مانتے تھے پھر ان تین کے مقرر کرنے میں بہت بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق یہ ہے کہ سب کے سب کافر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی ماں کو اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر اللہ تعالیٰ مانتے تھے اسی کا بیان اس سورۃ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے فرمائے گا کیا تم نے لوگوں

سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو۔ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے' واللہ اعلم۔ دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات پاک کے اور کوئی نہیں تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود برحق وہی ہے اگر یہ اپنے اس کفریہ قول سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم وجود و بخشش وانعام کو لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم کے اور اتنی اشد بے حیائی کے اور کذب وافتراء کے انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ' ابھی سب معاف فرما دوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہی تھے ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں' جیسے فرمایا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ وہ ہمارے غلام ہی تھے ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی۔ اور بنی اسرائیل کے لئے قدرت کی ایک نشانی بنائی والدہ عیسیٰ علیہ السلام مومنہ اور سچائی والی تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ نبیہ نہ تھیں' کیونکہ یہ مقام وصف ہے تو بہترین وصف جو آپ کا تھا وہ بیان کر دیا اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزمؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحاق علیہ السلام اور ام موسیٰ علیہ السلام اور ام عیسیٰ علیہ السلام نبیہ تھیں' اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مریم رضی للہ عنہا سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمان ہے ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾ ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلا۔ لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں رہی جیسے قرآن کا فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ الخ تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا وہ باہر بھی آئے گا پس ثابت ہوا کہ وہ بھی اوروں کی مثل بندے ہی تھے الوہیت ان میں نہ تھی۔ دیکھ کر تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی حجتیں پیش کر رہے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں؟ کیسے گمراہ مذاہب لے رہے ہیں اور کیسے ردی اور بے دلیل اقوال کو گرہ میں باندھے ہوئے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾

کہہ دے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے: معبودان باطل کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع کو پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم کیوں انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے تمام چیزوں سے باخبر اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر بے سمع وبصر' بے ضرر بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کونسی عقلمندی ہے؟ اے اہل کتاب! اتباع حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہوا اتنی

ہی اس کی توقیر کرو۔ انسانوں کو جنھیں اللہ نے نبوت دی ہے نبوت کے درجے سے الوہیت کے درجے تک نہ پہنچاؤ' جیسے کہ تم جناب مسیح کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں' مرشدوں' استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو وہ خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں' استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گزر گیا' ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہوئے عرصہ ہو گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں تھا بڑا پابند دین اللہ' ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے وہی تم بھی کر رہے ہو اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو عام لوگوں میں تمہاری قدر ہو گی نہ شہرت' تمہیں چاہیے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو' اسے لوگوں میں پھیلاؤ پھر دیکھو کہ کیسی شہرت ہوتی ہے' اور کس طرح جگہ بہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی وہ بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور ایک زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی' سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جواب یہ ملا کہ میری ہی خطا صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا' میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا' بس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔ ان میں کے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی ﷺ پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے' لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

بنی اسرائیل پر لعنت کے اسباب: ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پا چکے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان تھے اور مخلوق اللہ تعالیٰ پر ظالم تھے۔ توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برے کاموں پر دیکھتے تھے لیکن گھنی سادھے بیٹھے رہتے تھے۔ حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے' اور کوئی کسی کو روکتا نہ تھا یہ تھا ان کا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گنہگاریاں شروع ہوئیں تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہ کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بھڑا دیے اور

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت نازل فرمائی کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم تھے اس کے بیان کے وقت حضور ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے' اور فرمایا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکو اور شریعت کی پابندی پر لاؤ۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع شریف کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا' اس سے کہتا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے یہ حرام ہے' لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا اس وجہ سے سب میں ہی سنگ دلی آ گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اس پوری آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کرو' برائیوں سے روکو' ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ کرو کہ حق پر آ جائے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دل بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مار دے گا اور تم پر بھی اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی۔ اس بارے کی اور بہت سی احادیث ہیں کچھ سن بھی لیجئے۔ حضرت جابرؓ والی حدیث تو آیت ﴿لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ الخ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابو ثعلبہؓ کی احادیث آئیں گی' انشاء اللہ تعالیٰ۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ یا تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دیگا پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے (مسلم)۔ مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں' اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کی خطائیں ہونی شروع ہو جائیں' جو وہاں ہو اور ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو' ایک روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو وہاں موجود نہ ہو وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ لوگوں کے عذر جب تک منقطع نہ ہو جائیں وہ ہلاک نہ ہوں گے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ خبردار کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے روک نہ دے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو سعید خدریؓ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ افضل جہاد حق کلمہ ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جمرہ اولیٰ کے پاس حضور ﷺ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاد کونسا ہے آپ خاموش رہے پھر آپ ﷺ جمرہ ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ ﷺ خاموش رہے جب جمرہ عقبہ پر کنکر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور! میں حاضر ہوں فرمایا حق کلمہ ظالم بادشاہ کے سامنے کہدینا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا حضور! یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو گی کہ فلاں موقع پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں سب سے زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے خوف کھائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور تو لوگوں سے خوف کھا گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تئیں ذلیل نہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ ابن ماجہ میں

ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی ظاہر ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوا تھا۔ ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کمینے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا' بڑے آدمیوں میں بدکاری آ جانا' رذالوں میں علم کا آ جانا۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ رذالوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم آ جانا ہے۔ اس حدیث کی شاہد ابو ثعلبہؓ کی حدیث ہے جو یہ آیت ﴿ لا یضرکم ﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لیے برا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے' اسی کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن دائمی عذاب بھی ان کے لیے آگے آ رہے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اے مسلمانو! زناکاری سے بچو اس سے چھ برائیاں آتی ہیں تین دنیا میں تین آخرت میں اس سے عزت و وقار رونق و تازگی جاتی رہتی ہے۔ اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے۔ اس سے عمر گھٹتی ہے۔ اور قیامت کے دن کی تین برائیاں یہ ہیں اللہ تعالیٰ کا غضب' حساب کی سختی اور برائی' جہنم کا خلود۔ پھر حضور ﷺ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث ضعیف ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ لک کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے دراصل بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں' اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا' اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں' یہ اس لیے کہ ان میں دانشمند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

عیسائی بہ نسبت یہودیوں کے مسلمانوں کے قریب ہیں: یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابو طالبؓ نے قرآن شریف پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں لیکن یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینہ طیبہ میں اتری ہیں اور حضرت جعفرؓ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ سے ملیں حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ کے حالات و صفات دیکھیں' اور آپ ﷺ کا کلام سنیں۔ جب یہ آئے آپ ﷺ سے ملے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا۔ نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے ہی میں انتقال ہو گیا۔ مگر صحیح روایات سے ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ ان کے انتقال کے دن ہی

حضور ﷺ نے صحابہ ؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے، اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے، فاللہ اعلم۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں جن کے اوصاف آیت میں بیان ہیں یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔ ابن جریرؒ کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا اور کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں، حق کے مقابلہ میں بگڑ بیٹھتے ہیں، حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں، ان سے بغض و بیر باندھتے ہیں، علم سے کورے ہیں۔ علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں، یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود پیغمبر آخر الزمان احمد مجتبیٰ حضرت محمد ﷺ کے قتل کا بھی ارادہ کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپ ﷺ کو زہر دیا، آپ ﷺ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بدباطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور ﷺ پر حملے کئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد اور ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب۔ ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں، انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے یہ اس لیے کہ ان میں نرم دلی ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے۔ ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے کلے پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں کلہ بھی پیش کر دے، ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں۔ ﴿قِسِّیْسٌ﴾ اور ﴿قِسٌّ﴾ کی جمع ﴿قِسِّیْسِیْنَ﴾ ہے، ﴿قُسُوْسٌ﴾ بھی اس کی جمع آتی ہے۔ ﴿رہبان﴾ جمع راہب کی، راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے رہب سے اور رہبت کے معنے ہیں خوف اور ڈر کے جیسے ﴿راکب﴾ کی جمع ہے رکبان ہے اور ﴿فَارِس﴾ کی جمع ﴿فُرْسَانٌ﴾ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کبھی ﴿رُهْبَان﴾ واحد کے لیے بھی آتا ہے اور اس کی جمع ﴿رَهَابِیْنَ﴾ آتی ہے، جیسے ﴿قُرْبَان﴾ اور ﴿قَرَابِیْن﴾ اور ﴿جُوْزَان﴾ اور ﴿جَوَازِیْن﴾ اور کبھی اس کی جمع ﴿رَهَابِنَه﴾ بھی آتی ہے، عرب کے شعروں میں بھی لفظ رہبان واحد کے لیے آیا ہے۔ حضرت سلمان ؓ سے ایک شخص ﴿قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا﴾ پڑھ کر اس کے معنے دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ ﴿قِسِّیْسِیْنَ﴾ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ، مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے ﴿صِدِّیْقِیْنَ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھایا ہے۔ (بزار اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں، ان میں عالموں کا ہونا، ان میں عابدوں کا ہونا، ان میں تواضع فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

﴿الحمدللہ﴾ تفسیر ابن کثیر کا چھٹا پارہ ختم ہوا۔